فتاویٰ الدین الخالص

اردو

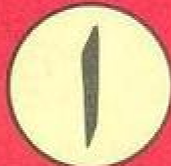
کتبہ شد ۱۴۲۹

تالیف

فضیلۃ الشیخ ابو محمد امین اللہ پشاوری

حفظہ اللہ تعالیٰ





ترجمہ

فضیلۃ الشیخ علامہ عبدالقیوم حفظہ اللہ

شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ اسلام آباد

مکتبہ محمدیہ

منگل مارکیٹ گنج پشاور Mob: 0301-8828402

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

فتاویٰ

الدین الخالص

اُردو



ابی محمد امین اللہ البشاوری حفظہ اللہ

مکتبہ محمدیہ

منگل مارکیٹ گنج پشاور Mob: 0301-8828482



تعارف مترجم "حفظه الله ورعاه"

شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم (حفظہ اللہ) کی پیدائش (۱۹۵۲ء) میں علاقہ گندف صوابی صوبہ سرحد پاکستان میں ہوئی۔
ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کرنے کے بعد میٹرک کا امتحان دیکر ممتاز پوزیشن سے حاصل کی۔
اسکے بعد سن (۱۹۸۵ء) میں ایم اے اسلامیات کا امتحان دیکر اعلیٰ ڈگری حاصل کر لی۔
اور دینی علوم وفنون (درس نظامی) مکمل کرنے کے بعد جامعہ تدریس القرآن والسنۃ راولپنڈی سے دورہ حدیث کر کے سند فراغت حاصل کر لی۔
اور (۱۹۷۷ء) سے تا (۲۰۰۲ء) تک پچیس سال جامعہ اثریہ پشاور میں تدریس علوم اسلامیہ کے لئے بحیثیت معلم مقرر رہا اور پھر الجامعۃ السلفیہ اسلام آباد پاکستان میں بمنصب شیخ الحدیث مقرر ہوئے، جو اَب تک اسی جامعے میں دینی علوم وفنون اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور طلبائے دین متین کی تربیت میں ہمہ تن مشغول ومصروف ہیں۔
شیخ صاحب۔ ماشاء اللہ۔ بیک وقت چار زبانوں (عربی، اردو، فارسی، پشتو) پر مقتدر ہیں ترجمہ کرنے اور مضمون نگاری کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔
اللہ تعالیٰ انہیں (اور ہمیں) دین قویم کی خدمت اور امت مسلمہ کی تربیت اور کتاب وسنت کی دعوت کی مزید توفیق عطا فرمائیں آمین۔

الرقوم: سنہ (۲۰۱۰/۱/۲۵)ء۔ الموافق (۱۴۳۱/۲/۱۰) ہجری۔ والسلام خیر ختام۔

مکتبہ محمدیہ

بیرون گنج گیٹ منگل مارکیٹ پشاور شہر

W = 0301-8828402



مؤلف (حفظہ اللہ) کی ابتدائی کلمات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾

﴿ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ﴾

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ، یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴾

اَمَّا بَعْد: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی روحانی وجسمانی تربیت کرنا بندوں پر اسکی رحمت کا حصہ ہے اس لیے ارواح کی تربیت و تفریح، انبیاء ورسولوں پر اتاری ہوئی تعلیمات کی اتباع میں اور دلوں کا اطمینان اپنے ذکر میں رکھا ہے ﴿ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (خبردار! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) (الرعد:۲۸)۔

پس جو کوئی ذکر وتلاوت کے علاوہ کسی اور چیز میں لذت وسرور کا متلاشی ہو اور جو چہرے پر رونق وتازگی اتباع آیات کے علاوہ کسی اور چیز سے حصول کا متمنی ہو تو اس نے قصد محال کیا ہے اور اس نے اپنی عمر کے قیمتی لمحات محاذ آرائی کے نذر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں کی جبلت میں یہ رکھا ہے کہ یہ اپنے مالک کے لیے بے قرار رہتے ہیں اور انہیں اس کے ذکر اور تعلق احکام سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اسکی عبادت سے ہی مسرور ہوتے ہیں کہ اسی عبادت کے لیے وہ پیدا کئے گئے ہیں اور سارے عالم کی تخلیق کا بھی یہی ہدف ہے جب عبادت ہی مقصد اعلیٰ ہے تو دنیا وآخرت میں نجات چاہنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم وعمل اور قصد وارادے میں عبادت کی طرف متوجہ ہو، تاکہ جنات نعیم میں انبیاء شہداء اور صالحین کے ساتھ اسے کامیابی حاصل ہو، عبادات اور احکام شرعی کا مصدر کتاب وسنت ہے اور کتاب وسنت کے علاوہ کہیں اور سے عبادات واحکام شرعیہ دستیاب نہیں ہو سکتے، مسلم پر واجب ہے کہ وہ

انہی دو مصدروں سے دین کی سمجھ حاصل کرے۔ کیونکہ شریعت غراء کے یہی دو اصل ہیں۔ دین کی سمجھ بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک گرانمایہ نعمت ہے جیسے حدیث صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں دین کی سمجھ حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (التوبة آیت: ١٢٢)

''اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تا کہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تا کہ وہ ڈر جائیں''۔

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: تم میں سے جو جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں بشرطیکہ فقاہت حاصل کی ہو۔ پس مسلمان کے لیے اپنی زندگی میں دین سیکھنے اور اسکی سمجھ حاصل کرنے کی بڑی ضرورت ہے کیونکہ اچھی اور سعادت والی زندگی اسے ہی نصیب ہو سکتی ہے جو ایمان واحکام شرعی اور آداب وعادات نبوی سے اپنے آپ کو مُزیّن کرے۔ اور اس دین میں عقائد وعبادات معاملات واخلاق سمیت تمام امور میں بندوں کے لیے کفایت موجود ہے لیکن اس سے بہرہ ور وہی ہو سکتا ہے جو اس دین کا حق ادا کرے اور اپنی تمام خواہشات پر مقدم رکھے اور عقلیات وسیاسیات، ذوق وقیاس کو اس پر ترجیح نہ دے اور جو کتاب وسنت سے استدلال کی بجائے ذہنی اختراعات قیل قال کی پیروی کرے تو وہ کیسے اس پاک باز طائفہ کا ساتھی بن سکتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نجات سے نوازا اور اپنی کتاب سے رفعتیں بخشیں اور دنیا وآخرت میں انہیں مُزیّن فرمایا۔

کتاب کا سبب تالیف:

اس فتاوی کی تالیف کا سبب متعدد امور ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱)- **اول**: بعض مخلص بھائیوں کی تجویز اور مسلسل اصرار کہ اس کتاب کو طبع کر دیا جائے تا کہ افادہ عام ہو، میں نے مسائل اور شرعی احکام بادلائل جمع کرر کھے تھے تا کہ علم وافتاء اور دعوۃ الی اللہ میں اگر کوئی مسئلہ بیان کرنے کی ضرورت ہو تو علی وجه البصيرة بیان کیا جا سکے۔ لیکن اس کتاب کو قراء کرام کی خدمت میں پیش کرنے سے ہچکچاہٹ تھی ایک تو تالیف وطباعت کی صعوبت کا سامنا تھا تو دوسری طرف اپنی علمی کم مائیگی کا احساس تھا۔ لیکن جب دعوۃ الی اللہ کے شیدائی دوستوں کا مطالبہ صورۃ الحاح اختیار کر گیا تو میں نے انکی دعوۃ پر لَبَّيْكَ کہکر منگل (١٤١٥/١٥/١٢ھ) مسودے کی تَبْيِيض کے کام کی ابتداء کر دی۔

(۲) - **دوم**: دعوة الى الله ورسوله کی محبت کیونکہ جیسے زبان سے ہوتی ہے اس طرح ہاتھ اور قلم سے بھی ہوتی ہے جیسے

کہ حدیث میں ہے، "أَوْعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ" صدقہ جاریہ میں ایک علم ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں۔ تاکہ اس حدیث پر عمل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا امتثال بھی ہو۔

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (النحل: آیت ۱۲۵)

"اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے"۔

اللہ کی توفیق سے یہ فتاویٰ بھی دعوت کے ان تینوں طریقوں پر مشتمل ہے۔

(۳) - **سوم :** شرعی مسائل میں ایسے فتاویٰ کی موجودگی جو بعض فقہاء کی کتابوں کی تقلید میں تالیف ہوئے ہیں۔

اگر چہ انہوں نے اپنے ان فتاویٰ کو "مُـدَلَّـل" کہا ہے لیکن ان میں کتاب سنت کا ذکر بہت کم اور وہ بھی دلیل کے طور پر نہیں بلکہ تبرک کے طور پر مذکور ملتا ہے۔ انکے نزدیک صرف فقیہ کا قول ہی دلیل ہے۔

شرعی مسائل میں بعض کتب موجود ہیں لیکن ان میں اختصار ہے، میں نے چاہا کہ مسلمان کی زندگی و موت سے متعلق اہم مسائل پر کتاب لکھوں جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے مُـدَلَّـل ہو اور انکی صحیح تفسیر ہو۔ ایسی کتابیں بڑی نادر ہیں کیونکہ اکثر فقہاء نے مذہب کی خدمت کی ہے اور سنت نبوی کی خدمت سے قاصر رہے ہیں۔ "عفانا اللہ و ایاھم"

(٤) - **چھارم :** امت اسلامیہ کو حق پر جمع کرنے کی کوشش کیونکہ مذاہب واقوال کی کثرت کی وجہ سے امت افتراق وتشتت کا شکار ہے اور ہر جماعت اپنے مکتب فکر پر ہی خوش ہے۔ صفوف امت میں اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ رب کی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے جو ہدایت ونصرت کی ضامن ہے اور اپنے نبی کی سنت پر عمل کیا جائے جس میں انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام امور کا حل ہے اور مختلف اقوال ومذاہب کے لیے تعصب کی بدعت کا قلع قمع کیا جائے۔

اور یہ امید تب برآئے گی جب کہ علمائے ربانی ایسی فقہی کتابیں مرتب کریں جو کتاب اور سنت صحیح سے مستنبط ہوں۔ اور دعوت صالح میں ایسے رسائل لکھیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے علاوہ شخصی، جماعتی اور گروہی تعصب سے پاک ہوں۔ اور اس مقصد حسین کے لیے دیگر تمام کوششیں بروئے کار لایا جائیں۔

(۵) - **پنجم : تمام دینی مسائل میں تحقیق کا شغف :**

کسی نے سچ کہا ہے "علم وتحقیق کی لذت تمام لذتوں سے بڑھ کر ہے"۔ اسی طرح ہر عالم کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے دین کو مہمل قرار دیکر پس پشت نہ ڈالے بلکہ حسب طاقت وتوفیق تحقیق لازم ہے اور جو دنیاوی امور کا تو اہتمام کرتا ہے اور دینی امور میں کوئی اہتمام نہیں کرتا، لوگوں کی تابعداری پر اکتفاء کرتا ہے تو دراصل شیطان خنّاس کے زیر دست ہے۔

حدیث میں ہے: "[لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ]"

(جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو وہ کامل مومن نہیں)۔

تو میں اس حدیث کی تعمیل چاہتا ہوں کہ تمام علماء اور مسلمان بھائی علم وتحقیق کی اس لذت سے آشنا ہوں جس کے دروازے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر کھولتا ہے۔

(٦) - **ششم**: رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر عمل کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اپنے ذمہ لے لیں گے اس علم کو بعد میں آنے والے اچھے لوگ جو اس علم سے حد سے بڑھنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کا جھوٹ اور جاہلوں کی تاویلوں کو دور کریں گے»۔

تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور سید المرسلین ﷺ کی سنتوں میں جاہلوں کی تاویلیں بمصداق حدیث مذکور بڑھ گئیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دفاع دین کی توفیق عنایت فرمائے۔

امتیازات ومنہج کتاب:

ہر کتاب وتالیف کا اپنا منہج ہوتا ہے کہ جس سے وہ کتاب دیگر کتب سے ممتاز ہوتی ہے اور کتاب کے مندرجات اسی منہج ومیزات کا نتیجہ ہوتے ہیں تو ہم اپنی کتاب کا منہج ومیزات درج ذیل نکات میں بیان کرتے ہیں:

○ **پہلا نکتہ**: یہ کتاب ایسے مسائل شرعی پر مشتمل ہے جو دنیا وآخرت میں مفید ہیں۔

○ **دوسرا نکتہ**: ہم نے اس مبارک مجموعے میں ہر مسئلے کے لیے اقوال وآراء کو چھوڑ کر حسب استطاعت صرف شرعی دلائل کا التزام کیا ہے اور تالیف کتاب ہذا کا یہ اہم نکتہ ہے۔

○ **تیسرا نکتہ**: اسی طرح ہم نے جو حدیث ذکر کی ہے اسکے مخرج کا حوالہ جلد وصفحہ کی قید کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس طرح ہر مسئلے کے مخارج علمائے امت کی کتب میں بھی بیان کردیئے ہیں تاکہ مزید تحقیق کے لیے باآسانی مراجعہ کیا جاسکے۔

○ **چوتھا نکتہ**: ہر مسئلے کی دلیل کے لیے جو حدیث ذکر کی ہے اسکی صحت وضعف مع اسماء رواۃ بیان کردیئے ہیں اور کبھی کبھی اس مسئلہ میں ذکر شدہ حدیث صحیح کے علاوہ بطور شواہد واعتبار ذکر کردہ دیگر احادیث میں یہ چیزیں ذکر نہیں کئے گئے، ان نکات کی وجہ سے الحمد للہ یہ کتاب موسوعہ علمیہ، موسوعہ فقہیہ، موسوعہ حدیثیہ اور موسوعۃ الرجال کی صورت اختیار کرگئی ہے، عالم کے پاس اس کتاب کا وجود بہت ساری کتب سے مستغنی کرسکتا ہے۔

○ **پانچواں نکتہ**: اس فتاویٰ میں ہر مسئلے میں دلیل کے مطابق جو صحیح یا راجح اقوال ہمیں معلوم ہوتے ہیں بیان کردیئے گئے ہیں تاکہ مسلمان کو اپنے دین کی دلیل معلوم ہو اور اس کا علم اور اس کی دعوت عَلٰی وَجْهِ الْبَصِيْرَةِ ہو کیونکہ اکثر اہل علم فقہ وغیرہ کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں مگر صحیح وضعیف میں امتیاز نہیں کرتے اور اختلافی مسائل کے راجح قول کی معرفت حاصل نہیں کرتے اور اکثر ائمہ میں سے کسی امام کی تقلید پر اکتفاء کرتے ہوئے دلیل کی جستجو کی زحمت نہیں کرتے۔

لیکن جو لوگ دین کو اہمیت دیتے ہیں اور خشیت الٰہی کی وجہ سے اپنے عمل کے بارے میں شرع کی موافقت و مخالفت کا انہیں کھٹکا رہتا ہے وہ ہمیشہ حق اور دلیل کی طلب میں عرق ریزی کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ انہیں اعمال صالحہ کرنے کے باوجود عدم قبولیت کا خوف ستائے رکھتا ہے تو ایسے احکام کا انہیں خوف کیوں نہ ہو اس پر عمل تو کیا جاتا ہے لیکن اسکی دلیل معلوم نہ ہو۔

○ **چھٹا نکتہ** : یہ فتاویٰ احکام کے ساتھ ساتھ عقیدہ، حدیث، تفسیر، معرفۃ فرق اور اہم جدید نادر مسائل پر بھی مشتمل ہے۔

○ **ساتواں نکتہ**: مسائل میں ہم نے تکرار سے اجتناب کیا ہے ہاں تفصیل اجمال اور وضاحت اشکال کے لیے کوئی مسئلہ دوبارہ، سہ بارہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔

○ **آٹھواں نکتہ**: ہم نے اس کتاب میں مذاھب علماء میں سے کسی معین مذہب کا التزام نہیں کیا بلکہ دلیل کو اہمیت دی خواہ حال اس کا کوئی بھی ہو۔ اور یہی تمام علماء اور عام مسلمانوں پر فرض ہے اور اسی میں ائمہ و مجتہدین کی تعمیل بھی ہے جو استنباط احکام میں امت میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

جیسے امام ابوحنیفہؒ، امام مالک بن انسؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ہم انکے بعض اقوال بطور تذکیر و عبرت ذکر کریں گے ان شاء اللہ، اسے بعض لوگ تلفیق کا نام دیتے ہیں جو جائز نہیں تلفیق نہیں بلکہ تحقیق ہے۔

حرام تلفیق یہ ہے کہ کوئی علماء کی رخصتوں کو دلیل کی رعایت کے بغیر قبول کرے لیکن جو کسی مسئلے میں ایک امام کا قول اور دوسرے مسئلے میں دوسرے امام کا قول دلیل کی بنیاد پر اختیار کرتا ہے تو یہی واجب ہے جیسے ہم نے کہا، اور علماء نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔

○ **نواں نکتہ** : ہم نے حتی الوسع کس مسئلے میں اختلاف کو ذکر کرنے سے اجتناب کیا ہے لیکن جہاں اسکا ذکر کرنا ضروری تھا اور اس میں اتحاد بَیْنَ الْمُسْلِمِیْن کا فائدہ تھا اور عاملین کے اِذھان میں واقع ہونا مطلوب تھا ذکر کر دیا گیا ہے کیونکہ مسائل میں کثرت آراء سے ذہن تَشَتُّت کا شکار ہوتا ہے اور حیرت بڑھتی ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو دلائل کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی عذر حجت باقی نہ رہے۔

○ **دسواں نکتہ**: امت مسلمہ کو یہ کتاب پیش کرتے ہوئے اختصار و تطویل سے اجتناب کیا ہے۔

شروع میں میں نے صرف مسئلہ اور حوالہ ذکر کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن مقصد کے عدم حصول کی وجہ سے ترک کر دیا اور اب الحمد للہ کتاب میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور نہ ہی اجمال و تفویت۔



اتباع سنت اور ترک تقلید میں اہل علم کے اقوال :

ائمہ دین سے تواتر سے ثابت ہے کہ انہوں نے بلا دلیل تقلید سے منع فرمایا ہے ان اقوال کا یہاں ذکر کرنا فائدے سے خالی نہیں، اس میں مؤمنوں کے لیے وعظ و نصیحت ہے اور ان کے لیے بھی جو ان ائمہ کی یا ان سے کم مرتبہ لوگوں کی اندھی تقلید (۱) کرتے ہیں اور انکے اقوال و مذاہب کو اس طرح مانتے ہیں گویا کہ وہ آسمان سے اتری ہوئی وحی ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الاعراف ۳)

(تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمھارے رب کی طرف سے آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو)۔

(۱) - امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ :

ائمہ میں پہلے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ہیں ان سے ان کے اصحاب نے مختلف متنوع عبارتوں میں نقل کئے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کو قبول کرنا فرض ہے اور احمد کی حدیث کے مخالف آراء میں ترک تقلید فرض ہے۔

۱- : [اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ]. (جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے وہی میرا مذہب ہے)۔

۲- : [لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّأْخُذَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ اَيْنَ اَخَذْنَاهُ]

(ہمارا قول لینا کسی کے لیے حلال نہیں جب تک یہ جان نہ لے کہ ہم نے کہاں سے لیا ہے)۔

اور ایک روایت میں ہے: [حَرَامٌ عَلٰى مَنْ لَمْ يَعْرِفْ دَلِيْلِيْ اَنْ يُّفْتِيَ بِكَلَامِيْ] (۲)

''ہماری دلیل معلوم کئے بغیر ہمارے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے''۔

---

(۱) اور یہ وہ تقلید ہے جسے طحاویؒ نے ان الفاظ میں ذکر کی ہے: (لَا يُقَلِّدُ اِلَّا عَصَبِيٌّ اَوْ غَبِيٌّ)۔
(تقلید تو صرف اور صرف متعصب اور نادان شخص کرتا ہے)۔ اسے ابن عابدین نے رسم المفتی (۳۲/۱) میں نقل کی ہے۔

(۲) یہ سارے اقوال ابن عابدین نے رد المحتار (۶۳/۱) میں نقل کی ہے جو شامی سے معروف ہے۔ اور رسم المفتی (۴/۱)، فتاوی دیو بند (۶۵/۱)، ایقاظ ھمم اولی الابصار ص (۶۲) میں شیخ صالح فلانی اور میزان (۵۵/۱) میں شعرانی نے، اعلام الموقعین (۳۰۹/۲) و (۳۴۴/۲) میں ابن قیم نے۔ الانتقاء ص (۱۴۵) میں حافظ ابن عبد البرؒ نے۔

اور ایک روایت میں یہ زیادت ہے: [فَإِنَّا بَشَرٌ نَقُوْلُ الْقَوْلَ الْيَوْمَ وَنَرْجِعُ عَنْهُ غَدًا]

''ہم انسان ہیں آج ایک قول کرتے ہیں کل اس سے رجوع کرتے ہیں''۔

ایک دوسری روایت میں ہے: [وَيْحَكَ يَا يَعْقُوْبُ (وَهُوَ اَبُوْيُوْسُفَ) لَا تَكْتُبْ كُلَّ مَا تَسْمَعُ مِنِّيْ، فَإِنِّيْ قَدْ أَرَى الرَّأْيَ الْيَوْمَ وَاَتْرُكُه غَدًا، وَأَرَى الرَّأْيَ غَدًا وَاَتْرُكُهُ بَعْدَ غَدٍ]

''خبردار! یعقوب (امام ابو یوسفؒ) مجھ سے ہر سنی ہوئی بات مت لکھا کریں، آج میری ایک رائے ہوتی ہے اور کل کو میں وہ رائے ترک کر دیتا ہوں اور کل میری ایک رائے ہوگی اور پرسوں میں اسے ترک کر دونگا''۔

۳- : [إِذَا قُلْتُ قَوْلًا يُخَالِفُ كِتَابَ اللهِ تَعَالٰى وَخَبَرَ الرَّسُوْلِ ﷺ فَاتْرُكُوْا قَوْلِيْ] (۱)

''جب میں ایک بات کہوں جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو تو میری بات چھوڑ دو''۔

(۲) امام مالک بن انس رحمه الله :

۱ – امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا: [إِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَأُصِيْبُ، فَانْظُرُوْا فِيْ رَأْيِيْ فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوْهُ وَكُلُّ مَا لَمْ يُوَافِقِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتْرُكُوْهُ]

''میں تو انسان ہوں میری بات درست بھی ہو سکتی ہے اور کبھی خطاء بھی کر سکتا ہوں تو میری رائے میں جو کتاب وسنت کے موافق ہو قبول کرلو اور جو موافق نہ ہو اسے چھوڑ دو''۔

۲- : [لَيْسَ اَحَدٌ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا وَيُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ إِلَّا النَّبِيَّ ﷺ] (۲)

(نبی ﷺ کے بعد ہو کسی کی بات لی بھی جا سکتی ہے (اگر موافق کتاب وسنت ہو) اور ترک بھی کی جا سکتی ہے۔ (اگر کتاب وسنت کے مخالف ہو)''۔

(۱) –كما في الايقاظ ص (٥٠) ونسبه للامام محمد ايضاً ثم قال : هذا ونحوه ليس في حق المجتهد لعدم احتياجه في ذلك الى قولهم بل هو في حق المقلد.

(۲) ارشاد السالك (٢٢٧/١) واورده تقي الدين السبكي في التفاوى (١٤٨/١) من قول ابن عباس متعجباً من حسنه، ثم قال : واخذ هذه الكلمة من ابن عباس مجاهد، واخذها منهما مالك رضي الله عنه واشتهرت عنه ، ثم اخذها عنهم الامام احمد فقال ابوداود في مسائل الامام احمد ص (٢٧٦) وكذا رواه البخاري في جزء القراءة ص (١٤) عن ابن عباس ومجاهد)۔ (منه)

(۳) :امام شافعی رحمہ اللہ :

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس باب میں کثرت سے منقول ہے:

۱ -: «ہر کوئی رسول ﷺ کی کوئی سنت بھول بھی سکتا ہے اور اس سے پوشیدہ بھی رہ سکتی ہے تو جو قول بھی میں نے کیا ہو یا کوئی قاعدہ اور اصول وضع کیا ہو اور رسول اللہ ﷺ سے اسکے خلاف منقول ہو تو قول رسول اللہ ﷺ کا ہی معتبر ہوگا اور وہی میرا قول ہوگا»۔

۲ - : [اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَهُ سُنَّةٌ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ لَهُ اَنْ يَّدَعَهَا لِقَوْلِ اَحَدٍ] (تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو جائے تو اسے کسی کے قول کیوجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا)۔

۳ - : [اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ] (جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے وہی میرا مذہب ہے)۔

٤ -: «جب کسی مسئلے میں اہل نقل سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث صحیح میرے قول کے خلاف ثابت ہو جائے تو میں اپنے اس قول سے زندگی میں اور مرنے کے بعد رجوع کرتا ہوں»۔

(اعلام الموقعین (۳٦۳/۲) والایقاظ ص (۱۰۰) المجموع للنووی (۱٦۳/۱) حلیة الاولیاء (۱۰۷/۹) الهروی فی ذم الکلام (۱/٤۷/۳) ابن عبد البر فی الانتقاء ص (۷۵)

(٤): امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

امام احمد بن حنبلؒ جو سنت کو جمع کرنے اور اس پر تمسک کرنے کے لحاظ سے دیگر تمام ائمہ پر فوقیت وفضیلت رکھتے ہیں اور جن کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ وہ احادیث میں کتب وابواب لکھنے میں بھی کراہت سمجھتے ہیں کیونکہ اسکا تعلق مصنف کی رائے وتصرف سے ہوتا ہے اور اسی لئے فرماتے ہیں:

۱ - : [لَا تُقَلِّدْنِيْ وَلَا تُقَلِّدْ مَالِكاً وَلَا الشَّافِعِيَّ وَلَا الْاَوْزَاعِيَّ وَلَا الثَّوْرِيَّ وَخُذْ مِنْ حَيْثُ اَخَذُوْا] (نہ میری تقلید کرو، نہ امام مالکؒ وامام شافعیؒ کی اور نہ ہی امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ کی اور اخذ وہیں سے کرو جہاں سے انہوں نے اخذ کیا ہے)۔

۲ - : [رَأْيُ الْاَوْزَاعِيِّ وَرَأْيُ مَالِكٍ وَرَأْيُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ كُلُّهُ رَأْيٌ، وَهُوَ عِنْدِيْ سَوَاءٌ وَاِنَّمَا الْحُجَّةُ فِي الْآثَارِ] (رائے اوزاعیؒ کی ہو، مالکؒ کی ہو، ابو حنیفہؒ کی ہو یہ سب اراء ہی تو ہیں (حجت نہ ہونے میں) سب برابر ہیں، حجت تو آثار (احادیث) میں ہے)۔

۳- : [مَنْ رَدَّ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَهُوَ عَلٰى شَفَا هَلَكَةٍ]

(جوحدیث رسول اللہ ﷺ کورد کرتا ہے وہ قعر ہلاکت کے کنارے پر ہے)۔

(مناقب الامام احمد لابن الجوزی ص (۱۹۲) الایقاظ ص (۱۱۳) اعلام الموقعین (۲/۳۰۲) مسائل الامام احمد ص (۲۷٦) الجامع لابن عبد البر (۲/۱٤۹)

تمسك بالحديث کے حکم اور تقلید بلا بصیرۃ کی نہی کے بارے میں ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ اقوال ایسے واضح ہیں کہ اس میں تاویل وجدل کی کوئی گنجائش نہیں، اس بناء پر اگر کوئی سنت ثابتہ پر عمل کرتا ہے اگر چہ ائمہ میں سے کسی کا قول اس کے خلاف ہو تو وہ انکے مذھب کے مخالف ہے اور نہ ہی اسکے طریقہ سے خارج بلکہ وہ ان سب کا تابعدار ہے اور اس نے ایسا مضبوط کڑا اتھام رکھا ہے جس کے ٹوٹنے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ بخلاف اس شخص کے جو سنت ثابتہ کو محض ائمہ میں سے کسی کے قول کے مخالف ہونے کی وجہ سے ترک کردیتا ہے تو وہ ان ائمہ کا نافرمان ہے اور ان کے اقوال مذکورہ کا مخالف۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء، آیت:٦۵)

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں''۔

اور فرمایا: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور:٦۳)

''سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے، یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے''۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((جس شخص کو رسول اللہ ﷺ کا حکم آپہنچے اور اسے معلوم ہوجائے تو امت کی خیرخواہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ انہیں بیان کردے اور اسکے حکم کی تابعدار کا حکم دے خواہ امت میں سے کسی بڑی شخصیت کی رائے اسکے خلاف ہی کیوں نہ ہو یقیناً امت کے کسی بھی بڑے کی رائے سے رسول اللہ ﷺ کا حکم تعظیم واقتداء کا زیادہ حقدار ہے اسی لئے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اتباع تابعین رحمھم اللہ نے سنت صحیح کے ہر مخالف کا رد کیا ہے کبھی کبھی اس رد میں تغلیط بھی آگئی ہے لیکن اسکا سبب بغض نہیں تھا بلکہ وہ پھر بھی ان کے نزدیک محبوب اور قابل تعظیم رہا لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت پر کسی کی محبت پر غالب اور ان کا حکم ہر مخلوق کے حکم سے فائق رہا جب امر رسول ﷺ اور کسی کے امر میں تعارض واقع ہوجائے تو امر رسول اللہ ﷺ زیادہ لائق تقدیم واتباع ہے اور یہ صاحب امر مخالف کی تعظیم سے مانع نہیں اگرچہ مغفور لہ ہو بلکہ وہ اجر کا مستحق ہے جیسے کہ

حدیث میں ہے :

"[إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِدٌ]"

(رواه الشيخان وغيرهما) (مقدمة صفة الصلاة ص (۲۱-۳۲) للشيخ الالباني وتعليق الايقاظ (۹۳)

« جب حاکم کوئی فیصلہ کرتا ہے اور اسکا فیصلہ درست ہو تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر فیصلے میں خطاً کا مرتکب ہو تو اسے ایک اجر ملے گا »۔ (مقدمة صفة الصلاة للشيخ الالباني (۲۱-۳۲) وتعليق الايقاظ ص (۹۳)

میں کہتا ہوں : جو شخص رسول اللہ ﷺ اور اسکے امر کی قدر کرتا ہو اور وہ محبت رسول کا دعویدار بھی ہو تو وہ کیسے قول وفعل رسول ﷺ پر کسی کا قول وفعل مقدم کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صحابہ کرام وتابعین عظام قول رسول ﷺ کے مخالفت پر کسی کا قول رد کر دیتے تھے بلکہ اسکی تردید بھی کرتے تھے۔

اس باب میں آثار بہت ہیں ہم ان میں سے کچھ بطور مثال ذکر کرتے ہیں

پہلی مثال:

ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو امام ابویعلی اپنی مسند (۱۳۱۷/۳) میں اور امام طحاوی شرح معانی الآ ثار (۳۹۹/۱) میں بروایت سالم بن عبداللہ بن عمر "بَابُ مَاكَانَ النَّبِيُّ ﷺ بِهِ مُحْرِمًا فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ" میں نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد ابن عمر رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک شام کا شخص آیا اور ان سے حج کے ساتھ عمرہ کرنے کا پوچھا تو ابن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا: "بہت اچھا ہے اُس نے کہا" آپ کے والد عمرؓ تو اس سے منع فرماتے تھے تو فرمانے لگے اگر چہ میرے والد اس سے منع کرتے تھے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے تو تو بھی کر گزر۔ تم میرے والد کا قول لو گے یا کہ رسول اللہ ﷺ کا امر؟ تو اس نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کا امر لوں گا۔ پھر فرمایا: جا۔ امام احمد نے برقم (۵۷۰۰) اور ترمذی نے (۱۶۹/۱) میں اسی طرح روایت کیا ہے۔

دوسری مثال:

امام مسلم (۴۰۲/۱) اور امام طحاوی (۳۹۹/۱) بروایت سعید بن المسیب نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں علی وعثمان رضی اللہ عنہما سفر حج میں عسفان کے مقام پر اکٹھے ہوئے عثمانؓ حج تمتع کرتے تھے تو علیؓ نے انہیں کہا کر ایک ایسا کام جو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے آپ کیسے منع کرتے ہیں تو انہوں نے کہا ہمارا ساتھ چھوڑ دیں تو علیؓ نے کہا آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا پھر حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھ لیا صحیح بخاری (۲۱۲/۱) و (۲۱۳/۱)۔

تیسری مثال:

امام طحاوی (۱/۳۹۹) میں بروایت محمد بن عبداللہ بن الحارث روایت کرتے ہیں کہ اس نے جس سال معاویہؓ نے حج کیا سعد بن ابی وقاص اور ضحاک بن قیس دونوں کو حج وعمرے کا ذکر کرتے ہوئے سنا، ضحاک کہنے لگے: حج اور عمرہ اکٹھے وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ناواقف ہو تو سعد نے کہا: بھتیجے آپ نے بُری بات کہی، تو ضحاک کہنے لگے: عمر بن الخطاب اس سے منع کیا کرتے تھے۔ تو سعد نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا اور ہم بھی ان کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے"۔ ترمذی (۱/۱۶۹) احمد (۱/۱۸۴)۔

چوتھی مثال:

امام مسلم (۱/۴۰۵) بروایت وبرہ نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں، میں ابن عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی ان سے آکر کہنے لگا: کیا میرے لئے وقوف عرفہ سے پہلے طواف کرنا درست ہے؟ انہوں نے کہا: "ہاں درست ہے" تو اس شخص نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ وقوف عرفہ سے پہلے طواف سے منع کرتے ہیں۔ تو ابن عمرؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں وقوف عرفہ سے پہلے طواف کیا تھا، اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ قول رسول ﷺ لینے کا زیادہ حقدار ہے یا قول ابن عباسؓ ؟۔

اور ایک روایت میں ہے: [فَسُنَّةُ اللهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهِ اَحَقُّ اَنْ تَتَّبِعَ مِنْ سُنَّةِ فُلَانٍ اِنْ كُنْتَ صَادِقاً]

"سنت اللہ اور رسول اللہ سنت فلاں سے اتباع کا زیادہ حقدار ہے اگر تو سچا ہے"۔

پانچویں مثال:

ابن عساکر (۷/۵۱) بروایت ابن ابی ذئب نقل کرتے ہیں کہ سعد بن ابراہیم (یعنی عبدالرحمٰن بن عوف) نے ایک شخص کے خلاف ربیعہ بن عبدالرحمٰن کی رائے پر فیصلہ صادر کیا تو میں نے اسے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سے آپ کے فیصلے کے خلاف منقول ہے تو سعد نے ربیعہ کو کہا کہ ابن ابی ذئب جو میرے نزدیک ثقہ ہیں، آپکے فیصلے کے خلاف نبی ﷺ کی حدیث سناتے ہیں تو ربیعہ نے انہیں کہا ہم نے اجتہاد کیا اور فیصلہ تو ہو چکا ہے تو سعد نے کہا تعجب ہے، سعد کا فیصلہ نافذ کروں اور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہ نافذ کروں بلکہ میں سعد بن ام سعد کا فیصلہ رد کرتا ہوں اور رسول ﷺ کا فیصلہ نافذ کرونگا پھر سعد نے تحریری فیصلہ منگوا کر پھاڑ دیا اور جسکے خلاف پہلے فیصلہ کیا اسکے حق میں فیصلہ کر دیا۔

چھٹی مثال:

صحیح مسلم (۱/۱۸۳) اور مشکوۃ (۱/۹۷) میں بروایت بلال بن عبداللہ بن عمرؓ سے نقل ہے وہ اپنے والد (عبداللہ بن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عورتیں مساجد میں جانے کی اجازت چاہیں تو انہیں اپنے حصے سے مت روکو تو بلال کہنے لگے اللہ کی قسم ہم تو انہیں روکیں گے۔

تو عبداللہ بن عمر نے کہا: میں کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے منع نہ کرنے کا کہا ہے اور تم کہتے ہو ہم روکیں گے۔

سالم کی روایت میں ہے عبداللہ بن عمرؓ اسکی طرف متوجہ ہوئے اور اسے ایسے برا بھلا کہا جو میں نے ان سے اس سے قبل کبھی نہیں سنا اور کہا میں تجھے رسول اللہ ﷺ سے خبر دے رہا ہوں اور تو کہتا ہے ہم روکیں گے)۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے اس میں مزید لفظ ہیں: عبداللہ نے اس سے مرتے دم تک بات نہیں کی"۔

صحابہ کے سینوں میں امر رسول ﷺ کی اسی طرح عظمت تھی یہاں تک وہ اس کے لئے اپنے باپوں، ماؤں اور اولاد کو چھوڑنے سے دریغ نہیں کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تابعداری سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ تھی اور ہمیں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے جیسے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ] (متفق عليه)

(تم میں سے کوئی کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک میں اسے اس کے والد اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں)۔

ساتویں مثال:

بخاری مسلم میں بروایت عبداللہ بن مغفل ؓ سے نقل ہے، انہوں نے اپنے بیٹے کو کنکر مارتے دیکھا تو اسے منع کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے لیکن وہ باز نہ آیا تو انہوں نے اسکے ساتھ مرتے دم تک بات نہیں کی۔

اس قسم کی مثالیں صحابہ رضی اللہ عنهم اور تابعین رحمہ اللہ کے قصوں اور سیرتوں میں بکثرت موجود ہیں ان کے دل صاف تھے اور ان کے دلوں میں اللہ اور اسکے رسول کی محبت سب کی محبتوں پر فائق تھی اسی لئے تو حفاظت دین کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرتے تھے اور ان متعصبین کی طرح نہ تھے جو بعض لوگوں کے قول کی پیوند کاری کے لیے نصوص صریحہ کو رد کرتے ہیں اور اپنے متبوع ومطاع کے مخالف نصوص کے جواب میں دور کی کوڑی ڈھونڈ لاتے ہیں۔

نبی ﷺ نے سچ فرمایا ہے کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) کے طریقوں کی ضرور ایسی پیروی کرو گے جیسے کہ ایک جوتا دوسرے جوتے کے ہم مثل ہوتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر عموماً اور علماء پر خصوصاً رسول ﷺ کی توقیر وتعظیم واجب ہے اور اس طرح ان کے اوامر کی اور انکے امر کو سب کے امر پر انکے حکم کو سب کے حکم پر اور انکی طریقے اور فتوے کو سب کے طریقوں اور فتووں پر مقدم سمجھنا ضروری ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (حجرات آیت: ۱)

(اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول سے آگے مت بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے)

جو اپنی خیرخواہی اور نجات وفلاح چاہتا ہے اور شیطان کے چنگل سے چھوٹنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ ہر بڑے چھوٹے امر میں بلا تغییر وتبدیل اور بدعت سے بچتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے طریقوں کی بے دھڑک تابعداری اختیار کرے (اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے)۔

رجاء

میں قارئین کرام سے اپنی خطاء وزلل کا عفو سے ستر پوشی کا امیدوار ہوں، میری یہ کھوٹی پونجی پیش خدمت ہے، قبولیت کے کیل وانی سے مجھ پر صدقہ فرمائیں، اللہ کریم متصدقین کو جزائے کامل دے گا، علمی تنگ دامنی کی بناء پر میری کسی لغوی، حکمی اور دلیل کی خطاء نظر سے گزرے تو تنبیہ فرمائیں ''جزاکم اللہ خیرا'' ہم ارشاد صواب کے بصد شوق منتظر ہیں اور اسی طرح ہم امید کرتے ہیں کہ کتاب کے کسی مسئلے یا دلیل کی تردید میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بلکہ تحقیق و مطالعہ کے بعد جب کتاب میں کسی غلطی کا وجود متیقن ہو جائے تو ہمیں تنبیہ کے ساتھ طریق صواب کی رہنمائی پر ہم ممنون ہونگے، البتہ اگر کوئی مسئلہ خواہش کے خلاف ہو، یا تقلید کے نتیجے میں اختیار کی ہوئی عادت کے منافی ہو تو محض عادت و خواہش کی مخالفت کی بناء پر تردید، قرین انصاف نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کے لیے عموماً اور علماء اور علم صحیح کے طلبہ کے لیے خصوصاً نفع بخش بنائے اور اللہ تعالیٰ سے بعجز والحاح امید ہے کہ اس کتاب سے مجھے نفع دے اور قیامت کے دن میزان میں میری نیکیوں کے ساتھ شامل فرمائے جس دن قلب سلیم کے علاوہ مال اور اولاد کام نہ آئیں گے اور اس ناچیز کاوش کو خالص اپنی رضا کے لیے کرے۔

[وَسُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ].

بدھ کی رات (۲۱) جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ تحریر تمام ہوئی۔

ابو محمد امین اللہ مدرسہ تعلیم القرآن والسنۃ مسجد حمزہ (ﷺ)

پشاور پاکستان۔



التمهید



تمہید

فتویٰ سے متعلق فوائد

دین میں فتویٰ نویسی کے لیے ان فوائد کی معرفت ضروری ہے تا کہ فتویٰ میں بصیرت پیدا ہو اور تَقَوُّلُ عَلَى الله کا مرتکب نہ ہو۔
یہ فوائد بکثرت ہیں، بعض اہم درج ذیل ہیں :

پہلا فائدہ : مفتی کو درج ذیل حالتوں میں فتوی سے گریز کرنا چاہیے :

۱-: سخت غصے کی حالت۔
۲- :سخت بھوک کی حالت۔
۳- : پریشان کن غم۔
۴- :سخت خوف۔
۵ - : اُونگھ کا غلبہ۔
۶- : قلبی شغل کا غلبہ۔
۷ - : ضرورت قضائے حاجت۔

توجب اپنے نفس میں ایسی کوئی چیز محسوس کرے جس سے وہ حال اعتدال میں نہ رہے اور تثبت وتبین میں کمال نہ رہے تو فتوی سے گریز کرے کیونکہ اللہ کے دین میں فتوی دینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے اس لیے متنبہ رہنا واجب ہے۔

دوسرا فائدہ :

اہلیت کے بغیر فتویٰ دینے والا نافرمان ہے اور اس قسم کے مفتی مقرر کرنے والے حکمران بھی گناہ و نافرمانی میں برابر کے شریک ہیں۔ امام احمد و امام ابن ماجہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[مَنْ أَفْتَى النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُ ذٰلِكَ عَلَى الَّذِيْ أَفْتَاهُ]

(جو علم کے بغیر لوگوں کو فتوے دیتا ہے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے)۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی سے مسئلہ پوچھا جائے تو جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لے کہ جنت میں جانا چاہتا ہے یا جہنم کا ایندھن بننا چاہتا ہے اور آخرت میں اسکی نجات کی کیا صورت ہوگی، پھر اس مسئلے میں جواب دے۔

ان سے کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا میں نہیں جانتا کہا گیا یہ تو معمولی اور آسان سا مسئلہ ہے تو آپ غصہ ہوئے اور فرمایا علم میں کوئی بھی چیز معمولی نہیں، تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا:

﴿إِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا﴾ (یقیناً ہم تم پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے) (مزمل آیت:۵)۔

امام احمدؒ نے فرمایا: جو فتویٰ دینا شروع کرے اس نے بہت بڑا کام کرنا شروع کر دیا ہے انتہائی ضرورت کے بغیر اس کام سے بچنا چاہیئے، لَا أَدْرِيْ (میں نہیں جانتا) نصف علم ہے، بہت سے ایسے مسائل میں جن کی دلیل نہ ملے فتوے دینا جنون ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

تیسرا فائدہ:

مفتی پر نص کے خلاف فتویٰ دینا حرام ہے اگر چہ وہ اسکے مذھب کے موافق ہو اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے بارے میں پوچھا جائے جس نے صبح کی ایک رکعت ادا کی تھی کہ سورج طلوع ہو گیا تو اب وہ اپنی نماز پوری کرے یا نہیں تو کہے کہ نماز پوری نہ کرے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں [فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ] (وہ اپنی نماز پوری کرے) یا جیسے کسی مرنے والے کے بارے میں پوچھا جائے جس کے روزے رہ گئے ہوں اس کا ولی اسکی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے؟ تو کہا جائے کہ ولی کو اسکی طرف سے روزے نہیں رکھنے چاہئے حالانکہ صاحب شرع ﷺ کا فرمان ہے:

«جو مر جائے اور اسکے ذمہ روزے ہوں تو اس کا ولی اسکی طرف سے روزے رکھے»

اور جیسے پوچھا جائے کہ ایک شخص نے اپنا سامان بیچا پھر مشتری مفلس ہو گیا اور وہ بیچی ہوئی چیز بعینہٖ مشتری کے پاس پائی گئی تو کیا بیچنے والا اس کا زیادہ حقدار ہے کہ نہیں؟ تو یہ کہے کہ وہ زیادہ حقدار نہیں اور صاحب شرع ﷺ فرماتے ہیں: «وہ زیادہ حقدار ہے»

اور جیسے رمضان میں بھول کر کھانے پینے والے کے بارے میں پوچھا جائے کہ کیا وہ اپنا روزہ پورا کرے؟ تو کہے کہ وہ اپنا روزہ پورا نہ کرے اور صاحب الشرع ﷺ فرماتے ہیں: "وہ اپنا روزہ پورا کرے"۔

اور جیسے ذی ناب درندے کے بارے میں پوچھا جائے کہ وہ حرام ہے؟ تو کہے کہ ''حرام نہیں'' اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''ذی ناب درندے کا کھانا حرام ہے''۔

اور جیسے پوچھا جائے کہ رکوع اور سجدے میں پیٹھ سیدھی نہ کرنے والے نمازی کی نماز ہو جاتی ہے؟ پس کہے کہ ''ہو جاتی ہے''۔

اور صاحب شرع ﷺ فرماتے ہیں ''رکوع اور سجدے میں پیٹھ سیدھی نہ کرنے والے کی نماز نہیں ہوئی''۔

اور اگر پوچھا جائے اولاد کو عطیہ دینے میں تفضیل کا مسئلہ درست ہے کہ نہیں اور یہ ظلم ہے کہ نہیں تو کہے کہ درست ہے اور ظلم نہیں۔

اور صاحب شریعت ﷺ فرماتے ہیں: ''یہ درست نہیں'' اور فرماتے ہیں ''مجھے ظلم پر گواہ مت بناؤ۔

اور جیسے ہبہ کرنے والے کے بارے میں پوچھا جائے کہ اسکا اپنے ہبہ میں رجوع حلال ہے کہ نہیں؟ تو کہے کہ ہاں اسکے لئے ہبہ میں رجوع جائز ہے لیکن والد اور قرابت والے کے لیے رجوع درست نہیں اور صاحب شریعت کا فرمان ہے کہ ''کسی بھی ہبہ کرنے والے کا اپنے ہبہ میں رجوع حلال نہیں البتہ والد اپنی اولاد کو اگر ہبہ کرے تو اس میں رجوع کر سکتا ہے''۔

اور جیسے پوچھا جائے کہ کیا مسلمان کافر کے بدلے میں قتل کیا جا سکتا ہے؟ تو کہے کہ ہاں مسلمان کافر کے بدلے میں قتل کیا جا سکتا ہے اور صاحب شرع ﷺ فرماتے ہیں: ''مسلمان کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے''۔

اور جیسے گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلے کے بارے میں پوچھا جائے تو کہے کہ درست نہیں اور صاحب شرع ﷺ نے ایک گواہ اور ایک قسم کے ساتھ فیصلے کیا ہے۔

اور جیسے ایک رکعت وتر کے بارے میں پوچھا جائے تو کہے کہ ایک رکعت وتر جائز نہیں اور صاحب شریعت ﷺ فرماتے ہیں: ((جو پانچ وتر پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے، جو تین وتر پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے اور جو ایک وتر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے))

اور فرمایا ہے: ((اگر طلوع صبح کا خوف ہو وہ تو ایک رکعت پڑھ لے))۔

اور اگر پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ کا پوچھا جائے تو کہے کہ ہاں اس میں زکوٰۃ فرض ہے اور صاحب شریعت ﷺ فرماتے ہیں: ''پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے''۔ اور اگر پوچھا جائے کہ تیمم میں ایک ضرب کلائی کے جوڑ تک کفایت کرتی ہے کہ نہیں؟ تو کہے کہ کفایت نہیں کرتی اور صاحب شریعت ﷺ کی نص صریح ہے کہ کفایت کرتی ہے اور اس نص کا کوئی مدفع نہیں اور اس جیسی اور بہت سی نظائر ہیں جسے آپ اعلام الموقعین (۴/۲۳۹-۲۴۴) میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

اور اسلاف طیب کا نکیر و غضب ایسے لوگوں پر بڑا شدید ہے جو حدیث رسول اللہ ﷺ کا رائے و قیاس اور استحسان یا لوگوں میں کسی کے قول کے ساتھ معارضہ کرتے ہیں، اور حدیث کے ساتھ تعارض کی مثالیں بیان کرنے والے کو وہ ترک کرتے تھے اور وہ حدیث رسول اللہ کے لیے سوائے انقیاد و تسلیم اور سمع و طاعہ کے ساتھ قبول کرنے کے اور کسی کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور اسے قبول کرنے کے لیے عمل و قیاس شہادت اور قول فلاں کی موافقت تک توقف کو خاطر میں نہیں لاتے تھے بلکہ وہ اللہ کے اس قول پر عمل کرتے تھے۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (احزاب آیت:۳۶)۔

(اور (دیکھو) کسی مؤمن مرد و عورت کو اللہ اور اسکے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا)۔

اور اس قول پر : ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء، آیت:۶۵)

(سو قسم ہے تیرے پروردگار کی ایہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں)۔

اور اس جیسی اور بہت سی آیتیں۔

لیکن اب ایسا دور آیا کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، انہوں نے ایسے ایسے فرمایا ہے، تو حدیث کو سنتے ہی یہ کہہ کر رد کردیتے ہیں کہ اس کا قائل کون ہے؟ اور قائل کے معلوم نہ ہونے کو حدیث کی مخالفت اور ترک کی دلیل بنا لیتے ہیں۔

اگر وہ خیر خواہی سے کام لیں تو انہیں معلوم ہوجائے کہ یہ سب سے بڑی باطل بات ہے اور رسول کی سنن ثابتہ اس جہالت کے ساتھ رد کرنا درست نہیں اور جہالت کا عذر پیش کرنا سب سے بڑی قباحت ہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس سنت کی مخالفت میں اجماع منعقد ہوچکا ہے۔ یہ حقیقت میں مسلمانوں کی جماعت پر سوءِ ظن ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت میں اتفاق کو ان کی طرف منسوب کررہا ہے اور اس اجماع کا عذر پیش کرنے میں اس سے بڑی قباحت اس حدیث کے قائل کے بارے میں اسکا عدم علم اور جہالت ہے تو اس سے سنت پر جہالت کی تقدیم لازم آئی۔ واللہ المستعان.

ائمہ اسلام میں سے کسی نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر عمل نہ کیا جائے جب تک اس پر عمل کرنے والا معلوم نہ ہوجائے، رب کعبہ کی قسم! حدیث پر عمل کرنے کے لئے یہ کوئی شرط نہیں کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا قائل کون ہے؟۔

چوتھا فائدہ :

مفتی پر لازم ہے کہ وہ نصوص میں فاسد تاویلوں سے گریز کرے۔ اگر اس سے کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کی تفسیر وتشریح پوچھی جائے تو وہ اپنے مذھب وخواہش کی موافقت کے لئے باطل تاویلوں کے ذریعے اپنے ظاہر سے نہ ہٹائے اور جو اس کا مرتکب ہو تو وہ فتویٰ سے روکے جانے کا مستحق ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ''حدیث اپنے ظاہر پر ہی رہے گی'' اور عقائد کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کتاب وسنت اپنے ظاہری معنی پر ہی جاری ہونگے ہاں اگر ظاہر سے ہٹا کر کسی اور معنی پر عمل کرنے کی دلیل موجود ہو تو ظاہری معنی چھوڑا جاسکتا ہے۔ عالم میں سارے فساد کا سبب فاسد تاویل ہی ہے اہل کتاب کا طریقہ درست رہا جب وہ تاویل کرنے لگے تو

ایسے فساد میں واقع ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

پانچواں فائدہ :

مفتی پر لازم ہے کہ وہ ایسے اہل علم سے جن کے علم پر اسے بھروسہ ہو مشورہ کرتا رہے اور از خود جواب دیکر اپنے آپ کو اُونچا نہ کرے اور فتووں میں اپنے علاوہ دیگر اہل علم کی مدد حاصل کرے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی "شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کہہ کر مشورے کا حکم دیا ہے اور مؤمنوں کی توصفت بیان فرمائی ہے کہ "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" (شوریٰ، آیت ۳۸) (انکے کام آپس میں مشورے سے ہوتے ہیں)۔

سیدنا عمر بن خطاب ﷛ کو جب کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ اسکے لئے حاضر صحابہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

چھٹا فائدہ :

مفتی کے لئے درج ذیل مسنون دعا بکثرت پڑھتے رہنا چاہئے :[اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ]

(اے اللہ جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل جیسے عظیم الشان فرشتوں کے رب، آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے غائب وحاضر کے جاننے والے، بندوں کے درمیان اختلافی امور میں تو ہی فیصلہ کرے گا، ان اختلافی امور میں اپنے اذن سے تو میری حق کی طرف رہنمائی فرما، یقیناً تو ہی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرماتا ہے)

امام مکحول رحمہ اللہ جواب میں "[لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ]" فرماتے تھے۔

اور امام مالك رحمہ اللہ "[مَاشَاءَ اللهُ لَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَظِيمِ]" فرماتے تھے۔

ورمعاذ بن جبل ﷛ نے حکم دیا کہ انسان کو چاہئے کہ مُعَلِّم ابراہیم علیہ السلام کی پناہ پکڑے۔

اسی وجہ سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے :[يَا مُعَلِّمَ إِبْرَاهِيمَ عَلِّمْنِي]

(اے ابراھیم (علیہ السلام) کے سکھانے والے مجھے بھی سکھادے)۔

یہ تمام حسن نیت اخلاص قصد اور معلم اول یعنی انبیاء ورسل کے معلم سے مدد طلب کرنے میں سچی توجہ کے مظاہر ہیں۔ جو شخص دین الٰہی کی تبلیغ اسکے بندوں کو ارشاد ونصیحت اور بلا علم تقول علی اللہ سے بچنے کی طرف صداقت کے ساتھ متوجہ ہو تو اللہ اسے نامراد نہیں کرتا، جب نیت ورغبت میں صداقت موجود ہو تو دو اجر اگر نہ ملیں ایک اجر سے ضرور نوازا جائے گا۔

واللہ المستعان۔

ساتواں فائدہ:

اکثر اہل افتاء حق کو جانتے ہوئے جب دیکھتے ہیں کہ مسائل کی غرض کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے فتویٰ دینے سے گریز کرتے ہیں اکثر مفتی مستفتی سے اسکی غرض پوچھتے ہیں اگر جواب انکی غرض کے موافق ہو جواب لکھ کر دیدیتے ہیں اور بصورت عدم موافقت کسی دوسرے مفتی کے پاس بھیج دیتے ہیں اور یہ مطلقاً جائز نہیں بلکہ اس میں تفصیل ضروری ہے اگر کسی ایسے مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا ہے جو علم اور سنت سے متعلق ہے یا عملی مسائل سے اسکا تعلق ہو جس میں رسول اللہ ﷺ کی نص موجود ہو تو مفتی کے لیے مسائل کی غرض کا لحاظ رکھتے ہوئے فتویٰ ترک کرنا اور اس میں توقف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ یہ بڑا گناہ ہے کسی کی غرض کو اللہ ورسول پر مقدم کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اور اس مسئلہ کا تعلق اجتہاد سے ہو اور اس کے نزدیک اس میں کوئی راجح قول نہ ہو تو اس میں فتویٰ دینا ترک کردے۔

آٹھواں فائدہ:

بعض لوگ فتویٰ میں دلیل کے ذکر کو عیب سمجھتے ہیں حالانکہ یہ عیب سمجھنا اولیٰ بالعیب ہے فتوے کی روح اور اس کا جمال تو دلیل ہے تو فتویٰ میں اللہ ورسول کا کلام مسلمانوں کا اجماع صحابہ کے اقوال اور قیاس صحیح کا ذکر کرنا کیسے عیب ہوسکتا ہے فتویٰ کی زینت تو اللہ ورسول کا قول ہے، مفتی کا قول قبول کرنا تو واجب نہیں جب فتویٰ میں دلیل مذکور ہو تو مستفتی کے لیے اسکی مخالفت کرنا حرام ہے اور مفتی بلاعلم فتویٰ کی زد سے بچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ سائل کو مطمئن کرنے کے لیے اس مسئلے کے نظائر وامثال بیان فرمایا کرتے تھے حالانکہ انکا اکیلا قول بھی حجت تھا تو کسی ایسے شخص کے بارے میں کیا خیال کیا جائے جس کا قول حجت نہیں، زیادہ سے زیادہ یہی ہوسکتا ہے کہ اس کا قول قبول کرنا جائز ہو اور بغیر حجت کے قابل قبول ہونا تو دور کی بات ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ فتویٰ میں حجت بیان کردیتے تھے اور کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے یا اس طرح کیا ہے اور سائل کی تسلی ہوجاتی تھی۔

صحابہ کے فتاویٰ میں غور کرنے پر یہ بکثرت مل سکتی ہے، پھر تابعین کا یہ طریقہ رہا کہ وہ حکم ذکر کرکے اسکی دلیل ذکر کرتے تھے اور اس کا علم بغیر دلیل کے کچھ کہنے سے مانع تھا۔

اور اسی طرح سائل بھی بلا دلیل اس کا قول قبول کرنے سے انکار کرتا تھا وقت گزرتا گیا، علم کا زمانہ دور ہوتا گیا، اور کم ہمتی یہاں تک پہنچی کہ مفتی حضرات "ہاں" یا "نہیں" کے ساتھ جواب دینے لگے اور مسئلے کا مأخذ اور اس کی دلیل ذکر کرنا ترک کردیا گیا لیکن ساتھ ساتھ تقصیر کا اعتراف بھی کرتے تھے اور فتویٰ بالـدلیل کو افضل سمجھتے تھے اس کے بعد حالات مزید دگرگوں ہوئے اور بات یہاں تک پہنچی کہ فتویٰ بالدلیل کو عیب سمجھنے لگے اور اس کی مذمت کیجانے لگی۔

اور شروح وحواشی کو دلیل کا درجہ دے دیا گیا اور قول الرسول کو قابل التفات نہ سمجھا گیا اور جب کسی فتویٰ کی دلیل پوچھی جاتے تو کہا تا ہے، ردالمحتار میں اس طرح مذکور ہے حالانکہ ردالمحتار کا مؤلف نہ نبی تھا، نہ صحابی اور نہ ہی امام مجتہد۔
اور اس کتاب میں رطب ویابس جمع ہیں، صد افسوس کہ آج کل کے مفتیوں کا شامی کے علاوہ کوئی ماخذ نہیں۔

والله المستعان.

نواں فائدہ :

کبھی کبھی کسی مفتی سے کوئی کسی چیز کے بارے پوچھتا ہے تو یہ اس سے منع کر دیتا ہے لیکن پوچھنے والے کو اس کے بدلے میں کسی اور باح چیز تجویز کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو گویا کہ اس نے باب محظور بند کر دیا اور باب مباح کھول دیا اور یہ کسی ناصح اور مشفق عالم کا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس طرح کرتا ہے علماء میں ایسے عالم کی مثال اطباء میں ناصح اور سمجھ دار طبیب کی سی ہوتی ہے بیمار کو مضر اشیاء سے بچاتا اور مفید اشیاء بتاتا ہے اطباء ادیان وابدان کی یہی شان ہوتی ہے،
حدیث صحیح میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے : ''[مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلَى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ وَيَنْهَاهُمْ عَنْ شَرِّ مَا يَعْلَمُهُ لَهُمْ]''۔ (صحیح مسلم)
(اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا ہے اس پر حق ہے کہ اسے جو بھی بھلائی کی بات معلوم ہو اپنی امت کی اس کی طرف رہنمائی کرے اور جو بھی بری بات اسے معلوم ہو اس سے ان کو منع کرے)۔

دسواں فائدہ :

مفتی کے لیے مناسب ہے کہ وہ حتی الامکان اپنے فتویٰ میں نص کے الفاظ ذکر کرے کیونکہ اس میں حکم اور دلیل کا بیان تمام ہوتا ہے اور اس میں صحت، دلیل اور حسن بیان کی ضمانت ہوتی ہے جب کہ فقہ معین رب کا قول نہیں ہوتا، صحابہ اور تابعین اور ائمہ میں سے جو ان کے منہج پر تھے اسی طریق کے پابند تھے۔ لیکن بدقسمتی سے بعد میں آنے والوں نے یہ روش ترک کر دی اور نصوص کو چھوڑ اور عبارتیں ڈھونڈ نکالی جو ترک نصوص کا موجب بنیں اور اس میں جو فساد ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

گیارھواں فائدہ :

جس کے پاس حدیث کی کتب موجود ہوں اور وہ اسکا معنی مفہوم سمجھتا ہو تو اس کے لیے اس پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا جائز ہے اور کسی امام وفقیہ کی کوئی ضرورت نہیں، صحابہ کرام رضوان الله علیهم اجمعین کی یہی عادت تھی کہ جب انہیں حدیث رسول ﷺ پہنچی تو وہ نسخ وتعارض کا اندیشہ خاطر میں نہیں لاتے تھے اور بے دھڑک عمل کرتے تھے یہ اس صورت میں جب حدیث کا معنی واضح طور پر سمجھتا ہو اگر حدیث کے معنی میں خفاء ہو تو پھر عدم فہم کی وجہ سے فتویٰ دینا درست نہیں۔

بارھواں فائدہ :

مفتی کے لیے فتویٰ دینے میں جلد بازی مناسب نہیں جب اس سے مسئلے پوچھا جائے اور اسے اس کے جواب کا یقین ہو تو مدلل جواب دے دے اگر اسے شک یا توقف ہو تو سائل سے مہلت مانگ لے اور کتب سنت اور اقوال علماء کا مطالعہ کر کے با دلیل سمجھ کر یقین کے ساتھ سائل کو جواب دے، اسی لیے مفتی کے لیے ایک خاص مذہب کی کتب کا مطالعہ کفایت نہیں کرتا، حق اہل علم کے اقوال میں ہے، اس لیے کتب علماء کا مطالعہ لازم ہے، طالب حق کو حق مل کے رہے گا۔

تیرھواں فائدہ :

مفتی کے پاس سنت کی کتابوں کا ذخیرہ ہونا چاہیے اور صحیح وضعیف کی معرفت کے لیے احادیث کی اسانید کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اور اس طرح مذاہب اربعہ کی کتب فقہ بھی موجود ہونی چاہیے۔ اس طرح اہل علم کے اقوال میں اس کیلئے حق کا تَبَیُّنْ اور واضح ہونا ممکن ہوگا۔ واللہ المستعان۔

چودھواں فائدہ :

مفتی کو اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرتے رہنا چاہیے، اللہ کی طرف نہایت عجز وانکسار اور احتیاج صادق کا اظہار کرتے رہنا چاہیئے تا کہ باب فتویٰ اس کے لیے آسان ہو۔ جو تضرع والحاح کے ساتھ اللہ سے دعا کرتا ہے۔ اللہ اس کے لیے رحمت وہدایت اور توفیق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع اور عمل مقبول مانگتا ہوں اور تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پکدامنی اور غنٰی کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! اس فتاویٰ کو اپنے پاس شرف قبولیت بخش، اور تمام مسلمانوں کے لیے اسے مفید بنا۔ اور میرے لیے ذخیرہ آخرت بنا۔ آمین۔



كتاب العقيدة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب العقیدة

شریعت میں نقل نہ ہونے والے امور کا حکم

١ : - سوال : کیا عدم نقل عدم حکم کی دلیل ہے؟ کیا یہ شرعی دلیل ہے؟ اگر ہے تو کیا دلیل ہے؟۔

(١٤١٥/٣/١٤ھ) بروز اتوار۔

جواب : لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ :

جان لو! اللہ مجھ پر اور آپ پر رحم فرمائے۔ تمام بدعات کی تردید کے لیے شریعت مطہرہ کا یہ عظیم اصول اور جلیل القدر قاعدہ ہے۔ مبتدعین مختلف قسم کی بدعات گھڑتے ہیں۔ اگر کوئی ان بدعات کی تردید کرتا ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی تردید ثابت نہیں اور نہ ہی انہوں نے منع فرمایا ہے۔

یہ جاہل نہیں جانتا کہ کثرت دواعی کے باوجود نقلی دلیل کا نہ ہونا اسکے نہ ہونے کی دلیل ہے، اس قاعدے کا تعلق عبادات سے ہے کیونکہ عبادات تمام توقیفی ہیں باقی تمام اشیاء چونکہ اصل اباحت ہے اس لیے منع کرنے کے لیے شرعی نہی کی ضرورت ہے پھر ہم رکیں گے۔ اور اس قاعدہ جلیلہ کی دلیل قرآن وسنت اجماع صحابہ وعلماء رَبَّانِیِّیْن ہے۔

قرآن : اللہ تعالیٰ کا قول ہے : ﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهٰٮكُمۡ عَنۡهُ فَانْتَهُوۡا ﴾ (الحشر ٩)

(اور جو کچھ رسول ﷺ دے، لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ)

یعنی جو قول فعل یا ترک تمھیں دیں لے لو۔ جیسے امام الشوکانی نے فتح القدیر (١٩٨/٥) میں اشارہ کیا ہے۔

سنت : دلائل سنت کا ضبط وحصر مشکل ہے البتہ بعض صحیح احادیث کی طرف جو معروف ہیں ہم اشارہ کرتے ہیں۔

o **پہلی حدیث:** [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ]
(کسی نے ایسا کوئی عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں، وہ مردود ہے)
صحیح مسلم (۷۷/۲) ریاض الصالحین (۱۱۸ حدیث نمبر ۱۶۹) احمد (۱۴۶/۶، ۱۸۰، ۲۵۶) صحیح بخاری (۱۰۹۲/۲)۔
لفظ امر یہاں عام ہے جو فعل کو بھی شامل ہے۔
امام نوویؒ فرماتے ہیں: «یہ حدیث حفظ کے قابل ہے اور اسے منکرات کے ابطال کے لیے استعمال کرنا چاہیئے۔ اور اس سے استدلال عام ہونا چاہیئے»۔ ابن رجبؒ کی جامع العلوم والحکم (ص: ۵۲) میں ہے: امر سے مراد یہاں آپ ﷺ کا دین اور شریعت ہے۔ ضیاء النور۔ (ص: ۱۲۵) اور اسی طرح نیل الاوطار میں اس کا مفصل ذکر ہے۔
o **دوسری حدیث:** بخاری و مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:
[لَمْ أَرَ النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ] مشکوٰۃ (۲۲۷/۱)۔
(میں نے نبی ﷺ کو بیت اللہ کے ان دو کونوں کا استلام کرتے ہوئے دیکھا ہے جسے رکنین یمانیین کہتے ہیں)۔
o **تیسری حدیث:** مہاجر مکی روایت کرتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھ کر دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو انہوں کہا، ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا ہم ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔
(ترمذی، ابوداؤد اور اسی طرح مشکوٰۃ (۲۲۷/۱) میں)
o **چوتھی حدیث:** زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل یمامہ کے قتل وقتال کے زمانہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا جب میں انکے پاس آیا تو عمر رضی اللہ عنہ انکے پاس تھے تو ابوبکر فرمانے لگے کہ عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں قرآن کے قراء بے دریغ قتل ہوئے اور مجھے ڈر ہے کہ اگر مختلف مقامات پر قراء اسی طرح قتل ہوتے رہے تو قرآن کا اکثر حصہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ میری رائے ہے کہ میں تمھیں جمع قرآن کی ذمہ داری سونپوں۔ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو کہا، رسول اللہ ﷺ نے جو کام نہیں کیا وہ آپ کیسے کرنا چاہتے ہیں۔ الحدیث اور اس میں یہ بھی ہے ''میں نے کہا تم وہ کام کس طرح کرنا چاہتے ہو جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا''۔　(بخاری (۷۴۵/۲) مشکوٰۃ (۱۹۳/۱)
یہ حدیث قاعدہ مذکورہ کی واضح ترین دلیل ہے۔
o **پانچویں حدیث:** ابووائل سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، میں شیبہ کے ساتھ اس مسجد (مسجد حرام) میں بیٹھا وہ کہنے لگا میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیری جگہ بیٹھا تھا تو وہ کہنے لگے میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمام سونا چاندی مسلمانوں میں تقسیم کر ڈالوں، میں نے کہا آپ یہ کام نہ کریں کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا یہ کام آپ کے ساتھیوں (رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے نہیں کیا۔ تو کہنے لگے اقتداء ان دونوں کی ہی ہونی چاہیے۔ (صحیح بخاری (۱۰۸۰/۲)

○ چھٹی حدیث: ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: "رسول اللہ ﷺ نے فرض وضوء ایک ایک بار بیان کیا، اور دو دو بار اور تین تین بار بھی کیا، تین بار سے زائد نہیں کیا۔ اور اہل علم نے فعل نبی سے تجاوز کر کے اسراف کرنے کو مکروہ سمجھا ہے"۔

صحیح بخاری (۲۵/۱)

○ ساتویں حدیث: مسلم اور اسی طرح مشکوٰۃ (۱۲۵/۱) میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدین کی نماز کئی بار بغیر اذان و اقامت کے پڑھی۔

○ آٹھویں حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھائی اور اس سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں پڑھی۔ بخاری مسلم اور مشکوٰۃ (۱۲۵/۱) اسی طرح عبدالرزاق نے (۲۷۵/۳) میں روایت کیا ہے۔

امام عبدالرزاق ابو اسحٰق سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں علقمہ سے عید کے دن امام کے نکلنے سے پہلے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ کے صحابہ عید کے نماز سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ سائل نے کہا اگر میں نماز پڑھ لوں تو آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا، "میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا عمل بتا دیا آگے آپ خوب جانتے ہیں۔

مُصنّف عبدالرزاق (۲۷۳/۳)

○ نویں حدیث: امام عبدالرزاق نے ثوریؒ سے وہ ابی رباحؒ سے وہ ابن مسیبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو طلوع فجر کے بعد نوافل پڑھتے دیکھا تو اسے منع کر دیا تو وہ کہنے لگا اے ابو محمد! کیا اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے پر مجھے عذاب دے گا، تو انہوں نے کہا، نماز پر نہیں بلکہ سنت کی مخالفت پر عذاب دے گا۔ (مصنف عبدالرزاق (۵۲/۳ رقم ۴۷۵۵)

○ دسویں حدیث: بخاری (۲۴۱/۱)، (۵۷/۱) میں عمرو بن دینار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے عمرے میں صرف بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کی سعی نہیں کی وہ اپنی بیوی سے صحبت کر سکتا ہے تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ تشریف لائے بیت اللہ کے سات چکر لگائے، مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، پھر صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے اور رسول اللہ ﷺ کے فعل میں تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے، عمرو بن دینار کہتے ہیں پھر ہم نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا صفا مروہ کی سعی کرنے سے پہلے اس کے قریب نہ جائے۔ الحدیث۔

مسلم (۱/۵-۴) احمد (۱۰/۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: صفا مروہ کی سعی سے پہلے آپ ﷺ حلال نہیں ہوتے تھے۔ تو آپ کی اتباع واجب ہے۔

○ گیارھویں حدیث: مسلم اور اسی طرح مشکوٰۃ (۱۲۴/۱) میں عُمارۃ بن رُوَیبہ سے روایت ہے انہوں نے بشر بن مروان کو خطبہ میں دونوں ہاتھ اٹھاتے دیکھا، تو کہا اللہ ان دونوں ہاتھوں کو برباد کرے اور انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس سے زیادہ کچھ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

○ **بارھویں حدیث :** مسلم (۱/۲۴۳) میں عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیں منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھائی پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا اور کہا، "میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعت پڑھی ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رکعت پڑھی ہیں، عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو رکعت پڑھی ہیں، کاش کہ ان چار رکعتوں میں سے دو رکعات مقبولہ ہی میرے حصے میں آتیں انہوں نے سنت کی مخالفت کے لیے عدم فعل کو دلیل بتایا۔

○ **تیرھویں حدیث :** بخاری (۱/۱۴۸) اور احمد (۳/۴۴۶) میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو سواری پر اشارے سے نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا، سواری جس طرف بھی منہ کرتی اور رسول اللہ ﷺ فرض نمازوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

فی الوقت یہی دلائل میرے ذہن میں مستحضر تھے۔ جبکہ اس قاعدہ جلیلہ کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔

اب ہم اہل علم وعرفان کی کتب سے دلائل اور مؤیدات ذکر کرتے ہیں

○ **قسطلانی (۷/۳۴۵)** میں ہے: "آپ ﷺ کا ترک ہمارے حق میں سنت ہے" یعنی جو آپ نے ترک کیا تو اس کا ترک کرنا ہمارے لیے سنت ہے اگر چہ مطالبہ پر ہمارے پاس اور کوئی دلیل نہ ہو جس طرح کہ آپ کا فعل سنت ہے ہمارے لئے اس میں آپ کی اتباع مسنون ہے بشرطیکہ اس کا آپ کے لیے خاص ہونے کی دلیل نہ ہو۔

○ **مرقاۃ:** (۱/۴۱) میں ہے "متابعت جس طرح فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی ہوتی ہے تو جو کوئی ایسا کام مواظبت کے ساتھ کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ مبتدع ہے۔

○ **لمعات:** لعبد الحق الدهلوی (۱/۳۶) میں ہے، "اتباع جس طرح فعل میں واجب ہے اسی طرح ترک میں بھی ہے"۔

○ **ھدایہ :** (۱/۱۴۷) میں ہے، "دن میں ایک نیت سے چار رکعات سے زائد مکروہ ہے اور کراہت کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے زائد نہیں پڑھی۔ اگر کراہت نہ ہوتی تو جواز کی تعلیم کے لئے ضرور زائد کرتے۔

اسی طرح ہدایہ (۱/۸۶) باب اذان سے قبل مذکور ہے "طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت فجر کے علاوہ نفل نہ پڑھے کیونکہ نبی ﷺ باوجود حرص نماز کے اس سے زائد نہیں پڑھیں"۔

اسی طرح (۱/۱۷۳) باب العیدین میں ہے:

"اور نماز عید سے پہلے عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ نبی ﷺ نے باوجود حرص نماز کے نہیں پڑھے"۔

اسی طرح (۱/۱۷۶) میں ہے : "صلوۃ کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ یہ منقول نہیں"۔

میں کہتا ہوں: یہ صاحب ہدایہ کی اخطاء میں سے ہے، ان کی اخطاء بہت ہیں۔ لیکن یہ بطور الزام ہم نے ذکر کی۔

○ اسی طرح (۱/۷۷) میں ہے:

''اور قوم (استسقاء میں) اپنی چادریں نہ پلٹیں کیونکہ یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا ہو''۔

○ اور امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ جب قبض کیے گئے تو یہ دین کامل ہو چکا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کے آثار کی اتباع کرنی چاہیے، رائے کی تابعداری نہیں کرنی چاہیے''۔

اسی طرح اعتصام للشاطبی (۱/۷۷) میں ہے۔

○ اور المواہب اللدنیۃ (۷/۲۷۸) میں ہے:

''آپ ﷺ کی تابعداری آپ کے تمام اقوال وافعال میں وجوداً وعدماً ثابت ہوئی۔ ہاں اگر دلیل کسی چیز کو آپ کے لیے خاص کرتی ہو تو بموجب منطوق آیات آپ کی اطاعت کرتے ہوئے اس کو آپ کے لیے ہی خاص کیا جائے گا''۔

○ مدخل: میں ہے: ''آپ کے فعل پر زیادت بدعت ہے۔ اور (۳/۳۸) میں ہے کہ اس بدعت کا کم از کم درجہ کراہت کا ہے''۔

○ ردالمحتار: (۱/۵۵۸) میں ہے: ''آپ ﷺ کا عدم فعل کراہت پر دلالت کرتا ہے، اور کہا ہے: ''جس چیز کی مشروعیت کی دلیل نہ ملے تو اس کا کرنا حلال نہیں بلکہ مکروہ ہے''۔

○ المولوی شرح الحسامی: میں بحث بیان تبدیل میں ہے: ''حکم شرعی سوائے دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوتا''۔

○ فتح القدیر (۲/۶) باب الاستسقاء میں ہے: ''مدارک شرعی (شرعی دلائل) کا نہ ہونا حکم شرعی کی نفی کے لیے کافی ہے''۔

اور اسی طرح (۲/۴۱) میں ہے: ''اس (ذکر کا عدم جہر) میں شرعی مورد پر ہی بند رہنا چاہیے''۔

○ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَاجْعَلْ لِقَلْبِكَ هِجْرَتَيْنِ وَلَا تَنَمْ	○	فَهُمَا عَلَى كُلِّ امْرِئٍ فَرْضَانِ
فَالْهِجْرَةُ الْأُوْلَى إِلَى الرَّحْمٰنِ بِالْ	○	إِخْلَاصِ فِي سِرٍّ وَفِي إِعْلَانِ
فَالْقَصْدُ وَجْهُ اللهِ بِالْأَقْوَالِ والْ	○	أَعْمَالِ وَالطَّاعَاتِ وَالشُّكْرَانِ
فَبِذَاكَ يَنْجُو الْعَبْدُ مِنْ إِشْرَاكِهِ	○	وَيَصِيْرُ حَقًّا عَابِدَ الرَّحْمٰنِ
وَالْهِجْرَةُ الْأُخْرَى إِلَى الْمَبْعُوْثِ بِالْ	○	حَقِّ الْمُبِيْنِ وَوَاضِحِ الْبُرْهَانِ
فَيَدُوْرُ مَعْ قَوْلِ الرَّسُوْلِ وَفِعْلِهِ	○	نَفْيًا وَإِثْبَاتًا بِلَا رَوْغَانِ
وَيُحَكِّمُ الْوَحْيَ الْمُبِيْنَ عَلَى الَّذِيْ	○	قَالَ الشُّيُوْخُ فَعِنْدَهُ حَكَمَانِ

لَا يَحْكُمَانِ بِبَاطِلٍ أَبَدًا	o	وَكُلُّ الْحَقِّ قَدْ جَاءَتْ بِهِ الْحُكْمَانِ
وَهُمَا كِتَابُ اللهِ أَعْدَلُ حَاكِمٍ	o	فِيهِ الشِّفَا وَهِدَايَةُ الْحَيْرَانِ
وَالْحَاكِمُ الثَّانِي كَلَامُ رَسُولِهِ	o	مَا ثَمَّ غَيْرُهُمَا لِذِي إِيْمَانِ

نونية ابن القيم ص (۲۰)

۱- سونا مت اور اپنے دل کے لیے دو ہجر تین اختیار کر اور یہ دونوں ہر شخص پر فرض ہیں۔

۲- پہلی ہجرت پوشیدہ اور علانیہ طور پر خلوص کے ساتھ رحمٰن کی طرف ہے۔

۳- اقوال واعمال، طاعات وشکر کے ساتھ اللہ کی رضا مقصود ہو۔

٤- اس طرح بندہ شرک سے نجات حاصل کر کے رحمٰن کا سچ مچ بندہ بن جائے گا۔

٥- دوسری ہجرت رسول مبعوث کی طرف ہے حق مبین اور واضح دلیل کے ساتھ۔

٦- پس رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کے ساتھ نفی واثبات میں بغیر کجروی کے گھومتا رہے۔

۷- اور وحی مبین علماء اور بزرگوں کے اقوال پر حاکم ہے پس اس کے پاس فیصلہ کن چیزیں (قرآن وسنت) ہوئیں۔

۸- ان دونوں (قرآن وسنت) کا فیصلہ باطل نہیں ہوسکتا اور حق سارے کا سارا یہ دو چیزیں ہی لاتی ہیں۔

۹- اور ان دونوں میں سے ایک کتاب اللہ ہے جو حاکم عادل ہے اور اس میں شفاء اور حیران کے لیے رہنمائی ہے۔ ۱۰- اور دوسرا حاکم اللہ کے رسول کا کلام ہے ایمان والے کے لیے ان دونوں کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں۔

o امام ابن کثیر رحمہ اللہ: اپنی تفسیر (۱۰٦/۴) میں فرماتے ہیں :

''جو قول وفعل صحابہ سے ثابت نہ ہوا سے اہل سنت والجماعت بدعت کہتے ہیں کیونکہ اگر بھلائی کا کام ہوتا تو وہ ضرور ہم سے پہلے کر گزرتے کیونکہ وہ خیر کی کسی بھی خصلت کی طرف مبادرت کئے بغیر نہیں رہے''۔

o الحلبي الكبير شرح المنية (۳۷۱) بحث اذان میں ذکر ہے،

''عید اور کسوف کے لیے عدم نقل کی وجہ سے اذان نہ کہی جائے''۔

o عناية : (۵۷/۱) میں ہے: ''نبی ﷺ سے نقل کا نہ ہونا آپ ﷺ کے عدم فعل پر دلالت کرتا ہے''۔

اسی طرح مائة مسائل ص (۱۴۱،۷۵،۲۸) میں بھی ہے۔

o فتاویٰ حديثية لابن حجر الهيثمي (ص۲۰٦) میں ہے :

''اسی طرح تقاضے کے باوجود جو آپ ترک فرمائیں تو آپ کا ترک سنت ہے''۔

○ الابداع (ص ۱۹) میں ہے: ''جان لو اسنت رسول جیسے فعل میں ہوتی ہے اس طرح ترک میں بھی ہے۔ تو جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے فعل میں ہمیں آپ کی اتباع کا مکلف بنایا ہے جس سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ آپ ﷺ کے لیے خاص نہ ہو اس طرح ترک میں بھی ہم سے آپ کی اتباع کا مطالبہ کیا ہے تو ترک بھی سنت ہوا۔ تو جس طرح آپ ﷺ نے جو فعل کیا ہے اس کے ترک سے ہم تقرب حاصل نہیں کر سکتے اسی طرح جو آپ نے ترک فرمایا ہے اس کے کرنے سے بھی ہم تقرب حاصل نہیں کر سکتے۔ تو آپ کے چھوڑے ہوئے کا کرنے والا ایسے ہے جیسے آپ کے کیے ہوئے کا تارک، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

○ صاحب مجالس الأبرار: (۱/۱۲۸-۱۲۹) میں رقم طراز ہے:

''علماء کہتے ہیں: «آپ ﷺ نے جو کچھ کیا اس کا ترک کرنا بھی سنت ہے بشرطیکہ مقتضی موجود ہو اور مانع معدوم ہو۔ تو جب رسول اللہ ﷺ نے جمعہ میں اذان کا حکم فرمایا اور عیدین میں نہیں، تو عیدین میں اذان کا ترک کرنا سنت ہوا۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ عیدین میں اذان کا اضافہ کرے اور کہے کہ یہ تو عمل صالح کا اضافہ ہے جو نقصان دہ نہیں۔ اسے کہا جائے گا، کہ رسولوں کے ادیان اور شریعتیں اسی طرح تغیر کا شکار ہوئیں اگر دین میں اضافہ جائز ہوتا تو پھر فجر کی نماز چار رکعات اور ظہر کی نماز چھ رکعات جائز ہوتی۔ اور کہہ دیا جاتا کہ یہ عمل صالح کی زیادتی ہے جو مضر نہیں۔

اور کسی کے لیے اس طرح کہنا جائز نہیں، کیونکہ مبتدع اپنی بدعت کی جو مصلحتیں اور فضیلتیں بیان کرتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود ہوں اور اس کے باوجود آپ نے نہ کیا ہو تو ایسے فعل کے ترک کا سنت ہونا ہر عموم وقیاس پر مقدم ہے۔ جو ایسا عمل کرتا ہو اور اس کا عقیدہ ہو کہ یہ دین میں مشروع ہے تو یہ فاسق اور مبتدع ہے کیونکہ فسق بدعۃ سے عام ہے ہر بدعت فسق ہے اور ہر فسق ضروری نہیں کہ بدعت ہو اس طرح بدعت فسق سے شر میں بڑھ کر ہے جو بدعت کا ارتکاب کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص کر رہا ہوتا ہے اگر چہ وہ اپنے زعم میں بدعت پر عمل کرنا آپ ﷺ کی تعظیم سمجھتا ہے''۔

○ صاحب المجمع نے اپنی شرح میں کہا ہے: ''ایک آدمی نے جبانہ میں نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا چاہا تو علی رضی اللہ عنہ نے اسے منع کر دیا۔ وہ آدمی کہنے لگا، اے امیر المومنین! میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب نہیں دے گا تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل پر ثواب نہیں دے گا جب تک رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو اور اس کی ترغیب نہ دی ہو تو تیری نماز عبث ہوئی اور عبث حرام ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ تجھے اپنے رسول کی مخالفت کی وجہ سے عذاب دے دے''۔

○ صاحب ھدایہ کہتے ہیں: ''(بعد طلوع فجر) صبح کی دو سنتوں کے علاوہ نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حرص کے باوجود اس سے زیادہ نہیں پڑھی''۔

غور کریں کیسے رسول اللہ ﷺ کے عدم فعل کو باب عبادات میں کراہت پر دلیل بنایا۔ (مجالس الابرار ص (۱۲۹)۔

صاحب مدخل نے تسحیر و تذکار اور دیگر بدعات کے بدعت ہونے پر استدلال کیا ہے کہ ''یہ اسلاف نے نہیں کیا ہے''۔

مدخل (۱۱۷/۲)

اور صاحب البحر نے (۱۶۰/۲) میں عیدگاہ میں نوافل کی کراہیت کی علت عدم نقل کو ہی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ کراہت کی دلیل کتب ستہ میں ابن عباس ﷜ سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نکلے اور انہیں نماز عید پڑھائی اور اس سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں پڑھی اور بعد نماز عید نفل کی کراہیت محمول ہے جب وہ عیدگاہ میں ہو کیونکہ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے جب گھر واپس لوٹتے تو دو رکعت پڑھتے تھے اور اس کی سند صحیح ہے۔

o امام حاکم مستدرک میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ عید کے دن عیدگاہ کی طرف نکلے اور نماز عید سے پہلے اور بعد میں نماز نہیں پڑھی اور ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے یہی کیا تھا۔ حاکمؒ اور ذھبیؒ نے تلخیص میں اسے صحیح کہا ہے۔

o شیخ محمد اسماعیل انصاریؒ نے القول الفصل (ص:۲) میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ "جسے رسول اللہ ﷺ ترک فرمائیں اس کا ترک کرنا سنت ہے"۔ اس قاعدہ کے دلائل بکثرت ہیں لیکن قاری کی سمجھداری پر اعتماد کرتے ہوئے بعض بیان کر دیے ہیں۔ اور اسی قاعدہ پر بطور تفریع چند بدعات کی نشاندہی کرتے ہیں جن کے جواز کے لیے مبتدعین استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع نہیں کیا ہے۔

(۱) - : نماز کے بعد اجتماعی دعا۔ (۲) -: قبرستان میں فدیوں کی تقسیم اور اسے متعدد لوگوں کا ہاتھوں میں پھیرنا۔

(۳) - :اور نماز جنازہ کے بعد دعا۔ (۴) -: اور جنازے کے آگے آگے ذکر کرنا۔

(۵) - : بعض متعین مقامات پر ذکر بالجہر۔

(۶) -: سحری کے وقت، منبر پر اور مساجد کے دروازوں پر نماز کے لیے بلانا۔

(۷) -: بعض مقرر شدہ نمازیں جیسے قضاء عمری، اور نماز رغائب وغیرہ۔

(۸) - : بعض شب و روز کو عبادت کے لیے خاص کرنا جیسے جمعہ کی رات سورۃ ملک کی قراءت اور جمعہ کے رات صدقہ کرنا۔

(۹) -: عید میلاد اور میلاد کے نام پر محفلیں، عرس اور قوالی، اور اس طرح اور بہت ساری بدعات جو ہمارے علاقوں میں عام ہیں، اور کتنے ہی لوگ ان بدعات کی طرف دعوت دیتے ہیں اور واہی شبہات اور من گھڑت دلائل کے ساتھ عام مسلمانوں کے لیے اسے مزین کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔



شیطان سے بچاؤ کی حفاظتی تدابیر

۲-: **سوال :** شیطان سے بچنے کے کیا طریقے ہیں؟ تاکہ ہم اس کھلے دشمن سے بچ سکیں۔

جواب:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ، أَمَّا بَعْد :

سنت مطہرہ امت اسلامیہ کو معطر حکمتیں، مہذب اخلاق اور ہر شر سے بچنے کے بہترین طریقے پیش کرتا ہے۔ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہم اس کا علم و معرفت اور قول و عمل کے لحاظ سے اہتمام بلیغ کریں۔ان میں ہر پیچیدہ مرض کا شافی علاج موجود ہے۔سردست شیطان سے حفاظت کے لیے گیارہ چیزیں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ ہم اور عام مسلمان ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

o **حرز اوّل :** شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾

(حم السجدہ آیت:۳۶۔اعراف ۲۔غافر ۰۶)۔

(اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے)۔

عدی بن ثابت روایت کرتے ہیں سلیمان بن صرد سے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھا تھا، اور دو آدمی ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ان میں سے ایک غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ’’مجھے ایسا کلمہ معلوم ہے اگر یہ شخص کہہ دے تو اُس کا غصہ کافور ہوسکتا ہے، اگر یہ ’أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم‘ ’’کہہ دے تو اس کا سارا غصہ ختم ہو جائے گا‘‘۔

صحیح بخاری (۹۰۳/۲)

o **دوسرا حرز :** **معوذتین** کی قرأت بھی شیطان کو دور کرنے اور اس کے شر سے محفوظ کرنے میں بڑا عجیب اثر رکھتی ہے۔اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: [مَا تَعَوَّذَ الْمُتَعَوِّذُوْنَ بِمِثْلِهَا] پناہ پکڑنے والوں نے اس جیسی پناہ نہیں پکڑی)۔

سنت میں ان دونوں سورتوں کا سوتے وقت ایک بار پڑھنا ثابت ہے، ایک قول میں تین بار پڑھنا ہے، اس طرح فرض نمازوں کے بعد ایک ایک بار پڑھنا اور صبح وشام سورۃ اخلاص سمیت تین تین بار پڑھنا ثابت ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا : [كَفَتْهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ] پڑھنے والے کو یہ ہر چیز کے شر سے کافی ہیں‘‘۔ ان کی اسانید صحیح ہیں۔

(مشکوٰۃ ۱/۱۸۰و۱۸۸)۔

o **تیسرا حرز :** فرض نمازوں کے بعد اور سوتے وقت آیت الکرسی کا پڑھنا، حدیث صحیح میں ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے

وہ کہتے ہیں:[وَكَّلَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَأَتَى آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ إِلَى أَنْ قَالَ - : إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فَإِنَّهُ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : «صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، ذٰلِكَ الشَّيْطَانُ»]

(رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ رمضان کی حفاظت کے لیے مجھے مقرر فرمایا، رات کو ایک شخص آکر غلے سے جھولی بھرنے لگا میں نے اسے پکڑلیا، آگے حدیث بیان کی یہاں تک کہ اس شخص نے کہا رات جب بستر پر لیٹنے لگے تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرتو اللہ کی طرف سے محافظ تیرے پاس رہے گا، اور صبح تک شیطان تیرے قریب نہ آسکے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بات اسکی سچی ہے لیکن وہ جھوٹا شیطان ہے)۔ بخاری (۲/۴۹۷) مشکوۃ (۱/۱۵۸)۔

حدیث صحیح میں بروایت ابوامامہ باہلی ؓ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے اس کے اور دخول جنت میں صرف موت ہی حائل ہے''۔ ابن السنی رقم ۱۲۱)، مجمع الهیثمی (۱۰/۱۰۲) حلیہ لابی نعیم (۳/۲۲۱) السلسلہ للالبانی (۶۹۷۰۲) رقم :(۹۷۲) مشکاۃ رقم (۹۷۴) صحیح ابن حبان، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: (۴۹) رقم : (۱۰۰) والمنذری فی الترغیب (۲/۴۰۳)

حدیث شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ جس نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے اس نے مشکوۃ کی حدیث کی سند دیکھی ہے۔

○ چوتھا حرز: سورۃ البقرۃ کی قرأت۔

حدیث صحیح میں ابو ہریرۃ ؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[لَاتَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَفِرُّ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي يُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ)

(اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان دور بھاگتا ہے)۔

مسلم (۱/۲۶۰)، مشکوۃ (۱/۱۸۴)، ترمذی (۲/۱۱۰)۔

○ پانچواں حرز: - سورۃ بقرۃ کی آخری دو آیتیں،

حدیث صحیح میں ہے ابوموسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[مَنْ قَرَأَ الْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ]

(جو سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھتا ہے تو وہ اسکے لیے کافی ہیں)۔ بخاری (۲/۴۹۷)، مشکوۃ (۱/۱۸۰)۔

اسی طرح نعمان بن بشیر ؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَاباً قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ بِأَلْفَيْ عَامٍ، أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَلَايُقْرَأَنَّ فِي دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرُبُهَا شَيْطَانٌ]

(اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک تحریر لکھی اس میں سے دو آیتیں اُتار کر سورۃ بقرۃ کو ختم کیا ہے، یہ دو آیتیں تین راتیں کسی گھر میں پڑھی جائیں تو شیطان اس کے قریب نہیں آسکتا۔ اس کی سند صحیح ہے۔
ترمذی (۴/۲) مشکوٰۃ (۱/۱۸۰۔ رقم ۲۱۴۵)۔

○ **چھٹا حرز:** ابتدائے سورۃ حم المؤمن سے لیکر "اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ" تک اور آیت الکرسی۔

حدیث عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہے وہ ابن ابی ملیکہ سے اور وہ زرارۃ بن مصعب سے اور وہ ابو سلمہ سے اور وہ ابو ہریرہ ﷛ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الْمُؤْمِنِ اِلٰى قَوْلِهٖ (اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ) وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ، حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُمْسِيَ، وَمَنْ قَرَأَهُمَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُصْبِحَ] ترمذی (۱۱۰/۲)
(جو سورۃ "حم المؤمن" "اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ" تک اور آیۃ الکرسی صبح پڑھتا ہے تو شام تک محفوظ رہتا ہے اور جو شام کو پڑھتا ہے تو صبح تک محفوظ رہتا ہے)۔

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن الملیکی حافظہ کے لحاظ سے متکلم فیہ ہیں، آیت الکرسی کی قرأت میں حدیث کے شواہد ہیں۔ اسکی غرابت کا احتمال ہے، اور دارمی (۳۲۳/۲) نے بھی نقل کی ہے لیکن اسکی سند میں ضعف ہے۔

○ **ساتواں حرز:**

[لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ]۔ (سو بار)۔

صحیحین میں ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ، وَكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهٗ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ) مشکوٰۃ (۲۱۰/۱) میں بھی ہے۔

(جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، روزانہ سو بار کہتا ہے تو اسے دس غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، اسکی سو نیکیاں لکھی جائیں گی، اور سو گناہ مٹا دیے جائیں گے اور اس دن وہ شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا۔ اور اس سے افضل نیکی کسی نے نہیں کی، لیکن وہ شخص جو اس سے زیادہ عمل کرتا ہے)۔

تو یہ بڑے فائدے والا حرز ہے اور اللہ جس کے لیے آسان بنادے نہایت ہی آسان ہے۔

یہ کلمہ صبح شام دس بار بھی وارد ہے۔ ابوداؤد (۹۵۷/۳)۔ ابن ماجہ: (۳۸۶۷/۲)۔

○ **آٹھواں حرز:** - ذکرِ الٰہی کی کثرت:

یہ شیطان کے حرزوں میں سے سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔ بسند صحیح حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
((یقیناً اللہ تعالیٰ نے یحییٰ ابن زکریا علیہ السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا تا کہ وہ خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو عمل کرنے کا کہیں۔قریب تھا کہ وہ دیر کر دیتے تو عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کا حکم دیا تا کہ آپ بھی اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی عمل کرنے کا حکم دیں۔تو آپ انہیں حکم دیں یا پھر میں انہیں حکم دیتا ہوں۔یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے ڈر ہے اگر آپ نے مجھ سے سبقت کی تو مجھے عذاب دیا جائے گا، اور دھنسا دیا جائے گا۔
یحییٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا جب مسجد بھر چکی تو آپ کو اونچی جگہ پر بٹھایا گیا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے جس پر مجھے بھی عمل کرنے کا حکم دیا ہے، اور تمہیں بھی:
پہلی بات: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، اور شرک کی مثال اس کی شخص کی کی سی ہے جو اپنے زرخرید غلام کو کہتا ہے کہ یہ میرا گھر اور یہ میرا کام، تو کام کرتا جا اور مزدوری مجھے ادا کرتا جا، لیکن وہ مزدوری کر کے اُجرۃ اپنے مالک کے علاوہ کسی اور کو دے آتا ہے تو تم میں سے کون چاہتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو۔
دوسری بات: اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز کا حکم دیا ہے تو جب نماز ادا کرنے لگو تو ادھر اُدھر مت دیکھو۔ اللہ تعالیٰ اپنا منہ نماز میں بندے کے منہ کی طرف کرتا ہے جب تک وہ ادھر اُدھر نہ دیکھے۔
تیسری بات: اللہ تعالیٰ نے تمہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، روزہ دار کی مثال کسی جماعت میں اس شخص کی سی ہے جس کے پاس تھیلی میں مشک ہو، اسے اور سب لوگوں کو اس کی خوشبو اچھی لگتی ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہے۔
چوتھی بات: اسی نے تمہیں صدقے کا حکم دیا ہے، صدقہ کرنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کو دشمن نے قید کر رکھا ہے اور اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے ہیں اور اسے گردن اڑانے کے لیے لے آتے ہیں، تو وہ کہتا ہے میں اپنا سب کچھ فدیے میں دینے کے لیے تیار ہوں، تو فدیہ دیکر وہ اپنے آپ کو ان سے چھڑا لیتا ہے۔ پانچویں بات: اور تمہیں ذکر اللہ کا حکم دیتا ہے، ذکر کرنے والی کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کا دشمن بڑی تیزی سے پیچھا کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ ایک مضبوط قلعے میں داخل ہو کر اپنے آپ کو ان سے بچا لیتا ہے، اس طرح بندہ اپنے آپ کو شیطان سے ذکر اللہ سے بچا سکتا ہے))۔
نبی ﷺ نے فرمایا: [وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ، اَللّٰهُ أَمَرَنِيْ بِهِنَّ: اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يُّرَاجِعَ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُثِيِّ جَهَنَّمَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَإِنْ صَلّٰى وَصَامَ؟ قَالَ: وَإِنْ صَلّٰى وَصَامَ وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللهِ]

(میں بھی تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، امیر کی بات سننا، اس کی اطاعت کرنا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا، اور مسلمان کی جماعت کے ساتھ رہنا، جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوگا تو گویا اس نے اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے اتار دیا۔ جب تک وہ رجوع نہ کرے اور جو جاہلیت کے دعوے کرتا ہے وہ جہنمی ہے، ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول اگر وہ نماز پڑھتا ہو روزے رکھتا ہو۔ فرمایا اگر چہ وہ نمازیں پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو، اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو، پس اللہ کی دعوت اختیار کرو، اس نے تم پر مسلم، مؤمن، عباد اللہ نام لیا ہے)۔

اس حدیث میں بڑے فائدے کی باتیں ہیں جن کا یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے،

اسی لیے میں نے یہ طویل حدیث پوری ذکر کی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو شیطان سے ذکر کے ذریعے بچا سکتا ہے۔

اس مفہوم پر سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ بھی دلیل ہے، اس میں شیطان کو خناس کہا گیا ہے، خَنَّاسُ اسے کہتے ہیں جو بندہ کے ذکر کرتے وقت پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر سے غافل ہوتا ہے تو دل کو گرفت میں لیکر وسوسے ڈالتا ہے جو تمام شروں کی ابتداء ہوتی ہے، پس بندوں کے لیے اپنے آپ کو شیطان سے محفوظ کرنے کے لیے ذکر اللہ جیسی کوئی چیز نہیں۔

○ نواں حرز: نماز اور وضوء:

یہ دونوں بہت بڑے حرز ہیں خاص کر غضب وشہوت کے وقت یہ آگ ہوتی ہے جو انسان کے دل میں بھڑکتی ہے۔

ترمذی میں بروایت ابو سعید خدری ذکر ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں:

[اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِيْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ اَمَا رَاَيْتُمْ اِلٰى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ، وَانْتِفَاخِ اَوْدَاجِهِ فَمَنْ اَحَسَّ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيَلْصَقْ بِالْاَرْضِ]

(غصہ انسان کے دل میں انگارہ ہوتا ہے تم دیکھتے نہیں کہ غصے کے وقت آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں جسے یہ کیفیت محسوس ہو، زمین پر لیٹ جانا چاہئے)۔

ایک اثر میں ذکر ہے: [اَلشَّيْطَانُ خُلِقَ مِنْ نَارٍ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ]

(شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے)،

میں کہتا ہوں: اسکی سند ضعیف ہے جیسے کہ ضعیف ابی داؤد رقم: (۴۷۸۴) میں ہے۔

تو بندہ کے لیے غضب وشہوت کی آگ بجھانے کے لیے وضوء ونماز جیسی کوئی چیز نہیں، اس آگ کو وضوء ونماز بجھا دیتی ہیں۔

نماز جب نہایت خشوع اور اللہ کے ساتھ لو لگا کر پڑھی جائے تو ان تمام اثرات کو ختم کر دیتی ہے۔

تجربہ کرنے کی صورت میں دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

○ **دسواں حرز:** دخول مسجد کے وقت بندے کا

"[أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ] ابوداود رقم: ۴۶۶) بسند صحیح۔

(جو یہ دعا پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے سارا دن مجھ سے محفوظ ہو گیا)۔

○ **گیارھواں حرز:** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

"[مَنْ قَرَأَ أَرْبَعَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ وَآيَتَانِ بَعْدَ آيَةِ الْكُرْسِيِّ، وَثَلَاثًا مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَمْ يَقْرُبْهُ وَلَا أَهْلَهُ يَوْمَئِذٍ شَيْطَانٌ وَلَا شَيْءٌ يَكْرَهُهُ وَلَا يُقْرَأْنَ عَلٰى مَجْنُوْنٍ إِلَّا أَفَاقَ].

[امام دارمی (۳۲۲/۲ رقم: ۳۳۸۶)]

(جو سورۃ بقرہ کی اول چار آیتیں آیۃ الکرسی، اور اس کے بعد دو آیتیں اور سورۃ بقرہ کی آخری تین آیتیں پڑھتا ہے تو اس شخص اور اسکے اہل کے قریب نہ شیطان پھٹکتا ہے اور نہ ہی کوئی مکروہ چیز۔ اور مجنون پر اگر پڑھی جائیں تو اسے افاقہ ہو جاتا ہے)۔

اس کی سند موقوفاً صحیح ہے۔

○ **بارھواں حرز:** بے فائدہ دیکھنے، فضول باتوں، بسیار خوری اور عام لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے رکنا۔

شیطان انہی چار دروازوں سے انسان پر مسلط ہو کر اپنی غرض پوری کرتا ہے، بے فائدہ ادھر اُدھر دیکھنے سے کوئی صورۃ اچھی لگ جاتی ہے پھر وہ صورۃ دل میں جا گزین ہوتی ہے اور انسان کو مشغول کر لیتی ہے، پھر اس کے حصول کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے تو اس سارے فتنے کی ابتداء نظر فضول سے ہوئی۔

مستدرک میں نبی ﷺ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں:

[اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ، فَمَنْ غَضَّ بَصَرَهُ أَوْرَثَهُ اللهُ حَلَاوَةً يَجِدُهَا فِيْ قَلْبِهِ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ] (دیکھنا اور تاڑنا ابلیس کا زہریلا تیر ہے جو نظریں نیچی رکھتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ایسی حلاوت پیدا فرماتا ہے جسکی لذت اللہ سے ملاقات کے دن تک دل میں رہتی ہے)۔

بڑے بڑے حوادث کا سبب یہی تاک تاڑ ہے جس کا انجام ایک حسرت نہیں بے شمار حسرتیں ہوتی ہیں، جیسے شاعر نے کہا ہے:

كُلُّ الْحَوَادِثِ مَبْدَؤُهَا مِنَ النَّظَرِ	○	وَمُعْظَمُ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرَرِ
كَمْ نَظْرَةٍ فِيْ قَلْبِ صَاحِبِهَا	○	فَتْكَ السِّهَامِ بِلَا قَوْسٍ وَلَا وَتَرٍ

تمام حوادث کی ابتداء دیکھنے سے ہوتی ہے، بڑی آگ چھوٹی سی چنگاری سے ہی بھڑکتی ہے۔

کئی نظریں اسکے صاحب کے دل میں کمان کے بغیر تیر کی طرح گھائل کرتی ہیں۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

وَكُنْتَ مَتَى أَرْسَلْتَ طَرْفَكَ رَائِدًا	٥	لِقَلْبِكَ يَوْمًا أَتْعَبَتْكَ الْمَنَاظِرُ
رَأَيْتَ الَّذِي لَا كُلُّهُ أَنْتَ قَادِرٌ	٥	عَلَيْهِ وَلَا عَنْ بَعْضِهِ أَنْتَ صَابِرُ

اور جب بھی تو اپنے دل کی خوشنودی کیلئے اپنی نظر دوڑاتا ہے تو مختلف مناظر تجھے تھکا دیتے ہیں۔

تو دیکھتا ہے کہ نہ تو سب پر تو قدرت رکھتا ہے اور نہ بعض سے تو صبر کرسکتا ہے۔

امام ابن قیمؒ نے بدائع الفوائد (۲/۲۷۴) میں کہتے ہیں، مقدمہ شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں بھی مذکور ہے:

يَا رَامِيًا بِسِهَامِ اللَّحْظِ مُجْتَهِدًا	٥	أَنْتَ الْقَتِيلُ بِمَا تَرْمِي فَلَا تُصِبِ

اے وہ جو نظر کا تیر مارنے میں بڑی کوشش کرتا ہے تو جو تیر تو مارتا ہے اس سے تو ہی قتل ہوتا ہے۔ پس تو نے کوئی ٹھیک کام نہیں کیا۔

وَبَاعِثَ الطَّرْفِ يَرْتَادُ الشِّفَاءَ لَهُ	٥	تَوَقَّهُ إِنَّهُ يَرْتَدُّ الْعَطَبِ

اور نظر کو بھیجنے والے کہ تو اس کے لیے شفاء طلب کرے، وہ تو تیرے لئے ہلاکت طلب کرتی ہے۔

تَرْجُوا الشِّفَاءَ بِأَحْدَاقٍ بِهَا مَرَضٌ	٥	فَهَلْ سَمِعْتَ بِبُرْءٍ جَاءَ مِنْ عَطَبِ

تو ان آنکھوں سے شفاء کی امید رکھتا ہے کہ جن میں بیماری ہے، تو کبھی تو نے سنا ہے کہ ہلاکت سے بھی صحت آتی ہے۔

وَمُفْنِيًا لِنَفْسِهِ فِي أَثَرِ أَقْبَحِهِمْ	٥	وَصْفًا لِلَطْخِ جَمَالٍ فِيهِ مُسْتَلَبِ

اور اپنے آپ کو ایسی چیز کے پیچھے ہلاک کرنے والا ہے جو بلحاظ وصف کے قبیح ترین ہے اور اس میں جو جمال کی آمیزش ہے وہ سلب ہونے والی ہے۔

وَوَاهِبًا عُمْرَهُ فِي مِثْلِ ذَا سَفَهًا	٥	لَوْ كُنْتَ تَعْرِفُ قَدْرَ الْعُمْرِ لَمْ تَهَبِ

اور اپنی عمر کو بے وقوفی سے اس جیسی قبیح چیز کو ھبہ کر رہا ہے، اگر تو عمر کی قدر جانتا تو اسے ھبہ نہ کرتا۔

وَبَائِعًا طِيبَ عَيْشٍ مَالَهُ خَطَرٌ	٥	بِطَيْفِ عَيْشٍ مِنَ الْآلَامِ مُنْتَهَبِ

اور اے اپنی بے خطر اچھی زندگی کو بیچنے والے! اس خیالی زندگی سے جو مصائب و آلام سے لوٹ گیا ہے۔

غُبِنْتَ وَاللهِ غَبْنًا فَاحِشًا فَلَوْ	٥	اِسْتَرْجَعْتَ ذَا الْعَقْلِ لَمْ تَغْبِنْ وَلَمْ تَخِبِ

اللہ کی قسم تم نے بہت بڑا نقصان اٹھایا اگر کسی ذی عقل سے رجوع کرتے تو نہ نقصان اٹھاتے نہ محروم ہوتے۔

وَوَارِدًا صَفْوَ عَيْشٍ كُلُّهُ كَدَرٌ	٥	أَمَامَكَ الْوِرْدُ صَفْوًا لَيْسَ بِالْكَذِبِ

اور اے (دنیاوی) زندگی میں وارد ہونے والے جسے تم صاف سمجھتے ہو، یہ حقیقت میں مکدر ہے اور گلاب کی طرح صاف زندگی (آخرت) تمھارے آگے ہے، یہ جھوٹ نہیں ہے۔

وَحَاطِبَ اللَّيْلِ فِي الظَّلْمَاءِ مُنْتَصِبًا	٥	لِكُلِّ دَاهِيَةٍ تَدْنُ مِنَ الْعَطَبِ

اور اے اندھیری رات میں لکڑیاں اکٹھی کرنے والے اور ہر مصیبت کے لیے اُٹھ کھڑے ہونے والے تم ہلاکت کے قریب ہو رہے ہو۔

شَابَ الصِّبَا وَالتَّصَابِيْ بَعْدُ لَمْ يَشِبِ	٥	وَضَاعَ وَقْتُكَ بَيْنَ اللَّهْوِ وَاللَّعِبِ

تمھارے بچپن بڑھاپے تک پہنچ گئے لیکن بچپن کی خُو ابھی تک بوڑھا نہیں ہوا اور تیرا وقت لہو ولعب میں ضائع ہوا۔

وَشَمْسُ عُمْرِكَ قَدْ حَانَ الْغُرُوْبُ لَهَا	٥	وَالصِّبَا فِي الْأُفُقِ الشَّرْقِيِّ لَمْ يَغِبِ

تیری عمر کے سورج کا وقت غروب ہو چکا لیکن بچپن کی خُو، اب تک شرقی افق میں ہے اور غروب نہیں ہو رہی۔

مقصد یہ ہے کہ بلا فائدہ تاکنا جھانکنا ہی اصل مصیبت ہے، اور فضول باتیں انسان کے لیے شر کے دروازے کھول دیتا ہے جہاں سے شیطان کا آنا جانا ہوتا ہے تو فضول باتوں سے اجتناب کی وجہ سے یہ تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں، اکثر بڑی بڑی جنگوں کا سبب چھوٹی سی بات ہی ہوتی ہے، فضول باتوں کے مفاسد کا احصار ممکن نہیں، حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے معاذ کو فرمایا: (قیامت کے دن) اکثر لوگوں کا اُوندھے منہ جہنم میں گرنے کا سبب، زبان کی کٹی فصل ہی ہوگی، احمد وغیرہ۔

اکثر معاصی کا سبب فضول بکنا اور فضول تاک جھانک ہوتا ہے، اور ان میں شیطانی دخل اندازی کے وسیع امکانات ہوتے ہیں اور دونوں کام کرنے والے نہ اکتاتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں بخلاف پیٹ کی شہوت کے کہ جب پیٹ بھر جاتا ہے تو کھانے کی طلب نہیں رہتی، اور اگر آنکھ اور زبان کو دیکھنے بولنے کے لیے چھوڑ دیا جائے تو اس میں فتور نہیں آتا اس لیے ان کی جنایت کا دائرہ وسیع الاطراف ہے۔ ترغیب و ترھیب للمنذری: (٥٢١/٣) رقم (٥٤٥) ۔

اسی طرح بسیار خوری بھی مختلف النوع برائیوں کی طرف دعوت دیتی ہے اس سے اعضاء کو معاصی کی طرف تحریک ملتی ہے اور طاعات سے مشغول کر دیتی ہے، اس کے یہی دو شر کافی ہیں کتنی ہی معصیتیں ہے جنہیں بسیار خوری کھینچ لاتی ہے اور کتنی ہی طاعتوں کے یہ آڑھے آتی ہے تو جو پیٹ کے شر سے بچ گیا وہ بہت بڑے شر سے محفوظ ہو گیا، شیطان کا انسان پر تسلط شکم سیری کے وقت زیادہ مستحکم ہوتا ہے اسی لیے بعض اثار میں ذکر ہے، روزہ رکھ کر شیطانی گزرگاہوں کو تنگ کرو۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "انسان نے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں بھرا"۔

اسی طرح فضول میل جول بڑی مہلک بیماری ہے جو ہر شر کی جڑ ہے۔ میل جول کتنی ہی نعمتوں سے محرومی کا سبب بنی اور اس نے کتنی

ہی عداوتوں کے بیج بوئے۔

فضول مخالطة (میل جول) میں دنیا وآخرت کا خسارہ ہے اس لیے انسان کو بہ بقدر حاجت اختیار کرنی چاہیے۔

اس باب میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں اسمیں سے کسی قسم کا دوسری قسم کے ساتھ ملانا باعث شر ہے۔

○ **قسم اول**: ان کے ساتھ مخالطت کی دن رات میں عذاب کی مانند ضرورت رہتی ہے، جب ضرورت پڑے تو ان سے ملنا چاہتے اور جب ضرورت پوری ہو تو چھوڑ دینا چاہیے اور یہ طرز عمل دائم اور مستمر ہونا چاہیے، یہ قسم کبریت احمر سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ یہ لوگ علمائے ربانی اور کتاب وسنت کے شیدائی ہیں۔

○ **دوسری صنف**: ان کی مخالطت کی دواء کی مانند ضرورت رہتی ہے، بوقت بیماری کے استعمال کی ضرورت ہوتی اور تندرستی میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ لوگ کسب ومعاش والے ہیں۔

○ **تیسری صنف**: ان کی مخالطت بیماری کی مانند ہے یہ مختلف نوع کے ہوتے ہیں اور قوت اور ضعف میں ان کے مراتب مختلف ہوتے ہیں، اسمیں سے بعض دین اور دنیا دونوں کا نقصان کرتے ہیں، بعض صرف دین اور بعض صرف دنیا کے خسارے کا باعث بنتے ہیں اور تمہارا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔

○ **چوتھی صنف**: ان کی مخالطت زہر قاتل ہے یہ قسم لوگوں میں بکثرت پائی جاتی ہے، یہ اہل بدعت وضلال ہیں یہ لوگ کتاب وسنت سے روکتے ہیں ان کی دعوت کتاب وسنت کے خلاف ہوتی ہے اور یہ سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت بناتے ہیں، معروف کو منکر اور منکر کو معروف بناتے ہیں!!۔

یہ لوگ توحید الٰہی بیان کرنے والوں کو اولیاء کے گستاخ کہتے ہیں، اور اتباع سنت کی دعوت دینے والوں کی ائمہ کے گستاخ سمجھتے ہیں۔ اگر تم اللہ کی وہ صفتیں جو اللہ اور رسول نے بیان فرمائی ہیں، غلو وتقصر کے بغیر بیان کریں۔

"کہتے ہیں تم مُشَبِّهَه ہو" اگر تم اس چیز کا حکم دو جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور منع کرو اس چیز سے جس سے رسول نے منع کیا ہے تو کہتے ہیں تم فتنہ باز ہو اور اگر خلاف سنت چیزوں کو چھوڑ کر صرف سنت کی تابعداری کرو تو کہتے ہیں یہ بدعتی اور گمراہ ہے اور اگر دنیائے دنی سے کٹ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں یہ دھوکہ باز ہے۔

اور اگر اپنا طریقہ چھوڑ کر ان کی ہاں میں ہاں ملاؤ تو عند اللہ خاسر اور ان کے نزدیک پھر بھی منافق ٹھہرو۔

ان لوگوں سے بچنا چاہیے اور ان کے غیظ وغضب کی پرواہ کئے بغیر اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی ہی ہوشمندی ہے۔ ان کی مذمت وبغض کی پرواہ نہ کرنا اور ان کے ساتھ نوک جھونک میں مشغول نہ ہونا ہی کمال ہے، تو جو ان حروز طیبہ کو اختیار کریگا تو وہ شیطان کے دروازے بند کر کے جنت کے دروازے اپنے کھول لے گا اور جہنم کے دروازے بند کرے گا، اور قریب ہے کہ مرتے وقت اسے

یہ علاج اچھا لگے۔ واللہ اعلم

تفصیل کے لیے رجوع کریں۔ بدائع الفوائد للامام ابن قیم (۲/۲۶۷-۲۷۶)۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

عمر دراز کرنے کی دعا کی حقیقت

۳-: **سوال** : لوگ دعا میں کہتے ہیں "اللہ عمر دراز کرے، اللہ تادیر باقی رکھے" کیا اس جیسی دعائیں کی جاسکتی ہیں اور اس کے جواز ومنع کی کیا دلیل ہے؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَمَّابَعْدُ :

درازی عمر اور تادیر باقی رہنے کی دعا مکروہ ہے جیسے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد: (۲/۴۲) نے فرمایا ہے، الفاظ مکروہہ میں سے ہیں : بعض ایسی اشیاء کا صراحت سے نام لینا جبکہ وہاں کنایہ مناسب ہو جیسے : اَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَكَ (اللہ تمہیں تادیر باقی رکھے) "وَاَدَامَ اَيَّامَكَ" (آپ کے روز وشب ہمیشہ رہیں) وَعِشْتَ اَلْفَ سَنَةٍ (آپ ہزار سال جئیں) وغیرہ یا یہ کہے: الصَّائِم وَ حَقِّ الَّذِيْ خَتَمَ عَلٰى فَمِ الْكَافِرِ ، یا ٹیکس کو حقوق کہنا، یا اللہ کی طاعت میں خرچ کرنے ولا کہے، غَرِمْتُ اَوْ خَسِرْتُ كَذَا وَكَذَا، (میں نے اتنا اتنا خسارہ کیا)، یا یہ کہے:

"اَنْفَقْتُ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا مَالًا كَثِيْرًا" (میں نے اس دنیا میں بہت مال خرچ کیا) یا مفتی کا اجتہادی مسائل میں کہنا: "اَحَلَّ اللّٰهُ كَذَا وَحَرَّمَ كَذَا" (اللہ نے فلاں چیز حلال کی یا فلاں چیز حرام کی)

حل وحرمت کی صراحۃً نسبت ان چیزوں میں کی جاتے جس میں نص صریح موجود ہو۔

یا قرآن وسنت کے دلائل کو ظواہر لفظی اور مجازات کہے، اس قسم کے نام لینے سے دلوں سے قرآن وسنت کی حرمت محو جاتی ہے، خاص کر اس کے ساتھ ساتھ متکلمین اور فلاسفہ کے شبہات کو قواطع عقلیہ کہے، لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ان دوناموں سے عقول وادیان میں اور دنیوی دینی کیسے کیسے فساد برپا ہوتے ہیں۔

شیخ ابن العثیمین نے اپنے مجموع فتاوی (۲/۲۲۵-۲۲۶) میں فرمایا ہے: "طول البقاء کہنا مناسب نہیں کیونکہ طول البقاء اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی وہ لوگ برے ہیں جن کی عمر لمبی اور عمل خراب ہو، اس لحاظ سے اگر کوئی یوں کہے، اَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَكَ عَلٰى طَاعَتِهٖ (اللہ اپنی اطاعت کے لیے تمہیں تادیر باقی رکھے) تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور آپ نے فرمایا: لوگوں کا کہنا، "اَدَامَ اللّٰهُ اَيَّامَكَ" (اللہ آپ کے ایام دائم رکھے) دعا میں حد سے بڑھنا ہے، کیونکہ ایام کا دوام محال ہے اور اللہ کے

قول، ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ ''زمین پر جو ہیں فنا ہونے والے ہیں ،صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی'' (رحمٰن: ۲۶-۲۷)

اور اللہ کے قول ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾ (الانبیاء ٣٤) ''آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی، کیا اگر آپ مر گئے تو وہ ہمیشہ کے لیے رہ جائیں گے'' (انبیاء: ۳۴) کے منافی ہے۔

تو اہل پشتو کا یہ کہنا ''زر کلنے شے'' (ہزار سالہ ہو جاؤ) مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(لیکن دوسری تحقیق میں ہمیں بعض روایات مل گئی کہ ان سے عمر کی درازی کے دعاء کرنے کی جواز معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے انس بن مالک کے بارے میں یہ دعا کی: ''اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَطِلْ عُمُرَهٗ وَاغْفِرْ لَهٗ'' ۔(اے اللہ! اس کا مال اور اولاد زیادہ فرما، اور اس کے عمر میں طوالت فرما اور اس کی گناہ معاف فرما)۔ (الادب المفرد للبخاری ص (۶۵۳) والصحیحہ (۹۴/۶) رقم (۲۵۴۱)۔ یہ مسئلہ اس فتاوی کی آٹھویں جلد میں بھی بیان ہو چکی ہیں۔ رقم المسئلہ: (۱۸۸۶)۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بحق، حرمت، جاہ، برکت اور طفیل جیسے الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا حکم

٤ - سوال : کیا کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے بِحَقِّ فُلَان، بِحُرْمَةِ فُلَان، بِجَاهِ فُلَان، فلان کے طفیل اور فلان کی برکت کہہ سکتا ہے ؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الدَّاعِيْنَ وَالْمُتَّقِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ:

یہ تمام دعائیں محدث ہیں، سنت کی تتبع کرنے والے کو انمیں سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہے کہ دعا عبادت ہے اور عبادات توقیف واتباع پر مبنی ہیں، خواہشات و بدعات کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جامع دعائیں بتائی ہیں، انمیں بعض جاہلوں کے گھڑے ہوئے کلمات اور محدث الفاظ کے پیوندکاری کی کوئی ضرورت نہیں، اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ شرعی کلمہ کو بدلنے اور اس کی جگہ من گھڑت کلمہ رکھنے سے اللہ کے عذاب کا نزول نہ ہوگا، بلکہ یہ نزول عذاب کا موجب ہے جیسے بنی اسرائیل پر عذاب نازل ہوا تھا جب انہیں کلمہ ''حِطَّةٌ'' کہنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اسے بدل کر ''حِنْطَةٌ'' کہا تھا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ''ہم نے بھی ان ظالموں پر

ان کے فسق ونافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا" (البقرة : ۵۹)۔

صحیح بخاری (۱/۴۸) میں براء بن عازب سے روایت ہے جب انہیں رسول اللہ نے سونے کی دعا سکھائی اور اس میں یہ فرمایا: "وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ" براء کہتے ہیں میں نے یہ دعا نبی ﷺ کو سنائی جب یہاں پہنچا: "اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ" تو میں نے کہہ دیا: "وَرَسُوْلِكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ" تو آپ نے فرمایا نہیں، "وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ" پڑھ، تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شرعی کلمے کی تبدیلی جائز نہیں۔

تو سوال میں جن کلمات کا ذکر ہے ان کے ساتھ دعا کرنا بدعت ومن گھڑت ہے۔

جیسے مرغینانیؒ نے الهداية (۴/۴۷۵) كتاب الكراهية میں فرمایا ہے:

"کسی شخص کا اپنی دعا میں بِحَقِّ فُلَانٍ ،بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ "کہنا مکروہ ہے کیونکہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں"۔

اور علی القاریؒ کی شرح فقہ اکبر ص: (۱۶۱) میں ہے :

"امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کہتے ہیں، کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں تجھ سے مانگتا ہوں بحق فلان، یا بحق تیرے انبیاء ورسل کے اور بحق بیت الحرام اور شعر حرام کے اور اس طرح کے الفاظ کہنا مکروہ ہے، کیونکہ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں"۔

فتاویٰ عالمگیری: (۴-۱۱۹) میں ہے: "کسی شخص کا اپنی دعا میں یہ کہنا مکروہ ہے، "بحق فلان، اور اس طرح بحق انبیاء ورسل اور اولیاء اور بحق بیت اللہ یا مشعر حرام کہنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں جو بندوں کا اللہ پر واجب ہو"۔

اور شیخ عبداللطیف بن عبدالرحمن المصری رحمہ اللہ، منہاج التاسیس، ص: (۱۵۵) میں فرماتے ہیں:

"لوگوں کا کہنا، اے اللہ بجاہ تیرے فلان بندے کے اور بحرمت فلان تیرے بندے کے، اور تیرے فلان بندے کی برکت کے ساتھ میرا فلان فلان کام کر دے، تو یہ صحابہ تابعین اور سلف امت میں کسی سے منقول نہیں"۔

اور امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ الجواب الکافی :ص (۲۲) میں فرماتے ہیں:

"اور ان جہال میں سے بعض فقراء اور مشائخ کی محبت کیوجہ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں، اور ان کے مقبروں کو کثرت سے آتے جاتے ہیں، ان کیلئے عاجزی کرتے اور شفاعت طلب کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی طرف وسیلہ بناتے ہیں اور ان کے حق وحرمت کے ساتھ سوال کرتے ہیں اور لفظ جاہ، حرمت اور طفیل کے ساتھ دعا کرتے ہیں، بعض متاخرین نے اسے جائز قرار دیا ہے اور کتابوں میں اس کی تصریح کی ہے اور صوفیاء نے اپنے سلسلوں اور شجروں میں ذکر کیا ہے۔

اس طرح مولانا رشید احمد گنگوھیؒ نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ میں جائز قرار دیا ہے جیسے کہ کتب حنفیہ میں مذکور ہے اور ان کا ان کلمات کو جائز قرار دینا علامہ آلوسیؒ کا اپنی تفسیر میں ذکر کردہ تاویل پر مبنی ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ توسل اللہ کی صفت کے ساتھ توسل کی طرف راجع ہے اس طرح "طفیل" کا لفظ اتباع کے معنی کی طرف

راجع ہے، جس طرح اس لفظ کی گردان اس پر دلالت کرتی ہے تو توسل بالعمل الصالح ہوا۔

لیکن جو لوگ ان کلمات کے ساتھ توسل کرتے ہیں وہ ان تاویلات سے غافل ہوتے ہیں جو مخفی نہیں۔ اس لیے جائز نہیں، اسی لیے میں کہتا ہوں، حق بات یہی ہے کہ یہ الفاظ من گھڑت ہیں کیونکہ نہ تو یہ نبی ﷺ سے صحیح حدیث میں منقول ہیں، نہ خیر القرون میں صحابہ اور تابعین سے، پس اللہ اور رسول کے علاوہ کس کے قول میں کوئی حجت نہیں۔ خصوصاً متاخرین کے قول میں کوئی حجت نہیں بلکہ کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ اپنی بدعی تجویزات میں کوئی دلیل بیان نہیں کرتے۔

دقیق تحقیق کے لیے ہمارے شیخ السید ابوزکریا عبدالسلام "حفظه الله" کی کتاب "التبیان" کا مطالعہ کریں۔

ابن ماجہ کی حدیث (۲۵۶/۱)، رقم: (۷۷۸)

"[اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَايَ] الحدیث۔

تو یہ مبتدعین کی دو وجہ سے دلیل نہیں بن سکتی:

پہلی وجہ: اس حدیث کی سند ضعیف ہے، اس کی سند میں فضیل بن مرزوق راوی ہے جسے محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے اور اس کی سند میں عطیہ راوی صدوق کثیر الخطاء ہے، یہ شیعہ اور مدلس تھا۔

تیسری علت اس میں اضطراب کی ہے، اس حدیث کو عطیہ کبھی مرفوع تو کبھی موقوف بیان کرتا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیں السلسلة الضعيفة (۳۴/۱) رقم: ۴)۔ اور اس طرح رقم: (۲۲) میں لفظ جاہ پر رد کیا ہے، اس طرح رقم: (۲۳) میں موضوع اور ضعیف روایات بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

دیکھیں مجمع الزوائد (۲۵۷/۹) اور حلیة الاولیاء (۱۲۱/۳)۔

دوسری وجہ: سائلین کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ وہ ان کی دعا کو قبول کرے تو اس میں اور اس جیسی ہم معنیٰ عبارتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف مخلوق کو وسیلہ بنانے میں سے کچھ بھی نہیں پایا جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے صفت قبولیت کے ساتھ توسل ہے، رجوع کریں فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۳۳۹/۱) اور انواع التوسل والوسيلة للشيخ الالباني.

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

آدم علیہ السلام کی نبوت پر دلیل:

۵- **سوال** : ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا کہ آدم علیہ السلام کی نبوت پر کوئی دلیل نہیں اگر آپ کے پاس کوئی دلیل ہو تو ہمیں بیان کریں۔ (عبدالرحمن الکنوی).

جواب: وَبِاللّٰہِ تَعَالٰی التَّوْفِیْقُ۔

یہ معترض شاید اباحی دھریہ میں سے ہو جو لوگوں کو ادیان سماویہ سے نکلنے کی دعوت دیتے ہیں، آدم علیہ السلام کی نبوت پر کتاب وسنت اور اجماع امت کی ایسی دلیلیں ہیں کہ ان کا کوئی جواب نہیں۔

قرآن پاک میں اللہ کا قول ہے : ﴿ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴾: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہاں کے لوگوں میں سے آدم (علیہ السلام) کو اور نوح (علیہ السلام) کو، ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمالیا)''۔(آل عمران آیت ۳۳)۔

یہ آیت آدم علیہ السلام کی نبوت پر صریح ترین دلیل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہی وہ انبیاء ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل وکرم کیا جو اولادِ آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ کشتی میں چڑھا لیا تھا۔''مریم: آیت ۵۸)۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں'' (البقرہ:۳۰)

آپ کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیتیں بہت ہیں۔

سنت کی دلیل :ابوذرؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں: میں نے کہا اے اللہ کے رسول! نبیوں میں سے کون پہلے تھے؟۔فرمایا: ''آدم (علیہ السلام پہلے تھے)''۔میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! وہ نبی تھے کیا؟ فرمایا:''ہاں مکلّم تھے''۔الحدیث۔مسند احمد (۱۷۸/۵)۔مشکوٰۃ: (۵۱۱/۲)۔ دیکھیں ابن کثیر، (۵۸۵/۱)، مجمع الزوئد (۱۵۹/۱-۱۶۰)اور (۲۱۰/۸)۔

رہا اجماع: تو تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ آدم علیہ السلام نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا تھا۔اور اس میں پہلوں اور پچھلوں میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور ایسا اجماع قطع اور یقین کا فائدہ دیتا ہے اور باب عقیدہ میں اس کا انکار کفر بواح ہے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

"اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ" میں الفاظ بڑھانا بدعت ہے

٦- **سوال**: کیا سنت نبویہ مطہرہ میں یہ دعا ثابت ہے ؟ [اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَأَدْخِلْنَا دَارَكَ دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ] فرض نماز کے بعد۔

(جمیل طالب علم)۔

جواب: صحیح وحسن کسی حدیث میں یہ ثابت نہیں اور نہ ہی ضعیف حدیث میں، واعظوں میں کسی بے لگام نے اسے گھڑا ہے جیسے مرقات: (۳۵۸/۲) میں ہے شیخ جزریؒ نے تصحیح المصابیح میں کہا ہے:

اور "مِنْكَ السَّلَامُ" کے بعد جو "وَاِلَیْكَ یَرْجِعُ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَأَدْخِلْنَا دَارَكَ دَارَ السَّلَامِ" کا اضافہ کیا گیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ یہ کسی واعظ کی اختراع ہے، صحیح ثابت اس طرح ہے، "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ) (مسلم)۔

حاجی کی شفاعت کے بارے میں حدیث

۷ - **سوال**: کیا یہ ثابت ہے کہ حاجی چار سو آدمیوں کی شفاعت کرے گا ؟۔(سلام طالب علم)۔

جواب: وَمِنَ اللہِ التَّوْفِیْقُ وَالصَّوَابُ۔

میں نے یہ حدیث کنز العمال: (۱۴/۵) رقم ۱۱۸۴۱) میں دیکھی تھی ابوموسیٰ ﷛ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے حاجی اپنے گھرانے کے چار سو آدمیوں کے لیے شفاعت کرے گا، اور وہ گناہوں سے ایسے نکل جائے گا جیسے کہ اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔(بزار)

لیکن ہم نے ابھی تک اس کی سند نہیں دیکھی، پھر ایک بھائی نے مجھے بتایا کہ یہ حدیث المنذری نے ترغیب: (۲/) میں ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا یعنی مجہول ہے۔

پھر میں نے یہ حدیث کشف الأستار: (۳۹/۲ رقم: ۱۱۵۴)۔اور المجمع: (۲۱۱/۳) میں دیکھی اس کی سند اس طرح ہے :

حدثنا عمرو بن علی، ثنا ابو عاصم، ثنا عبداللہ بن عیسی رجل من أھل الیمن عن سلمة بن وھرام، عن رجل عن أبي موسی مرفوعاً، فذکرہ واللہ تعالیٰ أعلم۔

عصر کے بعد لکھنے کے بارے میں ایک موضوع حدیث

۸ - **سوال** : کیا وہ حدیث ثابت ہے جس میں عصر کے بعد لکھنے سے ممانعت آئی ہے؟ ـ (اخوکم سہیل) ـ

جواب : یہ حدیث علماء نے موضوعات کی کتابوں میں ذکر کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں، جو اپنی دو محبوب یا مکرم چیزوں سے محبت رکھتا ہے اور ایک روایت میں ہے، جو اپنی دو محبوب چیزوں کی عزت کرتا ہے تو عصر کے بعد ہرگز نہ لکھے ـ

علی القاری ؒ اپنی موضوعات ص: (۶۶) میں کہتے ہیں :

"مرفوع میں اس کی کوئی اصل نہیں، امام سخاوی ؒ کہتے ہیں شاید معنی یہ ہے، "عصر کے بعد جب اندھرا ہوا اور چراغ کوئی نہ ہو" ـ

اور امام احمد نے اپنے بعض شاگردوں کو وصیت کی کہ عصر کے بعد کتاب کو نہ دیکھیں، اسے خطیب نے روایت کیا ہے ـ

میں کہتا ہوں، یہ طبیب کا کلام ہے، جیسے امام شافعی ؒ نے کہا ہے کہ وراق اپنے آنکھوں کی دیت کھاتا ہے" اھ ـ

تو آدمی کو نفع بخش کام سے اس جیسی کمزور حدیث کیوجہ سے نہیں رکنا چاہئے، واللہ اعلم.



اِقَامَةُ الْمَاْتَم عَلٰی مَنْ أَبَاحَ التَّعَاوِيْذَ وَالتَّمَائِمِ

تعویذ وتمائم کو جائز کرنے والے پر اقامت ماتم

گلے وغیرہ میں تعویذ لٹکانے کا حکم

۹-: **سوال** : ایک شخص لوگوں کو دفع امراض وتکالیف کے لیے لکھ کر لٹکانے کے لیے یہ شعر سکھاتا ہے: لِيْ خَمْسَةٌ أُطْفِيْ بِهَا حَرَّ الْوَبٰي، اَلْحَاطِمَةَ وَالْمُصْطَفٰى وَالْمُجْتَبٰى وَالْفَاطِمَةَ وَأَبْنَائها. (سائل محمد یونس ومحمد گل)۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ۔

یہاں دو بحثیں ہیں : پہلی بحث: اس شعر کے ابطال میں۔ دوسری بحث: تعاویذ کے لٹکانے میں :

پہلی بحث : اللہ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں: یہ بیت کئی وجوہ سے باطل ہیں:

پہلی وجہ : اس کا قائل معلوم نہیں اور ایسا بیت باطل ہے۔

دوسری وجہ: اس بیت کا کوئی معنی نہیں کیونکہ اس میں لفظ حاطمہ کا کوئی معنی نہیں۔

تیسری وجہ: یہ شعر کافر شیعوں نے گھڑا ہے وہ عام صحابہ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ کے ساتھ بغض رکھتے ہیں اور مذکورہ پانچ کی محبت کے دعویدار ہیں لیکن وہ ان کے بھی دشمن ہیں۔

چوتھی وجہ: اگر ''حَرَّ الْوَبٰي'' سے مراد دفع امراض ہے جیسے کہ سوال میں مذکور ہے تو یہ شرکی وسیلہ ہے اور یہ شخص ضال یا مضل بلکہ شرک ہے کیونکہ وہ لوگوں کو دفع امراض وتکالیف کے لیے نبی ﷺ سے جو صحیح ثابت ہے نہیں سکھاتا، اور ایک بدعی چیز گھڑ کر مسلمانوں کے عقائد خراب کر رہا ہے، شرکی اور بدعی کلمات میں کوئی خیر نہیں، خیر رسول اللہ ﷺ سے جو صحیح ثابت ہیں اس میں ہے،

اور اگر ''حَرَّ الْوَبٰي'' سے مراد اپنی حرارت کلی کو ان کی محبت سے دفع کرنا ہے تو یہ دور کی تاویل ہے، جو اس شخص کے عمل کے مخالف ہے اور پھر یہ عام صحابہ کو چھوڑ کر صرف ان پانچ کی تخصیص کیوں کرتا ہے؟۔

ان وجوہات کی بناء پر یہ شعر بھی باطل ہے اور اس کا بیمار کے گلے میں لٹکانا بھی باطل ہے۔

مولانا رشید احمد احسن الفتاوی (۴۸/۱) میں کہتے ہیں: ''یہ بیت اور اس کا گلے میں لٹکانا باطل اور شرک ہے''۔

دوسری بحث: تعویذدو قسم کے ہیں:

پہلی قسم: اگر تعویذ میں ایسا دم لکھا گیا ہے جس کا کوئی معنی نہیں یا لکیریں ہیں جس سے مراد سمجھ میں نہیں آتی یا اس میں شرک کے کلمات ہوں یا ان میں غیر اللہ سے فریادرسی کی گئی ہو جیسے سلیمان، فرعون، شداد، بدوح، جبریل، میکائیل، حسن، حسین، فاطمہ، حیدر وغیرہ تو اس قسم کے تعاویذ کی حرمت پر اتفاق ہے اور اس کی رخصت علماء تو در کنار مسلمانوں میں سے کسی نے نہیں دی۔

اس کی دلیل صحیح مسلم (۲/۲۷۷) میں عوف بن مالک اشجعی ؓ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں:

''کہ ہم جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے تو ہم نے کہا اے اللہ کے رسول: اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: [أَعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ، لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَالَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ]

(تم اپنے دم مجھ پر پیش کرو ایسے دم کا کوئی حرج نہیں جس میں شرک نہ ہو)۔

مسند احمد (۴/۱۵۴) میں ام سلمہؓ سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ أَلْقَى وَدَعَةً فِي عُنُقِ الصَّبِيِّ فَاللّٰهُ عَنْهُ بَرِيْءٌ] ''جس نے بچے کے گلے میں منکا لٹکایا تو اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے''۔

اس طرح عرف شذی :(۲/۲۸) میں ہے

لیکن باوجود تلاش بسیار بروایت ام سلمہؓ مجھے مسند احمد میں یہ حدیث نہیں ملی، اس کی سند حسن ہے جیسے کہ امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے اور ودعة لغت میں منکے کو کہتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

[إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ] (یقیناً رقی، تمائم، تولہ شرک ہے)

ابوداؤد رقم: (۳۸۸۳)، ابن ماجہ رقم: (۳۵۳)، ابن حبان رقم: (۱۴۱۳)، احمد: (۱/۳۸۱)، حاکم: (۴/۲۱۷)۔

اور اسی طرح سلسلہ: (۱/۵۸۵)، رقم: (۳۳۱) شیخ فرماتے ہیں ''رقی'' سے یہاں مراد جنات سے پناہ طلب کرنا ہے یا اس کا معنی سمجھ میں نہ آتا ہو جیسے بعض مشائخ اپنے زعم میں اپنی کتابوں کو دیمک سے حفاظت کے لیے لفظ ''یا کبیج'' لکھتے ہیں۔

''تمائم'' جمع ہے تَمِيْمَة کی جو اصل میں منکوں کو کہتے ہیں، عرب لوگ نظر بد سے حفاظت کے لیے بچے کے سر پر لٹکایا کرتے تھے پھر اس کا مفہوم وسیع کر لیا گیا اور ہر تعویذ کو تمیمہ کہا جانے لگا۔ میں کہتا ہوں کہ مکان کے سامنے یا دروازے پر گھوڑے کا نعل لٹکانا اس طرح ڈرائیوروں کا اپنی گاڑیوں کے آگے یا پیچھے نعل کا لٹکانا یا ڈرائیور کے سامنے والے شیشے پر نیلا منکا لٹکانا جن سے ان کے خیال

میں نظر بد سے حفاظت ہوتی ہے اسی حکم میں ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کسی شخص کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا دیکھا تو فرمایا: کیوں ڈال رکھا ہے؟ اس نے کہا، کلائی کی تکلیف کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: [اِنْزِعْهَا فَاِنَّهَا لَا تَزِيْدُكَ اِلَّا وَهْنًا]

(اسے اتار دے اس سے تیری تکلیف مزید بڑھتی ہے)۔

زوائد میں اس حدیث کو حسن کہا ہے، ابن ماجہ رقم: (۳۵۳۱)، احمد: (۴/۴۴۵)۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

[مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا اَتَمَّ اللّٰهُ لَهٗ وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهٗ]

(جو لٹکائے اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے، اور جو منکا لٹکائے اللہ اسے آرام نہ دے)۔ (احمد: ۴/۱۵۴)۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں بخار کا دھاگہ بندھا دیکھا تو اسے کاٹ ڈالا اور یہ آیت پڑھی: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾

(ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں)۔ (یوسف: ۱۰۶)

ابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں مجھے حدیث سنائی محمد بن ابراہیم بن اشکاب نے، وہ کہتے ہیں مجھے حدیث سنائی یونس بن محمد نے وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی حماد بن مسلمہ نے وہ روایت کرتے ہیں عاصم احول سے وہ عروہ سے وہ کہتے ہیں کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بیمار پر داخل ہوئے تو اس کے بازو پر چمڑے کا تسمہ بندھا ہوا دیکھا تو اسے کاٹ دیا اور اسے اس کا حکم یاد دلایا"

فتح المجید ص: (۹۲)۔

سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: "جس نے کس انسان سے تمیمہ کاٹ کر ہٹا دیا تو اسے غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا"، اسے وکیع نے روایت کیا ہے۔ (ابن ابی شیبہ - کتاب الطب - باب فی تعلیق التمائم: برقم (۳۵۲۴)۔

صحیح حدیث میں آتا ہے، "جس نے کمان کی تندی لٹکائی تو محمد ﷺ اس سے بیزار ہیں"۔ مشکوٰۃ: ۱/۴۳۲)،

اسی لئے شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "مجہول اسم سے دعا کرنا تو دور کی بات ہے اس کے ساتھ دم کرنا بھی کسی کے لیے جائز نہیں اگر چہ اس کا معنی سمجھتا ہو کیونکہ غیر عربی لفظ کے ساتھ دعا کرنی مکروہ ہے۔ رخصت تو صرف اس کے لیے ہے جسے عربی نہ آتی ہو۔ عجمی الفاظ کو شعار بنانا دین اسلام میں نہیں"۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: "تین شرطوں کے ساتھ دم کے جواز پر علماء کا اجماع ہے۔

(۱): وہ اللہ کا کلام ہو یا اس کا نام یا صفت ہو۔ (۲): عربی زبان میں ہو اور معنی معلوم ہو۔ (۳): ساتھ یہ عقیدہ ہو کہ دم بذات خود اثر نہیں کرتا بلکہ اللہ کی تقدیر سے اثر کرتا ہے۔

۲- تعاویذ کی دوسری قسم:

ایسا تعویذ جس میں قرآن کی آیت لکھی ہو یا ایسی دعا لکھی ہو جو صحیح سند سے منقول ہو لٹکانے کے جواز وعدم جواز میں علماء کے دو قول ہیں:۔

پہلا قول: یہ صرف جائز ہے اور استحباب کے درجے میں نہیں وہ درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

۱-دلیل: عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ یہ کلمے سکھاتے تھے جو نیند میں گھبراہٹ کے وقت پڑھتے تھے۔ [بِسْمِ اللهِ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَنْ يَّحْضُرُوْنِ، فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ]

(شروع اللہ کے نام سے میں اللہ کے مکمل کلمات کے ساتھ اس کے غضب، عقاب اس کے بندوں کے شر، اور شیاطین کے حاضر ہونے اور وسوسے ڈالنے سے پناہ پکڑتا ہوں۔ تو اسے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا)۔

تو عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اپنی بالغ اولاد کو اس دعا کی تلقین کیا کرتے تھے اور جو بالغ نہ تھے تو تختی میں لکھ کر ان کے گلے میں لٹکا دیتے تھے، ترمذی رقم: (۳۷۷) سند حسن ہے لیکن اس کا قول، "فَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو يُلَقِّنُهَا" ضعیف ہے۔

محمد بن اسحاق اس زیادت کے ساتھ متفرد ہیں اور وہ مدلس ہیں اور تمام سندوں میں وہ "عن" سے روایت کرتے ہیں، الصحیحہ رقم (۲۶۴)، صحیح الطیب رقم: (۴۸)۔ اسی طرح دیکھیں سنن ابی داؤد رقم: (۳۸۹۳)، حاکم: (۵۴۸/۱)، احمد: (۱۸۱/۲)، ابن السنی: (۳۶-۷۴۵-۷)، مشکوٰۃ رقم (۲۴۷۷): (۲۱۷/۱)، یہ دلیل ضعیف ہے اور موقوف بھی جو حجت نہیں۔

۲: دلیل: دارمی (۲۱۱/۱) میں عطاء سے مروی ہے کہ "حائضہ عورت کے گلے میں تعویذ یا تحریر تھی تو انہوں نے کہا اگر یہ چمڑے میں ہے تو اتار دے اور اگر چاندی کی ڈبیہ میں ہے تو کوئی حرج نہیں اگر چاہے تو اتار دے اور اگر چاہے تو نہ اتار، عبداللہ کو کہا گیا آپ یہی کہتے ہیں؟ فرمایا: ہاں"۔ یہ مقطوع ہے جو حجت نہیں۔

۳-دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے "اگر کسی عورت پر ولادت کی تنگی ہو تو پاک صاف برتن لے کر اس میں یہ آیتیں لکھے۔: ۱- ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ. (احقاف ۳۵)

۲- : ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا﴾ (نازعات:۴۶)

۳- : ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (الآیۃ)۔ (یوسف:۱۱۱)

پھر اسے دھو کر عورت کو پلا دیا جائے اور اس کے پیٹ اور چہرے پر چھینٹے مارے جائیں)۔

ابن السنی رقم: (۶۱۹)، کنز العمال: (۶۴/۱) رقم: (۲۸۳۸۱)۔ اور اس کی سند بہت ضعیف ہے، اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ ہے جس کا حافظہ خراب تھا، اور عبداللہ بن محمد بن المغیرۃ ہے جو منکر الحدیث ہے۔

امام ابن قیم نے بھی زاد المعاد،(۴/۱۷۰) میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ سلف کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ نظر بد کے شکار شخص کے لیے قرآن کی آیتیں لکھ کر پلا دی جائیں، مجاہدؒ کہتے ہیں قرآن کے لکھنے اور دھو کر مریض کو پلانے میں کوئی حرج نہیں۔اسی طرح ابو قلابہؒ سے بھی منقول ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے: [لَا بَأْسَ بِتَعْلِيقِ التَّعْوِيذِ مِنَ الْقُرْآنِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْبَلَاءِ وَبَعْدَ نُزُوْلِ الْبَلَاءِ] (قرآن کا تعویذ بیماری میں اور بیماری سے پہلے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں)۔

ابونعیم نے اپنی کسی کتاب میں روایت کیا ہے لیکن ہمیں ان کی "الحلیۃ" میں نہیں ملی، نہ ہی اس کی سند ملی، البتہ کنز العمال میں برقم: ۲۸۴۱۳، میں موجود ہے۔اور شیخ البانی نے "ضعیفہ" میں اسے ضعیف کہا ہے۔رقم (۴۷۷۰)۔

امام ابن ابی شیبہ اپنی کتاب مصنف (۲۷/۸/۷): "باب کسی کو پلانے کے لیے قرآن کے لکھنے رخصت" میں کہتے ہیں انہوں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت موقوفاً ذکر کی ہے جو ہم پہلے مرفوعاً ذکر کر چکے ہیں، جس میں ابن ابی لیلیٰ راوی ہے اور حدیث موقوف کے لفظ ہماری ذکر کردہ روایت کے مغائر ہیں۔

پھر انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنھا کی روایت ذکر کی ہے کہ وہ پانی دم کر کے مریض پر ڈالنے میں حرج نہیں سمجھتی تھیں۔

پھر ابو قلابہؒ اور مجاہدؒ سے ذکر کیا ہے کہ وہ دونوں قرآن کی آیت لکھ کر گھبراہٹ والے بیمار کو پلانے میں حرج نہیں سمجھتے تھے، اور سعید بن جبیر تعویذ لکھا کرتے تھے۔

اور عطاءؒ کہتے ہیں "ہم نے تعویذ کی کراہت اے عراقیو! سوائے تمہاری طرف کے کہیں سے نہیں سنی"۔

سنن کبریٰ (۹/۳۵۰-۳۵۱) میں ہے: "یحیٰی بن سعید القطانؒ سے دم اور لکھا ہوا لٹکانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، سعید بن المسیبؒ قرآنی تعویذ کے لٹکانے کا حکم دیتے تھے، اور وہ کہتے کہ اس میں حرج نہیں۔

امام بیہقیؒ کہتے ہیں "یہ تو ہماری بات کی طرف لوٹتا ہے کہ نہ سمجھ میں آنے والے کلمات اور اہل جاہلیت کے دم جائز نہیں اور کتاب اللہ کے ساتھ دم جائز ہیں"۔اسی طرح ردالمحتار :(۵/۲۳۲) میں بھی ہے۔

دوسرا قول : تعویذ لٹکانا جائز نہیں، قرآنی آیت یا حدیث سے ثابت کسی دعا کا لٹکانا جائز نہیں۔

دلائل یہ ہے:

<u>پہلی دلیل</u> : نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں۔

<u>دوسری دلیل</u>: کیونکہ اس کے جواز سے معوذات وغیرہ کے ساتھ دم کرنے کی سنت معطل ہو جائے گی۔

<u>تیسری دلیل</u>: ابو عبید فضائل قرآن (۱/۱۱۱) میں اور ابن ابی شیبہ (۸/۲۹) میں ابراہیم نخعی سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں وہ کہتے

ہیں کہ وہ (صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) قرآن اور غیر قرآن کے تمائم مکروہ سمجھتے تھے۔

مغیرہ کہتے ہیں میں نے ابراہیم سے پوچھا اور کہا کہ مجھے بخار ہے آپ یہ آیت "یَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ" میرے بازو پر باندھ دیں تو انہوں نے اسے مکروہ سمجھا)۔

پھر ابو عبیدؒ نے حسن بصریؒ سے روایت کیا کہ وہ قرآن کو دھو کر مریض کو پلانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

مراجعہ کے لیے دیکھیں تعلیق الکلم الطیب رقم: ۴۸، السلسلۃ الصحیحہ، (۱/۵۸۵ رقم: ۳۳۱)۔

عبداللہ بن مسعود ﷺ سے بھی اس کی کراہت بسند صحیح مروی ہے، ابن عباسؓ، حذیفہؓ، عقبہ بن عامرؓ، عبداللہ بن عکیمؓ، اصحاب ابن مسعود اور ایک روایت میں امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

اور کراہت میرے نزدیک متعدد وجوہ سے راجح ہے۔

۱- : نہی عام ہے اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔

۲-: سدِّ ذریعہ کیونکہ جو ایسا نہ ہو اس کا لٹکانا مناسب نہیں۔

۳-: لٹکانے کی صورت میں یہ احتمال ہے کہ لٹکانے والا بحالت قضائے حاجت واستنجاء وغیرہ ساتھ رکھ کر اس کی اہانت کا مرتکب ہو۔ میری کوشش تو یہیں تک ہے، تو جو یہ تمام قسم کے دم وتعویذ کا قائل ہو تو وہ نص واجماع کا مخالف ہے اور جو سب کو شرک قرار دیتا ہے اگر یہ قرآن سے ہی کیوں نہ ہو تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: دوسرے قول پر ترمذی (۲/۲۷) میں عبداللہ بن عکیم کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ]

(جو کوئی چیز لٹکاتا ہے تو وہ اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے)،

تو یہ صحیح حدیث تمام لٹکائی جانے والی چیزوں کے بارے میں مطلق ہے۔

دیکھیں ترغیب للمنذری (۴/۳۰۶)

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَىٰ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔



دم اور تعویذ کا حکم

۱۰- سوال : بیماروں اور دیوانوں کے لیے عزائم، حروز اور دم، خواہ ان میں قرآن یا سنت یا کچھ اور لکھا ہو، اس کا لکھنا جائز ہے؟ شافی جواب سے نوازیں۔

جواب: یہ مسئلہ مفصل گزر چکا اور اب ہم ھیئۃ کبار العلماء: (۱۵/۱) اور اس طرح فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ: (۱۶۵/۱) میں لکھا ہو فتویٰ ذکر کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''نبی ﷺ نے قرآن، اذکار اور ادعیہ کے ساتھ دم کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس میں شرک نہ ہو اور نہ وہ ایسی کلام ہو جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں، ہم جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے، تو ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ﷺ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اپنے دم سناؤ ایسا دم جس میں شرک نہ ہو کوئی حرج نہیں''۔

علماء نے اجماع کیا ہے مذکور دم کے جواز پر اور اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی ہو کہ یہ سبب ہے اور اس میں اللہ کی تقدیر کے بغیر کوئی تاثیر نہیں۔

رہا کسی چیز کا گلے میں لٹکانا اور کسی شخص کے اعضاء میں سے کسی عضو کے ساتھ باندھنا

تو یہ اگر غیر قرآن سے ہو تو یہ حرام بلکہ شرک ہے کیونکہ امام احمدؒ اپنی مسند میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا دیکھا تو فرمایا، یہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا: یہ کلائی کی بیماری کی وجہ سے ڈال رکھا ہے، تو فرمایا: ((اسے اتار پھینک، اس سے وہ بیماری اور زیادہ بڑھتی ہے اگر تجھے موت آجائے اور یہ تیرے ہاتھ میں ہو تو کبھی بھی کامیاب نہ ہوگا))۔ (وسنده لا بأس به)

اور وہ جو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے رویت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

[مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهُ]

(جس نے تمیمہ لٹکایا اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جس نے منکا لٹکایا اللہ اسے آرام نہ دے)۔

شعیب الارناووط نے مسند احمد کے تعلیق میں اسے حسن حدیث کہا ہے۔

اور احمد کی ایک روایت میں ہے ''مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيْمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ'' (جس نے تمیمہ لٹکایا اس نے شرک کیا)۔

وانظر الصحيحة رقم (٤٩٢) (حديث صحيح)

اور وہ جو امام احمد اور امام ابوداؤد عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا

کہ "رقی" "تمائم اور تولہ شرک ہے"۔

اگرچہ آیات قرآن ہی لکھ کر ہی کیوں نہ لٹکائی ہوں، یہ تین وجہ سے ممنوع ہے۔

اول: احادیث نبوی میں نہی عام ہے اور اس کا کوئی مخصص نہیں۔

دوم: تاکہ ذرائع بند ہوں اور نوبت اس کے علاوہ کے لٹکانے تک نہ پہنچے۔

سوم: جو کچھ لٹکا رکھا ہے بحالت قضائے حاجت، استنجاء اور جماع اس کی اہانت کا خطرہ ہے۔ رہا کسی سورت یا آیت کا تختی، مٹی یا کاغذ پر لکھنا اور اسے پانی یا زعفران سے دھو کر پلانا اور برکت، استفادہ علم، کسب مال، صحت و عافیت وغیرہ کی امید رکھنا تو ہمیں نبی ﷺ سے معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے لیے یا کسی اور کے لیے ایسا کیا ہو یا صحابہ میں سے کسی نے اس کی اجازت دی ہو یا اپنی امت کو رخصت دی ہو حالانکہ اس کی ضرورت تھی۔

اور جہاں تک ہمیں علم ہے نہ صحابہ میں سے کسی نے ایسا کیا اور نہ ہی رخصت دی، تو اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے اور قرآن، اسماء حسنیٰ اور صحیح ثابت شدہ اذکار وادعیہ جو شریعت میں ثابت ہیں، کے ساتھ دم کرنا کافی سمجھنا چاہیے جس کا معنی بھی معلوم ہے اور اس میں شرک کا شائبہ بھی نہیں تاکہ ثواب کی امید ہو اور امر مشروع کے ساتھ اللہ کا تقرب حاصل کیا جا سکے۔ اور اللہ اس کا غم دور کردے اور اسے علم نافع عنایت کردے۔ اسی میں کفایت ہے اور جو مشروع چیز کے ساتھ استغناء کرتا ہے تو اللہ اسے غیر شرعی چیزوں سے غنی کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک خاص ذکر اور درود کا حکم

۱۱- سوال: محمد گل بھائی نے مجھے خط لکھا وہ کہتے ہیں، "کیا تراویح کی ہر دو رکعت کے بعد "یَا حَيُّ یَاقَیُّومُ" کہنا مشروع ہے"؟ اور کیا ہر چار رکعت کے بعد "سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْعَظَمَةِ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَایَنَامُ وَلَایَمُوْتُ، یَامُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ أَجِرْنِیْ عَنِ النَّارِ الصَّلٰوۃُ بر محمد یا درود بر محمد کہنا مشروع ہے؟۔

جواب: ولاحول ولاقوۃ اِلاّ باللہ۔

یہ اذکار نماز تراویح اور غیر تراویح میں ثابت نہیں ہاں "یَاحَيُّ یَا قَیُّوْمُ" مطلق ادعیہ میں ثابت ہے بلکہ مناسب ہے کہ اَسْتَغْفِرُ اللہَ کہے جس طرح نبی ﷺ نماز کے بعد استغفار کیا کرتے تھے، اور ان کا، درود بر محمد کہنا عربی نہیں تو یہ کیسے دین ہو سکتا ہے۔

ملاحظہ کریں مدخل: (۱۴۵/۲)۔ وضیاء النورس: (۲۲۳)۔

یہ کلمات ابن عابدین نے ردالمحتار (۴۷۴/۱) میں قہستانی سے ذکر کئے ہیں اور اس کی نہ کوئی دلیل ذکر کی ہے۔ نہ سند اور نہ ہی اس

دعا کا مخرج بتایا ہے اس لیے یہ مشروع نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے باجماعت نماز تراویح چار راتیں پڑھی تھیں ، تو یہ کہیں منقول نہیں کہ آپ نے یہ دعا کی ہو اور نہ ہی نبی ﷺ اس طرح اذکار جہراً پڑھتے تھے جس طرح اہل بدعت مسجدوں میں شور برپا کرتے ہیں اور مساجد کے احترام کا خیال نہیں کرتے ، پس ہم سب پر اتباع لازم ہے بدعات کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے ، ساری بھلائی اتباع میں ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ أجمعین.

OOOOOOO

قراءت قرآن پر کھانا کھانے کی حرمت سے متعلق ایک حدیث کی تخریج

۱۲ - سوال : حدیث: [مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَأَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ، قُرَّاءُ الْقُرْآنِ ثَلَاثَةٌ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاتَّخَذَهُ بِضَاعَةً فَاسْتَجَرَّ بِهِ الْمُلُوكَ وَاسْتَمَالَ بِهِ النَّاسَ، وَرَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَقَامَ حُرُوفَهُ وَوَضَعَ حُدُودَهُ كَثُرَ هٰؤُلَاءِ مِنْ قُرَّاءِ الْقُرْآنِ لَا كَثَّرَهُمُ اللهُ، وَرَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَوَضَعَ دَوَاءَ الْقُرْآنِ عَلٰى دَاءِ قَلْبِهِ فَأَسْهَرَ بِهِ لَيْلَهُ وَأَظْمَأَ بِهِ نَهَارَهُ، فَأَقَامُوا بِهِ فِي مَسَاجِدِهِمْ بِهٰؤُلَاءِ يَدْفَعُ اللهُ الْبَلَاءَ وَيُزِيلُ الْأَعْدَاءَ وَيُنْزِلُ غَيْثَ السَّمَاءِ فَوَاللهِ لَهٰؤُلَاءِ مِنْ قُرَّاءِ الْقُرْآنِ أَعَزُّ مِنَ الْكِبْرِيتِ الْأَحْمَرِ]۔

(جو شخص قرآن لوگوں سے کھانے کے لیے پڑھتا ہے تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا ، قرآن کے پڑھنے والے تین قسم کے ہیں ایک شخص وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اسے مال تجارت بنا کر بادشاہوں کے ساتھ تجارت کرتا ہے اور لوگوں کو اس کے ذریعے مائل کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے اور صرف اس کے حروف کا خیال رکھتا ہے اور حدود کا خیال نہیں رکھتا اس قسم کے لوگ بہت ہیں۔ اللہ کرے کہ جو صرف قرآن پڑھنے والے ہوں زیادہ نہ ہوں ، تیسرا وہ شخص ہے جو قرآن پڑھتا ہے جو قرآن کو دواء بنا کر اپنے دل کی بیماری کا علاج کرتا ہے ، رات کو اس کے ساتھ قیام کرتے ہوئے جاگ کر گزارتا ہے اور دن کو بحالت روزہ اس کی تلاوت کرتا ہے ، اور اس کے ساتھ اپنی مساجد میں قیام کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی وجہ سے اللہ بلائیں ٹالتا ہے ، دشمنوں کو دور کرتا ہے ، اور آسمان سے بارش برساتا ہے ، قراء قرآن کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبریت احمر سے زیادہ عزیز ہیں)۔

اس حدیث کی صحت کیسی ہے؟ اور یہ کہاں ہے؟

جواب - : اس روایت کو امام ابن حبان نے الضعفاء والمتروکین: (۱/۱۴۸) میں نکالا ہے ، اور اس کا پہلا حصہ امام بیہقی

" نے شعب الایمان میں اور اسی طرح امام سیوطیؒ نے الجامع رقم: (۵۷۶۳) میں نقل کیا ہے۔
امام البانیؒ نے ضعیف الجامع میں اسے موضوع کہا ہے اور الضعیفہ رقم: (۱۳۵۶) میں اس کی علتیں بیان کی ہیں، اور کہا ہے کہ اس کی سند میں احمد بن ہیثم بن ابی نعیم ہے جو منکر و مقلوب حدیثیں بیان کرتا ہے۔
امام ابن الجوزیؒ نے الاحادیث الواھیۃ، (۱۴۸/۱)، میں کہا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح نہیں وہ اسے حسن بصری کے قول سے روایت کرتا ہے، ملخصاً۔
شیخ زکریا نے اسے فضائل الاعمال، (۱۰۶/۱)، میں ثابت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔
میں کہتاہوں :اس معنی میں دوسری احادیث آئی ہے جو ہم نے رقم المسئلہ: (۱۵) پر ذکر کی ہیں۔

کنیت رکھنے کا حکم

۱۳- سوال :ابوفلان کنیت رکھنا کیسا ہے؟ بعض مدرسین اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولاد والے کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟ (عبدالوارث)۔

جواب : وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ:

یہ شخص یا تو سنن نبویہ سے ناواقف ہے یا متعصب اور یہ دونوں دین اسلام کو فاسد کرتی ہیں۔
العیاذ باللہ۔ ہم کہتے ہیں کنیت رکھنا اسلامی سنت ہے کسی کی اولاد ہے تو وہ بڑے بچے کے ساتھ کنیت رکھے جیسے حدیث میں ہے، "فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ" تو ابوشریح ہے، اگر اولاد نہ ہو تب بھی کنیت رکھ سکتا ہے۔
متعدد احادیث کی وجہ سے جن میں سے بعض ہم ذکر کرتے ہیں۔

۱- پہلی حدیث: ام خالد سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس کپڑے لائے گئے ان میں ایک چھوٹی کالی کملی تھی تو فرمایا تمھارا کیا خیال ہے کہ یہ کملی میں کسے سے پہناؤں سارے چپ ہو رہے تو فرمایا: ام خالد کو لاؤ تو وہ بچی گود میں لائی گئی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ وہ کملی اسے اڑھا دی اور فرمایا: اتنی مدت پہن کہ یہ پرانی ہو کر پھٹ جائے اس میں سبز یا زرد نقش تھے (جب آپ نے یہ کملی ام خالد کو اڑھائی) تو فرمایا: "سناہ سناہ" یہ حبش زبان کا لفظ ہے یعنی واہ واہ کیا اچھی لگ رہی ہے، تو یہ گود کی چھوٹی بچی تھی اور نبی ﷺ نے اسے کنیت سے پکارا۔ بخاری (۸۶۶/۲) اور ابوداؤد رقم: (۴۰۷۴)

۲- دوسری حدیث :الامام احمد نے (۱۵۱/۶-۱۵۲)، میں نقل کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنھا نے نبی ﷺ کو کہا اے اللہ کے رسول! میرے علاوہ آپ کی تمام زوجات کی کنیتیں ہیں تو آپ نے اسے فرمایا: "تو اپنے بیٹے (بھانجے) عبداللہ بن زبیر کے

ساتھ کنیت رکھ تو ام عبداللہ ہے"۔ ملاحظہ کریں ابوداؤد رقم: (۴۹۷۰)، احمد: (۶/۱۰۷)، ریاض الصالحین ص: (۳۴۳)۔

امام ابوداؤد باب باندھتے ہوئے کہا ہے: "باب ہے عورت کے کنیت رکھنے کا، اور ابن ماجہ رقم: (۳۷۳۹)۔

۳- تیسری حدیث: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اخلاق میں سب لوگوں سے اچھے تھے میرا بھائی تھا جسے ابوعمیر کہتے تھے وہ کہتے ہیں وہ فطیم (دودھ چھڑائے جانے کی عمر میں) تھے یعنی چھوٹا تھا، جب وہ آتا تو آپ فرماتے ،اے ابوعمیر! تیری وہ نغیر کیسی ہے، نغیر (چھوٹی چڑیا) جس سے وہ کھیلتا تھا۔

بخاری (۲/۹۱۵)، ابن ماجہ (۲/۳۰۷) اور ترمذی (۱/۱۰۶)

حافظ ابن حجر فتح الباری: (۱۰/۴۸۱)، میں فرماتے ہیں: "اس حدیث میں ساٹھ سے زائد فائدے ہیں ان سے ایک جس شخص کی اولاد نہ ہو وہ کنیت رکھ سکتا ہے اسی طرح بچے کی کنیت کا استحباب بھی ہے"۔

اس حدیث کا یہی معنی ہے تو کیا وہ یہ حدیث دلیل نہیں؟ اور اس موضوع میں ظاہر اور منکرین کا منہ بند کرنے والی نہیں؟ یا اللہ: ہے۔

٤- چوتھی حدیث : جسے ابن ماجہ باب اس شخص کا جو بچہ پیدا ہونے سے پہلے کنیت رکھتا ہے، میں برقم: (۳۷۳۸)، حمزہ بن صہیب سے روایت کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صہیبؓ کو کہا آپ نے کیسے ابو یحییٰ کنیت رکھ لی ہے جبکہ ابھی آپ کی اولاد نہیں، انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت ابو یحییٰ رکھی ہے"۔

اور سند اس کی حسن ہے، امام احمد نے، (۴/۳۳۳)، میں اس سے ذرا زیادہ طوالت کے ساتھ روایت کیا ہے۔

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صہیب کو کہا آپ میں تین قابل حرج باتیں نہ ہوتیں تو اچھا ہوتا تو انہوں نے کہا وہ کونسی ہیں؟ اللہ کی قسم! ہمارا خیال نہیں تھا کہ آپ کسی چیز کو عیب سمجھیں گے، انہوں نے کہا:

۱- :آپ کا ابو یحییٰ کنیت رکھنا جبکہ آپ کی کوئی اولاد نہیں۔

۲- :آپ کا اپنے آپ کو نمر بن قاسط کی طرف منسوب کرنا حالانکہ آپ کی زبان میں لکنت ہے جو ان میں نہیں۔

۳- :آپ کے پاس مال نہیں ٹھہرتا (خرچ کر دیتے ہیں) انہوں نے کہا میرا ابو یحییٰ کنیت رکھنا اس لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت رکھی تھی۔ تو میں اس کنیت کو مرتے دم تک ترک نہیں کر سکتا۔

اور میری نسبت نمر بن قاسط کی طرف اس لیے ہے کہ میں اسی خاندان کا فرد ہوں لیکن میری رضاعت ایلہ میں ہوئی ہے یہی میری لکنت کا سبب ہے۔ اور مال تو میں حق کے لیے ہی خرچ کرتا ہوں۔

٥- پانچویں حدیث : وہ حدیث جسے ترمذی نے مناقب میں برقم: (۴۱۱۱)، عبداللہ بن رافع سے روایت کیا ہے کہتے ہیں میں نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو کہا، آپ نے ابوھریرہ کنیت کیوں رکھی ہے؟، انہوں نے کہا: تم مجھ سے ڈرتے نہیں، میں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم ڈرتا تو ہوں، انہوں نے کہا میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، میری ایک چھوٹی سی بلی تھی جسے میں رات کو

درخت پر چھوڑ دیا کرتا تھا اور دن کو ساتھ لے جا کر کھیلا کرتا تھا تو انہوں نے میری کنیت ابو ھریرہ رکھ دی، اس کی سند حسن ہے، یہ ولد کی بجائے لازم کے ساتھ کنیت ہے۔

٦- **چھٹی حدیث:** ترمذی (٢/٢١٧)، ابن ماجہ رقم: (٣١٢٥) میں ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جعفر ابن ابی طالب مساکین کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی کنیت ابو المساکین رکھی تھی، اس کی سند ضعیف ہے۔ یہ بھی کنیت بالازم ہے۔ (یعنی کسی چیز سے لزوم کی وجہ سے ہے)۔

٧- **ساتویں حدیث:** انس رضی اللہ عنہ سے رویت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت ایک سبزی کے ساتھ رکھی تھی، جو میں چنا کرتا تھا، احمد: (٣/١٣٠)، (١٦١)، (٢٣٢)، یعنی ابوحمزہ،

اس باب میں اور حدیثیں بھی ہیں جسے طوالت کے خوف سے ہم ترک کرتے ہیں۔

ملاحظہ کریں مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: (٢٧/٣١١)،

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

رَفْعُ السِّتْرِ عَنِ الْجَهْرِ بِالذِّكْرِ

ذکر بالجہر کی نقاب کشائی

اُونچی آواز سے ذکر کرنے کا حکم

١٤ - **سوال:** ذکر بالجہر جائز ہے، نا جائز ہے، مباح ہے؟ ہمیں مفصل ذکر فرمائیں! اللہ آپ کا بھلا کرے۔

(اخوکم فی اللہ: روح الامین)۔

الجواب: وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔

بہتر یہ ہے کہ آدمی اللہ کا ذکر خفیہ کرے اور اس طرح دعا بھی خفیہ کرے بلکہ دلائل صحیحہ کی بناء پر یہی زیادہ صحیح ہے جن کا ذکر ہم عنقریب کریں گے۔ جس میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں۔

دلائل یہ ہیں:

۱- قول اللہ تعالیٰ کا"﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾"

(تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نا پسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں)۔ (اعراف ۵۵)۔

۲- : قول اللہ تعالیٰ کا"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ "(اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے مت ہونا)۔(اعراف:۲۰۵)۔

اس معنی کی آیتیں بہت ہیں۔

۳-:اور قول اللہ تعالیٰ کا : ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾

(جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی)، (مریم:۳)۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی زکریا علیہ السلام کی اسی سبب سے تعریف فرمائی، یعنی ذکر خفی کے سبب سے۔

۴- : ان دلائل میں سے نبی ﷺ کا فرمان ہے جو بروایت ابو موسیٰ اشعری، بخاری (۱/۴۷۰)، مسلم (۲/۳۴۶)۔مشکوۃ (۱/۲۰۱) میں نقل ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو جب ہم کسی وادی پر چڑھتے تو لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَـــرُ کہتے ہوئے ہماری آوازیں بلند ہوتیں۔تو نبی ﷺ نے فرمایا، لوگو! اپنے آپ پر رحم کرو، تم بہرے کو تو نہیں پکار رہے اور نہ ہی غائب کو۔وہ تو تمھارے ساتھ قریب سے سن رہا ہے۔

امام بخاریؒ نے اس پر باب باندھتے ہوئے فرمایا ہے: باب کہ تکبیر میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم: (۲/۳۴۶) میں کہا ہے، جب آواز اٹھانے کی ضرورت نہ ہو تو ذکر میں آواز دھیمی کرنے کا استحباب یہاں سے ثابت ہوتا ہے جب وہ آواز نیچی رکھے گا تو اس میں اللہ کی تعظیم وتوقیر میں مبالغہ ہے۔ہاں اگر آواز اٹھانے کی ضرورت ہو اٹھا سکتا ہے جیسے کہ احادیث میں آیا ہے۔

بخاری کے حاشیہ، اسی طرح شرح النووی لمسلم: (۱/۲۱۷)۔اور فتح الباری میں ہے: امام طبریؒ کہتے ہیں اس میں دعا اور ذکر کے ساتھ آواز اونچی کرنے کی کراہت ہے، صحابہ وتابعین میں اکثر سلف یہی کہتے ہیں"۔

دیکھو بخاری : (۱/۱۱۶) (کتاب الصلوۃ)

امام نوویؒ صفحہ مذکورہ میں کہتے ہیں: بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلَاةِ اس میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے وہ کہتے ہیں، کہ ہم نبی ﷺ کی نماز کا ختم ہونا تکبیر سے پہچانتے تھے، اور ایک روایت میں ہے، فرض نماز سے سلام پھیرتے وقت اونچی آواز سے ذکر

کرنا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا، یہ ہے دلیل اس کی جو کہا ہے بعض سلف نے کہ فرض نماز کے بعد باآواز بلند ذکر و تکبیر کہنا مستحب ہے۔

متاخرین میں مستحب سمجھنے والوں میں ابن حزم ظاہری ہیں۔ ابن بطال اور دیگر نے نقل کیا ہے کہ مذاہب متبوعہ والے باآواز بلند ذکر و تکبیر کے عدم استحباب پر متفق ہیں۔

امام شافعیؒ نے اس حدیث کا یہ مطلب لیا ہے کہ ذکر کا طریقہ سکھانے کے لیے کچھ وقت جہر کیا یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ جہر کرتے رہے۔ وہ کہتے ہیں نماز سے فراغت کے بعد امام و مقتدی دونوں کے لیے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ وہ ذکر خفیہ کریں، اگر امام مقتدیوں کو تعلیم دینا چاہے تو جہر کرسکتا ہے، لیکن کچھ وقت بعد پھر آہستہ کرے۔

اور احمد: (١٧٢/١) میں ابن حبان رقم (٥٧٧)، بیہقی نے شعب ایمان میں اور منذریؒ نے ترغیب و ترھیب (١٦٠/٤) میں سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ وَ خَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِيْ]

(اچھا ذکر وہ ہے جو خفیہ ہے اور اچھا رزق وہ ہے جو کفایت کرے، اس کی سند میں ضعف ہے کیونکہ اس میں محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لبیبہ ہے اور یہ کثیر الارسال ہے اور اس میں اسامہ بن زید ابن اسلم ہے جسے امام احمدؒ نے حافظے کی خرابی کی بناء پر ضعیف کہا ہے۔ جیسے کہ میزان میں ہے۔

امام سیوطی نے الجامع میں اور عزیزی نے السراج، میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے اس حدیث پر باب باندھا ہے :باب اخفاء الذکر ، اور قیس بن عباد سے روایت آئی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تین چیزوں کو باآواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے، جنائز، قتال اور ذکر۔

امام محمد نے السیر الکبیر (٨٩/١) میں ذکر کیا ہے، بحر الرائق: (٥٧/٥)۔ امام طبرانی نے مرفوعاً روایت کیا ہے جیسے کہ المجمع (٢٩/٣)، اور ابن کثیر: (٢١٩/٢) میں ہے، اور اس کی سند میں ضعف ہے جہالت راوی کی وجہ سے جیسے کہ ہے ضعیف الجامع رقم: (١٧٠٣) میں دیکھو السنن الکبری: (٧٥/٤)، الحاکم: (١١٦/٢)، اور عمدۃ للعینی: (٢٢٥/١٤)۔

فتح الباری: (٢٥٩/٢)، میں ہے: "بہتر یہی ہے کہ امام اور مقتدی ذکر خفیہ کریں لیکن اگر تعلیم کی ضرورت ہو (تو جہر کرسکتا ہے)"۔

فتح القدیر: (٤٩/٢) میں ہے اذکار میں اصل اخفاء ہی ہے اور جہر کرنا بدعت ہے۔

البدایہ والنہایہ لابن کثیر: (٢٧٠/١)، میں ہے کہ ابن بطالؒ نے کہا ہے، مذاھب اربعہ باآواز بلند تکبیر و ذکر کے عدم استحباب پر ہیں سوائے ابن حزم کے، اور امام شافعیؒ نے اس حدیث کو تعلیم پر محمول کیا ہے، رجوع کریں حاشیہ بخاری (١١٦/١)۔

اور الکبیری شرح منیۃ المصلی ص: (٥٦٦) میں ہے: "امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذکر میں آواز بلند کرنا بدعت ہے اور اللہ

تعالیٰ کے قول کے خلاف ہے، ﴿ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ ﴾ (اور اے شخص! اپنے رب کو یاد کیا کر اپنے دل میں، عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ)، اعراف: ۲۰۵)۔

سوائے اس کے جس کی تخصیص اجماع سے ہو جائے۔

مرقاۃ: (۱۰/۱۷) میں ہے "بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے لیے ہی کیوں نہ ہو حرام ہے"۔ دیکھیں حاشیہ مشکوٰۃ: (۲۰۷/۲)۔

شرح مسلم للنووی: (۲۱۱/۱) میں ہے "دعا بلا خلاف آہستہ ہی کرنا چاہیے"۔

فتاویٰ سراجیہ ص (۷۲) میں ہے "دعا میں مستحب اخفاء ہے اور باواز بلند دعا کرنی بدعت ہے"۔

غنیۃ المستملی ص: (۵۲۱) میں ہے، "امام ابوحنیفہ کہتے ہیں ہماری بحث مطلق ذکر میں نہیں، ذکر کرنا ہر وقت اچھی بات ہے بلکہ ہماری بحث جہراً ذکر کرنے میں ہے تو ذکر کے ساتھ آواز کا بلند کرنا بدعت ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے، "تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی"۔ (اعراف: ۵۵)۔ مگر جسے شرع مستثنیٰ کر دے"۔

اور مبسوط: (۶/۴) میں ہے: "ہمارے نزدیک اذکار و دعا میں اخفاء مستحب ہے مگر جس کا اعلان مقصود ہو۔ جیسے اذان اعلان کے لیے ہوتی ہے خطبہ وعظ کے لیے ہوتا ہے، اور نماز کی تکبیرات مقتدیوں کو بتانے کے لیے ہوتی ہیں"۔

عنایۃ علی ہامش فتح القدیر: (۴۱/۲) میں ہے "ہمارے نزدیک دعا و اذکار میں اخفاء ہی مستحب ہے سوائے اس کے جس کا اعلان مقصود ہو، الخ۔

اور البدائع والصنائع: (۱۷۷/۹) اور عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایہ لمولانا عبدالحی لکھنوی: (۲۴۶/۱) میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے۔

مولانا عبدالحیؒ کہتے ہیں: "اصل ذکر میں اخفاء ہی ہے جیسے آیت" ﴿ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ ﴾ کی دلالت ہے اور عبدالحی میں (تکبیرات) جہراً وارد ہیں تو یہ اپنے مورد ہی میں مقصود رہیں گی"۔

اور تفسیر مظہری: (۴۰۷/۳) میں ہے "علماء نے اجماع کیا ہے کہ ذکر سری ہی افضل ہے اور جہری ذکر بدعت ہے مگر بعض مخصوص جگہوں میں جہاں جہر کی ضرورت ہو جہراً بھی جائز ہے جیسے اذان، اقامت، تکبیرات تشریق، نماز تکبیرات انتقالات امام کے لیے جب ضرورت پڑے تو مقتدی کا سبحان اللہ کہنا اور حج میں تلبیہ وغیرہ، پھر آگے کہا ہے، اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہراً اس کا بدعت ہے، جب جہر میں تعارض واقع ہو جائے تو ترجیح اقل کو ہوگی۔

سری ذکر کرنے والے کی فضیلت پر صحابہ و تابعین کا اتفاق ہونے پر حسن کا یہ قول دلالت کرتا ہے، "سری دعا میں جہری دعا کی

نسبت ستر گنا کا فرق ہے۔ مسلمان دعا میں بڑی کوشش کرتے تھے لیکن ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی۔ بلکہ ان کے اور ان کے رب کے درمیان کھسر پھسر ہوتی تھی یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾
(تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو گڑ گڑا کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی)، اعراف:۵۵)
،اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کا ذکر فرمایا ہے جس کا فعل انہیں اچھا لگا تو فرمایا:
﴿إِذْ نَادٰى رَبَّهُ نِدَآءً خَفِيًّا﴾ جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی تھی، (مریم:۳)
اور اسی طرح ذکر خفی کے افضل ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام احمد، امام ابن حبان اور امام بیہقی نے سعد رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے: ((اچھا ذکر وہ جو خفی ہو اور اچھا رزق وہ جو کافی ہو))،
پھر فرمایا ہے "فصل" جان لو کہ ذکر کے تین مراتب ہیں، ایک ذکر جہری ہے جس میں آواز بلند کی جاتی ہے تو یہ بالا جماع مکروہ ہے لیکن اگر ضرورت ہو حکمت متقاضی ہو تو پھر جہر کرنا اخفاء سے بہتر ہوگا جیسے اذان تلبیہ وغیرہ الخ۔
تفسیر کبیر: (۱۳۱/۱۳) میں ہے: "چوتھی دلیل نبی ﷺ کا یہ قول ہے، ایک سری دعا علانیہ ستر دعاؤں کے برابر ہے"۔
میں کہتا ہوں: اس حدیث کو علی المتقی نے کنز العمال: (۷۵/۲ برقم: ۳۱۹۶) اور امام سیوطیؒ نے جامع صغیر میں برقم: (۲۹۷۸) ذکر کیا ہے اور سند اس کی ضعیف ہے، اس طرح جامع میں بھی ہے۔
پھر امام رازیؒ نے مسئلہ تامین میں دوسری حجت ذکر کی ہے، الخ۔
اور امام شوکانیؒ کی فتح القدیر: (۲۱۳/۲) میں ہے:
"کہ داعی کا ایسی چیز کا سوال کرنا جو اس کے لیے نہیں جیسے دنیا میں ہمیشہ رہنا یا کسی محال چیز کا ادراک کرنا، یا انبیاء کے مراتب تک پہنچنے کا مطالبہ کرنا، یا دعا میں آواز اونچی کرنا یہ سب دعا میں اعتداء کے زمرے میں آتی ہیں"۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے، بدائع الفوائد: (۶/۳) میں فرماتے ہیں: اخفاء کے دعا کے متعدد فائدے ہیں:

- **پہلی فائدہ**: یہ عظمت ایمان کی دلیل ہے کیونکہ خفیہ دعا کرنے والا جانتا ہے کہ اللہ اس کی خفیہ دعا سن رہا ہے۔
- **دوسرا فائدہ**: بلحاظ ادب و تعظیم خفیہ دعا میں عظمت ہے اسی لیے بادشاہوں سے اونچی آواز سے بات نہیں کی جاتی اور نہ ہی اُونچی آواز سے سوال کیا جاتا ہے، ان کے پاس بقدر ان کے سننے کے دھیمی آواز میں بات کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے مثل اعلیٰ ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ خفیہ دعا بھی سنتا ہے تو ادب کا تقاضا ہے کہ اس کے حضور آواز کو پست کیا جائے۔
- **تیسرا فائدہ**: خفیہ ذکر و دعا میں عاجزی اور خشوع زیادہ ہے جو روح کی غذا اور مقصود اور خلاصہ ہے، عاجزی کرنے والا خشوع کرنے والا ذلیل جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں ذلیل مسکین کے مانگنے کی طرح سوال کرے گا اور اس کا دل منکر ہو اس کے

اعضاء میں تذلل ہو اور اس کی آواز میں خشوع ہو تو اس کی ذلت و مسکینی اور انکساری اور عاجزی اس حد تک پہنچی ہو گی کہ بولنے میں اس کی زبان ساتھ نہ دے رہی ہو تو اس کا سائل دل عاجزی کے ساتھ طالب ہو گا اور اس کی زبان ذلت و مسکنت اور عاجزی کی شدت کی وجہ سے ساکت ہو گی، تو ایسی حالت میں دعا کے لیے آواز کیسے اٹھائی جا سکتی ہے۔

○ **چوتھا فائدہ** : خفیہ مانگنے میں اخلاص زیادہ ہے "قلب سلیم" بنانے میں مدد دیتی ہے۔

○ **پانچواں فائدہ** : اخفاء دعا اللہ کی طرف توجہ میں دل کو جبکہ آواز اٹھانے سے دل افتراق و تشتت کی آماجگاہ بن جاتا ہے اور جب آواز پست کرے گا تو اس کی محتاجی، اور اللہ کے لیے جس سے وہ دعا کر رہا ہے اس کی قصد و ہمت کی ماسوی اللہ سے تجرید بڑھے گی۔

○ **چھٹا فائدہ** : یہ انوکھا سری نکتہ ہے اور وہ یہ کہ اخفاء دلالت کرتا ہے کہ اس کا صاحب اللہ کے قریب ہے تو وہ اس سے قریب ہونے اور شدت حضور کی وجہ سے ایسے مانگتا ہے جیسے کوئی زیادہ قریب چیز سے مانگتا ہے تو وہ اس طرح مانگتا ہے جیسے کوئی قریب اپنے قریب سے مانگنے کیتے سرگوشی کرتا ہے کس بعید کا سے اونچی آواز سے مانگنے کی طرح نہیں، اس وجہ میں تفصیل طویل ہے۔

○ **ساتواں فائدہ** : اس میں طلب و سوال کی مداومت کا داعیہ زیادہ ہے نہ زبان میں ملال آئے گا نہ ہی جوارح تھکاوٹ کا شکار ہوں گے جبکہ آواز بلند کرنے کی صورت میں زبان کی روانی میں فرق آ سکتا ہے اور قوت میں کمزوری ہو سکتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جو اونچی آواز سے بتکرار پڑھتا ہے تو تا دیر پڑھائی کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا بخلاف اس کے جو دھیمی آواز سے پڑھے۔

○ **آٹھواں فائدہ** : خفیہ دعا مخفی قوتوں اور مشوشات سے بچائے رکھتی ہے۔ داعی جب آہستہ دعا کرتا ہے تو کسی کو اس کا پتہ نہیں چلتا تو تشویش وغیرہ سے بچا رہتا ہے اور اگر اونچی آواز سے دعا کریگا تو شریر اور باطل روحیں اور خبیث جن کے ردعمل کی وجہ سے تشویش کا شکار ہو گا اور ان کی ممانعت و معارضت ضرور ہو گی اور کچھ نہیں تو ان کے تعلق کی وجہ سے اس کا مقصد و ہمت متفرق ہو گا، جس سے دعا کا اثر کمزور ہو گا جو تجربہ کرتے رہتے ہیں انہیں اس کی معرفت ہوتی ہے، پس جب دعا خفیہ اور سری کریں گے تو ان مفاسد سے امن میں رہیں گے۔

○ **نواں فائدہ** : یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی بندگی کرے۔ اور ماسویٰ اللہ سے ناتا توڑ کر اسی کا ہو رہے اور یہ نعمت کا اس کے صغر و کبر میں قدر کے مطابق حاسد ہوا کرتا ہے تو مذکورہ نعمت جس طرح بڑی نعمت ہے تو اس سے متعلق حاسد بھی اسی نسبت سے خطرناک ہوتے ہیں تو ان حاسدوں سے سلامتی کے لیے اس نعمت کے اخفاء سے بہتر کوئی صورت نہیں، اور اس کے اظہار کا قصد ترک کر دیا جائے۔

○ **دسواں فائدہ** : دعا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اخفاء کا حکم دیا ہے، ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ (اور اے شخص! تو اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے

ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ)۔ (اعراف: ۲۰۵)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دل میں یاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ مجاھد اور ابن جریج کہتے ہیں حکم دیا کہ وہ اسے اپنے سینوں میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ یاد کریں نہ کہ اونچی آواز سے اور چیخ چیخ کر...... الخ۔

یہ ایسے فوائد ہیں جو علماء کے ذہنوں میں کم ہی آتے ہیں۔ تو مبتدعین اور جہال کے ذہنوں میں کیسے آسکتے ہیں۔ و باللہ التوفیق.

بحر الرائق: (۱/۱۵۹) میں ہے: "ذکر اونچی آواز سے کرنا بدعت ہے اور آیت ﴿اذکر ربک﴾ الخ، کے خلاف ہے۔

تفسیر مدارک (۹۳/۲) میں ہے: "آیت ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ﴾ الخ، اذکار، قراءۃ القرآن، دعا، تسبیح، تہلیل وغیرہ، سب کے بارے میں عام ہے۔ دیکھیں ابن جریر: (۱۶۷/۹)۔ خازن: (۳۴۳/۲)۔

○ معالم التنزیل: (۲۲۶/۲)، تفسیر کبیر (۱۰۸/۱۵) میں ہے: اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے رب کا ذکر اس طرح کرے کہ اپنے آپ کو سنائے مراد ذکر لسانی کا حصول ہے۔ اور ذکر لسانی تب ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو سنائے اس سے اس کے خیال پر اثر پڑھے گا اور خیال کے متاثر ہونے سے ذکر قلبی روحانی حاصل ہوتی ہے۔

○ محمد بن محمد العماریؒ اپنی تفسیر ابی السعود: (۷۷/۲) میں کہتے ہیں: "یہ تمام اذکار میں عام ہے، اخفاء سے اذکار میں اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اسے قبولیت کے قریب کر دیتا ہے"۔ دیکھیں مظہری: (۵۰۹/۳)، روح المعانی: (۱۵۴/۹)۔

○ اور محمد بن اسحٰق الدھلوی کے مائۃ مسائل ص: (۹۵/۹۴) میں مفصل بیان ہوا ہے اور انہوں نے ذکر بالجھر کے بدعۃ سیئہ ہونے کی تصریح کی ہے اور صوفیاء کو اس سے منع کیا ہے اور اسی پر فقہی کتابوں کے حوالے ذکر کیئے ہیں۔

○ عمدۃ القاری: (۲۴۴/۱۴) میں ابو موسیٰ اشعری ﷛ کی حدیث جو پہلے ذکر ہو چکی، کے تحت لکھا ہے:

"اس حدیث کا حاصل معنٰی یہ ہے کہ نبی ﷺ ذکر و دعا میں آواز کو اونچی کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے"۔

○ فتح الباری: (۱۰۱/۶) اس حدیث کے تحت لکھا ہے: امام طبریؒ کہتے ہیں:

"اس حدیث میں ذکر و دعا کے وقت آواز بلند کرنے کی کراہت ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ میں سے اکثر سلف کا یہی قول ہے"۔

جنازہ میں بآواز بلند ذکر کرنے کی کراہت میں فقہاء کی عبارات کے لیے ملاحظہ کریں! قاضی خان: (۱۹۰/۱)، فتاوٰی سراجیہ: ص: (۶۳)، کبیری ص: (۵۹۴)، مرقاۃ (۵۷/۴)، بحر الرائق: (۱۹۲/۳) (۱۵۹)، نصاب الاحتساب ص: (۱۲۵)، مسائل الاربعین ص: (۴۳)۔

تکبیرات عیدین کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ جہر بالتکبیر بدعت ہے کم از کم مشروع کی حد تک مقصور رہے گی۔

قاضی خان علی ھامش الھندیہ: (۱۸۵/۱) ھدایہ: (۱۵۵/۱)، ھندیہ ص: (۱۵۲) ، در المختار: (۵۵۸/۱)، شامی: (۵۵/۱)۔ (۵۵۸)۔ عینی شرح کنز ص: (۵۰)، البدائع والصنائع: (۲۷۹/۱)، مبسوط: (۴۳/۲)، مدخل: (۱۰۹/۱)، نور الایضاح ص: (۱۱۹)،

طحطاوی ص:(۲۹)،کبیری ص:(۵٦٦)، بزازیه علی هامش الهندیه:(۴/۷۷)،مرقاۃ:(۲/۳۵۷)۔

اوراسی طرح تمام اذکارکاخفیہ کہنا مسنون ہے سوائے تلبیہ اورقنوت امام کے لیےالخ خلاصة الفتاوی: ۱/ ۲٤۳،شرح النقایه: (۱/۱۳۰)،نووی شرح مسلم:(۲/۲۳۲)،کتاب الاذکار:(۸)،فیض الباری : (۲/۲۱۵)۔

بدرالدین ابوعبداللہ محمد بن علی البعلی الحنبلی مختصرالفتاویٰ ص:(۹۲) میں کہتے ہیں:

''مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود اور تمام دعائیں سری طور پر افضل ہیں ان میں آواز بلند کرنا بدعت ہے''الخ۔

مرقات:(۲/۱٦۱) میں ہے : ''کیونکہ باواز بلند ذکر میں کراہت ہے''۔

مزید تحقیق کے لیے مولانا سرفراز خان صاحب کا رسالہ ''حُکْمُ الذِّکْرِ بِالْجَھْرِ'' ملاحظہ فرمائیں۔

اس طرح یہ مسئلہ مکمل بیان ہوا ہے۔

اب ہم مولانا عبدالحی الکھنوی کے رسالے ''سباحة الفكر في الجهر بالذكر'' میں ذکر کردہ دلائل کا جواب ذکر کرتے ہیں لیکن ہم رسالے کی تمام احادیث کا جواب نہیں ذکر کریں گے۔ان میں وہ احادیث جن میں ذکر مطلق ہے اور جہر کی قید سے خالی ہیں سے صرف نظر کریں گے۔تو ہم کہتے ہیں:

پہلی حدیث :''اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کریں گے تو میں اس کا ذکر اس بہتر جماعت (فرشتوں) میں کرونگا'' اس حدیث میں ذکر سے مراد بیان اور دعوت ہے،نہ جاہل متصوفین کے طریقہ پر ذکر۔

اس طرح دوسری حدیث سے لیکر آٹھویں حدیث تک یہی جواب ہے۔

بارھویں حدیث: [اَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللهِ حَتّٰى يَقُوْلَ الْمُنَافِقُوْنَ اِنَّكُمْ مُرَاءُوْنَ اَوْ حَتّٰى يُقَالَ مَجْنُوْنٌ]

(اللہ کا ذکر اسی کثرت سے کرو کہ منافقین تمہیں ریاکار کہیں یا دیوانہ سمجھیں)

تو یہ حدیث ضعیف ہے۔اس میں دراج ابو السمح اور ابو الهيثم دونوں ضعیف ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس میں جہر پر دلالت بھی نہیں،کیونکہ اگر کوئی اپنے رب کا ذکر جہراً کرے گا تو اسے مجنون نہیں،ذاکر کہا جائیگا اور جو ہونٹ ہلاتا ہے اور اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے تو لوگ اسے مجنون کہیں گے۔

اکتیسویں حدیث :رات کو تہجد میں قرآن کی قراءت کے بارے میں ہے اور قراءت جہراً افضل ہے۔جو آپ مشکوٰۃ :(۱/۲۰۰) میں مفصل حدیث میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

اورحدیث ذی البجادین کہ وہ اونچی آواز سے ذکر کرتا تھا۔تو یہ ضعیف ہے جیسے کہ ابوداؤد کتاب الجنائز میں ہے۔

بیالیسویں حدیث:ایام تشریق کے ذکر کے بارے میں ہے جس میں جہر سنت ہے۔

پھر مولانا عبدالحیؒ نے اپنے رسالے میں کہا ہے:''اس مقام پر مقصد کا خلاصہ یہ ہے سر کا جہر سے افضل ہونے میں کوئی شک نہیں،

خوف وتضرع کیوجہ سے، اسی طرح حد سے بڑھ کر جہر کے ممنوع ہونے میں بھی شک نہیں، حدیث: "اپنے آپ پر رحم کرو" کی وجہ سے اور جہر غیر مفرط تو اس کے جواز میں احادیث ظاہر ہیں اور آثار میں موافقت پائی جاتی ہے"۔

میں کہتا ہوں: عام اوقات کے ذکر میں اہل تصوف جس جہر کے مدعی ہیں صحابہ کے صریح آثار سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

وباللہ التوفیق۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ و صحبہ اجمعین. اتوار، (۲۰ رجب ۱۴۱۲ھ)۔

تلاوت قرآن پاک پر اجرت لینے کی حرمت

۱۵- سوال: تلاوت قرآن پر اجرت لینے کی حرمت پر کیا دلیل ہے۔ اخوکم فی اللہ: ابوعمر نذیر (۱۴۱۴/۲/۱ھ)۔

الجواب: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.

تلاوت قرآن پر اُجرت لینے کی حرمت پر دلائل بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

۱- پہلی دلیل: اللہ کا قول ہے: ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾

(اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر مت فروخت کرو)، بقرۃ: (۴۱)،

یہ خطاب اگرچہ یہودیوں کی طرف متوجہ ہے لیکن بمطابق مسلمہ اصول کے اعتبار خصوصیت سبب کا نہیں بلکہ لفظ کے عموم کا ہے۔

ابو العالیہؒ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: "اس پر اجرت مت لو"۔

اسی طرح تفسیر ابن کثیر: (۸۳/۱) میں بھی ہے اور یہ بصیرت والوں کے لیے صریح دلیل ہے۔

۲- دوسری دلیل: وہ روایت جو ابومحمد المخلدی نے الفوائد: (ق ۱/۲۶۸) میں اسمعیل بن عبیداللہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبدالملک بن مروان نے کہا، اے اسمعیل! میرے بچے کو قرآن کی تعلیم دیں میں آپ کو عطیہ یا اجرت دوں گا اسمعیل نے کہا امیر المومنین! یہ کیسے ہوسکتا ہے مجھے تو ام الدرداء نے ابوالدرداء سے حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو تعلیم قرآن پر اجرت میں کمان لے گا تو اللہ اسے قیامت کے دن آگ کی کمان کا قلادہ پہنا دے گا۔ امام بیہقی نے (۱۲۶/۶) بسند جید روایت کیا ہے، اسی طرح ابن الترکمانی نے الجوهر النقی میں اور حافظ ابن حجر نے تلخیص میں کہا ہے۔

اور عبادہ بن صامت ﷺ کی حدیث اس کی شاہد ہے جیسے احمد نے (۳۱۵/۵) میں، الحاکم نے (۴۱/۲) میں، ابو داؤد نے (۳۴۱۶/۲) میں، ابن ماجہ نے برقم: (۲۱۵۷)، طحاوی نے (۲۴۶/۲) کتاب الاجارات میں روایت کیا ہے کمافی السلسلہ (۴۵۷/۱)(۴۵۹)، مشکوۃ: (۲۵۸/۱)۔

۳- **تیسری دلیل**: عمران بن حصین ﷜ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: مجھ پر ایک قاری گزرا اس نے قرآن پڑھا پھر مانگنے لگا، تو انہوں نے انا للہ پڑھی پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو قرآن پڑھے اور اللہ سے مانگے، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگیں گے۔ ترمذی رقم: (۳۰۹۶)، احمد: (۴/۴۳۲)(۴۳۹)۔

دیکھیں مشکوۃ: (۱/۱۹۴)، حدیث صحیح ہے جیسے السلسلہ الصحیحہ: (۱/۴۶۱) برقم (۲۵۷) میں ہے۔

۴- **چوتھی دلیل**: ابن نصر مَرْوَزیؒ نے قیام اللیل ص: (۷۴) میں، احمد نے (۳/۳۸-۳۹) میں حاکم نے: (۴/۵۴۷) میں ابوسعید خدری ﷜ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

[تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ بِهِ الْجَنَّةَ، قَبْلَ أَنْ يَّتَعَلَّمَهُ قَوْمٌ يَسْأَلُوْنَ بِهِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْقُرْآنَ يَتَعَلَّمُهُ ثَلَاثَةٌ: رَجُلٌ يُبَاهِيْ بِهِ، وَرَجُلٌ يَتَأَكَّلُ بِهِ، وَرَجُلٌ يَقْرَؤُهُ لِلّٰهِ]

(قرآن سیکھو اور اس کے بدلے اللہ سے جنت مانگو ایسے لوگوں کے آنے سے پہلے جو قرآن سیکھیں اور اس کے بدلے دنیا مانگیں گے، قرآن کو تین قسم کے لوگ سیکھتے ہیں، ایک وہ جو سیکھ کر اس کے ساتھ فخر کرتا ہے دوسرا وہ جو اس کے ذریعے کھاتا ہے تیسرا وہ جو اللہ کے لیے پڑھتا ہے)۔ حدیث شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔ اور شیخ البانی نے الصحیحہ (برقم: ۲۵۸) میں اسے صحیح کہا ہے۔

۵- **پانچویں دلیل**: جابر اور سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہما دونوں روایت کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ ہم پر نکلے، ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور ہم میں کچھ اعرابی اور کچھ عجمی تھے آپ ﷺ نے فرمایا:

[اِقْرَأُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ، وَسَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهُ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ، يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُوْنَهُ]

(پڑھو! سب ٹھیک ہے عنقریب ایسی قوم آئے گی وہ اس قرآن کو (پڑھنے میں) اس طرح سیدھا کریں گے جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے اجرت معجلہ (دنیا) چاہیں گے اور اجرت مؤجلہ (آخرت کا اجر وثواب) کی پرواہ نہیں کریں گے)۔

ابوداؤد: (۱/۸۳۰)، احمد: (۳/۳۹۷)، (۳۵۷)، ابن حبان رقم: (۱۸۷۶)۔

۶- **چھٹی دلیل**: عبدالرحمٰن بن شبل الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا جب تو میرے خیمے میں آئے تو ٹھہر جا اور رسول اللہ ﷺ سے تو نے جو کچھ سنا مجھے اس کی خبر دے، تو اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "قرآن پڑھو، اور اس پر کچھ مت کھاؤ اور نہ مال بناؤ اور اس سے جفا بھی نہ کرو اور نہ اس میں غلو کرو"۔

طحاوی: (۲/۲۴۶)، کتاب الاجارات، احمد: (۳/۴۲۸-۴۲۹)۔ الطبرانی، المجمع: (۴/۷۳)۔

یہ احادیث اور ایسی دیگر احادیث تلاوت قرآن پر اُجرت کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔

علماء کرامؒ نے اس کی حرمت پر اجماع کیا ہے، لیکن قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینے میں اختلاف ہے۔

ردالمحتار :۵/۳۵-۳۹)میں ہے: [اَلآخِذُ وَالْمُعْطِیْ کِلَاهُمَا آثِمَانِ وَالْمَعْرُوْفُ کَالْمَشْرُوْطِ]
"(لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں،اور معروف مانند مشروط کے ہے)۔
کاندھلوی کی حیاۃ الصحابہ میں اور حدیثیں بھی ہیں۔ مراجعہ کریں:(۳/۲۳۰-۲۳۱)

وصلی الله علی نبینا محمد وآله و صحبه اجمعین۔

OOOOOOOO

تعزیت کی دعا میں ہاتھ اُٹھانے کا حکم

۱۶- سوال :دعائے تعزیت میں ہاتھ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟۔

جواب : وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔

سنت نبویہ میں تعزیت کی بڑی فضیلت ہے اوراسی طرح اس میں دعا بھی ثابت ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے،ان کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں آپ نے انہیں بند کیا پھر فرمایا: جب روح قبض کر کے لیجائی جاتی ہے تو آنکھیں اسے دیکھتی ہے اس پر ان کے گھر کے لوگوں نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کیا،تو آپ نے فرمایا:"اپنے لیے بھلائی ہی کی دعا مانگو،فرشتے تمھارے کہنے پر آمین کہتے ہیں" پھر فرمایا:
[اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِیْهِ]
(اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما،ہدایت یافتہ گان میں ان کے درجے بلند فرما۔اور اس کے پیچھے پس منداگان میں اس کا خلیفہ بن،اے رب العالمین! ہماری اور اس کی مغفرت فرما۔اور اس کی قبر کو فراخ کر دے اور اسے منور فرما)۔
صحیح مسلم:(۱/۳۱۱)،اور مشکوۃ:(۱/۱۴۱)۔

لیکن اس دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا،اس کے لیے اکٹھا ہونا اور اس کا التزام اور یہ دعا منٹ سیکنڈ کی ہوتی ہے تو اس کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں نبی ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور ہر زمانے میں بکثرت اموات ہونے کے باوجود انہوں نے نہیں کیا۔جب ایک چیز کثیر الوقوع ہو اور نبی ﷺ اپنے قول وعمل سے بیان نہ فرمائیں تو ایسے عمل کو عبادت اور اطاعت بنانا بدعت ہے۔دیکھیں فتاوی البرکاتیہ ص:(۳۴۶)۔

اور جو اس حدیث سے استدلال کرتا ہے جو بخاری:(۲/۶۱۹)،رقم:(۴۰۶۸) میں بروایت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے ہے کہ انہیں

ابو عامر نے وصیت کی کہ نبی ﷺ اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں تو میں نے اپنا قصہ بھی سنایا اور ابو عامر کی بات بھی بتائی کہ اس نے کہا کہ آپ ﷺ اس کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے پانی منگوا کر وضوء کیا اور ہاتھ اُٹھا کر فرمایا: «اے اللہ! اپنے بندے ابو عامر کی مغفرت فرما۔ اور میں نے آپ کے بغلوں کی سفید دیکھی پھر فرمایا اے اللہ! اسے اپنی مخلوق میں سے بہت سارے لوگوں پر فائق کردے۔ پھر میں نے کہا میرے لیے بھی استغفار فرمادیں، تو آپ نے فرمایا: اے اللہ عبداللہ بن قیس کا گناہ معاف فرمادے اور اسے قیامت میں عزت والی جگہ میں داخلہ نصیب فرما!»۔

ابو بردہ کہتے ہیں ایک دعا ابو عامر کے لیے اور دوسری ابو موسیٰ کے لیے۔

تو اس حدیث سے ہاتھ اٹھانے پر استدلال بعید کا استدلال ہے۔ یہ دعا تو تعزیت میں نہیں بلکہ یہ دعا تو وصیت پوری کرنے کے لیے ہے۔ هذا وبالله التوفيق،

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

قرآن کریم میں مذکور وقف لازم

۱۷- سوال : قرآن میں وقف لازمہ سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مراد وہی ہے جو قرآن کے حاشیے میں مثل: وقف لازم، وقف جائز اور وقف مطلق لکھا ہے؟ اور یہ کس نے لکھے ہیں؟۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔

وقف مسنون جو سنت میں وارد ہے سے مراد ہر آیت کے آخر میں وقف کرنا ہے جیسے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے ان سے رسول اللہ ﷺ کی قرأت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: آپ ﷺ آیت آیت قطع کرکے پڑھتے تھے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○.

ترمذی: (۲/۱۲۰)، احمد: (۶/۳۰۲)، مشکوۃ رقم: (۲۲۰۴) بسند صحیح۔

قرآن کے حاشیے پر لکھے ہوئے وقف کی کوئی اصل نہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے العرف الشذي: (۲/۱۲۰) میں لکھا ہے: ''قرآن کے حواشی میں وقف لازم یا واجب جو آپ لکھا ہوا پاتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں''۔ امام جزریؒ کہتے ہیں قرآن عظیم میں کوئی وقف واجب نہیں۔

امام سیوطیؒ نے اتقان میں امام ابو یوسفؒ سے ذکر کیا ہے ہمارے زمانے میں (قرآن میں لکھے ہوئے جو) وقف ہیں اس کی کوئی اصل نہیں۔ بعض کہتے ہیں حدیث میں مذکور وقف سے مراد سانس کا ٹوٹنا نہیں بلکہ سکتہ ہے۔ الخ۔

اس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے ان شاء اللہ۔

زادالمعاد:(۱/۱۶۴)میں ہے نبی ﷺ آیت آیت کو الگ کر کے قرأت فرماتے تھے،آپ کی قرأت واضح ہوا کرتی تھی۔

مراجعہ کریں :ارواء الغلیل (۲/۵۹)رقم:(۳۴۳)، وَهٰذَا وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

میت کے پاس قرآن خوانی کا حکم

۱۸ - سوال : اور میت کے پاس قرآن پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جب میت کو چادر سے ڈھانپا گیا ہو اور لوگ اس کے آس پاس بیٹھے قرآن کی تلاوت کر رہے ہوں،تو اس عمل کا ثبوت سنت مطہرہ میں ہے یا نہیں؟ صحیح دلیل کے ساتھ جواب دیں۔

جواب: وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ.

قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا ذکر ہم نے جنائز میں کیا ہے کہ یہ بدعت ہے،اور اس کے دلائل وہاں ذکر کیے ہیں، جان کنی کے وقت اور میت کے پاس قرآن پڑھنے کا بعض آثار میں ذکر ملتا ہے ہم تحقیق کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں:

اول : ابن ابی شیبہ:(۳/۲۳۶)، میں روایت لائے وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی حفص بن غیاث نے وہ مجالدؒ سے اور شعبیؒ سے کہ انصار میت کے پاس سورۃ بقرۃ پڑھتے تھے،لیکن اس روایت میں مجالد قوی نہیں،اس کا حافظہ آخری عمر میں متغیر ہو گیا تھا جیسے کہ تقریب میں ہے تو حدیث سنداً ضعیف ہے۔

دوم : ابن ابی شیبہ:(۲/۲۳۷)میں جابر بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ وہ میت کے پاس سورۃ رعد پڑھا کرتے تھے"۔یہ مقطوع ہے اور حجت نہیں اور سند کا حال بھی دیکھا جائیگا۔

سوم : معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،اپنے مردوں کے پاس سورۃ یٰسین پڑھو"۔
ابن ابی شیبہ:(۲/۲۳۷)۔

اس کی سند میں ابوعثمان اور ان کے والد مجہول ہیں اس لیے حدیث سنداً ضعیف ہے،احمد:(۵/۲۶)،مشکوٰۃ رقم:(۱۶۲۲)۔

معلوم ہوا کہ یہ عمل قابل اعتماد قوی دلیل سے ثابت نہیں تو اس عمل کو سنت قرار دیکر عمل مستمر قرار دینا اچھی بات نہیں اور لوگوں کے اس پر التزام سے خاص کر عوام اور عورتوں کا اس عمل کو واجب طریقہ بنانے سے یہ بدعت بن جاتا ہے تو اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ان کے زمانے میں بکثرت اموات ہونے کے باوجود ثابت نہیں،نہ ہی آپ ﷺ نے،نہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے اس طریقے کا حکم دیا ہے۔اگر یہ بھلائی کا کام ہوتا تو وہ اسے ہم سے پہلے ضرور کرتے اس کے ساتھ اعمال

کا ثواب خصوصاً قرآن پڑھنے کا ثواب بخشنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے جسے اپنی جگہ ہم مفصل بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

استحباب شرعی حکم ہے جس کے لیے شرعی دلیل کی ضرورت ہے، جیسے کہ احکام الجنائز ص: (۱۹۲-۱۹۳)، اور اس کی تعلیق میں آپ دیکھ سکتے ہیں اسی لیے ہم اس عمل کو تاکیدی مستحب قرار نہیں دے سکتے کہ اسے طریق مسلوک سمجھ کر اس کے وجوب کا عقیدہ رکھا جائے۔ البتہ اگر کوئی نزول رحمت و برکت کی نیت سے میت کے پاس سورۃ یسین پڑھے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اس میں متعدد احادیث آئی ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر: (۶۲/۳)، اور (۵۶۳/۵) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی وجہ سے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سورۃ کی خصوصیت میں سے ہے کہ اگر کسی مشکل کے وقت پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ آسانی فرمادیتے ہیں اور میت کے پاس اسے اس غرض سے پڑھا جائے کہ رحمت و برکت کا نزول ہو اور جان کنی کا مرحلہ آسان ہو۔ **وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔**

محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کے متعلق

۱۹ - سوال: کیا محمد بن عبدالوہاب نجدی بُرا آدمی تھا؟ جیسے کہ مولانا انور شاہ کشمیر نے فیض الباری: (۱۷۱/۱)، میں کہا ہے، محمد بن عبدالوہاب بلید اور کم فہم آدمی تھا، کفر کا حکم لگانے میں بڑا جلد باز تھا، اور کیا نجد کی مذمت میں احادیث وارد ہیں جیسے کہ بعض لوگ اس کا ذکر کرتے ہیں، وَجَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ اخوکم: حمید اللہ۔

جواب: اللہ تعالیٰ سے ہم عدل و انصاف اور صدق و صواب کی دعا کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ کہ کیا مذمت نجد میں کوئی حدیث آئی ہے، کے بارے میں ہم کہتے ہیں:

ہاں! مذمت نجد میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن حدیث میں مذکور نجد سے مراد اور ہے اور محمد بن عبدالوہاب کا جس نجد سے تعلق تھا وہ اور ہے۔ نجد جس کی مذمت ہوئی وہ عراق ہے، اس کے بارے میں ہم احادیث ذکر کریں گے۔

لیکن کسی جگہ کی مذمت سے اس جگہ کے تمام رہنے والوں اور اس کے علماء و صالحین کی مذمت لازم نہیں آتی۔ عراق مذموم ہے لیکن وہاں بہت سارے صلحاء، علماء عاملین، ثقہ اور راسخ ائمہ دین گزرے ہیں۔ تو جو لوگ نجد کی مذمت میں وارد اس حدیث سے مذمت محمد بن عبدالوہاب پر استدلال کرتے ہیں جاہل متعصب ہیں جن کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اب ہم وہ احادیث بیان کرتے ہیں:

پہلی حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اور کہا، اے اللہ! ہمارے صاع و مُد میں برکت فرما۔ اے اللہ ہمارے شام و یمن میں برکت فرما، تو کسی شخص نے کہا اے اللہ کے نبی اور ہمارے عراق (کے لیے بھی دعا فرمائیں) فرمایا: وہاں شیطان کا سینگ ہے اور فتنے اٹھیں گے اور جفاء مشرق میں ہے۔ راوی اس کے ثقہ ہیں۔

طبرانی فی الکبیر، ترغیب ترهیب، مجمع الزوائد۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عراق فتنے کی جگہ ہے کیونکہ قدریہ، جہمیہ، اصحاب قیاس، شیعہ اور خوارج سب یہیں سے نکلے اور ہمارے نبی محمد ﷺ کی بات سچی ثابت ہوئی۔

دوسری حدیث : طحاوی: (۵۶/۱) باب الوضوء مما مست النار میں ہے انس بن مالک روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھ سمیت ابوطلحہ انصاری اور ابی بن کعبؓ کے لیے گرم گرم کھانا لایا گیا ہم نے کھایا پھر میں نماز کے لیے اُٹھا اور وضوء کرنے لگا تو ان دونوں میں ایک دوسرے کو کہنے لگا یہ کیا عراقی طریقہ ہے؟ پھر مجھے وضو کرنے پر ڈانٹا تو مجھے پتا لگا کہ وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ مسلم: (۴۵۳/۱) کی ایک اور حدیث بھی مذمت عراق پر دلالت کرتی ہے۔

تیسری حدیث : یہ بھی طحاوی: (۱۷۵/۱) میں ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا قنوت کیا ہوتا ہے تو اس نے کہا کہ جب آخری رکعت میں امام قراءت سے فارغ ہوتا ہے تو کھڑے کھڑے دعا کرتا ہے تو فرمایا! میں نے کسی کو اس طرح کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میرے خیال میں عراقیوں! یہ تم ہی کرتے ہو۔

چوتھی حدیث : ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ایک آزاد شدہ لونڈی آ کر انہیں کہنے لگی: میرے لیے یہاں (مدینہ میں) وقت گزارنا مشکل ہو گیا ہے میرا ارادہ ہے کہ میں عراق چلی جاؤں۔ تو فرمایا تو شام کیوں نہیں چلی جاتی جو حشر کی زمین ہے۔ پگلی ذرا صبر کر میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا وہ فرما رہے تھے جو اس کے مصائب و تکالیف پر صبر کریگا میں اس کے لیے شفاعت کرونگا، گواہی دونگا۔ ترمذی: (۲۲۹/۲)۔

پانچویں حدیث : ترمذی: (۲۳۲/۲) میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے شام میں برکت ڈال۔ اے اللہ! ہمارے یمن میں برکت ڈال، تو لوگوں نے کہا اور ہمارے نجد میں! تو فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے ہونگے اور وہاں شیطان کا سینگ ہے یا شیطان کا سینگ وہاں سے نکلے گا۔

بخاری: (۱۰۶۶/۱)۔ (۴۹۶)۔ مشکوٰۃ: (۵۸۲/۲)، المرقاۃ: (۴۱۵/۱۱)

"النهاية" کے مطابق نجد حجاز کے علاوہ علاقے کا نام ہے۔

ابن الملکؒ نے کہا ہے۔ عرب کے نشیبی علاقے ہیں انہیں نجد کہا جاتا ہے، نجد سطح مرتفع کو کہتے ہیں۔ تو نجد سے مراد عراق ہے اسی طرح احادیث میں مشرق کی مذمت بھی آئی ہے اور وہ عراق اور اس کے نواحی علاقے ہیں۔ اور وہ نجد جہاں کے محمد بن عبدالوہاب رہنے والے ہیں وہ بستی ہے، مراجعہ کریں: مسند ابی عوانہ: (۶۰/۱)

چھٹی حدیث : مؤطا امام مالک ص: ۷۲۹، میں ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف منتقل ہونے کا ارادہ کیا تو کعب احبار رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ وہاں نہ جائیں، دس میں سے نو حصے جادو وہاں ہے، وہ فاسق جنوں کا مسکن ہے اور وہاں

خطرناک بیماری ہے۔

الشیخ محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ تمام علماء ربانیین جو ان کے بعد آئے ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور ان کی مذمت صرف شِرْذِمَۃٌ قَلِیْلَۃٌ نے کی ہے جو دعوۃ سلفی اسلامی کے مخالف، بلکہ توحید کے دشمن تھے جیسے زینی دحلان، حامد مرزوق، حمد اللہ داجوی اور اسماعیل نبھانی وغیرہ۔ یہ سب بدعات خرافات کے داعی ہیں اور علامہ انور شاہ کشمیری کہ جو عبارت میں نے نقل کی ہے تو علامہ انور شاہ کشمیری اور ان جیسے دیگر بزرگوں نے الشیخ رحمہ اللہ کے مخالفین کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کے بارے میں تحقیق نہ کر سکے۔ تو قلت تحقیق وتتبع کیوجہ سے وہ مذمت کر بیٹھے ہیں۔

ملاحظہ کریں فتاویٰ رشیدیہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی کا قول کہ وہ کہتے ہیں، محمد بن عبدالوہاب صحیح العقیدہ، عامل بالحدیث اچھے آدمی تھے اور شرک وبدعت کا رد کرنے والے تھے۔ البتہ مزاج میں کچھ تیزی تھی۔

امیر صنعانی صاحبؒ سبل السلام اپنے طویل قصیدہ میں ان کی تعریف کی ہے اور انہوں نے اپنے ان قیمتی اشعار میں اتباع سنت کی ترغیب دی اور شرک کا رد کیا ہے۔

امام شوکانی صاحبؒ مؤلف نیل الأوطار اور الشیخ حسین بن غنام الأحسائي نے بھی ان کی تعریف میں اچھے قصیدے لکھیں ہے۔

علام السید محمود شکري الألوسي نے بھی اپنی کتاب تاریخ نجد کے آخر میں ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا ہے، الشیخ محمد کا تعلق نجد کے ایک علمی گھرانے سے تھا۔ آپ حدیث وفقہ میں معرفت تامہ رکھتے ہیں آپ کے اسئلہ اجوبہ ہیں۔ آپ کے والد عبدالوہاب نجد کے بڑے عالم فقیہ تھے، آپ اپنے زمانے میں نجد کے بڑے عالم تھے۔ علمی مہارت کی وجہ سے نجد میں علمی ریاست آپ کو حاصل تھی۔ درس تدریس، افتاء اور تصنیفی کام کیا، لیکن الشیخ محمد اپنے باپ دادا کے طریقے پر نہ تھے۔ بلکہ سنت کے لیے سخت تعصب کرتے اور حق کے مخالف علماء کی بڑی سختی سے تردید کرتے تھے۔

حاصل یہ کہ آپ امر بالمعروف اور نھي عن المنکر کرنے والے علماء میں سے تھے، اور لوگوں کو شرائع اسلام کے اصول کی تعلیم دیتے تھے۔ بعد میں آنے والے تمام اہل سنت نے ان کی تعریف کی ہے سوائے اہل بدعت قبوری طائفے کے جو ان کی مذمت کرکے لوگوں میں بدنام کرتے تھے تاکہ لوگ ان کی تقاریر، خطبوں ان کی تالیفات اور ان کے شاگردوں اور حق کی دعوت میں ان کے ہم خیال لوگوں سے استفادہ نہ کر سکیں۔ لیکن جاہل اور متعصب جس دعوت حقہ سے ڈراتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے چار سو پھیلا دیا، اور جس دعوۃ کو اہل بدعت کمزور کرنا چاہتے تھے اس کی تائید فرمائی اور دین کی جس عمارت کو یہ ظالم گرانا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسے مضبوط فرمایا: فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَالْآخِرَةِ۔

اور اللہ کی یہ عادت جاری ہے کہ اہل حق کی دعوت زندہ رہتی ہے اور جاہلوں کی دعوت مرتی ہے۔

اس کے باوجود ہم اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کا تزکیہ نہیں کر سکتے، ہمارا ان کے بارے میں ایسا ہی خیال اور محاسب اللہ ہی ہے،

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

مراجعہ کریں علامہ الشیخ احمد بن حجر بن محمد آل ابی طامی آل ابن علی کی کتاب کا جس کا نام ہے "محمد بن عبدالوہاب" ص: (۶۵-۷۰)، اور اس طرح احمد عبدالغفور عطار کی کتاب ص: (۴۱)، اور دیگر جلیل القدر علماء کی کتابوں کا، اور بغیر تحقیق کے فتوی دینا جائز نہیں۔

مسئلہ نور و بشر

۲۰- سوال: کیا نبی ﷺ نور ہیں؟ جیسے کہ بریلویوں کا دعوی ہے۔

جواب :وَمِنَ اللهِ الصِّدْقُ وَالصَّوَابُ۔ اس مسئلے پر دلائل ذکر کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ یہ مسئلے دین میں بدیہی طور پر ثابت ہے، جسکا علماء تو درکنار عوام بھی علم رکھتے ہیں۔ لیکن یہاں ایک خبیث جاہل اور قلیل ٹولہ ہے جس کا یہ دعوی ہے کہ آپ ﷺ بشر نہیں اور ساتھ یہ بھی دعوی ہے وہ محبان رسول ﷺ ہیں اور تعظیم کرتے ہیں حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں بڑے ظالم ہیں اور سوائے متشابہات کی تابعداری کے ان کے پاس اپنے دعوے کے لیے کتاب وسنت کی سرے سے کوئی دلیل نہیں۔

تو ہم کہتے ہیں کہ کتاب وسنت، اجماع امت اور قیاس دلائل بہت زیادہ ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ ﴾ (کہف:۱۰۹)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ (انبیاء:۳۴)۔

(آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی)۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ ﴾ (یوسف:۱۰۹)

(آپ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں جتنے رسول بھیجے ہیں سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل فرماتے گئے)۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ﴾ (رعد:۳۸)۔

(ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچوں والا بنایا تھا)۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴾ (مؤمنون:۴۷)

(کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں۔ حالانکہ خود ان کی قوم (بھی) ہمارے ماتحت ہے)۔

اوراللہ تعالیٰ کاقول: ﴿ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴾ (ابراہیم:۱۰)۔

(انہوں نے کہا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو)۔

اوراللہ تعالیٰ کاقول: ﴿ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾

ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے) (ابراہیم:۱۱)۔

اوراللہ تعالیٰ کاقول : ﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (سورۃ اسراء:۹۳)۔

(میں تو صرف انسان ہی ہوں جو رسول بنایا گیا ہوں)۔

بشریت رسول ﷺ کے بارے میں وارد احادیث:

پہلی حدیث :رافع بن خدیج ؓ کہتے ہے : [قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَأْبُرُوْنَ النَّخْلَ، فَقَالَ: « مَا تَصْنَعُوْنَ؟ » قَالُوْا: كُنَّا نَصْنَعُهُ، قَالَ: « لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا، فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ، فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ: « إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِيْ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ] مسلم : (٢/٢٦٤)۔مشكوٰة:(١/٢٨)۔

(نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے مدینہ میں لوگ کھجوروں کی پیوندکاری کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا یہ کیا کرتے ہو تو انہوں نے کہا ہم اسی طرح ہی کیا کرتے ہیں تو فرمایا شاید تم یہ نہ کرو تو اچھا ہو، تو لوگوں نے پیوندکاری چھوڑ دی لیکن کھجوروں کی پیداوار کم ہوگئی ،راوی کہتا ہے اس (کھجوروں کے کم ہونے) کا آپ سے تذکرہ کیا گیا تو فرمایا میں انسان ہوں جب میں تمہیں دین کی کسی بات کا حکم دوں تو وہ لے لیا کرو۔اور جب اپنی رای سے کچھ کہوں تو پھر میں انسان ہو (میرے رائے خطاء بھی ہوسکتی ہے)۔

دوسری حدیث : عَمْرَةَ کہتی ہیں عائشہ رضی اللہ عنھا کو کہا گیا رسول اللہ ﷺ گھر میں آکر کیا کرتے تھے:

﴿ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهُ وَيَحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ ﴾

(وہ انسانوں میں سے ایک انسان تھے کپڑوں میں جوویں تلاش کرتے ،اپنی بکری دوہتے ،اوراپنے کام اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے)۔شمائل ترمذی:(۲۳)،مشکوٰۃ:(۲/۵۲۰)۔

تیسری حدیث :ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھائیں،آپ سے کہا گیا کہ کیا نماز بڑھ گئی ہے تو فرمایا: کیسے بڑھ گئی،انہوں نے کہا آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائیں تو سلام پھیرنے کے بعد آپ دو سجدے (سہو کے) کیے اور ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا انسان ہوں میں بھی بھولتا ہوں جیسے تم بھول

جاتے ہو تو جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دیا کرو۔ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شک کرے تو صحیح تلاش کرنے کے بعد اپنی (باقی) نماز پوری کرے پھر سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے (سہو کے) کرے۔

متفق علیہ، مشکوٰۃ: (۹۲/۱)۔

چوتھی حدیث: عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا یاد کرنے کے ارادے سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا۔ تو قریش نے مجھے روکا اور کہا کہ کیا تو جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتا ہے سب لکھ لیتا ہے۔ وہ تو انسان ہیں کبھی غصے کی حالت میں ہوتے ہیں کبھی رضا کی حالت میں ہوتے ہیں تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، تو آپ ﷺ نے اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا! لکھو، قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے سچ کے اور کچھ نہیں نکلتا، ابوداؤد: (۱۵۴/۲)۔ تفسیر ابن کثیر: (۲۳۷/۴)۔

بشریت رسول پر اجماع

علامہ آلوسی اپنی تفسیر: (۱۱۳/۴) میں اس آیت، ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا)، آل عمران: (۱۶۴) کے تحت ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں "شیخ ولی الدین عراقی سے پوچھا گیا، کیا یہ جاننا کہ رسول اللہ ﷺ انسان ہیں اور عرب ہیں" ایمان کی صحت کے لیے شرط ہے یا فرض کفایہ میں سے ہے؟۔

تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایمان کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے پھر کہا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں محمد ﷺ کا ساری مخلوق کے لیے رسول ہونے کو تو مانتا ہوں لیکن یہ نہیں جانتا کہ آپ انسان ہیں یا فرشتوں جنوں میں سے ہیں نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ وہ عرب ہیں یا عجم، تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کی تکذیب کر رہا ہے اور جو بات قرآن اور اسلام میں پکی آ رہی ہے اور ہر خاص و عام کو بدیہی طور پر معلوم ہو چکی ہے اس کا انکار کر رہا ہے۔

مجھے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف معلوم نہیں، اگر یہ بات پوشیدہ اور غیر معروف ہوتی تو اس کا سکھانا ضروری تھا۔ اس کے بعد اگر کوئی انکار کرتا تو ہم اس کے کفر کا حکم لگاتے۔ الخ۔ تمام مسلمان انبیاء کے افضل البشر ہونے پر متفق ہیں۔

اور احمد رضا خان بریلوی کے علاوہ کسی نے خلاف نہیں کیا، وہ افرنگ کے جاسوس اور بے وقوف تھے مسلمانوں کے عقائد خراب کرنا چاہتے تھے۔



اعتباری اور عقلی دلائل ہمارے نبی ﷺ اور دیگر تمام انبیاء کے بشر ہونے پر بھی بہت ہیں، چند ایک درج ذیل ہیں

نور کی نہ نسل ہے اور نہ ہی ان میں نکاح کا سلسلہ اور رسولوں نے تو نکاح بھی کیے اور ان کی اولاد بھی تھی۔

اور اس طرح آدم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام رسول ماں اور باپ سے پیدا ہوئے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے ماں سے پیدا ہوئے اور تمام انبیاء کھانا کھاتے تھے اور جو کھاتا پیتا ہے اسے بول و براز کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں انسانوں میں ہوتی ہیں، نورانی اجسام میں نہیں ہوتیں۔

بفرض محال اگر وہ انسان نہ ہوتے تو ان کی فضیلت نہ ہوتی۔ کیونکہ شہوت کے باوجود اگر کوئی اپنے نفس کو قبائح سے روکے وہ افضل ہے اس سے جس میں شہوت ہے نہ خواہش۔ انبیاء علیہ السلام شہوانی جذبات وافر رکھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے نفسوں کو قابو میں رکھتے تھے۔ اس لیے وہ درجے میں ملائکہ سے افضل تھے جو نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اگر انبیاء فرضاً غیر بشر ہوتے اور بشر کی صورت اختیار کر کے آئے ہوئے تو سب سے پہلے ان پر یہ واجب تھا کہ وہ انسانوں کو بتاتے تا کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے کہ وہ انسان نہیں اور کوئی ان پر انسان ہونے کا گمان نہ کرے۔ لیکن کسی بھی نص سے اور نہ ہی اہل اسلام میں سے کسی کے قول سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انسان نہیں ہیں۔ تو تعجب ہے ان ظالموں پر کہ کتنے بڑے جاہل اور کافر ہیں اور ان جیسا بدیہیات وضروریات کا منکر کوئی نہیں گزرا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا رکھوالا اور اپنے رسول علیہ السلام کا مددگار ہے، اور اللہ تعالیٰ ثقہ، راسخ اور ربانی علماء کے ذریعے اس امت کے لیے اس کے دین کی تجدید کا ضامن ہے، اور مجردوں اور کافروں کی تاویلوں کا ابطال کرتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

مراجعہ کریں احسن الفتاوی: (۵۲/۱) وہ کہتے ہیں: جس نے انبیاء کی بشریت کا انکار کیا، اس نے غیر شعوری طور پر انکا مذاق اڑایا۔ دیکھو فتاوی اللجنة: (۳۰۷/۱)۔ (۳۱۰)

جو روایتیں آپ ﷺ کے نور ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ موضوع اور واہی ہیں۔ عنقریب اس کتاب میں اس کی تحقیق آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

و صلی اللہ علی نبینا محمد و علی آله و صحبه أجمعین۔



ہر بدعت گمراہی ہے

۲۱:- سوال : نبی ﷺ کے قول: [كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ] ''ہر بدعت گمراہی ہے''
اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قول: [نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ] '' یہ اچھی بدعت ہے''، کے درمیان موافقت کیسے ہوگی؟ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی بدعت حَسَنَہ (اچھی) نہیں اور دوسرے اثر سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بدعتوں میں بعض حَسَنَہ بھی ہیں۔

اخوکم فی اللہ :عبدالحلیم طالب علم:۹ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

جان لو! اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی حفاظت فرمائے کہ بدعت میں حسنہ بالکل نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے جیسے ہمارے فصیح و بلیغ نبی محمد ﷺ نے خبر دی ہے۔ اور جو بدعت کو تقسیم کر کے پانچ قسمیں بتاتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، کیونکہ بدعت حسنہ کی مثالوں میں انہوں نے مدارس و مورچے تعمیر کرنا، علوم الیہ جیسے صرف ونحو یہ سب شرعی قاعدہ کلیہ کے تحت داخل ہیں جو اس باب میں وارد ہے اس لیے ان کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں۔ رہی دونوں حدیثوں میں موافقت تو ہم کہتے ہیں۔

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر: (۱/۱۶۱)، میں کہا ہے ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں جیسے صحیح مسلم میں آیا ہے، ''کہ ہر نئی چیز بدعت ہے'' بدعت کی دو قسمیں ہیں کبھی بدعت سے مراد شرعی بدعت ہوتی ہے جیسے نبی ﷺ کا فرمان ہے: [كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ] (ہر بدعت گمراہی ہے)، اور کبھی لغوی بدعت مراد ہوتی ہے جیسے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول جب انہوں نے لوگوں کو نماز تراویح باقاعدہ پڑھنے کے لیے اکٹھا کیا کہ۔ یہ اچھی بدعت ہے۔

تو امام ابن کثیرؒ نے دونوں روایتوں میں تطبیق کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حسنۃ اور سیئۃ یہ لغوی بدعت میں ہوتی ہیں، شرعی بدعت میں نہیں وہ سب کی سب سیئۃ ہیں بمطابق نص رسول ﷺ اس میں کوئی بھی حسنۃ نہیں۔

اور ضیاء النور ص :(۲۳) میں ہے: ''محمد بن اسمٰعیل الامیر کہتے ہیں، ''میرا تو خیال ہے یہ حسنۃ اور سیئۃ کی تقسیم بھی من جملہ بدعات سے ہے''۔

ابن حجر الہیثمی اپنے فتاوی حدیثیہ ص:(۲۰۶) میں کہتے ہیں اور اسی طرح ضیاء النور ص:(۲۶) میں بھی ہے: ''بعض نے بدعت کی ایسی تعریف کی ہے جو ماقبل مذکور سب کو شامل ہے اور کہا ہے کہ ہر وہ چیز جس کے وجوب واستحباب کی شرعی دلیل نہ ہو بدعت ہے خواہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے وہ کیا گیا ہو یا نہیں جیسے یہود ونصاری کو جزیرہ عرب سے نکالنا اور مشرکوں

کے ساتھ قتال تو جب یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہی کئے گئے ہیں تو یہ بدعت نہیں اگر چہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ کام نہیں کئے گئے۔اس طرح قرآن کو مصحف کی شکل میں اکٹھا کرنا اور ماہ رمضان کا قیام باجماعت ادا کرنا وغیرہ،تو اس کا وجوب یا استحباب شرعی دلیل سے ثابت ہے۔

اور تراویح کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ''یہ اچھی بدعت ہے'' میں ان کی مراد لغوی بدعت ہے یعنی وہ کام کرنا جس کی پہلے مثال نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی بالکل انوکھا پیغمبر تو نہیں۔احقاف:(۹)۔

اور یہ شرعی بدعت نہیں،بدعت شرعی بمطابق فرمان رسول ﷺ گمراہی ہے،اور علماء نے جو حسن اور غیر حسن کی تقسیم کی ہے تو یہ لغوی بدعت کی ہے اور جس نے بدعت کو گمراہی کہا ہے تو وہاں شرعی بدعت مراد ہے۔انتھی۔

شیخ الاسلام مجموع الفتاوی (۳۷۰/۱۰) میں اپنی کلام کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ بدعت فی الدین جو اصل میں کتاب وسنت کی دلالت کے مطابق مذموم ہے خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے اور میں دوسرے مقام پر یہ لکھ چکا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول: ''ہر بدعت گمراہی ہے'' کی عموم کی حفاظت ضروری ہے،اس کے عموم پر عمل کرنا واجب ہے۔اور جو بدعات کے حسن وقبیح پر کتاب لکھنی شروع کر دے اور اسے ذریعہ بنائے کہ بدعت کی ممانعت کی کوئی حاجت نہیں تو وہ غلطی پر ہے،جیسے فقیہ و متکلم صوفی وعابد کا لبادہ اوڑھ کر ایک جماعت یہ کام کر رہی ہے،

دین میں بدعات پر بحث کرتے ہوئے وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کوئی بدعت مکروہ نہیں،مکروہ صرف وہی ہے جس سے نہی کی گئی ہو،جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گمراہی صرف وہ ہے جس سے نبی ﷺ نے روکا ہو یا جو حرام یا نص نبوی کے مخالف ہو،تو یہ محتاج بیان نہیں بلکہ جو دین میں مشروع نہیں وہ گمراہی ہے۔اور جس پر بدعت نام کا اطلاق ہو اور شرعی دلائل سے اس کا اچھا ہونا ثابت ہو جائے تو اس میں دو باتوں میں سے ایک لازمی ہوگی۔یا تو کہا جائے گا یہ دینی بدعت نہیں اگر چہ لغوی لحاظ سے اسے بدعت کا نام دے دیا گیا ہے جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ اچھی بدعت ہے'' یا کہا جائے گا کہ بدعت کے عموم سے یہ صورت راجح معارض کی وجہ سے خاص ہو گئی ہے اس کے علاوہ عموم کے مقتضی پر بدستور باقی ہیں۔جیسے کتاب وسنت کے دیگر تمام عمومات کا معاملہ ہے،یہ مسئلہ میں اقتضاء الصراط المستقیم اور قاعدۃ السنۃ والبدعۃ میں ثابت کر چکا ہوں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ کتاب الاعتصام: (۱۹۱/۱)، میں بدعت کو پانچ قسمیں قرار دینے والے علماء کے اقوال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: **جواب**: یہ تقسیم من گھڑت ہے جس پر کوئی شرعی دلیل دلالت نہیں کرتی، بلکہ اس تقسیم میں تناقض ہے، کیونکہ بدعت کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر شرعی نص یا شرعی قاعدے میں سے کوئی دلیل شرعی دلالت نہ کرتی ہو کیونکہ اگر وہاں وجوب ندب اور اباحت جیسے شرعی احکام کی کوئی دلیل ہے تو وہ پھر بدعت نہیں بلکہ وہ ان اعمال میں شامل ہے جو مامور بہا (واجب یا مُخَيَّرٌ فِيهَا (مندوب)

ہیں۔ان چیزوں کو بدعت کہنا اور پھر ان کا وجوب یا ندب یا اباحت دلائل سے ثابت کرنا یہ جمع بین المتنافیین ہے۔

آگے چل کر کہا ہے، "بدعت لغوی قابل تقسیم ہے بدعت شرعی نہیں بلکہ یہ سب کی سب سیئہ ہیں۔

السنن والمبتدعات ص:(۱۵)، میں بدعت کی تعریف ذکر کرنے کے بعد کہا ہے، "بدعت کی دینی اور دنیوی تقسیم یہ سب بدعت فی الدین ہے اور گمراہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے بطور نص ثابت ہے۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے فرمائیں، "یہ گمراہی ہے اور آگ میں ہے" اور ہم اس میں تغیر وتاویل اور تحریف کر کے یہ کہیں کہ یہ مستحسن ہے، ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ کبھی بدعت ضلالۃ صریح کفر ہوتی ہے، کبھی حرام اور گناہ کبیرہ ہوتی ہے، پھر اس کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں، "بعض فقہائے متاخرین کا اسے پانچ اقسام میں تقسیم کرنا، ان کا خیال اور غلط ہے۔ یقیناً گمان حق (کی معرفت) میں کچھ بھی کام نہیں دے سکتا" (یونس:۳۶)، بلکہ یہ ان کی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہے جنہوں نے فرمایا ہے، "کہ ہر بدعت گمراہی ہے" اور اس آیت میں مذکور وعید میں حصہ دار ہیں۔

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ﴾ (نساء:۱۱۵)۔

(اور جو باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مؤمنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے)۔

ہاں وہ بدعات جن کا تعلق دنیوی اور معاشی مصالح ومنافع سے ہو تو جب تک اس میں نفع ہو نقصان نہ ہو نہ ہی لوگوں کے لیے شر کا سبب ہو، حرام کے ارتکاب کا موجب نہ ہو، اور دین کے قاعدے کو منہدم نہ کرتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنی دنیاوی ومعاشی مصلحت کے لیے نت نئی چیزیں ایجاد کرنا مباح کیا ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد آله وصحبه أجمعين.



النواظر في مسألة الحاضر والناظر

رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنا اور بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

۲۲- سوال : کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے؟ جو یہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ غائب و حاضر جانتے تھے، اور وہ ہماری ہر مجلس میں ہمیشہ حاضر ہوتے اور ہمیں دیکھتے ہیں اور ایسے اور عقائد۔

الجواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ أَمَّا بَعْدُ:

ہم فتاوی اللجنة الدائمه : (۲/۲۸۴) کا فتویٰ درج کرتے ہیں اور غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں :

سوال: پاکستان میں ایک خاص جماعت ہے جسے بریلوی کہتے ہیں یا جماعت نورانی یہ نسبت ہے ان کے امیر کی طرف جو نورانی مشہور ہیں۔ اس جماعت، ان کے عقائد اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں حکم شرعی مطلوب ہے تاکہ بہت سارے ایسے لوگ جو ان کی حقیقت سے بے خبر ہیں، مطمئن ہو سکیں، ہم ان کے بعض عقاید کا ذکر کیے دیتے ہیں۔

۱-: یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں۔

۲-: یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ حاضر و ناظر ہیں خاص کر جمعہ کی نماز کے فوراً بعد۔

۳-: یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ اب بھی دنیا میں شفیع ہیں۔

۴-: وہ اولیاء اور اصحاب قبور کے معتقد ہیں، ان کی قبروں کے پاس نمازیں پڑھتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں۔

۵-: قبروں پر قبے بناتے اور چراغاں کرتے ہیں۔

۶-: وہ یا رسول اللہ اور یا محمد کہتے ہیں۔

۷-: آمین بالجہر اور نماز میں رفع الیدین کو برا سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو وہابی سمجھتے ہیں۔

۸-: نماز کے وقت مسواک کرنے پر تعجب کرتے ہیں۔

۹-: اذان و وضو کے دوران اور نماز کے بعد انگوٹھے چومتے ہیں۔

۱۰-: ان کا امام نماز کے بعد آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ الخ، بار بار دھراتا ہے اس کے بعد تمام مقتدی اجتماعی طور اونچی آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں۔

۱۱-: جمعہ کی نماز کے بعد کھڑے ہوکر حلقہ بنا کر اُونچی آواز سے نعتیں پڑھتے ہیں۔

۱۲-: رمضان کی تراویح میں ختم قرآن کے بعد مسجد کے صحن میں کھانا کھلاتے اور مٹھائی بانٹتے ہیں۔

۱۳-: پکی مسجدیں بناتے اوران کی تحسین وتزئین کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور محراب پر یا محمد لکھتے ہیں۔

۱۴-: اپنے آپ کو اہل سنت اور صحیح عقیدے والا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو غلط سمجھتے ہیں۔ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں شرعی حکم کیا ہے، یہ یادرہے کہ میں کراچی میں طب کا طالب علم ہوں اوراس مسجد کے پڑوس میں رہتا ہوں، اوراس پر بریلویوں کا تسلط ہے۔

الجواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَمَّابَعْدُ :

جس عالم کی یہ صفات ہوں اور آپ کو اس کے حال کا علم ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست اور صحیح نہیں، کیونکہ اکثر یہ صفات کفرو بدعت ہیں اوراس توحید کے منافی ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا ہے اور کتابیں نازل فرمائی ہیں اور قرآن کے ساتھ صریح متصادم ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ ﴾ خود آپ کو بھی موت آئے گی، اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں، (زمر:۳۰)۔

اوراللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾

(اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)، (جن:۱۸)۔

جو بدعات وہ کررہے ہیں انہیں اچھے اسلوب سے سمجھائے کہ یہ کام شرعاً منکر ہیں اگر مان جاتے ہیں تو الحمد للہ نہیں قبول کرتے تو انہیں چھوڑ کر اہل سنت کی مساجد میں نماز پڑھے، اس کے لیے ابراھیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام میں اچھا نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْ رَبِّيْ عَسٰى اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا﴾ (مریم:۴۸)۔

(میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں، صرف اپنے رب کو پکارتا رہوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا)۔وباللہ تعالیٰ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آله وصحبه أجمعین۔



مذاہب اربعہ اور اہل طریقت کے سلسلوں کا حکم

۲۳- سوال: کیا صوفیاء کے معروف چار طریقوں کی اتباع لازم ہے؟ اور ان میں کوئی بھی طریقہ اختیار نہ کرنے والا فاسق ہے؟۔

جواب: الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله أمابعد:

جان لو کہ اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کی فرض ہے اس کے علاوہ کسی صحابی تابعی، امام اور شیخ کی اطاعت فرض نہیں الا یہ کہ وہ اس چیز کا حکم دے رہا ہو جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے یہ بڑے نکتے کی بات ہے جس کا یاد رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کی اطاعت فرض نہیں، رہے مذاہب اربعہ تو ان کی اتباع بھی فرض نہیں،

لیکن جواز میں علماء کا اختلاف ہے، ظاہر بات یہی ہے کہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی تابعداری جائز ہے شرط یہ ہے کہ اس مذہب کی وجہ سے کسی صریح حدیث کی مخالفت کا مرتکب نہ ہو، اور مذہب کے ساتھ سنت وحدیث کی مخالفت کی صورت میں سنت میں تاویل نہ کرے بلکہ اس مذہب میں تاویل کرے، اور اس مذہب کے لیے ایسا تعصب اختیار نہ کرے کہ جو مسلمان اس کا التزام نہیں کرتے انہیں فاسق اور خارجی سمجھے اور یہ جواز عامی کے لیے ہے جو قرآن وسنت کا علم رکھتا ہے اور صحیح وسقیم کی تمیز کر سکتا ہے تو اسے تمام اقوال وافعال میں کسی مذہب کی تقلید نہیں کرنی چاہیے، اور صوفیاء کے یہ جو چار طریقے ہیں تو ان کی شریعت اسلامی میں کوئی حقیقت نہیں، ممکن ہے کہ جن اماموں سے یہ طریقے شروع ہوئے وہ اچھے اور صالح لوگ ہوں لیکن آج یہ طریقے منکرات بدعات و خرافات اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے پر مشتمل ہے،

پس مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر حال میں معاملات ومعاشرت، آداب، واخلاق اور زندگی کے تمام امور میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی تابعداری کرے جب وہ ایسا کرے گا تو وہ اللہ کی محبت اور جنت کا مستحق ہوگا اور وہ سچا مسلمان ہوگا اور اسے نقشبندی ،چشتی، سہروردی اور قادری طریقوں کی کوئی حاجت نہیں رہے گی، آج کل جو لوگ ان طریقوں کی طرف منسوب ہیں ضرور مشرک غالی بدعتی اور مسلمانوں اور علماء کے دشمن ہونگے۔

اسی لیے فتاوی اللجنۃ الدائمہ: (۲/۲۵۰-۲۵۴) میں وارد ہے:

''دوسری بات یہ ہے کہ صوفی طریقوں کی جماعتوں میں عموماً بدعات بہت ہوتی ہے جیسے صف اور حلقے میں بیک اواز اجتماعی ذکر اور ایک ہی آواز سے مفرد نام کے ساتھ اللہ کا ذکر جیسے اللہ اللہ حی قیوم، ضمیر غائب هو هو کے ساتھ ذکر کرنا اور بدوی، شاذلی اور جیلانی جیسے مردوں کا المدد کے ساتھ ذکر کرنا، اور ان کی کتابیں بدعات اور شر مستطیر کا پلندہ ہیں خاص کر نقشبندیوں کا زبان کو

حرکت دیے بغیر دل کی حرکات سے لفظ اللہ کا ذکر کرنا اور مرید کا عبادتوں میں اپنے شیخ کا تصور کرنا یہ سارے امور بدعات منکرہ ہیں اور یہ اذکار کتاب وسنت سے ثابت نہیں جو نبی ﷺ پر وحی کئے گئے ہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ وہ عمل جو ہمارے امر پر نہیں وہ مردود ہے، اور فرمایا، جس نے ہمارے دین میں ایسی بات نکالی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے، ان گمراہ طائفوں کے رد میں بعض تفاصیل کے لیے ملاحظہ کریں فتاوی شیخ الاسلام: (۴۱۶/۳)۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

موجودہ زمانے کے علماء کے اجماع کا حکم

۲۴- سوال: کیا ہمارے زمانے کے علماء کا اجماع حجت ہے؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ:

اجماع امت قطعی حجت ہے لیکن اہل علم کے تمام اقوال کا جاننا مشکل ہے اور عادۃً ممکن نہیں اسی لیے ہم ترجیح دیتے ہیں کہ یقینی اجماع صحابہ کا اجماع ہے اور ہمارے زمانے کے علماء کے لیے بغیر مأخذ کے کسی چیز پر اجماع کرنا جائز نہیں، کیونکہ حق وسنت کے اکثر مخالفین حجت پکڑ سکتے ہیں کہ ہم نے یہ قول متفقہ کیا ہے اور تم اجماع کے مخالف ہو۔

مراجعہ کریں الاحکام في أصول الأحکام وابن حزم: (۱۴۷/۴)۔

اسی وجہ سے شیخ الاسلام عقیدہ واسطیہ میں فرماتے ہیں، "ضابطے کے مطابق اجماع وہی ہے جس پر سلف صالح تھے، کیونکہ بعد میں اختلاف بڑھ گیا اور امت منتشر ہوگئی۔ مراجعہ کریں مجموع فتاوی ابن عثیمین: (۶۳/۴)۔

اجماع کی شروط یہ ہے کہ صحیح سند سے ثابت ہو بایں طور کہ یا تو وہ مشہور بین العلماء ہو یا اس کا ناقل ثقہ ہو اور اس کی اطلاع وسیع ہو۔ اور یہ کہ اس سے پہلے کوئی مستقل خلاف نہ ہو۔



ایک خاص قسم کا تعویذ

۲۵- سوال: ایسے تعویذ کا حکم جس میں لکھا ہے "یابدوح مرطوس کبیکج ھھھو بشانوش المعطي مليق عليق بزهم يا جميع طلفا برطالة ما محبطط باسا۔کیا دفع آفات کے لیے اس قسم کا تعویذ لٹکانا جائز ہے؟۔

سائل: بھائی اشرف۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ ۔تعویذ سب کے سب نبی ﷺ سے ثابت نہیں، آپ نے جو کلمات ذکر کیے ہیں جن کا کوئی معنٰی نہیں اس جیسا تعویذ باتفاق علماء حرام ہیں۔اختلاف تو اس تعویذ میں ہے جس میں قرآن وسنت لکھا ہو زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں فساد کا امکان بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں۔اس کی کچھ تفصیل ہم نے مسئلہ نمبر ۹، میں ذکر کی ہے، ملاحظہ کریں۔

نبی کریم ﷺ کے والدین

۲۶ - سوال: کیا رسول اللہ ﷺ کے والدین اسلام لا چکے تھے؟ جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ أمابعد:

جو کہتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد مسلمان ہو چکے تھے تو اس کا قول شریعت کے خلاف ہے۔

اور اس طرح جو یہ کہتا ہے انبیاء علیہم السلام کے والدین سب مؤمن ہیں،

کیونکہ مسلم (۱۱۴/۱) میں حدیث ثابت ہے آپ ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا، میرا باپ اور تمہارا باپ جہنم میں ہیں۔

اس طرح: (۴۰/۱) سعید بن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جب ابو طالب کو موت حاضر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو اس کے پاس ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ بن المغیرہ کو بیٹھے ہوئے پایا آپ ﷺ نے فرمایا: اے چچا! آپ "لا الٰہ الا اللہ" کہیں یہ ایسا کلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس میں اس کی گواہی دے سکوں گا"۔

اس حدیث میں ہے: "یہاں تک کہ ابو طالب نے ان سے آخری بات یہ کہی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں"، الحدیث۔

تو حدیث دلالت کرتی ہے کہ عبدالمطلب کا دین شرکی دین تھا نہیں تو ابو طالب افضل مؤمن ہوتے۔صحیح مسلم: (۳۱/۱)۔

اور اسی طرح مشکوٰۃ: (۱۵۴/۱)، میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کے قبر کی زیارت کی آپ روئے اور آس پاس لوگوں کو بھی رلایا، پھر فرمایا، میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت چاہی مجھے

اجازت نہیں ملی ۔اوران کے قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی ،تو قبروں کی زیارت کرلیا کرو اس سے موت یادآتی ہے۔کیا یہ صحیح حدیث واضح دلیل نہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔نہیں تو اللہ اپنے نبی کو اس کی استغفار سے کیوں منع کرتے ؟ واللہ اعلم۔

امام نووی نے صحیح مسلم میں باب باندھا ہے"باب مشرکین کی زیارت کرنا اور یہ دین میں بداہۃً معلوم ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد و على آله وصحبه أجمعين۔

تارک سنت کا حکم

۲۷ - سوال : تارک سنت کو صرف رسول اللہ ﷺ کا عتاب ہوگا یا اس کے علاوہ عذاب بھی ہوگا ؟۔

جواب : لا حول ولا قوۃ الا باللہ :

صاحب السنن والمبتدعات نے :(۱۸/۱)، میں ذکر کیا ہے کہ بعض متاخرین کا یہ کہنا کہ جو سنت رسول اللہ کو ترک کردے تو اسے نبی ﷺ قیامت کے دن ڈانٹیں گے اور کہیں گے کہ تو نے میری سنت کیوں چھوڑی ؟ تو اس وقت اس کا چہرہ اترا ہوا ہوگا۔یہ قول علی اللہ بلا علم ہے،اور اس قسم کی باتیں پگڑی والوں سے کتابوں اور درسوں میں بہت واقع ہوتی ہیں بڑا عجیب وغریب ہے ،میں نہیں جانتا کہ انہیں کس چیز نے نبی ﷺ کے اس قول:[وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي]

(جو میری سنت سے بے رغبتی کرے وہ ہم میں سے نہیں)۔(بخاری)

اور اس قول: [سَبْعَةٌ لَعَنْتُهُمْ ......وفيه...... التَّارِكُ لِسُنَّتِي] (سات قسم کے لوگوں پر میں نے لعنت کی ہے اوران میں میری سنت کا تارک بھی ہے)،(طبرانی والجامع الصغیر وحسنہ) سے اندھا بنا رکھا ہے،کتاب اللہ سے منہ موڑنے ہی کی وجہ سے وہ بہرے بنے ہوئے ہیں اوران کے دل وآنکھیں اندھی ہیں۔

وصلى الله على نبينا محمد و على آله وصحبه أجمعين۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام بھیجنا

۲۸ - سوال :- یہاں سے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کی زبانی نبی ﷺ کو سلام بھیجنا جائز ہے؟ اور غیر کی طرف سے طواف و عمرہ جائز ہے؟ اخوکم: عطاء۔

جواب -: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

سلام کا بھیجنا سنت صحیحہ سے ثابت نہیں بلکہ یہ کام فرشتے کرتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونَ مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ]

(زمین میں اللہ کے سیاح فرشتے ہیں جو میری امت سے سلام پہنچاتے ہیں)۔

نسائی: (۱/۱۱۹)، دارمی: (۲/۲۲۵، رقم: ۲۷۷۷)، الحاکم: (۲/۴۲۱)، مشکوۃ: (۱/۸۶)، اور اس کی سند صحیح ہے، احمد: (۱/۳۸۷-۴۴۱-۴۵۲)۔

دوسری حدیث میں ہے: [وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ]

(مجھ پر درود پڑھو، تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے)، سند اس کی حسن ہے۔ نسائی، مشکوۃ: (۱/۸۶)۔

اسی طرح نبی ﷺ نے ہمیں سلام بھیجنے کی ترغیب نہیں دی البتہ درود بھیجنے کی ترغیب دی ہے، ہم جہاں کہیں بھی ہوں جیسے کہ حجۃ النبی (ﷺ) میں ہے اور جابر نے اسے روایت کیا ہے ص: ۱۳۷، حجاج اور زائرین کے ہاتھ نبی ﷺ کو عرضیاں بھیجنا بدعت ہے۔

غیر کی طرف سے عمرہ اور طواف کرنے کا حکم ہم آئندہ مسائل میں ذکر کریں گے۔

اصح یہی ہے کہ والدین کے علاوہ ایصال ثواب کسی کے لیے سنت میں وارد نہیں، اور عبادات میں قیاس جائز نہیں جیسے پیچھے تفصیل سے گزر چکا۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین .



غیر اختیاری طور پر قرآن کے گر جانے کا کفارہ

۲۹ - سوال: اگر کسی کے ہاتھ سے غیر اختیاری طور پر قرآن شریف گر جائے تو اس کے کفارے میں بعض کہتے ہیں اس میں دس درہم صدقہ کرنا ہے، کیا حکم ہے؟ (سرتاج)۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

احتیاط اور دائیں ہاتھ سے مضبوط پکڑنے کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ﴾ البقرہ: (۶۳)۔

(اور کہا) جو ہم نے تمھیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو)

اس آیت کے تحت ظاہری طور پر تھامنا بھی داخل ہے جس طرح اس سے عمل کرنا مراد ہے، اور اس پر اللہ سبحان وتعالیٰ سے استغفار لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے خطاء اور نسیان معاف فرمادی ہیں۔

جب وہ کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ (بقرۃ:۲۸۶)،

"(اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا) الخ۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں [قَدْ فَعَلْتُ] "(میں نے کیا)" اور ایک روایت میں (ہاں) ہے۔ مسلم: (۱/۷۸)،

مراجعہ کریں ابن کثیر: (۱/۳۴۱)۔

اور جو دس درھم کے صدقے کا کہا جاتا ہے تو ہم نے اس کی کوئی دلیل نہیں دیکھی ہاں حائضہ عورت سے جماع کرنے کے صدقے کا ذکر آیا ہے جو ہم کتاب الطہارہ میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

واللہ اعلم. وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ أجمعین۔

تبدیلیٔ تقدیر

۳۰ - سوال: کیا تقدیر بدل سکتی ہے؟ یا نہیں۔ (بھائی عبدالسلام اور بھائی عبداللہ)۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

جان لو کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو کئی چند بڑھاتا ہے اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا رحم اپنے بندے پر ماں کا اپنے بچے پر رحم سے بھی کئی چند زیادہ ہے اور ہمارا رب سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا

ہے توفیق دیتا ہے جب یہ بات تیرے نزدیک ثابت ہو جائے کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اللہ نہ بندوں کے لیے ارادہ ظلم کرتا ہے اور نہ ہی تمام عالم پر ارادہ ظلم تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقدیر ظلم نہیں ہے جیسے جاہل لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ نے کسی پر زنا کرنا تقدیر میں لکھا ہے تو پھر مؤاخذہ کیوں کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے دل پر بدبختی کی مہر لگا دی ہے تو پھر اسے پکڑ کر عذاب کیوں دیتا ہے۔

ایسی بات حکمت قضا وقدر سے ناواقف شخص ہی کر سکتا ہے۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کا علم ہی ہے۔

جیسے ابن عقیل رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے تقدیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تقدیر اللہ کا علم ہے، یعنی اللہ نے بندے پر زنا کرنا نہیں لکھا حالانکہ اس کا ارادہ نہیں تھا۔ اور چوری سے بچنے والے پر چوری کرنا نہیں لکھا۔ بلکہ اللہ نے لکھا ہے کہ مثال کے طور پر میں فلاں شخص کو پیدا کروں گا۔ اور اسے اختیار وارادے والا بناؤنگا اور میں طاعت اور معصیت پیدا کرونگا۔

پس فلاں بندہ میرے مجبور کرنے سے نہیں اپنے اختیار سے معصیت کا ارادہ کریگا۔ اور مجھے یہ علم ہے کہ وہ معصیت اختیار کریگا تو اس علم کو تقدیر کہتے ہیں اور یہ نہیں بدلتی۔ کیونکہ اللہ نے جان لیا ہے کہ یہ بندہ اپنے اختیار سے نافرمانی کریگا، تو یہ اجمالی بات بڑی مفید ہے اور اس باب کے بہت سے اشکالات دور کر دیتی ہے جو اس سے غافل رہے تو فاسد عقائد کا شکار ہوئے جیسے جبریہ، قدریہ اور معتزلہ تو ان میں سے بعض نے تقدیر کا سرے سے انکار کر دیا، اور بعض نے اسے جبر بنا دیا اور اہل سنت کو اللہ نے ہدایت دی تو انہوں اسے اسی اجمال کے ساتھ مان لیا۔ واللہ اعلم۔

مراجعہ کریں مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ، قصیدۃ نونیۃ لابن قیمؒ اور اس کی شروح، اور شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل لابن القیمؒ۔

قدر کی تین انواع ہیں۔

۱- :مُبْرَم : یہ کبھی نہیں بدلتی۔

۲- :مُعَلّق :اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لکھ لیتا ہے کہ فلاں شخص اگر والدین کے ساتھ احسان کریگا اور صلہ رحمی کریگا تو میں اس کی عمر بڑھا دونگا اور میری نافرمانی اور قطع رحمی کرے گا اور زمین بغاوت کرے گا تو میں اس کا رزق وعمر گھٹا دونگا تو یہ تقدیر نیکیوں اور برائیوں سے بدلتی ہے۔

۳-: فرشتوں کی کتابوں میں تقدیر:

یعنی جب ماں کے پیٹ میں انسان میں روح پھونکی جاتی ہے فرشتہ آکر اسکا اجل رزق اور عمر اور اس طرح اس کا شقی وسعید ہونا لکھ لیتا

ہے جیسے صحیحین کی حدیث میں ہے۔

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَايَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ﴾

(اللہ جو چاہے مٹادے اور جو چاہے ثابت رکھے،لوح محفوظ اسی کے پاس ہے)۔ (رعد:۳۹)

مراجعہ کریں تفسیر القرطبی۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین۔

لفظ مولیٰ اور مولانا کا استعمال جائز ہے

۳۱ - سوال: کیا لفظ ''مولانا'' یا ''مولیٰ'' کا استعمال اللہ کے علاوہ انسان، جن اور عالم کے لیے جائز ہے؟۔

اخوکم: محمد ایوب۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ بہت ساری احادیث کی وجہ سے یہ بلا کراہت جائز ہے۔

پہلی حدیث: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

[لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ اِسْقِ رَبَّكَ، اَطْعِمْ رَبَّكَ، وَضِّئْ رَبَّكَ، وَلَايَقُلْ اَحَدُكُمْ رَبِّي، وَلْيَقُلْ: سَيِّدِي، مَوْلَايَ، وَلَايَقُلْ اَحَدُكُمْ: عَبْدِي، اَمَتِي، وَلْيَقُلْ: فَتَايَ، فَتَاتِي، غُلَامِي]

(تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو پلا، اپنے رب کو کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، اور نہ کوئی یہ کہے کہ میرا رب، بلکہ کہے میرا سید، میرا مولیٰ، اور تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا بندہ یا میری بندی، چاہئے کہ کہے، میرا لڑکا میری لڑکی، میرا غلام)

بخاری: (۱۲۴/۳)، مسلم: (۳۱۶/۲)۔

اور الشیخ البانیؒ نے الصحیحہ: (۵۵/۲) میں کہا ہے کہ السید «اللہ» اور حدیث مرفوع میں کہیں نہیں ثابت کہ مولیٰ اللہ ہے جب السید کے لفظ کا اطلاق غلام کے آقا کے لیے جائز ہے تو مولیٰ کا لفظ بطریق اولی اس پر بولا جاسکتا ہے۔ خصوصا اس لفظ کا اطلاق ادنیٰ (غلام) پر بھی ہوتا ہے جیسے کلام حافظ میں گزر چکا۔

دوسری حدیث: براء بن عازب سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صلح (حدیبیہ) کی اور اس روایت میں ہے کہ: [قَالَ لِعَلِيّ اَنْتَ مِنِّي وَاَنَا مِنْكَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ: اَشْبَهْتَ خَلْقِي وخُلُقِي، وَقَالَ لِزَيْدٍ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا] (آپ نے علی ﷺ کو فرمایا: ''آپ مجھ سے ہیں اور میں آپ سے'' اور جعفر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''آپ خلقت واخلاق میں میرے مشابہ ہیں''۔ اور زید کو فرمایا: ''آپ ہمارے بھائی اور مولا ہیں'')۔ (متفق علیہ) مشکوۃ: (۲۹۳/۲)۔

تو یہ موھوم الفاظ میں سے نہیں کہ استعمال اس کا نا جائز ہو بلکہ اس کے معانی بہت ہیں اور چودہ تک پہنچتے ہیں اور یہ اللہ اور غیر اللہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اور جس حدیث میں آیا ہے کہ غلام اپنے مالک کو مولانہ کہے۔ (مسلم:۲/۲۲۸)

تو اس زیادت کا ثبوت محل نظر ہے جیسے حافظؒ نے فتح الباری میں کہا ہے،امام مسلمؒ نے اس حدیث میں اعمش پر اختلاف بیان کیا ہے کہ بعض نے اس زیادۃ کا ذکر کیا ہے اور بعض نے حذف کیا ہے۔اور عیاضؒ کہتے ہیں: کہ اس کا حذف زیادہ صحیح ہے،قرطبیؒ کہتے ہیں:''اس کا حذف مشہور ہے''اور کہا ہے کہ تاریخ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے جمع مشکل ہے تو اس تعارض میں ترجیح اختیار کی الخ)۔مراجعہ کریں الصحیحہ :(۲/۴۵۳-۴۵۴)

کتاب الادب لابی داؤد :(۲/۳۳۲)میں وارد ہے:«اور چاہئے کہ کہے میرے مولیٰ »۔

عین العلم کتاب کس کی تصنیف ہے؟

۳۲- **سوال**:کتاب''عین العلم''کس کی تصنیف ہے؟اہل بدع اپنی بدعتوں کے لیے اس کتاب کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ (مولوی عبدالکریم)۔

جواب: ومنه الصدق والصواب:

ہر قول اور ہر کتاب کا معیار کتاب وسنت ہے کیونکہ قرآن ہر کتاب کا مُهَيْمِنٌ (نگہبان) ہے تو جو کتاب وسنت کے موافق ہو قبول کیا جائیگا ورنہ رد کر دیا جائیگا چاہے کوئی بھی ہو۔

اور اس کتاب کے مصنف علی القاری ہیں جنہوں نے تصوف کے موضوع پر ایک جلد میں لکھی تھی۔

فال معلوم کرنا

۳۳- **سوال**:کیا ہاتھ کی لکیروں سے فال معلوم کرنا جائز ہے؟بعض لوگ اس کے قائل ہیں اور ہاتھ کی لکیر دیکھ کر کہتے ہیں تم دو شادیاں کروگے،تمھیں اتنا اتنا مال ہاتھ آئے گا۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا بالله۔

حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[لَاطِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَالُ، قَالُوا: وَمَا الْفَالُ ؟ قال :«اَلْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ»]

(بدشگونی نہیں ہے اور اچھا ان میں فال ہے"۔ صحابہ رضی اللہ عنھم نے پوچھا: فال سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "اچھا کلمہ جو تمھارا کوئی سنے)۔ (متفق علیہ) (مشکوٰۃ: ۳۹۱/۲)

اور حدیث میں ہے یقیناً رسول اللہ ﷺ فال لیتے تھے اور بدشگونی نہیں کرتے تھے۔ اور آپ کو اچھا نام پسند تھا۔ مشکوٰۃ: (۳۹۲/۲)

اور ترمذی: (۲۹۱/۲) میں انسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب کسی کام کے لیے نکلتے تو آپ کو "یا راشد" اور "یا نجیح" سننا اچھا لگتا تھا۔ مشکوٰۃ: (۳۹۲/۲)۔

تو نام سے فال پکڑنا اچھی چیز ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی تابعداری ہے اور طیرۃ (بدشگونی) حرام ہے اور ہاتھ کی لکیروں سے فال نکالنے کو میں بدعت ہی سمجھتا ہوں جسے کمائی کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے اور کبھی کبھی عوام کا اس شخص کے بارے میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ غیب جانتا ہے۔ اور جب کوئی عورت مردوں کا ہاتھ دیکھے یا مرد عورتوں کے ہاتھ دیکھیں اور آپس ہنسی مذاق کریں جیسے کہ مشاہدہ ہے یہ اور بھی بری بات ہے، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سوال میں مذکورہ فال بدعت ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

واللہ اعلم.

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین.



منحة الحلل في مسألة التوسل

انبیاء واولیاء کے توسل سے دعا مانگنے کا حکم

۳۵-سوال: میں نے مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی معارف القرآن سورۃ الانعام میں دیکھا ہے کہ انہوں نے انبیاء واولیاء کے ساتھ توسل کو جائز قرار دیا ہے یعنی ان کے وسیلے سے دعا کرنی۔ تو ان کا قول صحیح ہے یا غلط؟

(آپ کے بھائی: شوکت اور نور الحق)۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام اللہ سے دعا کرتے ہوئے اس کے اسماء وصفات کے ساتھ وسیلہ پکڑتے تھے۔

اور (بخاری: ۳۰۲/۱) اور (مسلم: ۳۵۳/۲) نے ان تین آدمیوں کی حدیث روایت کی جو غار میں داخل ہوئے تھے (اور بھاری پتھر کی وجہ سے غار کا دھانہ بند ہو گیا تھا)

تو انہوں نے اپنے صالح اعمال کے ساتھ توسل کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں انبیاء اور صالحین کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے، تو ان میں سے کسی بھی دعا میں توسل بالذات کا ذکر نہیں اگر اچھی بات ہوتی تو ہمارے رب ہمیں ضرور بتاتے اور نبی ﷺ ضرور تنبیہ فرماتے۔

بلکہ صحیح بخاری: (۱۳۷/۱) اور (مشکوٰۃ: ۱۳۲/۱) میں ثابت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ بارش کے لیے عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کرواتے خود دعا فرماتے اور عباس رضی اللہ عنہ بھی دعا کرتے اگر توسل بذوات الانبیاء جائز ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس سے غافل نہ رہتے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (مائدہ: ۳۵)

(مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو)،

صحابہ رضی اللہ عنھم کے دور سے لیکر آج تک معاصر مبتدعین کے علاوہ تمام مفسرین متفق ہیں کہ اس آیت میں جس توسل کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد ایمان، عمل صالح اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ساتھ توسل مراد ہے۔

اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ آیت کا معنی صالحین کے وسیلے سے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے، جیسے کہ (فیض الباری: ۳۷۹/۲) میں

ہے، (منهاج التأسيس :ص:۱۵۷) میں ہے کہ علماء میں سے کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ نبی ﷺ اور صالحین کے ساتھ ان کے غیاب میں اور ان کے مرنے کے بعد توسل اور استسقاء جائز ہے، نہ ہی دعاؤں میں اس قسم کی کسی بات کو اچھا سمجھا ہو، دعا عبادۃ کا مغز ہے اور عبادت کی بنیاد توقیف اور اتباع پر ہے اس طرح (شرح العقيدة الطحاويه ص:۲۶۲) میں مذکور ہے۔

امام ابن حجرؒ نے (فتح الباری:۲/۴۱۳) میں عباس رضی اللہ عنہ کی دعا ذکر کی ہے اور زبیر بن بکار نے ''انساب'' میں اس واقعہ میں عباس رضی اللہ عنہ نے جو دعا کی تھی بیان کی ہے وہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے جب عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء کروائی تو انہوں نے یہ دعا کی : ''اے اللہ کوئی بھی مصیبت بغیر گناہ کے نہیں اترتی اور یہ مصیبت توبہ ہی سے دور ہوتی ہے اور قوم نے مجھے تیرے نبی ﷺ کے ساتھ رشتہ داری کیوجہ سے تیری طرف متوجہ کیا ہے گناہ والے یہ ہاتھ تیری بارگاہ میں اٹھے ہوئے ہیں اور ہمارے ماتھے توبے کے ساتھ تیرے سامنے جھکے ہوئے ہیں، ہم پر بارش برسادے''۔

(درمختار:۵/۲۵۴) میں امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں اللہ سے اسی کے ہی وسیلے سے دعا کرنی چاہیے۔

ابن عابدین کہتے ہیں یعنی اس کی ذات، اسماء اور صفات کے وسیلے سے اور بحق انبیاء ورسل اور اولیاء کو مکروہ سمجھا۔ جن روایات سے وہ استدلال کرتے ہیں ہم انصاف کے ساتھ اس پر اجمالی کلام کرتے ہیں تاکہ تیرے لیے حق واضح ہوجائے، اور دین قویم میں مزخرف روایات اور غیر صریح دلائل کے ساتھ کوئی شک میں نہ ڈال سکے۔

پہلی دلیل :نابینا کی حدیث جسے ترمذی وغیرہ نے نکالا ہے، اور (مشکوٰۃ:۱/۶۹۷، رقم:۲۶۹۵) میں بھی ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے متاخرین میں جو اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں درست نہیں اور اس حدیث سے جو توسل بالاشخاص کے لیے استدلال کرتے ہیں وہ بھی درست نہیں یہ تو توسل بدعاء الصالح کی دلیل ہے۔

جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے (القاعدة الجليلة) اور (التوسل والوسيله) میں اس کی تشریح کی ہے، اور (فتاویٰ:۱/۱۵۸) میں بھی اس کی خوب شرح کی ہے۔

دوسری دلیل:اعرابی کی روایت جس نے نبی ﷺ کی قبر پر آکر آپ ﷺ کے ساتھ توسل کرتے ہوئے کہا ''اے اس میدان میں دفن ہونے والوں میں سب سے بڑے اور بہتر'' اس کو عَتَبِیُ نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے، بعض محمد بن حرب ھلالی سے روایت کرتے ہیں بعض کسی اور سے امام بیہقی نے اندھیری سند کے ساتھ شعب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ اس کی سند منقطع اور اندھیرے گپ والی ہے، اسی طرح جاہل اعرابی کا عمل دلیل نہیں بن سکتا جیسے (الصارم المنكي ص :۲۰۲) (فتح المنان ص:۳۵۲) (منهاج التاسيس ص:۱۶۹) اور (التبيان ص:۱۷۸) میں ہے۔

تیسری دلیل :

بخاری کی حدیث جو پہلے ذکر ہوئی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء کروائی تو اس حدیث سے شرکی توسل کے

لیے استدلال کرنا روسیا مبتدعین کے عجائبات میں سے ہے اگر توسل بالذات اس سے ثابت ہوتا صحابہ نبی ﷺ کو ہر گز نہ چھوڑتے جو قریب ہی تھے۔ سارے ان کی قبر کے پاس جا کر ان کے ساتھ توسل کرتے لیکن وہ انہیں چھوڑ کر عباس کے پاس آتے یہ تو ان کے حق میں کہاں ان کے خلاف دلیل ہے جیسے فیض الباری: (۳۷/۲) میں ہے۔

چوتھی دلیل:

اور اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جب انہوں نے یزید بن اسود سے استسقاء کروائی تھی، جیسے (تاریخ ابن عساکر (۱۵۱-۱۸/۱) میں سند صحیح سے اور (اصابہ: ۶۳۴/۳) میں ہے۔ اور اسی طرح ضحاک بن قیسؒ نے بھی یزید بن الاسودؒ سے استسقاء کروائی تھی جیسے ابن عساکر ہی نے روایت کیا ہے تو یہ سب کچھ بارش کی دعا ہی تھی۔ توسل بالذات تو نہ تھا کہ انہوں نے کہا ہو۔ اے اللہ میں اس کے جاہ و مرتبہ اور اس کے وسیلے سے سوال کرتا ہو کہ ہماری یہ مصیبت دور فرما، یہ انہوں نے کبھی نہیں کیا۔

پانچویں دلیل: وہی روایت جو گزر چکی بروایت (حاکم: ۳۳۴/۳) (فتح الباری: ۲-۳۹۹) عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جب عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء کروائی تو کہا "لوگو! رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرو اور انہیں اللہ کے پاس وسیلہ بناؤ۔ لیکن اس کی سند میں اضطراب ہے اور اس میں داؤد بن عطا نامی راوی متروک ہے جیسے امام ذہبیؒ نے کہا ہے اور اس میں ساعدہ بن عبید اللہ المزنی راوی مجہول ہے جیسے کہ شیخ البانی کی کتاب التوسل میں ہے۔

چھٹی حدیث: اور وہ استدلال کرتے عثمان بن حنیف کی حدیث کے ساتھ جس نے ایک شخص کو ضریر البصر والی دعا سکھلاتی تھی تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کی حاجت پوری کر دی تھی۔

(طبرانی صغیر: ص: ۱۰۳) (کبیر: ۲-۱-۱۲/۳)

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں شبیب بن سعید ہے جو ضعیف ہے اس حدیث کو ابن السنیؒ نے ص: ۲۲۲) اور (حاکم نے: ۵۲۶/۱) پر نکالا ہے لیکن اس قصے کے بغیر تو اس حدیث میں یہ دوسری علت ہوئی۔

تفصیل کے لیے دیکھیں (کتاب التوسل للالبانی اور مجموعۃ الفتاویٰ: (۱۵/۱))۔

ساتویں دلیل: استدلال کرتے ہیں (ابن ماجہ: ۲۷۸/۱) اور (احمد: ۲۱/۳) کی حدیث سے جس کے لفظ یہ ہیں: جو گھر سے نماز کے لیے نکلے اور کہا اے اللہ اس حق کے ساتھ تجھ سے مانگتا ہوں جو مانگنے والوں کا تجھ پر ہے۔ الحدیث۔

اس میں عطیہ عوفی ہے جو ضعیف ہے (السلسلہ: رقم: ۲۴) اور وہ مدلس ہے اور عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور یہ قبیح تدلیس کے ساتھ مشہور ہے۔

اس حدیث کو (ابن السنی: رقم: ۸۲) دوسری سند کے ساتھ روایت کرتا ہے جس میں وازع ہے اور وہ کذاب ہے۔

آٹھویں دلیل: ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں [بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ] لیکن وہ حدیث

بھی بہت ضعیف ہے۔ جیسے (مجمع:۱۰/۱۱۷) میں ہے اور کہا ہے کہ اس میں فضالۃ بن جبیر ہے اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ وہ متہم ہے، ابن حبان نے اسے متہم کہا ہے، ابن عدی نے کامل میں کہا ہے کہ اس کی ساری حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

نویں دلیل: استدلال کرتے ہیں انس بن مالک کی حدیث سے جس میں نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ کے لیے جو فوت ہو گئی تھیں یہ دعا فرمائی: [بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ]۔

(ھیثمی نے ۹/۲۵۷) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اس میں روح بن صلاح ہے اور اس میں ضعف ہے۔ الشیخ نے کہا ہے کہ ابونعیم نے اسے (الحلیہ:۳/۱۲۱) میں روایت کیا ہے اس سند کے ساتھ اور روح کو عدی اور عام علماء نے ضعیف کیا ہے، ابن حبان اور حاکم نے اس کی توثیق کی ہے لیکن دونوں کا تساھل معروف ہے۔

دسویں دلیل: وہ حدیث کہ جس میں ہے کہ نبی ﷺ فقراء مہاجرین کے ساتھ فتح طلب کرتے تھے۔

تو ہم کہتے ہیں یہ حدیث دو وجہ سے ضعیف ہے:

پہلی وجہ: اس حدیث کا دارمدار امیہ پر ہے اور حدیث مرسل ہے کیونکہ امیہ کا صحابی ہونا ثابت نہیں اور نہ ہی روایت کرنا۔ (اصابہ:۱/۱۳۳)۔

دوسری وجہ: استفتاح سے مراد ان کی دعا کے ساتھ ابتداء ہے جیسے کہ (نسائی:۲/۱۵) کی صحیح حدیث میں ہے، اس لفظ کے ساتھ، اللہ اس امت کی مدد فرماتا ہے ان کے ضعیفوں کے ساتھ یعنی ان کی دعا، نماز اور اخلاص کے ساتھ۔

(ترغیب منذری :۱/۵۴)۔

گیارھویں دلیل: آدم علیہ السلام نے محمد ﷺ کے ساتھ توسل کیا لیکن یہ حدیث موضوع ہے۔ (طبرانی صغیر:ص:۲۰۷) (مجمع الزوائد:۸/۲۵۳) (حاکم:۲/۶۱۵، ۲-۳۳۳) (الضعیفہ :۱/۳۸، رقم:۲۵) اور یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے (التبیان)۔

بارھویں دلیل: حدیث کہ وسیلہ پکڑو میرے جاہ کے ساتھ اللہ کے پاس میرا جاہ (مرتبہ) بڑا ہے جو وارد ہے اس لفظ کے ساتھ "جب تم اللہ سے مانگو تو میرے جاہ کے ساتھ مانگو میرا جاہ اللہ کے پاس بڑا ہے" یہ خبر باطل ہے کتب حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ (السلسلہ: رقم:۲۲)۔

تیرھویں دلیل: وہ حدیث جس کو ابن حجر نے (فتح الباری :۲/۳۹۷) میں نقل کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے "روایت کیا ہے ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ مالک الدار سے جو عمر رضی اللہ عنہ کے خازن تھے۔ وہ کہتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں پر قحط آیا۔ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں وہ تو ہلاک ہو گئے تو شخص کو خواب میں کہا گیا: عمر کے پاس جاؤ...... الحدیث۔

سیف نے فتوح میں روایت کیا ہے جس نے خواب دیکھا تھا وہ بلال بن الحارث نامی ایک صحابی تھے۔ یہ حدیث متعدد وجوہ سے توسل کے لیے حجت نہیں:

پہلی وجہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ مالک الدار مجہول ہے، بناء بر توثیق کے جیسے کہ معروف ہے وہ شخص نبی ﷺ کی قبر کے پاس آیا تھا وہ مجہول ہے اور سیف نے الفتوح میں جو کہا ہے کہ وہ بلال تھے، اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ سیف کذاب اور قابل حجت نہیں پس جہالت اپنے حال پر رہی۔

دوسری وجہ: اس کا باب توسل سے تعلق نہیں کیونکہ اس نے یہ نہیں کہا کہ میں نبی ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں، بلکہ یہ نبی ﷺ سے سوال کرنا ہے یہ دوسرا مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ کیا مردوں سے دعا مانگنا جائز ہے؟ تو ہم کہتے ہیں، علماء تو در کنار کسی بھی مسلمان کے نزدیک یہ جائز نہیں، مردوں سے دعائیں مانگنا شرک محض ہے۔

تیسری وجہ: یہ مخالف ہے اس چیز کا جو شرع سے ثابت ہے اور وہ ہے آسمان سے بارش کے لیے استسقاء کے وقت نماز پڑھنی مستحب ہے جو صحیح احادیث میں تواتر سے ثابت ہے اور نبی ﷺ نے ایسے وقت میں انبیاء اور صالحین کی قبروں پر آکر دعائیں مانگنا مشروع نہیں کہا، کیا مسلمان ہونے کے بعد تمہیں وہ کفر کا حکم دیں گے۔

(ھیثمی نے مجمع الزوائد: ۳/۱۲۵) میں کہا ہے کہ میں مالک الدار کو نہیں پہچانتا۔

(ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل: ۴/۱/۲۱۳) میں اس کا ذکر کر کے کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی تو یہ اس کی جہالت پر دلالت کرتا ہے۔

چوتھی وجہ: یہ خواب ہے جو حجت نہیں۔

چودھویں دلیل: حدیث جو ابوالجوزاء سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ سخت قحط سے دوچار ہوئے لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو آپ نے کہا نبی ﷺ کی قبر جا کر دیکھو اور اس کے اوپر آسمان کی طرف چھت کھول دو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے، راوی کہتا ہے انہوں نے اسی طرح کیا تو ہم پر خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ گھاس اُگی اور اونٹ کھا کھا کے اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی چڑھ گئی اور اس سال کا عام الفتق نام پڑ گیا۔

اس حدیث کے حجت نہ ہونے کی متعدد وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں نبی ﷺ کے گھر کی چھت میں سوراخ نہیں تھا۔

دوسری وجہ: اس کی سند میں سعید بن زید ہے اور اس میں ضعف ہے اور اس میں ابوالنعمان ہے جو محمد بن الفضل ہے عارم کے نام سے معروف تھا یہ مختلط تھا۔

تیسری وجہ: اس حدیث میں ابوالجوزاء ہے جس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا۔

چوتھی وجہ: اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو اس میں توسل نہیں بلکہ اس میں قبر کو آسمان کی طرف ظاہر کرنا ہے تاکہ اللہ کے فضل و احسان سے بارش ہو۔ تو کیا انہوں نے کوئی توسل بالذات کیا؟ ہمارا ان مبتدعین کے ساتھ نزاع اس دعا میں ہے جس میں توسل بالذات ہو اور اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں۔

مراجعہ کریں (التوسل انواع واحکامہ:للشیخ ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ)۔

پندرھویں دلیل: وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: ﴿ وَكَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ (حالانکہ پہلے یہ خود (اس کے ذریعہ) کافروں پر فتح چاہتے تھے)۔ (بقرۃ:۸۹)

کہ کہتے ہیں، "وہ کہا کرتے تھے ہم بحق نبی ﷺ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہماری مدد فرما" (قرطبی)۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ آیت تین تاویلوں کا احتمال رکھتی ہے جسے علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ذکر کیا ہے تو احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال نہیں ہوسکتا، اور اسی طرح اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کسی نبی کو بھیج کر ان کی مدد کرنے کا سوال کرتے تھے تاکہ اس کی معیت میں کفار سے قتال کریں۔

اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہودیوں کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمائی کیونکہ یہودی اکثر زمانے میں مغلوب ہی رہے ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہمارے لیے بھی شریعت ہے تو ہم کہتے ہیں یہ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے بلکہ ان کی وہ شریعت ہمارے لیے مشروع جس کا ذکر مقام مذمت میں نہ ہو۔ اور یہاں اس آیت میں ان کی قباحتوں، بدعی دعاؤں اور کفری افعال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے، تو وسیلہ بالذات کے باب میں کوئی صریح صحیح دلیل نہیں بلکہ سب کی سب مجمل اور ناقابل استدلال واہی احادیث ہیں۔

اور جو مولانا رشید احمد نے (احسن الفتاویٰ: ۳۳۲/۱) میں مطلق وسیلے کے جواز کے دلائل ذکر کیے ہیں خواہ وسیلہ بالذوات ہو یا وسیلہ بالاعمال الصالحہ خواہ خود اس سے ہو یا کسی اور سے یہ سب حماقت پرمبنی استدلالات ہیں جس کا علم سے دور کا واسطہ نہیں۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔



شرعی پردہ کرنے والے کو ملامت کا نشانہ بنانا

۳۶- سوال: کوئی مرد یا عورت میرا اپنی بیوی پر حجاب کی پابندی کی وجہ سے مجھ سے بغض رکھے اور وہ عورت مجھے کہے کہ تو صوفی ہے رشتہ داروں سے پردہ کرانا مناسب نہیں اور مجھے ملامت کرتی ہے تو میرا اس سے بغض رکھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

اگر معاملہ ایسا ہے تو پہلے تجھ پر لازم ہے اس مرد اور ملامت کرنے والی عورت کو نصیحت کریں اور حجاب کے بارے میں اسلامی حکم واضح کریں اگر توبہ کرلیں تو تمھارے دینی بھائی بہن ہیں، اور مسلمانوں سے قطع تعلق جائز نہیں اور اگر اس کبیرہ گناہ کا علم ہوتے ہوئے اپنی حرکت پر اصرار کریں تو اللہ کے لیے ان سے بغض رکھنا اور ان سے قطع تعلق کرنا فرض ہے۔

اسی طرح ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کی دعا بھی کرتے رہیں تاکہ وہ اس حق سے پھیرنے والے عقیدے سے رجوع کریں حجاب اہم حکم ہے اور قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس لیے بھی کہ پردہ ترک کرنے کا جو فساد ہے اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے اسی کی وجہ سے عزتوں کے پردے چاک ہوئے،

اسی کی وجہ سے نوجوان لڑکے لڑکیاں ذلت و رسوائیوں کے گڑھے میں گرے۔ اور اس کے ساتھ زانی اور بدکار خوش ہوئے اور اسی کے سبب قہار جبار اللہ کا غضب نازل ہوا اور یہی مختلف النوع ھلاکتوں بربادیوں کا سبب بنا۔ واللہ المستعان.

وصلی اللہ علی نبینا محمد علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

مروجہ ختم قرآن کا حکم

۳۷- سوال: ایک شخص کسی کے گھر ختم قرآن کرتا ہے، ثواب اس کا اپنے آپ کو ھدیہ کرتا ہے اور گھر والے کے لیے دعا کرتا ہے، کیا یہ عمل صحیح ہے؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَمَّا بَعْدُ:

کسی کے گھر میں اجتماعی طور پر قرآن پڑھنا نہ تو رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنھم کا جس طرح بدعتی لوگ آجکل پڑھتے ہیں، جیسے کے مسئلہ نمبر ۱۵ میں اس کا بیان گزر چکا۔ اسی طرح ثواب کو ھدیہ کرنے کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں تبرک کے طور پر قرآن پڑھتا ہے اور اس کھانا نہیں کھاتا نہ ہی مال لیتا ہے اور قرات اپنے لیے کرتا ہے اور

دعا اس کے لیے کرتا ہے تو یہ جائز ہے یقیناً دعا ہر مسلمان کو نفع دیتی ہے تو آپ کا عمل صحیح ہے ان شاء اللہ لیکن اسے مستمر عادت نہ بنائیں یہاں تک تمہارا یہ عمل لوگوں کے لیے بدعت کا داعی واقع نہ ہو۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین ۔

سنتوں کے بعد دعا کرنا بدعت ہے

۳۸- **سوال**: سنتوں کے بعد بھیئت اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے یا نہیں؟ ہمیں بیان شافی کے ساتھ وضاحت فرمائیں۔جزاکم اللہ خیرا .(اخوکم:حنظلہ)

جواب: و باللہ عزوجل التوفیق ومنہ الصواب۔

ہم کہتے کہ بھیئت اجتماعی سنتوں کے بعد دعا کرنا ان قبیح بدعات میں سے ہے کہ جس کے کرنے والا حقیقۃً بدعتی بن جاتا ہے۔ مسلمان حکمرانوں پر واجب ہے کہ انہیں عبرتناک سزا دیں۔تاکہ وہ اس تاریک بدعت سے باز آجائیں، جو اپنے ضمن میں اور بہت ساری بدعات لئے ہوئے ہے کیونکہ ہم ان میں ان چند امور کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

پہلا امر: یہ لوگوں سے دین میں ڈرتے ہیں اور یہ شرک ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ﴾ (اب تمھیں چاہئے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو)، (مائدہ:۴۴)۔

دوسرا امر: اس قبیح بدعت پر ان کا التزام کرنا حالانکہ علماء نے کہا ہے کہ مستحب کا التزام معصیت ہے جیسے عبداللہ بن مسعود نے فرمایا:تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے،اپنے اوپر یہ ضروری خیال کرے کہ داہنے طرف سے ہی پھرے گا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اکثر بائیں طرف سے پھرتے دیکھا۔

(بخاری:۱/۱۱۸)(مسلم:۱/۲۴۷) (مشکوٰۃ:۱/۸۷)۔

اور علی القاریؒ نے (مرقاۃ:۲/۳۵۳) میں کہا ہے:"اور اس میں ہے جو امر مندوب پر اصرار کرتا ہے اور اسے ضروری سمجھتا ہے اور رخصت پر عمل نہیں کرتا اسے شیطان نے گمراہ کردیا ہے تو جو منکر اور بدعت پر اصرار کرتا ہے تو اس کا کیا حال ہوگا۔

اسی طرح بخاری پر سہارنفوری کے حاشیے میں بھی ہے۔ حافظ نے (فتح الباری:۲/۲۷۰) میں کہا ہے کہ ابن المنیر کہتے ہیں مندوبات کا مرتبہ بڑھا دیا جائے تو بدل کر منکرات بن جاتی ہیں۔الخ۔

تیسرا امر: وہ دعا کی شروط کا لحاظ کرتے ہوئے دعا نہیں کرتے بلکہ صرف ہاتھ ہی اٹھاتے ہیں۔

چوتھا امر: وہ اونچی آواز سے دعا کرتے ہیں جو بلا خلاف بدعت ہے۔

پانچواں امر : وہ زیادہ چیخنے کی وجہ سے مسبوقین کی نماز میں مخل ہوتے ہیں،اس میں اور بھی مفاسد ہیں۔جاننا چاہیے کہ دعا عبادۃ ہے بلکہ عبادت کی جڑ ہے اور علماء کا اتفاق ہے کہ عبادۃ توقیف اور اتباع پر مبنی ہے اور خواہش اور ابتداع پر نہیں ۔تو جو بھیئت اجتماعی دعا کرتا ہے اس سے ہم کتاب وسنت کی دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں،اسے اگر عمر نوح علیہ السلام بھی مل جائے تو اپنی اس بدعت کے لیے دلیل نہیں لاسکتا سوائے مجملات اور متشابہات کے،اور یہی اہل زیغ وضلال کا کام ہے اور ان کا دلیل پکڑنا نبی علیہ السلام کے اس قول سے کہ [الدعاء مخ العبادة] "دعا عبادت کا مغز ہے" تو اس کے ضعیف ہونے کے دو وجہیں ہیں۔

__پہلی وجہ__ : یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ضعیف ہے (ترمذی:۱۷۵/۲) میں لاتے ہیں اور اس میں ابن لهيعة ہے جو مُتَّهِمٌ الحفظ ہے، جیسے (مشکوۃ:۱۹۴/۱:رقم:۲۲۳۱) میں ہے اور صحیح:"دعا ہی عبادت ہے" ہے روایت کیا ہے اسے احمد،ترمذی اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ نے۔مراجعہ کریں (مشکوۃ:۱۹۴)۔

__دوسری وجہ__: دعا جب عبادت ہوئی تو ہم پہلے کہہ چکے ہیں عبادت اتباع پر مبنی ہے ابتداع پر نہیں،اس سے تو تمھاری تردید باتفاق ہوگئی۔اور ان کا استدلال عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ وہ فرماتی ہیں نبی ﷺ جب سلام پھیرتے تو نہیں بیٹھتے تھے مگر اس قدر کہ وہ کہتے:"اے اللہ تو سلام ہے تجھ ہی سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے بزرگی اور کرامتوں والے"

صحیح مسلم:۲۱۸/۱)

تو اس حدیث میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ۔صحیح احادیث رسول اللہ ﷺ میں کوئی تعارض نہیں ہوتا لیکن وہ نہیں سمجھتے۔

(صحیح مسلم:۲۱۹/۱) میں کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ نے فرمایا:نماز کے پیچھے کہے جانے والے کلمات ہیں جن کا کہنے والا یا کرنے والا محروم نہ ہوگا،فرض نماز کے بعد تینتیس بار سبحان الله اور تینتیس بار الحمدللہ اور چونتیس بار اللہ اکبر،مراجعہ کریں (مشکوۃ:۸۹/۱)باب الذکر بعد الصلاۃ.

اور صحیح (بخاری:۱۱۷/۱) و (صحیح مسلم:۲۱۸/۱) میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً نبی ﷺ فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے۔ [لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَايَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ]

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں،اسی کی بادشاہی ہے،اسی کے لیے تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے،اے اللہ جو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں اور مالدار کو اس کا مال تجھ سے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا)۔تو بہت ساری احادیث سے فرض نماز کے بعد پڑھنے کی بہت سی دعائیں ثابت ہیں۔جب علماء نے ان میں غور وفکر کرکے کہا ہے کہ حدیث عائشہ کا ان احادیث کے ساتھ کوئی تعارض نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ ہے قبلہ رو ہو کر آپ ﷺ بمقدار "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ"...... کہنے کے ہی بیٹھے ہیں۔اور پھر مقتدیوں کی طرف منہ کرکے یہ اذکار اور ادعیہ پڑھا کرتے تھے جو

احادیث میں ہیں۔

یہ معنی مولانا سندی حنفی نے حاشیہ مسلم: (۱/۲۱۸) اور مولانا انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

اور اس کے بدعت ہونے کے بہت دلائل ہیں:

پہلی دلیل: نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں بلکہ تینوں **قرون مُفَضّلہ** میں اس ہیئت کے ساتھ نہیں پائی جاتی، اور یہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ نبی ﷺ کی اتباع جیسے کرنے میں ہوتی ہے اسی طرح ترک کرنے میں بھی ہوتی ہے جیسے کہ مسئلہ نمبر ۱: میں گزر چکا، رجوع کریں۔

دوسری دلیل: ان کا کہنا کہ نبی ﷺ سنتیں گھر میں پڑھتے تھے اس لیے انہوں نے دعا نہیں کی، تو ہم کہتے ہیں کہ تم نے دو جگہ سنت کی مخالفت کی۔

پہلی جگہ: نفلی نماز گھر میں افضل ہے یہ بڑی فضیلت تم نے ترک کر دی۔

دوسری جگہ: اس کی جگہ تاریک بدعت لے آئے۔

تیسری دلیل: متبع سنت علماء نے اس بدعت کی تردید فرمائی ہے بخلاف اہل بدعت کے لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں، پہلے ہمارے شیخ السید عبد السلام حفظہ اللہ کی (التبیان ص: ۱۹۲) دیکھیں انہوں نے دعا کی اس ہیئت بڑی اچھی تردید فرمائی ہے، اور فرض نماز کے بعد دعا کے بارے میں مفتی کفایت اللہ کا رسالہ "النفائس المرغوبہ" دیکھیں۔

امام ابن قیم (زاد المعاد: ۱/۸۷) میں رقم طراز ہیں کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو یا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعائیں کرنی یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ سرے سے ہے ہی نہیں نہ ہی آپ سے بروایت صحیح یا حسن مروی ہے اور خصوصاً عصر و فجر کی نماز میں آپ ﷺ نے کیا نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے کسی نے رہنمائی فرمائی اسے ان کے بعد اگر کسی نے اچھا سمجھا ہے تو سنت کے بدلے میں اچھا سمجھا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور نماز سے متعلق اکثر دعائیں آپ نے نماز ہی میں کی ہیں۔ اور نماز ہی میں کرنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے، اور نمازی کے حال کے لائق یہی ہے تو وہ جب تک نماز میں ہوتا ہے تو اس کی طرف متوجہ ہو کر مناجات کرتا ہے، جب سلام پھیرتا ہے تو یہ مناجات منقطع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کے آگے کھڑا ہونا ختم ہو جاتا ہے تو جب اللہ کی طرف اس کی توجہ ہوتی ہے اور وہ اس سے قریب ہو کر مناجات کرتا ہے اس وقت دعائیں ترک کر دے اور جب اس سے منہ پھیر لے پھر دعائیں کیسے کرتا ہے؟ اس میں شک

نہیں کہ نمازی کے لیے اس کے برعکس حالت ہی بہتر ہے لیکن یہاں ایک لطیف نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب نمازی نماز سے فراغت کے بعد اللہ کا ذکر کرتا ہے [لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلهِ اور اَللهُ اَکْبَرُ] اور دیگر مشروع اذکار پڑھتا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ درود پڑھ کر جو چاہے دعا مانگے۔

اور یہ دعا اس دوسری عبادت کے بعد ہوگی نماز کے بعد نہیں یقیناً جو اللہ کا ذکر کرے اس پر حمد و ثنا پڑھے اور نبی ﷺ پر درود پڑھے تو اس کے بعد اس کی دعا قبول ہوتی ہے جیسے حدیث فضالة بن عبید میں ہے، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور اللہ کی حمد و ثنا کرے اور نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر اسے چاہئے کہ مرضی کی دعا کرے، ترمذی نے کہا کہ حدیث صحیح ہے۔

اور (فتاویٰ هيئة كبار العلماء: ۱/۲۴۱ـ۲۴۲ـ۲۴۳) میں ہے۔

س: بعض لوگ نماز کے بعد جہراً دعا کرتے ہیں اور اکثر دعا کرتے ہوئے ترنم کے ساتھ الفاظ سناتے ہیں اور ایسا نہ کرنے والوں کی کفر کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور اسی طرح سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر لازمی طور پر کرتے ہیں اور اس علم کو اسلام اور اہل سنت کے شعائر میں سے سمجھتے ہیں اور اس عمل کی مخالفت کرنے والوں کو اہل سنت نہیں سمجھتے۔ دلیل کے ساتھ شریعت بیضاء کے حکم کی وضاحت فرمائیں۔

ج:- پانچوں نمازوں اور سنتوں کے بعد جہراً دعا کرنا اور اس کے بعد ہمیشہ اجتماعی دعا کرنا بدعت منکرہ ہے کیونکہ یہ نبی ﷺ اور صحابہ سے ثابت نہیں جو فرض نمازوں اور سنن رواتب کے بعد اجتماع طور پر دعا کرتا ہے وہ اس عمل میں اہل سنت والجماعت کا مخالف ہے اور جو اس کا مخالف ہو اور یہ عمل نہ کرتا ہو اسے برا سمجھنا، کافر کہنا یا یہ کہنا کہ وہ اہل سنت والجماعت نہیں یہ جہالت اور گمراہی ہے اور حقائق کو بدلنا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے سوال کے جواب میں یہ لکھا ہے، امام کے سلام پھرنے کے بعد بیک آواز اونچی آواز سے اجتماعی دعا کرنے کی ہمیں کوئی دلیل معلوم نہیں جس سے اس عمل کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہو۔ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت نہیں چاہے امام اکیلا کرے یا امام مقتدی مل کر کریں، بلکہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نبی ﷺ سے منقول نہیں اور نہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنھم سے اس کے بغیر دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے بارے میں بعض حدیثیں وارد ہیں۔

اور (۱/۲۵۷) میں ہے اسی طرح عبادات توقیف پر مبنی ہیں تو ان عبادات کا اصل کے اعتبار سے اور عدد حالت اور مکان کے اعتبار سے مشروع ہونے کی بات دلیل شرعی کے بغیر کرنی جائز نہیں جو اس پر دلالت کرے، اور ہمیں اس کے بارے میں نبی ﷺ سے سنت معلوم نہیں نہ آپ کا قول نہ فعل اور نہ تقریر، بھلائی رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی اتباع میں ہے اور آپ کا طریقہ اس باب میں وہی ہے جو دلائل سے ثابت ہے جو سلام کے بعد آپ کرتے تھے اسی پر دلالت کرتا ہے اور آپ کے خلفاء، صحابہ تابعین اس پر عمل پیرا رہے، اور جو آپ کے طریقے کے خلاف کوئی نئی چیز نکالے گا وہ اسی پر رد ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ]
(جس نے کوئی عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں وہ مردود ہے)۔
تو جو امام سلام کے بعد دعا کرتا ہے اور مقتدی اس کی دعا پر امین کہیں اور سب ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں تو ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جائیگا جس سے ان کا عمل ثابت ہو ورنہ وہ انہی پر رد ہوگا، یہ بات سمجھ لینے کے بعد ہم نبی ﷺ کی عدی سے کچھ بیان کرتے ہیں، اس میں سے یہ ہے کہ، جب آپ سلام پھیرتے تو اَسْتَغْفِرُ اللهَ تین بار کہتے اور پھر کہتے" [اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ]
امام اوزاعیؒ کو کہا گیا، استغفار کیسے ہے؟ تو انہوں نے کہا" اَسْتَغْفِرُ اللهَ، اَسْتَغْفِرُ اللهَ کہے، یہ روایت مسلم، ترمذی اور نسائی نے کی ہے لیکن نسائی نے کہا ہے"یقیناً رسول اللہ جب اپنی نماز سے پھیرتے تھے" آگے حدیث ذکر کی۔
اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی نماز سے پھرنے کا ارادہ کرتے تو تین بار استغفر الله کہتے پھر کہتے: [اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ] ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں اسی طرح ہے پھر اس میں ذکر کیا، [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ......] اور معروف تسبیحات اور اس کے علاوہ دعائیں جو رسول اللہ ﷺ فرائض کے بعد پڑھتے تھے۔ مزید تفصیل کے لیے مشکوٰۃ اور کتب حدیث کا مطالعہ کریں۔
اور (السنن والمبتدعات ص: ۷۰) میں ہے، چودھواں باب سلام کے بعد کی بدعات میں نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اکٹھے اونچی آواز سے استغفار کہنا بدعت ہے اور سنت ہر ایک کا اپنے دل میں استغفار کہنا ہے اور استغفار کے بعد "یا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ" اکٹھے کہنا بدعت ہے یہ اس ذکر کا محل نہیں، اور سنتیں فرض کے ساتھ بغیر فصل کے پڑھنا منع ہے جیسے حدیث مسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم ایک نماز کو دوسری نماز سے نہ ملائیں۔ یہاں تک ہم درمیان میں بات کریں یا (ادھر اُدھر) نکل جائیں، اور نہی ظاہر میں حرمت کے لیے ہے۔
میں کہتا ہوں: اس حدیث میں رد ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ سنتیں فرض کے ساتھ متصل پڑھنی سنت ہے بلکہ یہ معصیت ہے۔ یہ لوگ احادیث کے درمیان تطبیق نہ جان سکے۔ جیسے شرنبلالی نے نور الایضاح میں شامی نے ردالمحتار میں اور مبتدعین کے سرخیل داجوی نے بصائر میں کہا ہے۔ اور (السلسلة الصحيحة: ۱۶۲/۱ رقم: ۱۰۲) میں ہے، نماز کے پیچھے پڑھے جانے والے کلمات ہیں جنہیں ہر نماز کے بعد کہنے والا یا کرنے والا محروم نہیں ہوتا، تینتیس بار سبحان الله، تینتیس بار الحمدلله، چونتیس بار اَللهُ اَكْبَر کہنا ہے، اسے مسلم، ابوعوانہ، نسائی، ترمذی، بیہقی وغیرہ نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی عن کعب بن عجرہ مرفوعا روایت کیا ہے، "مُعَقِّبَاتٌ" وہ کلمات جو نماز کے بعد کہے جاتے ہیں اَلْمُعَقِّبُ جو کسی کے پیچھے آئے۔
میں کہتا ہوں: حدیث نص ہے اس بات پر کہ یہ ذکر فرض نماز کے فوراً بعد ہے اس طرح دیگر اوراد جو پہلے ذکر ہو چکے خواہ اس

فرض نماز کے بعد سنتیں ہوں یا نہ ہوں۔اور مذاہب والوں میں سے جس نے کہا ہے کہ یہ اوراد سنتوں کے بعد ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور وہ اس حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث کے مخالف ہیں جو مسئلہ میں نص ہیں۔

پھر (۳۳۲/۱) میں کہا ہے کہ نماز کے بعد اذکار آپ ہر فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد کہا کرتے تھے [لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ] ''(اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریفیں ہیں، زندہ کرتا اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اسے موت نہیں آتی اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)'' (تین بار)

[اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ]

(اے اللہ جو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں، اور مال والے کو تجھ سے مال کوئی فائدہ نہیں دے گا)۔روایت کیا ہے اسے بخاری، مسلم وغیرہ نے۔

پھر کہا ہے اس حدیث سے فرض نماز کے بعد اس ذکر کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے، اور جو ''[اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ] کے علاوہ (دوسرے اوراد کی) عدم مشروعیت کے قائل ہیں وہ اس کی فضیلت سے محروم ہیں۔اور کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ اوراد سنتوں کے بعد پڑھے جائیں اس حدیث میں ان پر صریح رد ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔

ابن عابدینؒ نے (ردمختار: ۵۵۷/۱-۵۵۸) میں کہا ہے کسی ذکر کا ایک وقت کے ساتھ خاص کرنا جو شرع میں وارد نہ ہو غیر مشروع ہے اور ذکر اونچی آواز سے کرنا بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا نہ کرنا کراہت کی دلیل ہے کیونکہ وہ عبادت کے حریص تھے اور ان کا ایک بار بھی نہ کرنا کراہت کی دلیل ہے۔

اور (۳۵۶/۱) میں اس مسئلے سے متعلق بعض بدعات ذکر کی ہیں۔

پھر میں نے دیکھا علامہ مبارک پوری نے تحفۃ الاحوذی شرح الترمذی: (۲۴۵/۱) میں دعا بعد الفرض کے جواز پر احادیث سے استدلال کیا ہے۔

پہلی حدیث: جسے (حافظ ابن کثیر نے: ۱۷۲/۳) اپنی تفسیر میں نکالا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے کہا انہیں حدیث بیان کی ابو معمر المقری نے، وہ کہتے ہیں مجھے حدیث بیان کی عبدالوارث نے، وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث بیان کی علی بن زید نے سعید بن المسیب سے انہوں نے ابوھریرۃ سے کہ رسول اللہ ﷺ سلام کے بعد ہاتھ اٹھائے اور آپ ﷺ قبلہ رو تھے پس فرمایا: اے اللہ ولید بن ولید اور عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ھشام اور وہ کمزور مسلمان جنہیں کوئی حیلہ نہیں آتا اور نہ ہی انہیں راستہ ملتا ہے کو

کافروں کے چنگل سے نجات دے۔

ابن جریرؒ کہتے ہیں انہیں حدیث بیان کی مثنی نے انہیں حدیث بیان کی حجاج نے انہیں حدیث بیان کی حماد نے علی بن زید سے انہوں نے عبداللہ یا ابراہیم بن عبداللہ القرشی سے اس نے ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی ﷺ ظہر کی نماز کے بعد دعا کرتے تھے،اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے......اس حدیث کا اس سند کے علاوہ بھی صحیح میں شاہد ہے،انتہی۔

لیکن اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہے اور یہ متکلم فیہ ہے اور اس میں تاویل کا بھی احتمال نہیں۔

<u>دوسری حدیث</u>: وہ حدیث جسے روایت کیا محمد بن یحیٰی اسلمی نے وہ کہتا ہے میں نے ابن زبیر کو دیکھا کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص نماز سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے جب وہ دعا سے فارغ ہوا تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے،روایت کیا اسے طبرانی نے ،ھیثمی کہتے ہیں راوی اس کے ثقہ ہیں جیسے (مجمع:۱۶۹/۱) میں ہے اور امام سیوطیؒ نے فض الوعاء میں ذکر کیا ہے۔

<u>تیسری حدیث</u>: ابن سنی نے (عمل الیوم و اللیلہ میں رقم:۱۳۸) انس بن مالکؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بندہ جو ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر کہے، اے اللہ اے میرے معبود، ابراہیم علیہ السلام کے معبود......الحدیث۔اس میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بالکل ضعیف ہے اور اس میں خصیف بن عبدالرحمٰن ہے اور وہ بھی ضعیف ہیں۔

<u>چوتھی حدیث</u>: اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی،سلام پھیر کر آپ ﷺ پلٹے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی،الحدیث،روایت کیا ہے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اس طرح بعض نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور اسے مصنف کی طرف منسوب کیا ہے مبارک پوری کہتے ہیں: میں نے اسے نہیں دیکھا واللہ اعلم،یہ کیسے ہوگی صحیح ہوگی یا ضعیف۔

میں کہتا ہوں: مجھے (مصنف:۳۰۲/۱) میں ملی ہے،اسود عامری اپنے والد سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں،وہ کہتے ہیں میں نے نماز پڑھی فجر کی جب آپ نے سلام پھیرا تو پھر گئے اس میں رفع الیدین نہیں ہے۔

<u>پانچویں حدیث</u>: (ترمذی:۸۷/۱) میں فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز دو دو رکعت ہے ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھ خشوع عاجزی اور مسکینی کے ساتھ پھر اپنے رب کی طرف ہاتھ اٹھا،ہتھیلیوں کو اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے پھر کہہ اے رب،اے رب جو ایسا نہ کرے وہ ناقص ہے،نکالا اس کو (احمد:۲۱۱/۱) اور (۱۶۷/۴) میں سند اس کی ضعیف ہے ابو حاتم کے نزدیک حسن ہے جیسے حاشیہ نصب الرایہ : ۱۴۵/۲) میں ہے راجح یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبد اللہ بن نافع بن العمیاء ہے اور وہ ضعیف ہے۔

چھٹی حدیث:

دعا میں رفع یدین کی عام احادیث سے استدلال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد دعا کرنا مرغوب فیہ ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے، "کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا، "فرض نمازوں کے بعد" اور فرض نمازوں کے بعد نص دعا ثابت ہے رسول اللہ ﷺ سے اور مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا سو (100) احادیث میں وارد ہے اور دعا میں ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں سے ہے تو ان دلائل کی وجہ سے ہم کہتے ہیں، کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا بغیر التزام کے بدعت نہیں بلکہ جائز ہے اگر کوئی کرے تو حرج نہیں، الخ تلخیص کے ساتھ۔

میں کہتا ہوں: آپ کو معلوم ہو گیا کہ جو احادیث ذکر کی ہیں ضعیف ہیں۔ پھر دعا مطلق میں رفع الیدین کی احادیث ذکر کی ہیں، (احسن الفتاوی: ۶۰/۲) مطالعہ کے قابل تحقیق ہے۔

مراجعہ کریں (المنار للمفتی: ۲۰۱/۱) اس ہیئۃ پر بلیغ رد کیا ہے، هٰذَا. وَبِاللهِ التَّوْفِيْق.

وصلی الله علی نبینا محمد و آله و صحبه أجمعین۔



بعض مخصوص ماہ و ایام کی نمازوں کا حکم

۳۹ - سوال: بعض مخصوص مہینوں، دنوں اور راتوں کی نمازوں کے بارے میں بتائیں، کیا یہ ثابت ہیں؟ مثال کے طور جس نے ذی الحجہ کے مہینے میں اتنی اتنی رکعت نماز پڑھی تو اسے اتنا اتنا ثواب ملے گا اور جس نے محرم میں نماز پڑھی اور جس نے ہفتے کی رات بیس رکعت پڑھی اس کے لیے اتنا اتنا ہے، تو کیا یہ نمازیں مستحب ہیں؟ (اخوکم: نور الحق وشوکت)۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ:

ہمارے نبی اور مقتدیٰ ﷺ رات دن میں فرائض، سنت اور نوافل ملا کر چالیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی عارض کی وجہ سے اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے، لیکن یہ مخصوص مہینوں، راتوں اور دنوں کی نمازوں کا کوئی اصل نہیں یہ بعض جاہلوں نے گھڑ رکھی ہیں جیسے (موضوعات لابن الجوزی: ۱۱۳/۲) میں ہے۔

اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے المنار المنیف: (ص: ۹۵) میں کہا ہے: "ان میں سے دنوں اور راتوں کی نمازوں کی احادیث ہیں جیسے اتوار کے دن کی نماز، اتوار کی رات کی نماز، سوموار کے دن اور رات کی نماز یہاں کے ہفتے کے آخری دن تک تو یہ سب کی سب

احادیث جھوٹ ہیں،بعض کاذکر آگے ہو چکا،اسی طرح صلوٰۃ الرغائب کی احادیث ہیں رجب کے اول جمعہ کی رات یہ سب کی سب جھوٹ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف گھڑی گئی ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ نمازیں امام غزلی نے "احیاء" میں اور عبدالقادر جیلانی نے "غنیہ" میں وارد کی ہیں اور ان پر رد کیا ہے ہر اس شخص نے جس نے موضوعات لکھی ہیں جیسے (ابن جوزی:۳/۱۱۳) تفصیل کے ساتھ:(۱۴۳) اور ابن حجر نے تبيين العجب بماورد في فضل رجب ص:(۱۹-۱۲) میں امام سیوطی نے اللآلي المصنوعة: (۲/۵۵-۵۶) میں،ابن عراق نے تنزيه الشريعة المرفوعه : (۲/۹۰-۹۲) میں۔ مولانا عبدالحی نے الآثار المرفوعه:(۲۹۰-۲۹۳) میں اور الشيخ الالبانی نے السلسلة الضعيفه میں۔

نئی نئی عبادات نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں،شریعت اسلامی میں جو عبادتیں ثابت ہیں وہ بہت ہیں،انسان کو بدعات کے ساتھ اپنے آپ کو تھکانے کی ضرورت نہیں۔

و صلى الله على نبينا محمد و آله و صحبه أجمعين۔



کسی کام یا پیشہ کو بدفالی کی وجہ سے ترک کرنا

۴۰- سوال : کیا ایسا کسب ترک کرنا جائز ہے جس کی وجہ سے دوسری چیز کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً گھوڑا مر جائے یا بچہ مر جائے؟ (اخوالکم نورالحق وشوکت)۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ أَمَّابَعْدُ :

یہ کلام باطل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے بدشگونی سے منع فرمایا ہے جیسے ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مرض کا متعدی ہونا،بدشگونی،ہام اور صفر وغیرہ یہ وجود نہیں رکھتے،اور کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے کہ تم شیر سے بھاگتے ہو،(مشکوۃ:۲/۳۹۱) (بخاری:۲/۸۵۰) اور دوسری حدیث صحیح جسے احمد نے (۶/۵۰) اور طحاوی نے مشکل الآثار (۱/۳۱۱) میں نقل کیا ہے،قتادہ سے روایت ہے وہ ابو حسان سے روایت کرتے ہیں کہ بنو عامر کے دو شخص عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے انہوں نے خبر دی کہ ابوھریرہ ؓ نبی ﷺ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ بدشگونی گھر،عورت اور گھوڑے میں ہے تو آپ غضبناک ہوئیں آپ کے (کپڑے) کا جانب آسمان کی طرف اٹھا اور دوسرا جانب زمین پر تھا اور فرمانے لگیں: قسم ہے اس

ذات کی جس نے قرآن محمد ﷺ پر نازل کیا یہ (بدشگونی کے ہونے کی) بات رسول اللہ ﷺ نے کبھی نہیں فرمائی بدشگونی پکڑنے کا یہ عقیدہ جاہلیت والوں ہی کا تھا اور احمد کی روایت میں ہے، لیکن نبی ﷺ فرماتے تھے کہ جاہلیت والے کہتے تھے کہ نحوست عورت گھر اور جانور میں ہوتی ہے۔

پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت پڑھی: ﴿ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ ﴾ (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمھارے جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوتی ہے)، (حدید:۲۲)۔ نکالا اس کو حاکم نے (۴۷۹/۲) اور کہا کہ صحیح الاسناد ہے ذھبیؒ نے بھی موافقت کی اور تفصیل اس کی الصحیحہ: (۷۴۴/۲) رقم: (۹۹۳) میں ہے۔

اور ابن ماجہ اور طحاوی نے مشکل الآثار (۳۴۱/۱) میں معمر بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا: [لَا شُؤْمَ وَقَدْ يَكُوْنُ الْيُمْنُ فِيْ ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ، وَالدَّارِ] (نحوست نہیں اور کبھی برکت ہوتی ہے تین چیزوں میں، عورت، گھوڑے اور گھر میں)۔

(ترمذی: ۱۲۵/۲) اور اس طرح (صحیحہ: ۵۶۴/۴) رقم: (۱۹۳۰) میں ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث نحوست کی نفی میں صریح ہے اور یہ قوی شاہد ہے ان احادیث کا جن کے لفظ یہ ہیں:

[إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِيْ شَيْءٍ] بخلاف اس لفظ کے کہ "الشُّؤْمُ فِيْ ثَلَاثٍ" تو جائز نہیں کہ کوئی کسی چیز کو منحوس سمجھے اور نہ ہی کسی چیز میں نحوست کا عقیدہ رکھے، بلکہ ساری امور اللہ کی قضا وقدر کے مطابق جاری ہیں، مسلمان کے لیے یہ ماننا لازم ہے، بلکہ حدیث میں وارد ہے کہ کسی شخص کو کوئی کسب شروع کرنے کے بعد سوائے سخت مجبوری کے بدلنا جائز نہیں جیسے (مشکوٰۃ: ۲۴۳/۱) میں ہے۔

اور اسی معنی میں ہے رقم: (۲۷۸۵) اور سند اس کی زبیر بن عبید کی جہالت اور ضحاک کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے، حدیث کو احمد ابن ماجہ نے نکالا ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔



مہدی کا ظہور حق ہے

۴۱- سوال: کیا مہدی حق ہے یا اس کے بارے وارد ہونے والی احادیث ضعیف اور نا قابل حجت ہیں، جیسے بعض معاصرین کا خیال ہے اور مولانا مودودیؒ نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا اشارہ کیا ہے اور جیسے ان کے رسالے میں مہدی کے بارے میں بیانات ہیں وہ انکا انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس باب میں احادیث قوی نہیں ہیں۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ

أَمَّا بَعْدُ: مہدی کہ جن کے خروج کا نبی ﷺ نے وعدہ فرمایا ہے حق ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کیونکہ بہت سی صحیح حدیثیں اس کے بارے میں وارد ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ مہدی کی بابت صحیحین میں کوئی حدیث نہیں اس لیے ہم اعتقادات میں سے مہدی کا قصہ ساقط کرتے ہیں۔ ان کی بات دو وجہ سے غلط ہے۔

پہلی وجہ: صحیح (مسلم: ۲/۳۹۵) میں ابو سعید اور جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آخری زمانے میں خلیفہ ہوگا جو مال گننے کے بغیر تقسیم کرے گا۔ تو اس خلیفہ کا نام صحیحین کے علاوہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ وہ مہدی ہیں۔ اس کے بارے میں ہم بعض صحیح احادیث ذکر کریں گے۔

دوسری وجہ: صحیحین نے تمام احادیث صحیحہ کا استیعاب نہیں کیا اس بات اس علم کی معرفت رکھنے والے سب کا اتفاق ہے تو حدیث کا صحیحین میں نہ ہونے سے اس کا ضعف لازم نہیں آتا۔

خروج مہدی سے متعلق بعض احادیث یہ ہیں۔

پہلی حدیث:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے آپ نے فرمایا جب تک میرے گھرانے کا شخص والی بن نہیں جاتا قیامت قائم نہ ہوگی جو میرا ہم نام ہوگا۔ (احمد: ۱/۳۷۶) باسناد صحیح ابوداؤد۔

دوسری حدیث:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک زمین ظلم وعدوان سے بھر نہیں جاتی قیامت قائم نہ ہوگی پھر میری اولاد یا میرے گھرانے کا ایک شخص نکلے گا ظلم وعدوان کے اس دور دورے کے بعد عدل وانصاف سے زمین بھر دے گا۔ سند اس کی صحیح ہے۔

تیسری حدیث: علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: اگر زمانے کا صرف

ایک ہی دن کیوں نہ رہ جائے پھر بھی اللہ تعالیٰ میرے گھرانے کا شخص ضرور مبعوث فرمائے گا جو زمین کو انصاف سے بھر دے گا جیسے کہ ظلم سے بھر گئی تھی۔(ابوداؤد:۳/۸۰)بسند صحیح۔

چوتھی حدیث:

اسی طرح ام سلمہ رضی اللہ عنھا کی حدیث۔ابوداؤد(۹۸۰۸/۳)ان کے علاوہ دیگر اعلام سے بھی حدیثیں آئی ہیں۔اور امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب المھدی کے نام سے باب باندھا ہے پھر آٹھ صحیح حدیثیں ذکر کی ہیں اس طرح سنن ترمذی (۲/۴۷) مراجعہ کریں مشکوۃ:(۲/۴۷۰۔۴۷۱) تو جو خروج مہدی کا انکار کرتا ہے وہ خواہش کا تابعدار ہے اور اس کے نزدیک سنت سید الابرار ﷺ کی اور بڑی بڑی کتابوں میں روایت شدہ صحیح احادیث کی کوئی قدر قیمت نہیں۔مراجعہ کریں حمود بن عبداللہ التویجری کی کتاب "اَلْاِحْتِجَاجُ بِالْاَثَرِ فِی الْمَهْدِيِّ الْمُنْتَظَر" اور الاستاذ عبدالمحسن بن حمد العباد کی کتاب "اَلرَّدُّ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ بِالْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ الْوَارِدَةِ فِي الْمَهْدِيِّ وَعَقِيْدَةُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْاَثَرِ فِي الْمَهْدِيِّ الْمُنْتَظَر" اور السلسلة الصحيحة (۴/۴۰)۔ وباللہ التوفیق۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔



ایک آیت اور حدیث میں دفع تعارض

۴۲۔ سوال: کیا اللہ تعالیٰ کا قول:"اور میں تمھارا نگران نہیں"(انعام:۱۰۴) نبی ﷺ کے قول"جو تم سے منکر دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے......الحدیث۔کے معارض ہے، جب رسول اللہ نگران نہیں تو پھر منکر کو کیسے بدلتے ہیں؟ (اخوکم نور الحق)

جواب:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ:

جان لو کہ قرآن اور سنت صحیحہ میں کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔اور اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو پھر اس میں بڑا اختلاف پایا جاتا آیت سے مراد (واللہ اعلم) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو فرماتے ہیں کہ ان مشرکوں اور اپنی امت سے کہیں کہ میں نے تمہیں اللہ کے احکام پہنچا دیئے اگر تم ایمان نہیں لاتے اور معصیت کرنے پر ہی مصر ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ میرا مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے اور نہ ڈانٹیں گے۔اور حدیث میں نھی عن المنکر کی ہدایت کی گئی ہے اور یہی آیت کا معنی ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

رضی اللہ عنہ کا علماء کے لئے استعمال

۴۳- سوال : فاضل بھائی فردل نے مجھ سے پوچھا کہ علماء اور اولیاء کے لیے کلمة الترضیه (رضی اللہ عنہ کہنا) کا استعمال جائز ہے؟۔

جواب : وَ بِاللهِ التَّوْفِيْق۔

یہاں تین قسم کے الفاظ ہیں: (ا)- :صلوٰۃ،(صلی اللہ علیہ وسلم)، ۲-:الترضیه (رضی اللہ عنہ)۔

(۳)- : الرحمة (رحمہ اللہ)۔

علماء نے "الصلوٰۃ" رسول اللہ ﷺ اور انبیاء کے لیے مستحب قرار دیا ہے اور کسی کے لیے نہیں اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما شافعیؒ اور مالکؒ وغیرہ نے نبی ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کے لیے "الصلوٰۃ" مکروہ کہا ہے،ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ "الصلوٰۃ" نبی ﷺ کے علاوہ کسی کا کسی کے لیے کہنا مناسب ہو،ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ اس وقت کہا جب شیعوں کا ظہور ہوا اور وہ "الصلوٰۃ" علی رضی اللہ عنہ کے لیے کہتے تھے اور کسی کے لیے نہیں۔تو یہ ممنوع ومکروہ ہے جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی (۱۱/۶) سورۃ توبہ میں اسے ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ صدقہ وصول کرنے والے کا زکوٰۃ ادا کرنے والے کے لیے "الصلوٰة" کہنا درست نہیں،وہ کہتے ہیں کہ انبیاء وملائک کے علاوہ کسی کے لیے "صلوٰۃ" نہ کہے البتہ بالتبع کہا جاسکتا ہے۔(صلى الله على النبى وآله وصحبه ومن تبعهم باحسان) کیونکہ "صلوٰۃ" جو تعظیم ہے وہ دیگر دعاؤں میں نہیں تو یہ انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ اور کسی کے لیے مناسب نہیں۔

پھر علماء کا اختلاف ہے کہ اس کا استعمال غیر انبیاء وملائکہ کیلئے مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے یا خلاف الاولیٰ ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اہل بدع کا شعار ہے اس لیے علی علیہ السلام کہنا جائز نہیں۔کیونکہ غائب کے صیغے کے ساتھ سلام کہنا انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں اور اس پر اجماع ہے۔پھر کہا کہ ظاہر تو یہی ہے جیسا کہ امام نووی نے کہا ہے منع صلوۃ کی علت یہ ہے کہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور سلف کی زبان میں یہ انبیاء اور ملائکہ کے لیے مخصوص ہے جیسے عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس لیے محمد عزوجل نہیں کہا جائیگا اگرچہ آپ ﷺ عزیز اور جلیل ہیں۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں: محققین جس طرف گئے ہیں اور میں بھی اسی طرف مائل ہوں وہ وہی ہے جو مالکؒ اور سفیانؒ نے کہا ہے اور اسے بہت سے فقہاء اور متکلمین نے اختیار کیا ہے کہ صلوۃ سلام کی تخصیص نبی ﷺ اور تمام انبیاء کے لیے ہے۔جس طرح تنزیہ اور

تقدیس اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے اور ان کے علاوہ جو ہیں ان کا ذکر غفران ورضا کے ساتھ کیا جائے غیر انبیاء پر صلوۃ پڑھنے کی صورت میں رافضہ سے مشابہت ہو جائے گی جو جائز نہیں۔ پھر کہا کہ اگر قصد تشبیہ نہ ہو تو جائز ہے انتہی تلخیص کے ساتھ۔

اسی طرح نووی کی شرح مسلم:(۳۴۶/۱) میں ہے۔

دوسرا قول: محققین کہتے ہیں صلوۃ وسلام غیر انبیاء اور ملائکہ کے لیے بھی جائز ہے خواہ تبعا ہو یا منفرد بشرطیکہ کسی شخص کو خاص نہ کیا جائے۔اس قول کے دلائل یہ ہیں۔

پہلی دلیل :اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهٗ﴾

(اللہ) وہی ہے جو تم پر اپنی رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (تمھارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں) احزاب:(۴۳)

ملائکہ مؤمنوں پر درود بھیجتے ہیں اور وہ غیر انبیاء ہیں۔

دوسری دلیل: نبی ﷺ نے فرمایا،فرشتے اس شخص پر (جو وہیں بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے درود (رحمت کی دعائیں کرتے ہیں) بھیجتے ہیں،نکالا ہے اس کو شیخان نے جیسے کہ مشکوۃ (۸۶/۱) میں ہے۔

تیسری دلیل :حدیث قبض روح میں ہے،"اللہ تجھ پر صلوۃ (رحم) کرے اور اس بدن پر جسے تو نے آباد کر رکھا تھا" نکالا اس کو احمد اور مسلم (۲۸۶/۲) نے اور سند اس کی صحیح ہے اور اس طرح مشکوۃ (۱۴۱/۱) میں ہے۔

چوتھی دلیل: صحیح بخاری میں نبی ﷺ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا"[اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ أَبِيْ أَوْفٰى]

(اے اللہ! ابو اَوفیٰ کی اولاد پر رحم فرما!)۔

پانچویں دلیل:

[اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ] میں ہم نے غیر انبیاء پر بھی درود پڑھا لیکن یہ تبعاً ہے۔

چھٹی دلیل: علی رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ" امام ابن تیمیہؒ نے الفتاوی (۴۷۲/۲۲-۴۷۳) یہ مع التفصیل ذکر کیا ہے۔

ساتویں دلیل :امام ابوداؤد نے (۲۲/۱) میں باب باندھا ہے باب الصلوۃ علی غیر النبی ﷺ پھر ذکر کیا کہ ایک عورت نبی ﷺ کو کہا "صَلِّ عَلَيَّ وَعَلٰى زَوْجِيْ" "میرے اور میرے خاوند کے لیے دعا فرمائیں تو نبی ﷺ نے فرمایا "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى زَوْجِكَ" "اللہ تجھ پر اور تیرے خاوند پر رحم فرمائے۔اس کی سند صحیح ہے جیسے کہ کہا الشیخ نے صحیح ابوداؤد (۲۸۶/۱) میں۔

آٹھویں دلیل: کتاب وسنت میں اس کی ممانعت نہیں آئی کچھ تفصیل سخاوی کی القول البدیع ص:(۶۲) میں ہے

ترضیہ (رضی اللہ عنہ) اور رحمۃ (رحمۃ اللہ علیہ) سب کے لیے جائز ہے۔

جیسے امام النوویؒ نے الاذکار ص: (۱۰۹) میں کہا ہے۔ فصل : ترضی اور ترحم صحابہ تابعین اور ان کے بعد علماء عابدین اور سب اچھے لوگوں کے لیے مستحب ہے پس کہا جاسکتا ہے "رضی اللہ عنہ" اور "رحمہ اللہ" اور اس جیسے دیگر کلمے اور علماء میں سے جو کہتے ہیں کہ "رضی اللہ عنہ" صحابہ کے ساتھ خاص ہے اور ان کے علاوہ کسی کے لیے نہیں کہا جاسکتا تو یہ درست نہیں اور نہیں مانی جاسکتی بلکہ صحیح جس پر جمہور ہیں یہی ہے کہ یہ سب کے لیے مستحب ہے اور دلائل اس کے اکثر اور نا قابل حصر ہیں۔

اگر مذکور صحابہ اور صحابی کا بیٹا ہو تو کہے : قال ابن عمر رضی اللہ عنهما اسی طرح ابن عباس ابن زبیر، ابن جعفر، اسامہ بن زید وغیرہ تا کہ اسے اور اس کے باپ دونوں کو شامل ہو۔

حافظ فتح الباری: (۲۸۲/۳) میں فرماتے ہیں اس حدیث غیر انبیاء پر صلوۃ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں مالک اور جمہور اسے مکروہ سمجھتے ہیں، ابن التین کہتے ہیں، "اس حدیث کی طرف میلان کیا جاسکتا ہے۔"

دیکھیں مشکوۃ: (۱۵۶/۱) مرقاۃ : (۱۲۵/۴-۱۲۶) بیہقی نے (سنن کبری) (۱۵۲/۲) میں کہا ہے "بَابُ هَلْ يُصَلَّى عَلٰى غَيْرِ النَّبِيِّ ﷺ" باب ہے اس بیان میں کہ غیر نبی پر صلوۃ کہا جاتا ہے" پھر تین مذکورہ حدیثیں ذکر کی ہیں، دیکھیں مجمع الزوائد للهيثمی (۱۶۶/۱۰)۔

وباللہ التوفیق۔

قبروں پر تعمیر شدہ مساجد میں نماز نہیں ہوتی

٤٤- سوال : قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟۔

جواب : جائز نہیں باتفاق سابق علماء، سوائے متاخرین مبتدعین کے جو ہر چھوٹی موٹی بات کے تابعدار ہوتے ہیں اور ان کے پاس ٹھوس دلیل نہیں ہوتی ہم نے مسئلہ نمبر ت ۷۸) : میں اس مسئلہ کو تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے رجوع فرمائیں۔

اور اسی طرح الشیخ محدث الالبانی کی تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد اور مجموعة فتاوی شیخ الاسلام میں کتاب الزیارۃ کا مطالعہ کریں۔



کیا مردے بوقت زیارت زندوں کو دیکھتے ہیں

۴۵- سوال : کیا مردے زندہ زائرین کو دیکھتے ہیں؟۔

جواب : وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

جاننا چاہئے کہ مردوں کے سننے دیکھنے کے بارے میں سوائے دو آدمیوں کے کسی تیسرے کا خبر دینا ممکن نہیں: ایک وہ شخص جو فوت ہو جائے اور برزخ اور احوال قبر کا مشاہدہ کر کے واپس دنیا میں لوٹ آئے اور یہ مسلمان ہو اور کہے کہ مردے سنتے دیکھتے ہیں تو تسلیم کی جاسکتی ہے کیونکہ اس نے خود سنا اور مشاہدہ کیا اور یہ اس کیفیت کے ساتھ کہ دوبارہ زندہ ہو کر آئے اور لوگوں میں زندگی بسر کرے اور برزخ کے احوال بتائے یہ تو اب تک سننے میں نہیں آیا۔ دوسرا وہ شخص جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے یہ بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ،یا رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا کہ مردے سنتے دیکھتے ہیں تو اس شخص سے اپنے قول کے لیے صحیح سند کا مطالبہ کیا جائے گا نہیں تو اللہ تعالیٰ پر اپنی باتیں تھوپنے والے ظالموں میں سے ہے۔ ہم نے ابھی تک ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو کہے کہ اس نے خود دیکھا یا اپنی اس بات کے لیے سند پیش کرے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مردے دیکھتے ہیں یا نبی ﷺ نے فرمایا ہو کہ مردے دیکھتے ہیں اگر کسی کو ایسا شخص ملے تو وہ اسے ہمارے پاس لے آئے یا اس سے سند صحیح کا مطالبہ کرے۔

اور جو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۱/۱۴۱-۱۴۲) میں کہا ہے کہ جمعہ کی اکتسویں خصوصیت کا بیان: جمعہ کے دن مردوں کی روحیں اپنی قبروں کے قریب آتی ہیں اور اپنے زائرین کو اور جو ان پر گزرتے ہوئے سلام کہیں کو پہچانتی ہیں، اور دیگر ایام کی بہ نسبت اس دن میں ان کی معرفت زیادہ ہوتی ہے، اس دن میں زندہ لوگ مردوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر کہا کہ ابو التیاح لاحق بن حـمـيـد نے کہا کہ مطرف بن عبداللہ بدر میں تھے جب جمعہ آتا تو وہ اندھیرے میں نکل پڑتے یہاں تک جمعہ کے دن دن چڑھے قبرستان پہنچ جاتے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ہر قبر والے کو اپنی قبر پر بیٹھا دیکھا لوگ کہتے کہ یہ مطرف ہے جو جمعہ کو آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے کہا تم جمعہ کو جانتے ہو انہوں نے کہا ہاں اور ہم جانتے ہیں اس دن پرندے کیا کہتے ہیں میں نے کہا پرندے اس دن کیا کہتے ہیں تو انہوں نے کہا وہ کہتے ہیں: یہ اچھا دن ہے یا اللہ بچا یا اللہ بچا۔

پھر اہل عاصم الـجـحـدري میں سے کسی کا خواب ذکر کیا کہ اس نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا میں اور میرے کچھ ساتھی جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں ہیں ہم ہر جمعہ آپس میں ملتے ہیں۔ میں نے کہا تمہیں ہماری زیارت کا علم ہوتا ہے تو کہا کہ ہمیں جمعہ کی رات سے ہفتہ کی رات طلوع آفتاب تک علم ہوتا ہے میں نے کہا دوسرے ایام میں یہ کیسے نہیں ہوتا۔ تو کہا جمعہ کے دن کی فضیلت اور عظمت کی وجہ سے۔

پھر محمد بن واسع کے بارے میں ذکر کیا کہ وہ ہر ہفتے کی صبح جبانہ جا کر قبروں کے پاس کھڑے ہو کر انہیں سلام کہتا ہے اور ان کے لیے دعائیں کر کے واپس آجاتا ہے، اسے کہا گیا آپ اس دن کو سوموار سے کیوں نہیں بدلتے، تو کہا کہ مجھے پہنچی ہے یہ بات کہ مردے اپنے زائرین کو جمعہ کے دن اور ایک دن پہلے اور ایک دن بعد میں پہچانتے ہیں اور ذکر کیا۔

سفیان ثوریؒ سے وہ کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے ضحاک سے اس نے کہا جو ہفتے کے دن طلوع آفتاب سے پہلے قبر کی زیارت کرتا ہے تو میت کو اس کی زیارت کا علم ہوتا ہے۔ کہا گیا یہ کیوں؟ تو کہا کہ جمعہ کے دن کی وجہ سے انتھی ملخصاً۔

تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان اقوال و آثار میں سرے میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ نامعلوم لوگوں کے خواب اور باطل سندیں ہیں اور ان کی نسبت معصوم صاحب جبریل ﷺ کی طرف نہیں ہے لہذا اس میں کوئی حجت نہیں یہ تو یا کسی بڑے عالم کی لغزش یا عقل کے کسی اندھے جاہل کی ضلالت ہے۔

ابن عابدین نے ردالمحتار: (۱/۶۰۴) میں کہا ہے کہ محمد بن واسع نے کہا کہ مردے جمعہ کے دن اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد اپنے زائرین کو جانتے ہیں پھر کہا کہ شرح لباب المناسك لملا علی قاری میں ہے، "پھر آداب زیارت کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ زائر متوفی کے پیروں کی جانب سے آئے نہ کہ سر کی جانب سے کیونکہ اس صورت میں میت کی آنکھیں تھک جاتی ہیں بخلاف پہلی صورت کے کہ اس صورت میں وہ مردے کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت جبکہ ممکن ہو......الخ۔ ہم کہتے ہیں یہ تو محمد بن واسع سے منقول ہے تو وہ کہاں ہے اور کیا محمد بن واسع نبی ہے یا صحابی یا اسے رحمٰن رحیم عالم الغیب والشہادہ کی طرف سے وحی ہوتی تھی۔

علی القاری کا کہنا "وَمِنْ آدَابِ الزِّيَارَةِ" یہ جھوٹ ہے کیونکہ یہ نہ نبی ﷺ سے منقول ہے نہ صحابہ اور تابعین سے اور اس جیسے کتنے ہی اقوال کہ جن کے قائل کا پتا نہیں علی القاری کی کتابوں میں موجود ہیں اور میں نے علی القاری کی کتابوں کا تجربہ کیا ہے ان سے قاری کو کوئی زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ انسان کو شک میں ڈال دیتی ہیں۔ اور ان کے بعض اقوال اچھے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں نبی ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں اور اگر کوئی چیز آتی ہے تو ہم قبول کر لیں گے، اور جو صاحب تحفة النصائح نے فارسی زبان میں کہا ہے "کنجشک میشنا سد" یعنی مردہ بیٹھی ہوئی چڑی کو جانتا ہے کہ نر ہے یا مادہ۔

تو میں کہتا ہوں : اس نے کتاب و سنت کی کوئی دلیل پیش کی ہے؟

اللہ کی قسم نہیں اس قسم کی باتیں تو مشرک بھی اپنے بتوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں دیکھتے سنتے ہیں۔ لیکن اس کی دلیل نہیں لاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی اور ان کا ٹھکانہ جہنم بنایا۔ تو کسی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں جب وہ کتاب و سنت اور اجماع امت کی دلیل نہ لائے۔ اور ہمارے دین کی تو رات بھی دن کی طرح روشن ہے اور ایمان اعمال احکام اخلاق احسان سب اس میں واضح ہیں۔ پس اے مسلمانو! تم اس عظیم کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر کن روایات

میں کھو چکے ہو۔اورامام سیوطی نے جوروایات الحاوی : (۱۷۰/۲) میں ذکر کی ہیں ضعیف ہیں۔

رہا مردوں کا سننا تو ہم اس کے قائل ہیں اس کے بارے میں نبی ﷺ سے صحیح احادیث وارد ہیں۔لیکن اس منصوص سننے کو غیر منصوص کی طرف نہیں بڑھاتے:

پہلی حدیث : حدیث قرع النعال جو صحیحین میں آئی ہے جیسے مشکوٰۃ (۲۴/۱) میں ہے،اس سے مردوں کے سننے پر دلالت نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ وہ آواز سنتے ہیں بلکہ جوتوں کی آوازوں کا ذکر ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص چھت پر گھوم رہا ہو تو ہم اس کے جوتوں کی آواز تو سنتے ہیں اس کی آواز نہیں سنتے اور یہ فرشتوں کے جلدی آجانے سے کنایہ ہے ۔میں کہتا ہوں: ظاہر یہی ہے جیسے مولانا رشید احمد گنگوہی کی الکوکب الدري اور الموقاۃ میں: (۱۹۸/۱) میں ہے یا ہم کہتے ہیں کہ یہ میت کے رکھے جانے کے ساتھ خاص ہے۔

دوسری حدیث :حدیث قلیب بدر جسے امام بخاری نے (۵۶۶/۲) میں نقل کیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ تھا رسول اللہ ﷺ کا جیسے قتادہ رحمہ اللہ نے کہا،"اللہ تعالیٰ نے انہیں حسرۃ غضب اور عذاب کے لیے زندہ کر دیا تھا۔عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کا جواب دیا تھا جو نفس بخاری میں موجود ہے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا سوائے ہمارے زمانے کے مبتدعین کے جو کہتے ہیں عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر ہمیں ہنسی کرنی چاہئے اور بعض کہتے ہیں ہمیں ان کے قول پر تعجب ہے۔العیاذ باللہ ۔یہ لوگ اپنی ماں کی بات پر ہنستے ہیں۔ہم کہتے ہیں: وہ ام المؤمنین ہیں ام المبتدعین و الفاسقین نہیں اسی لیے تو یہ پلید بات کہتے ہیں۔

تیسری حدیث : حدیث ابوداؤد (۲۷۹/۱) اگر کوئی مردے پر سلام کہے جیسے وہ دنیا میں جانتا تھا تو وہ اس کا جواب دیتا ہے ہم کہتے ہیں پہلی بات تو یہ کہ اس حدیث کو علامہ آلوسی نے ضعیف کیا ہے جیسے تفسیر روح المعانی: (۵۵/۲۱) میں ہے بعض ائمہ کبار نے اس حدیث کو صحیح کہا، میرے نزدیک بھی وہ صحیح ہے جس طرح کہ صحیح ابوداؤد رقم: (۲۰۴۱) میں ہے۔

ہم کہتے ہیں: یہ صرف سلام کے ساتھ مخصوص ہے یہاں یہ ذکر نہیں کہ وہ بات کرتا ہے جواب دیتا ہے اور ساری بات سمجھتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اسے سلام سنا کر بعد الموت اس کی عزت افزائی میں اضافہ فرماتا ہے مراجعہ کریں الآیات البینات علی سماع الأموات عند الحنفیۃ السادات بتحقیق الشیخ الالبانی رحمہ اللہ . واللہ تعالیٰ أعلم۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔



جس گناہ سے توبہ کرلی جائے دوبارہ کرلینے سے وہ نہیں لکھا جائیگا

٤٦- سوال : ایک شخص جس نے سچی توبہ کی پھر غلبہ شہوت کی وجہ نافرمانی کر بیٹھا العیاذ باللہ۔ پھر سچی توبہ کی تو جو گناہ اس سے پہلی بار صادر ہوا تھا لکھا جائیگا یا نہیں۔ اور یہ قول جو مشہور ہے کہ گناہ چار گھنٹے تک نہیں لکھا جاتا، کیا یہ قول صحیح ہے۔

جواب:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّابَعْدُ :

جو توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے اس گناہ کی مغفرت فرمادیتے ہیں گویا کہ وہ تھا ہی نہیں اللہ کے فضل ورحمت سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہیں۔ ابن ماجہ :(۴۱۸/۲) رقم : (۴۲۵۰) مشکوۃ:(۲۰۶/۱) اور اس کی سند حسن ہے جیسے کہ الضعیفہ تحت رقم:(۶۱۵۔۶۱۶) میں ہے۔

رجوع کریں المجمع:(۱۹۸/۱۰) اور حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایک گناہ کرتا ہے، فرمایا: لکھ لیا جاتا ہے کہا پھر وہ استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے فرمایا مغفرت کردی جاتی ہے اور اس کی توبہ قبول ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ (توبہ قبول کرنے سے) تھکتا نہیں یہاں تک تم (توبہ کرنے سے) تھک جاؤ، اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے جیسے کہ المجمع: (۲۰۰/۱۰) میں ہے۔

جو اخلاص سے توبہ کرتا ہے تو اس کا پہلا گناہ نہیں لکھا جاتا اور اگر دوسری بار گناہ کرتا ہے تو پہلا نہیں یہ دوسرا گناہ لکھا جاتا ہے پھر اگر توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اسی لیے حدیث ابوداؤد (۲۱۹/۱) میں وارد ہے "جو استغفار کرتا رہتا ہے اس نے اصرار نہیں کیا اگر چہ دن میں ستر بار ہی کیوں نہ کرے" اور اس کی سند ضعیف ہے۔

اور جو مشہور ہے جس کا مفہوم ہے دائیں جانب کا فرشتہ جو نیکیاں لکھنے پر مامور ہے اس فرشتے کو حکم دیتا ہے جو گناہ لکھنے پر مامور ہے کہ وہ گناہ لکھنے میں تاخیر کرے توبہ کی امید سے۔ توبہ میں نے ابھی تک نہیں دیکھی۔



جن انسانی بدن میں داخل ہوسکتے ہیں اور اس کا علاج

۴۷۔ **سوال** : کیا جن کسی انسان کے بدن میں داخل ہوسکتا ہے؟ اگر اس کا داخل ہونا جائز ہے تو کس کے بدن میں داخل ہوتا ہے یا ہر کسی کے بدن میں داخل ہوسکتا ہے؟، اگر داخل ہو جائے تو اس کا علاج کیا ہے۔ (اخوکم: فر دلی)۔

جواب : وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔

جن کا انسانی بدن میں داخل ہونا حق ہے اور کتاب وسنت اور عقل سے ثابت ہے جیسے ہم نے مسئلہ نمبر ۴۴: میں ذکر کیا ہے اور یہ اس شخص میں داخل ہوتے ہیں جس نے انہیں تکلیف پہنچائی ہو یا ان کی اولاد کو قتل کیا ہو اور کبھی کبھی ایسے شخص میں داخل ہوتے ہیں جس سے انہیں محبت ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ اور معوذتین کے ساتھ اور ادعیہ ماثورہ کے ساتھ اپنے آپ کو دم کرے یا اس شخص کے پاس جائے جو دم اور علاج سے جن نکالتا ہے بشرطیکہ اس میں شرک نہ ہو، واللہ اعلم۔

اور فتاوی اللجنة او دائمه: (۱/۱۸۳) میں ہے۔ سوال: ۔ ایک انسان بیمار ہوتا ہے اور خلاف عادت باتیں کرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اسے جن چمٹے ہوئے ہیں تو کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ وہ پھر حافظ قرآن کے پاس جاتے ہیں تو وہ قرآن پڑھتا ہے جس سے وہ مریض اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ اسی طرف زفاف میں دلہا پر کچھ پڑھ کر بیوی سے روک دیتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے وہ اس ملاقات میں بیوی سے جماع نہیں کر پاتا۔ کیا یہ صحیح ہے۔

اول : جن اللہ کی مخلوق میں سے ایک صنف ہے ان کا ذکر قرآن وسنت میں آیا ہے وہ مکلف ہیں ان میں جو مؤمن ہیں جنت میں جائیں گے اور جو کافر ہیں جہنم میں جائیں گے۔ اور جنوں کا انسانوں کے ساتھ مس امر واقعی ہے اور اس مس سے علاج کے لیے دعاؤں اور قرأت قرآنی پر مشتمل شرعی دوائیں استعمال کیجاتی ہیں۔

دوم : لیکن زفاف کی رات یا عقد کے وقت کچھ پڑھنا تاکہ دلہا زفاف کی رات اپنی بیوی سے روک دیا جائے تاکہ وہ جماع نہ کر سکے یہ سحر کی ایک قسم ہے اور سحر حرام ہے اس کا کرنا جائز نہیں۔ اور جادو کرنے سے قرآن وسنت میں نہی ثابت ہے۔ اور ساحر کی حد قتل ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

اور اس میں یہ سوال بھی ہے کہ کسی پر جن کا اثر ہوتا ہے کہا جاتا ہے اس پر جنوں کا سردار یا بڑا ہے اور کبھی وہ کافر یا عیسائی ہوتا ہے اور اس متاثر شخص کو مخالف شرع کام کا حکم دیتا ہے جیسے نماز نہ پڑھنا اور گرجا جانا یا ایسے کام کرنے کا کہنا ہے جو اس کی طاقت سے باہر ہوا گر نہ کرے تو وہ اسے عذاب دیتا ہے تو اس قسم کے جنوں سے اس کی جان چھڑانے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب:

جنوں کا انسان کے ساتھ چمٹنا امر واقعی اور جب جن متاثر شخص کو حرام کام کا حکم دے اس پر شرع احکام کی پابندی لازم ہے اور جب جن اسے تکلیف دے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے شر سے پناہ پکڑے۔ اور قرأت قرآن اور معوذات شرعیہ، ثابت اذکار پڑھ کر اپنے آپ کو محفوظ کرے اس میں سورۃ فاتحہ ہے اور سورۃ اخلاص اور معوذتین ہیں انہیں پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں پھونکے پھر ہاتھ چہرے اور بدن پر جہاں تک ہاتھ پہنچے پھیر لے۔

اس طرح تین بار کرے اس کے علاوہ دیگر قرآنی سور وآیات اور اذکار ثابتہ کے ساتھ دم کرتا رہے اور طلب شفا اور شیاطین جنی وانسی سے حفاظت کے لیے اللہ کی پناہ مانگے۔ مراجعہ کریں امام ابن تیمیہؒ کی کتاب " الکلم الطیب " اور امام ابن قیم کی کتاب "الوابل الصیب" اور امام نوویؒ کی کتاب "الاذکار" ان میں مختلف انواع کے دموں کا کثرت سے بیان ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ أجمعین۔ (فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ:۱/۱۸۴)۔

تین بے اصل باتیں

۴۸- سوال : لوگوں کی درج ذیل باتوں کا کیا حکم ہے؟

۱-: گھروں میں مکڑی کے جالے فقر کا سبب اور منحوس ہیں۔

۲-: رات کو آئینے میں نہ دیکھا جائے اس سے منہ سیاہ ہوتا ہے۔

۳-: بعض لوگ کہتے ہیں میرے پاس فلاں دم کی اجازت ہے اور مجھے فلاں نے اجازت دی ہے اور اس میں ایسے الفاظ ہیں جس کا معنی ہم نہیں سمجھتے۔ مذکورہ بالا کا کیا حکم ہے۔ (اخوکم: فردل)۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ أَمَّا بَعْدُ:

ان مسائل کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں یہ صرف تجربے ہیں اور کسی چیز کے ساتھ بدشگونی پکڑنا درست نہیں اس کا ذکر پہلے ہو چکا مکڑی کا جالا ہو یا کچھ اور۔ لیکن صفائی اچھی چیز ہے مسلمان کے کپڑے بھی صاف ہونے چاہئے اس کا گھر بھی صاف ہونا چاہئے اور گھروں کے آس پاس کی صفائی کا حکم بھی وارد ہے۔ دوسرے مسئلے کے بارے میں ہمیں کوئی دلیل معلوم نہیں بلکہ یہ خرافات سے ہیں ائینے میں ہر وقت دیکھ سکتے لیکن شیشے کا زیادہ استعمال عیاشی ہے۔

تیسرا مسئلہ: شرعی دم کی نبی ﷺ کی طرف سے ہر کسی کو اجازت ہے تو کسی دوسرے کی اجازت کی ہمیں ضرورت

نہیں۔لیکن میں نے برهان الاسلام الزرنوجي تلميذ صاحب ھدایہ کی کتاب "تعليم المتعلم طريق التعلم میں دیکھا کہ انہوں بہت ساری اشیاء ذکر کی ہیں اور کہا ہے یہ باعث فقر ہیں اور یہ سب آثار سے ثابت ہیں۔

(لیکن ہم نے یہ آثار میں نہیں دیکھیں)

اور وہ یہ ہیں ننگا سونا، ننگے پیشاب کرنا، حالت جنابت میں کھانا، پہلو پر تکیہ لگا کر کھانا، دسترخوان پر گرے ہوئے کھانے کے اجزاء کی اہانت کرنا، پیاز اور لہسن کا چھلکا جلانا، تولیے سے گھر کی صفائی کرنا، گھر میں رات کو جھاڑو دینا، کچرا گھر میں چھوڑنا، بڑوں کے آگے آگے چلنا، والدین نام سے پکارنا، ہر لکڑی سے خلال کرنا، کیچڑ اور مٹی سے ہاتھ دھونا، دہلیز پر بیٹھنا، دروازے کی چوکھٹ کے کسی بازو پر ٹیک لگانا، بیت الخلاء میں وضو کرنا، بدن پر کسی کپڑے کو سینا، منہ کو کپڑے سے خشک کرنا، مکڑی کا جالا گھر میں چھوڑنا، نماز میں سستی کرنا، فجر کی نماز کے بعد مسجد سے نکلنے میں جلدی کرنا، صبح سویرے اولاد کے لیے بد دعا کرنا، برتنوں کو نہ ڈھانپنا، دیئے کو پھونک سے بجھانا، بندھے ہوئے قلم سے لکھنا، ٹوٹی ہوئی کنگھی سے کنگھی کرنا، والدین کے لیے دعائے خیر ترک کرنا، بیٹھ کر پگڑی باندھنا، کھڑے ہو کر شلوار پہننا، بخل اور ضرورت سے کم خرچ کرنا، اسراف، سستی کاہلی اور کام چوری کرنا، میں کہتا ہوں ان میں بعض امور حرام ہیں جیسے نماز میں سستی اسراف و تقصیر، والدین کے لیے دعا نہ کرنا اور تکیہ لگا کر کھانا یہ خلاف سنت ہیں اور باقی تجربات پر مبنی ہیں سنت صحیحہ اس میں وارد نہیں اور مانکی والے عبدالوھاب نے هَدِيَّةُ الْأَبْرَارِ إِلَى طَرِيقَةِ الْأَخْيَارِ میں کتاب الغرائب سے لکھا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پچیس چیزیں فقر کا سبب بنتی ہیں اور یہ ص: (۲۷) پر ذکر کی ہیں لیکن اس کی کوئی سند نہیں تو یہ موضوعات ہیں حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ هٰذَا وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔



مصحف شریف کو چومنا

۴۹- سوال: مصحف شریف کو چومنے کے بارے میں کچھ وارد ہے یا نہیں؟ (اخوکم : فردل)

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ:

نبی ﷺ سے اور صحابہ سے اس کے بارے میں کوئی نقل نہیں قرآن پاک تو تدبر، تعظیم، تلاوت اور عمل کے لیے اتارا گیا ہے فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ: (۱۲۱/۴-۱۲۲) مجموعۃ الفتاویٰ: (۶۵/۲۳) میں میں نے دیکھا کہ عکرمہ رضی اللہ کہتے ہیں یہ میرے رب کا کلام اور اس کا منشور ہے۔

لیکن ان کے ذاتی فعل کو سنت اور مستحب کا درجہ نہیں دیا جا سکتا اس لیے اس کا ترک ہی افضل ہے، واللہ اعلم۔

مرقات (۱۴/۵) میں مختصرا یہ لکھا ہے کہ مصحف کی تقبیل جائز ہے۔

فتاویٰ کبریٰ (۴۹/۱) مسئلہ نمبر ۱: میں امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں مصحف شریف کے لیے کھڑے ہونے اور اسے بوسہ دینے کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ سلف سے کچھ منقول ہو لیکن عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ وہ مصحف شریف کھول کر اپنا ماتھا رکھ دیتے تھے اور بوسہ دیتے ہوئے کہتے یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے۔ الخ۔

وباللہ التوفیق۔

عظمت عرش وکرسی

۵۰- سوال: عرش وکرسی کے بارے میں بعض معلومات بیان فرمائیں۔ (اخوکم: فردل)۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ۔

عرش اللہ عزوجل کی مخلوقات میں سے ایک عظیم الشان مخلوق ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کئی بار کیا ہے، اور ہمارا رب تبارک وتعالیٰ اس کے اوپر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں اور عرش اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہے، زمین وآسمان کے پیدائش سے پہلے یہ پانی پر تھا، اس کے اب چار پائے ہیں جنھیں فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے اور قیامت کے دن یہ پائے آٹھ ہو جائیں گے جیسے قرآن ناطق ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے (۷/۴) میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اُمَیَّہ بن اَبِی الصَّلْت نے اپنے شعروں یہ شعر جو کہا ہے سچ ہے:

زُحَلُ وَثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِيْنِهِ	٥	وَالنَّسْرُ لِلْأُخْرَى وَلَيْثٌ مُرْصَدُ

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جو کہا ہے سچ ہے:

وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ	٥	حَمْرَآءَ يُصْبِحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ
تَأْبَى فَمَا تَطْلُعُ لَنَا فِيْ رِسْلِهَا	٥	إِلَّا مُعَذَّبَةً وَإِلَّا تُجْلَدُ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سچ ہے۔

اور سند اس کی عمدہ ہے نکالا اس کو امام احمد نے۔

اور یہ تقاضا کرتی ہے کہ عرش کو اٹھانے والے آج کل چار ہیں اور قیامت کے دن آٹھ ہونگے ۔ پھر اس کے معارض حدیث ذکر کی ہے لیکن اس تعارض کا جواب نہیں دیا۔

میں کہتا ہوں : اس کی معارض حدیث ضعیف ہے جسے ابن ماجہ نے (۱/رقم:۱۹۳) نے نکالا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک جماعت کے ساتھ بطحاء میں تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی تھے ۔ان پر سے بادل گزرا جسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا اس پر تم کیا نام لیتے ہو، انہوں نے کہا "سحاب" آپ نے فرمایا "مُزْن" انہوں نے کہا :ہاں مزن بھی کہتے ہیں پھر فرمایا اور" عَنَان "تو ابو بکر نے فرمایا انہوں نے کہا ہاں "عَنَان" بھی کہتے ہیں پھر فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے اور آسمان کے درمیان کتنی مسافت ہوگی ، وہ کہنے لگے ، ہمیں معلوم نہیں تو فرمایا تمہارے اور اس کے درمیان اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کی مسافت ہے اس کے اوپر دوسرا آسمان بھی اسی مسافت پر ہے اسی طرح سات آسمان گنے ، پھر ساتوے آسمان پر سمندر ہے جس کی نچلی اور اوپر والی سطح کے درمیان اتنی ہی مسافت ہے جتنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے ۔اس کے اوپر آٹھ ہرن ہیں کہ جن کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان اتنی ہی مسافت ہے جتنی دو آسمانوں کے درمیان ہے ، ان کی پیٹھوں پر عرش ہے جس کے اوپر اور نیچے کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ۔ پھر اس کے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں۔

ابوداؤد: (۲/۴۷۲۴)۔

اور اسی طرح ظلال الجنة في تخريج احاديث السنة رقم: (۵۵۷) میں ہے۔

اور یہ مذکور حدیث جو احمد نے (۱/۲۵۶) میں اور ظلال الجنة رقم: (۵۷۹) میں وارد ہے اسے ابن اسحاق کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے لیکن اس کے بعض متابع بھی ذکر کیے ہیں ۔ مراجعہ کریں ، ان فرشتوں کا نام الأکروبیین ہے اور نبی ﷺ نے ان کی عظمت ذکر فرمائی ہے جیسے اس حدیث میں ہے جسے امام طبرانی اوسط: (۱/۱۵۶) میں اور هيثمي نے المجمع: (۱۸۰/۴-۱۸۱) اور (۸/۱۳۴) میں ابویعلی نے: (۱/۳۰۹) میں ، حاکم نے: (۴/۲۹۷) میں اور منذری نے الترغیب: (۲/۴۷)

میں کئی سندوں سے بروایت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرغ کے بارے میں بیان کرنے کی اجازت دے دی ہے جس کے پیر زمین سے نکل گئے ہیں اور جس کی گردن عرش کے نیچے مڑی ہوئی ہے اور وہ کہتا ہے "پاک ہے تو، ہمارے رب! تیری کتنی بڑی شان ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جواب دیتے ہیں جو میرے نام پر جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ نہیں جانتا" ابو یعلی کی روایت میں ہے "عرش اس کے کندھے پر ہے وہ کہتا ہے" "تو پاک ہے تو کہاں تک تھا اور کہاں تک ہوگا"۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے، اللہ نے مجھے عرش والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے بارے میں بیان کرنے کی اجازت دے دی ہے اس کے کان کی نرمی اور کندھے کے درمیان سات سو سال کی مسافت ہے۔

ابوداؤد نے (۸۹۵/۳) رقم: (۴۷۲۷) میں، طبرانی نے اوسط میں نکالا ہے اسی طرح امام ذھبیؒ کی المنتقی: (۲/۶) اور هیثمی: (۸۰/۱) میں ہے۔

اور ایک روایت میں ہے "اللہ تعالیٰ کے اکروبین فرشتے ہیں ان کے کان کی نرمی اور ہنسلی کی ہڈی کے درمیان نیچے اترتے ہوئے تیز رفتار پرندے کے لیے سات سو سال کی مسافت ہے" مراجعہ کریں: مشکوٰۃ (۵۰۹/۱) رقم: (۵۷۳۹) الحلیۃ (۱۵۸/۳)

اور ان دونوں حدیثوں کی تحقیق کے لیے مراجعہ کریں: السلسلہ الصحیحہ: (۲۲۱/۱-۲۲۲) رقم: (۱۵۰-۱۵۱)

اور عرش شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں قول کے مطابق قبے کی طرح سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

"**کرسی**" کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ یہ عرش کے علاوہ ہے اور عرش اس سے بڑا ہے۔ جس طرح آثار واخبار سے ثابت ہوتا ہے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی ﷺ سے کرسی کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ساتویں آسمان اور زمیں کرسی کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے انگشتری کھلے میدان میں اور عرش کی بڑائی کرسی کے مقابلے میں اتنی ہے جتنی کھلے میدان کی ہے اس انگشتری کے مقابلے میں، روایت کیا اس کو ابن مردویہؒ نے جیسے ابن کثیر: (۳۰۹/۱) میں ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "کرسی قدموں کی جگہ ہے اور عرش کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا"

ابن کثیر: (۳۰۹/۱) حاکم مرفوعا وموقوفا (۲۸۲/۲) اور یہ شیخین کی شرطوں کے مطابق ہے، امام ذھبیؒ نے بھی اس کی موافقت کی ہے اور اس کے لفظ ہیں "کرسی قدموں کی جگہ ہے اور عرش کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا"۔

مراجعہ کریں کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ" (انعام: ۹۱)

"اور ان لوگوں نے اللہ کی جیسی قدر کرنا واجب تھی ویسی قدر نہ کی"

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے مجموعہ الفتاویٰ (۱۰۶/۵) میں کہا ہے:

"مسلمانوں کو علم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کرسی میں زمین وآسمان سما جائیں۔

اوراب کرسی عرش کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کوئی انگشتری کھلے میدان میں پھینکی ہوئی ہو، اورعرش اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اس کی اللہ کی قدرت وعظمت سے کیا نسبت۔

ooooooo

والد کی بے محل بددعائیں قبول نہیں ہوتیں

۵۱- سوال: والد اپنے بیٹے کے لیے اس لیے بددعا کرتا ہے کہ بیٹے نے صحیح دین اختیار کیا ہے اوراس کا التزام کرتا ہے تو کیا والد کی بددعا اس کے حق میں قبول ہوگی؟۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ۔

اگر معاملہ ایسا ہے جیسے آپ نے ذکر کیا تو اس کی بددعا قبول نہ ہوگی بلکہ اس کی معصیت لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ (لقمٰن:١٥)

''(اوراگر وہ دونوں تجھ پراس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا)''

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا:''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی طاعت نہیں اوراسی طرح فرمایا ہے،''نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت تو معروف میں ہے'' نکالا ہے اس کو بخاری وغیرہ نے۔

لیکن والدین کے ساتھ احسان کرتا رہے اورانہیں انتقام کا نشانہ نہ بنائے اسی لیے حدیث میں آیا ہے،''جو والدین کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوگا تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہیں اوراگر ایک ہے (اللہ اور والدین میں سے ایک کی) تو پھر ایک دروازہ کھلا ہے، اور جو والدین کے حوالے سے اللہ کا نافرمان ہوا ہے تو اس کے لیے آگ کے دو دروازے کھلے ہیں اوراگر ایک ہے تو پھر ایک، ایک آدمی نے کہا اگر وہ ظلم کریں تو فرمایا اگر وہ ظلم کریں، اگر وہ ظلم کریں، اگر وہ ظلم کریں، اگر وہ ظلم کریں''۔

روایت کیا اسے بیہقی نے شعب الایمان میں اوراسی طرح مشکوٰۃ:(۴۲۱/۲) میں ہے اوراس کی سند ضعیف ہے اس میں ابان بن ابی عیاش بہت ضعیف ہے اور ابن وھب نے الجامع (۱۴/۱) میں اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر علم رکھنے والا اوراپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

قصہ ہاروت وماروت درست نہیں

۵۲- سوال: ہاروت ماروت کے قصے کے بارے میں بتائیں کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ إلاّ باللہ۔

مفسرین نے اس قصے کو ذکر کیا ہے اور اہل تحقیق نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ یہ صحیح متصل سند کے ساتھ ثابت نہیں اور یہ بنی اسرائیل کا جھوٹ ہے کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہو۔

اور اس قصے میں زہرۃ کا آسمان کی طرف چڑھنے کا ذکر ہے اور یہ شرک زنا اور قتل کی علامت ہے تو اللہ تعالیٰ نے کیسے ستارا بنا دیا جس سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

اس بحث کی تحقیق کے لیے رجوع کریں ابن کثیر:(۱/۱۴۱)۔السلسلة الضعيفة :۱/۲۰۴)تفسیر خازن:(۱/۵۷)اور ضعیفہ میں مزید تحقیق برقم:(۱۷۰) ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

حلاوت ایمان چکھنے کے اسباب

۵۳- سوال : ایمان کی حلاوۃ کیسے انسان چکھ سکتا ہے؟ ہمیں بیان فرمائیں۔اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ إلاّ باللہ .

اللہ عظیم سے ہم اپنے فضل واحسان سے ایمان کا مزا چکھانے کی دعا کرتے ہیں ہمیں بھی اور آپ کو بھی۔

ایمان کی حلاوت کے اسباب احادیث میں بہت ہیں، ابھی جو مجھے حاضر ہیں ذکر کیے دیتا ہوں:

عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کا مزا چکھ لیا اس شخص نے جو اللہ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔ مسلم:(۱/۴۷) مشکوٰۃ:۱۰/۱۲)

اور اسی طرح صحیحین میں ثابت ہے اور مشکوٰۃ:(۱/۱۲) میں بھی "تین چیزیں ہیں جس سے حلاوت ایمانی پائی جاسکتی ہے :

ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول باقی سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

دوم یہ کہ اگر کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لیے ہی محبت کرتا ہے، تیسرا یہ کہ اسے کفر کی طرف لوٹنا ایسے برا لگتا ہے جیسے آگ میں ڈالا جانا"۔ بخاری (۱/۷)، مسلم:(۱/۴۹)۔

اور حدیث میں ثابت ہے : ''تین چیزیں ہیں جو انہیں عمل میں لائے گا تو ایمان کا مزا چکھ لے گا۔جو اکیلے اللہ کی عبادۃ کرے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔اور اپنے مال کی زکوۃ اپنے نفس کی خوشی سے ہر سال پابندی سے دے،اور زکوۃ میں بوڑھی رذی بے کار نہیں بلکہ درمیانے مال سے دے یقینا اللہ تعالیٰ تم سے اچھا مال نہیں مانگتا اور نہ ہی برا دینے کا کہتا ہے،اور اپنا تزکیہ نفس کرے''۔ ذکر کیا ہے اس کو کنز العمال (۱/۲۵) رقم:(۱۰) میں،ابوداؤد (۱/۲۳۰) باب الزکاۃ میں۔

اسی حدیث کو ابن کثیر نے (۴/۳۰۲) سورۃ حدید کے اول میں ذکر کیا ہے،''ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ! آدمی کا اپنے نفس کا تزکیہ کرنے سے کیا مراد ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:''وہ یہ سمجھے کہ وہ جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے''۔

اور حدیث میں ہے:''جو نظر نیچے رکھتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ ایسا ایمان پیدا کرتا ہے جس سے وہ اپنے دل میں حلاوت محسوس کرتا ہے''۔

شیخ الاسلام نے کتاب الخلال سے متعدد سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے،رجوع کریں مشکوۃ:(۲/۲۷۰) اور اس میں ہے:احمد سے وہ ابوامامہ سے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کہ جس مسلمان کی کسی عورت کی خوبصورتیوں پر پہلی نظر پڑے پھر اپنی نظر نیچی کرے تو اسے اللہ تعالیٰ ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی وہ حلاوت محسوس کریگا''۔

ابن عساکر نے روایت کیا جیسے کنز العمال (۱/۲۶) رقم (۸۶) میں ہے:''چار چیزیں ایسی ہیں جن پر کوئی شخص جب تک ایمان نہ لائے ایمان محسوس نہ کریگا۔

۱-:یہ کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں حق دے کر مجھے بھیجا ہے۔

۲- :۔یہ کہ وہ مرے گا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوگا۔۳:۔یہ کہ ساری تقدیر پر ایمان لے آئے''۔

اسی طرح ترمذی ابن ماجہ میں ہے جیسے کہ مشکوۃ (۱/۲۲) میں ہے۔ هٰذَا وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه أجمعين۔



اہل میت پڑوسیوں کے کھانے کا انتظار نہ کریں

٥٤- سوال: میت والوں کا اپنے لیے کھانا پکانا جائز ہے؟ یا وہ پڑوسیوں کے کھانے کا انتظار کریں۔

(اخوکم: امیر سلام)۔

جواب: ولا حول ولا قوة إلاّ بالله۔

پڑوسیوں کے کھانے کا انتظار کرنا طمع ہے جو مخلوق سے جائز نہیں، لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اس سے بالکل امید قطع کر لینی چاہیے، رسول اللہ ﷺ نے پڑوسیوں کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ اہل میت کے لیے کھانا تیار کریں۔ "آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، انہیں ماتم نے مشغول کر دیا ہے"۔ ابوداؤد (۲/۴۷) ترمذی (۱/ ۱۹۵) رقم (۱۰۰۹) ابن ماجہ (۱/۱۶۱۲) الحاکم (۱/۳۷۲) احمد (۱/۱۷۵) بیہقی (۴/۶۱) احکام الجنائز ص: (۱۶۷)

اور صحیح بخاری (۲/ ۸۱۵) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب کبھی ان کے گھرانے کا کوئی فوت ہو جاتا اور ماتم کے لیے عورتیں اکٹھی ہو جاتیں جب وہ چلی جاتیں اور صرف گھر کی عورتیں رہ جاتیں تو ہنڈیا چڑھا کے تَلْبِيْنَه پکواتیں پھر ثرید بنا کے اس پر تلبینہ انڈیل دیتیں اور فرماتیں یہ کھاؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تَلْبِيْنَه بیمار کے دل کو تقویت پہنچاتا ہے اور کچھ غم ہلکا کرتا ہے۔

تلبینه: یہ ایک قسم کا کھانا ہے جو آٹے سے بنایا جاتا ہے اور کبھی کبھی اس میں شہد ڈال دیا جاتا ہے اور اسے تلبینه اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ رقت اور سفیدی میں دودھ کے مشابہہ ہوتا ہے۔

البتہ لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا حرام ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان شاء الله. والله اعلم۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

00000000

بوسیدہ مصاحف کا کیا کیا جائے ؟

٥٥- سوال: مصحف جو جل جائے یا بوسیدہ ہو جائے کیا اسے دفن کیا جائے یا کیا کیا جائے؟۔

(اخوکم: احمد سالم جمعہ القاری من عمان)

جواب: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسول الله ﷺ أما بعد:

اس مسئلے کی درج ذیل چار صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔

دوسری صورت: پانی میں چھوڑ دیا جائے۔

تیسری صورت:۔زمین میں کہیں دفن کر دیا جائے۔

چوتھی صورت:۔جلا دیا جائے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے چوتھی صورت ثابت ہے، پہلی تین صورتیں نہیں۔ایک تو اس وجہ سے کہ ثابت نہیں دوسری اس وجہ سے کہ اس میں هتك (بے حرمتی) ہے جیسے اس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔

چوتھی صورت کا ثبوت یہ ہے کہ صحیح بخاری (۷۴۶/۲) میں عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،"جب انہوں نے مصحف سے متعدد مصاحف لکھ لیے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ مصحف واپس حفصہ رضی اللہ عنھا کو بھیج دیا اور لکھے گئے مصاحف مختلف علاقوں میں بھیج دیئے۔اور اس کے علاوہ قرآن جس صحیفے یا مصحف میں لکھا تھا اس کے جلانے کا حکم دے دیا۔

حافظ فتح الباری (۱۷/۹) میں کہتے ہیں:"مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف جلائے لوگوں بکثرت موجود تھے انہوں نے یہ اچھا سمجھا یا کہا کہ ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔

ابن بطالؒ نے کہا:"اس حدیث سے ان کتابوں کے جلانے کا جواز ثابت ہوتا ہے،اسی میں اس کا اکرام اور پیروں تلے روندے جانے سے حفاظت ہے"،اور عبدالرزاق نے طاؤس کی سند سے نکالا ہے کہ وہ ان خطوط کو جس میں بسم اللہ ہوتی تھی جب جمع ہوتے جلا دیتے تھے۔اسی طرح عروہ کا فعل بھی تھا۔اور یہی حکم اس زمانے میں ہوتا تھا۔

اس مسئلے کی تفصیل کے لیے رجوع کریں البدایہ والنہایہ (٢٢٧/٤) الطبری،فتاویٰ برکاتیہ ص (۳۱۳)

فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ (۹۸/۴) میں یہ سوال ان الفاظ میں وارد ہے۔

سوال:میرے پاس مصحف شریف ہے اس کے اوراق پھٹے ہوئے ہیں میں اس کے ساتھ کیا کروں،زمین میں دفن کروں یا نہیں۔

الجواب: الحمد لله والصلاة والسلام علی رسوله محمد و آله وصحبه أجمعین أما بعد:

آپ کیلئے جائز ہے کہ مساجد میں سے کسی مسجد کی زمین میں دفن کر دیں اور یہ بھی جائز ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے ہوئے جلا دیں۔پھٹے پرانے مصاحف اور کتب اور وہ اوراق جس میں قرآنی آیتیں ہوں کسی اچھی جگہ جو لوگوں کے آنے جانے گندگی پھینکنے سے دور ہو دفن کر دیا جائے۔یا جلا دیا جائے تا کہ ان کی صیانت (حفاظت) ہو اور بے حرمتی سے محفوظ ہوں عثمان رضی اللہ عنہ کے فعل کی وجہ سے۔

اور مجموعة الفتاویٰ (۵۹۹/۱۲) میں ہے،"ان سے پوچھا گیا کہ پرانا مصحف جب پھٹ جائے تو اس کے ساتھ کیا کیا

جائے اور جو قرآن میں سے کچھ لکھتا ہے پھر اسے پانی سے دھوتا ہے یا جلاتا ہے تو کیا یہ حرام ہے، یا نہیں؟۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ پرانے مصحف کا کسی محفوظ جگہ میں دفن کرنا جائز ہے جس طرح مومن کے بدن کا اکرام یہ ہے کہ کسی محفوظ جگہ میں دفن کیا جائے اور اس کا پانی کے ساتھ مٹانا بھی جائز ہے پھر وہ پانی راستے میں بہا دینا جائز ہے، اور اسی فعل ابن عباس رضی اللہ عنھما کی وجہ سے اس کا پینا بھی جائز ہے، اور امام احمد کا مذھب بھی یہی ہے اور وہ پانی جس سے نبی ﷺ نے وضوء کیا برکت کے لیے پیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ مٹی پر بھی بہا دیا گیا، اور اسی طرح زمزم کے پانی کے ساتھ وضوء کرنا جائز ہے اتفاقاً جبکہ غسل کرنے میں دو قول ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جلی ہوئی راکھ راستے میں بکھیرنا جائز ہے اور افضل یہ ہے کہ کہیں پاک جگہ پر ڈال دینا چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ أجمعین۔

آدم علیہ السلام کی پیدائش

۵٦- سوال : آدم علیہ السلام کونسی مٹی سے پیدا کئے گئے؟ کہا جاتا ہے کعبہ کی مٹی سے۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ إلاّ باللہ۔

یہ غلط ہے کیونکہ حدیث میں ثابت ہے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے فرما رہے تھے: "اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا جو مٹھی ساری زمین سے تھی تو اولاد مختلف زمین کے مطابق بعض سرخ ہیں بعض سفید ہیں بعض کالے اور بعض ان کے مابین ہیں بعض نرم بعض سخت اور بعض اچھے اور بعض برے ہیں"۔

احمد (۴/۴۰٦) ترمذی (۲/۱۴۴) ابوداؤد (۲/۲۹٦) مشکوٰۃ (۱/۲۲) سند اس کی صحیح ہے۔

اس حدیث سے بعض کے قول کی تردید ہوتی ہے، کیا ہی اچھا ہے علم حدیث کہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ أجمعین۔



روحیں دنیا کو واپس نہیں لوٹتیں

۵۷- سوال : کیا روحیں جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن دنیا کو لوٹتی ہیں؟۔ (اخوکم:شوکت)۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ إلاّ باللہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾(المومنون:۹۹۔۱۰۱)

(تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس لوٹا دے کہ میں اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کرلوں، ہرگز ایسا نہیں ہوگا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے اور ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ جی اٹھنے تک)۔

تو کس طرح دنیا کو واپس لوٹے گی۔اور جو کچھ ذکر کیا ہے یہ جاہلوں اور جمعہ کی رات آ کر کھانے والوں کے اباطیل (باطل افعال) ہیں۔

اور حدیث میں ثابت ہے جسے امام نسائی نے (۲۹۲/۱) میں نکالا ہے کعب بن عجرۃ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مومن کی روح جنت کے درخت میں پرندہ کی صورت میں ہوتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنے جسم کی طرف بھیج دے گا۔

اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے جسے امام مسلم نے نکالا ہے اور اس میں ہے: "ہماری روحیں ہمارے جسموں کی طرف لوٹا دے تو اللہ تعالیٰ ان کی یہ بات قبول نہیں فرمائیں گے۔اس میں دلیل ہے کہ روحیں نہ جسموں کو لوٹتی ہیں اور نہ ہی دنیا کو اور کافر کی روحیں تو سجین میں ہوتی ہے تو کیسے دنیا کو لوٹیں گی۔اور روح کا دفن والے دن قبر کو لوٹنے کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت آئی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔



نبی ﷺ حاضر وناظر نہیں

۵۸- سوال :بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر وقت اور ہر مجلس میں ذاتی طور بھی اور علم کے لحاظ سے حاضر ہوتے ہیں۔لیکن ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے کیونکہ وہ نور ہیں جو دیکھا نہیں جاسکتا اور بشر نہیں ہیں اور وہ استدلال کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" سلام ہو تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔

کیا یہ درست ہے ؟ (تمہارا بھائی:شوکت)۔

جواب : ولا حول ولا قوة إلاّ بالله۔

جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یا کسی اور کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ غیب جانتے ہیں وہ کافر باللہ ہے اور شریعت اسلامی، ایمان اور ظاہر فرض عقیدے کا مخالف ہے اور جو کہ عقیدہ رکھے کہ انبیاء بشر نہیں تھے تو وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے بڑا کافر ہے اس کا قرآن اور سنت پر کوئی ایمان نہیں ہے اسے شیطان نے گمراہ کر دیا ہے اور وہ خواہش کا تابعدار ہے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتے ہیں کہ ہم ان میں سے ہوں۔اور اس مسئلے پر آیات اور سنن ثابتہ سے استدلال کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ معروف ایمانی مسئلہ ہے اور ایمان اس پر موقوف ہے تو مومن اور مسلمان کا اس سے ناواقف رہنا کیونکر جائز ہے۔

اور مبتدعین جو:اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ ...... الخ سے استدلال کرتے ہیں تو اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جاسکتا ہے۔

پہلی وجہ: یہ خطاب حکائی ہے جیسے قرآن میں ہے"یافرعون""یاھامان" "یاموسیٰ" وغیرہ۔

دوسری وجہ: صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ صیغہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد" اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" سے بدل دیا تھا، بخاری (۹۰۲۶/۲)مسلم،احمد(۴۱۴/۱) بیهقی السنن الکبری(۱۳۸/۲)عبدالرزاق (۲۰۴/۲)اس کی تحقیق کے لیے دیکھیں:الارواء(۲۷/۲)

اور یہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے کی وجہ سے کیا تھا۔

میں نے اس قول کی تحقیق اپنے رسالے"الرد الوافر "میں کی ہے۔

تیسری وجہ: خطاب سے کسی کا حاضر ہونا لازم نہیں ہوتا جیسے یہ بات لغت عربی وغیرہ میں معلوم ہے۔مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی"البراهين القاطعة" وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

نبی ﷺ کا امتی بننے کی آرزو

۵۹- سوال :- کیا یہ ثابت ہے کہ انبیاء نے محمد ﷺ کا امتی ہونے کی دعا کی تھی؟ اس امت کی فضیلت کی وجہ سے۔
(تمھارا بھائی: شوکت)۔

جواب : ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب الوفاء (۱/ ۳۹-۴۰) میں دیکھا۔

کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے ایک یہودی عالم کو روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: آپ کیوں رو رہے ہے، کہنے لگا "مجھے کوئی بات یاد آ گئی اس لیے رو رہا ہوں" تو کعب رضی اللہ نے کہا اللہ کی قسم اگر میں بتادوں کہ تمھیں کس چیز نے رلایا ہے تو تصدیق کرو گے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا: تجھے اللہ کی قسم کیا تو اللہ کی نازل شدہ (تورات) میں یہ پاتا ہے کہ "موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دیکھا تو فرمانے لگے مجھے اس میں ایک ایسی امت کا تذکرہ ملا ہے جو لوگوں کے لیے نکالی گئی بہترین امت ہے وہ امر بالمعروف اور نھی عن المُنکر کرتے ہیں، پہلی اور پچھلی سب کتابوں کو مانتے ہیں وہ گمراہوں سے قتال کرتے ہیں یہاں تک کہ دجال کانے سے بھی قتال کریں گے یا اللہ میری امت بنادے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو احمد ﷺ کی امت ہے، یہودی عالم نے کہا: ہاں پھر فرمایا: میں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تو اللہ کی نازل شدہ کتاب میں یہ پاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں نظر دوڑائی اور فرمانے لگے: اے رب میں ایسی امت کا تذکرہ پاتا ہوں جو بہت زیادہ حمد کرنے والے، سورج کی رعایت کرنے والے، جب کسی کام کا ارادہ کریں تو ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے والے اور کہتے ہیں ان شاء اللہ کر کے چھوڑیں گے، یا اللہ اسے میری امت بنادے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تو احمد ﷺ کی امت ہے، یہودی عالم نے کہا ہاں (ٹھیک ہے) پھر فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تو اللہ کی نازل شدہ کتاب میں یہ پاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے نظر ڈالی اور فرمانے لگے: اے میرے رب میں تورات میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پاتا ہوں کہ وہ جب اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ اکبر کہتے ہیں اور جب وادی میں نیچے اترتے ہیں تو اللہ کی تعریف کرتے ہیں، مٹی ان کے لئے طہور ہے اور زمین ان کے لیے مسجد ہے وہ جہاں کہیں ہوں، جنابت سے طہارت کرنے والے ہیں مٹی ان کے لیے پانی کی طرح ہی طہور ہے، جب انھیں پانی نہ ملے، وضوء کی وجہ سے وہ (قیامت میں) غُرٌّ مُحَجَّل ہونگے یا اللہ اسے میری امت بنادے، فرمایا: اے موسیٰ! وہ تو احمد ﷺ کی امت ہے، یہودی عالم نے کہا ہاں (درست ہے) فرمایا: میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تو اللہ کی نازل شدہ کتاب میں یہ پاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دیکھا اور فرمانے لگے اے میرے رب مجھے تورات میں امت مرحومہ کا تذکرہ ملتا ہے جو ضعفاء ہیں اور وہ اس کتاب کے وارث بنیں گے جو تو نے ان کے لیے چن لی ہے، ان

میں سے کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہونگے کچھ میانہ رو ہونگے اور کچھ بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والے ہونگے میں ان سب کو مرحوم (رحم کیے ہوئے) پاتا ہوں یا اللہ اسے میری امت بنا دے۔

فرمایا: وہ تو احمد ﷺ کی امت ہے، یہودی عالم نے کہا ہاں (درست ہے)۔

پھر فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تو اللہ کی نازل شدہ کتاب میں یہ پاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تورات میں دیکھا اور فرمایا اے میرے رب مجھے تورات میں ایک ایسی امت کا تذکرہ ملتا ہے کہ مصاحف ان کے سینوں میں ہونگے اور وہ نمازوں میں ملائکہ کی طرف صف ہونگے، مسجد میں ان کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ہونگی، کوئی بھی ان میں آگ میں داخل نہ ہوگا سوائے اس کے جو نیکیوں سے اس طرح بیزار ہو جس طرح پتھر درخت سے بیزار ہے یا اللہ اسے میری امت بنا دے۔

فرمایا یہ تو احمد ﷺ کی امت ہے تو یہودی عالم نے کہا: ہاں (درست ہے)

جب موسیٰ علیہ السلام محمد ﷺ اور ان کی امت کو دی جانے والی خبر پر متعجب ہوئے تو کہنے لگے: کاش میں اصحاب محمد ﷺ میں سے ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں راضی کرنے کے لیے تین آیتیں وحی کی۔

﴿ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي ﴾

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! میں نے پیغمبری اور اپنی ہمکلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے، (اعراف:۱۴۴)

اس قسم کی روایت ابن جوزی رحمہ اللہ دوفاء (۱/۳۸) میں فرفوعا لائے ہیں اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔

انبیاء کی تعظیم کا لحاظ رکھتے ہوئے اس قسم کے واقعات بیان کرنا جائز ہے۔

اسی طرح معالم التنزیل (۲/۲۰۵) ابن کثیر (سورۃ اعراف:۲/۱۵۷) میں بھی ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

00000000000

غزوات نبی کی فلم بنانا جائز نہیں

۶۰- سوال : کیا نبی ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے غزوات کی فلم بنانی جائز ہے؟ جس طرح بعض اسلامی ملکوں میں بنائی گئی ہیں۔

جواب : باللہ عزوجل التوفیق ۔ یہ وہ منکر ہے کہ جس کا انکار ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس فلم کا دیکھنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ تصاویر اگرچہ نبی ہی کی کیوں نہ ہوں اس کا استعمال حرام ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اہانت ہے اور اس

امت اشین اور صالح سلف کی اہانت ہے کیونکہ یہ ذہنی عکاسی ہوتی ہے حقیقی نہیں اور صور صحابہ کی حقیقی عکس بندی نہیں ہوتی۔
قبیح صورتیں پیش کر کے اسے ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ کی تصویریں قرار دیتے ہیں اور یہ ایسا منکر ہے کہ مسلمان کے لیے اس کا کرنا جائز نہیں۔ یہ ان دجالوں کی کارستانی ہے جو مسلمانوں کے ذہنوں کو اور دین فاسد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور محمد ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی توہین راسخ کرنا چاہتے ہیں۔
بلکہ میں کہتا ہوں کہ تمام فلمیں، سینما، سکوپ، ٹیلی ویژن اور ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کا استعمال کبائر میں سے ہیں جب کہ اس پر گانے یا فحاشی دیکھی سنی جائے۔ یہ ان مہلک بیماریوں میں سے ہیں کہ جن سے صحت یابی نہیں ہو سکتی، اور ان خبیث چیزوں برے اثرات ہیں اور جن گناہوں کی بھرمار ہے جسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی قباحت ونفرت بٹھا دی ہے مسلمانو تم کیوں اللہ تعالیٰ کا قول مدنظر نہیں رکھتے۔﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ ﴾ (نور:۳۰)

"(مسلمانوں مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)"

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ (نور: ۳۱)

(مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)"

اور اللہ تعالیٰ کا قول:﴿ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ ﴾

"(اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں)" (احزاب:۳۵)

تو جو اپنا، اپنی اولاد اور پڑوسیوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہو تو ویڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹیپ رکھے۔ اللہ تعالیٰ ان ملعون آوازوں، مکروہ شکلوں اور مذموم افعال وحرکات پر لعنت فرمائے۔ حدیث میں ہے، دو آوازیں ملعون ہے ایک گانے کی آواز اور دوسری ساز کی آواز" اور اس کی سند صحیح ہے نکالا اسے منذری نے ترغیب: (۳۵۰/۴) میں اور بزار نے رقم (۷۹۵) میں۔
راوی اس کے ثقہ ہیں۔ ان منکر کے رد کے لیے رجوع کریں، فتاویٰ ابن باز (۴۱۷/۱)۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔



جن سے اللہ تعالیٰ قیامت میں نہیں بولیں گے

٦١- سوال: ان لوگوں کے بارے میں بتائیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کریں گے، وہ کون لوگ ہیں کن اوصاف کے حامل ہیں تا کہ ہم ان کی صفتوں سے بچیں اور اللہ تعالیٰ کی کلام سے محروم نہ رہیں۔

(تمھارا بھائی: ڈاکٹر سعدات)۔

جواب: ولا حول ولا قوة الاّ باللہ۔

یہ لوگ تو بہت ہیں ہم تمھارے لیے ذکر کیے دیتے ہیں جو ہمارے نبی محمد ﷺ نے بیان فرمائے ہیں جو اپنی خواہش نہیں بولتے۔

اول: ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ انھیں نظر رحمت سے دیکھیں گے نہ ہی پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ راوی کہتے ہیں یہ بات تین بار فرمائی، ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: محروم و خاسر ہوئے یہ کون لوگ ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ، فرمایا: کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا"۔

یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح (۱/۷۱) میں اور احمد نے (۵/۱۴۸۔۱۵۸۔۱۶۲۔۱۷۷۔۱۶۸) میں روایت کیا ہے۔

دوم: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کریں اور نہ ہی انھیں پاک کریں گے، ابی معاویہ نے کہا، اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ متکبر فقیر، نکالا اس کو امام مسلم نے (۱/۷۱) میں اور احمد نے (۲/۴۸۰) میں۔

سوم: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: تین ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں فرمائیں گے قیامت کے دن نہ انھیں نظر رحمت سے دیکھیں گے نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص جس کے پاس بیابان میں ضرورت سے زائد پانی ہے اور وہ مسافروں کو اس سے روکتا ہے۔

دوسرا وہ شخص جو عصر کے بعد اپنا سودا فروخت کرتا ہے اور اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس نے اتنے اتنے میں خریدا ہے اور صحیح بات اس کے علاوہ ہو، تیسرا وہ شخص جو کسی امام سے دنیا کے لیے بیعت کرتا ہے اگر وہ اسے دیتا ہے تو بیعت پوری کرتا ہے اگر نہیں دیتا تو نہیں پوری کرتا، مسلم (۱/۷۱) احمد (۲/۳۵۳) و (۴۸۰)

مراجعہ کریں منذری کی ترغیب ترھیب: (۲/۵۸۷۔۵۸۹)۔

چہارم: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تین ہیں

جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا ایک وہ آدمی جو میرے نام پر دے پھر دھوکہ دے دوسرا وہ آدمی جو آزاد شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھاجائے تیسرا وہ شخص جو کسی مزدور کو اجرت پر رکھتا ہے اور اس سے کام پورا لیکر اجرت پوری نہیں دیتا"۔

بخاری (۳۰۲/۱)، احمد (۳۵۸/۲)

اور قرآن کریم میں ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا، أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (بقرة:۱۷۴)

(بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات نہ کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے)۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ (آل عمران :۷۷)

(بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ نہ تو ان سے کوئی بات چیت کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے)۔

یہ وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بات نہیں کریں گے۔

مراجعہ کریں نسائی (۵۴۱/۲) اس میں: "والدین کا نافرمان، مردانہ چال ڈھال اختیار کرنے والی عورت، اور دیوث کا بھی ذکر ہے"۔

ابن کثیر: (۳۷۵/۱۔۳۷۶) میں آل عمران کی آیت نمبر ۷۷: کے تحت اور احادیث بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے ہم سوال کرتے ہیں وہ ہمیں نیک اعمال کرنے کی اور اللہ کی رضا طلب کرنے کی توفیق دے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔



ایک غلط نظریہ

۶۲- سوال : کہا جاتا ہے انگلیاں چٹکانے سے شیطان پیدا ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ (تمہارا بھائی: اسمٰعیل)۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

سلسلہ شریعت اسلامی میں معلوم ہے۔انگلیاں چٹکانے کی دو حالتیں ہیں، ایک نماز میں دوسری نماز سے باہر۔

نماز میں انگلیاں چٹکانا جائز نہیں اس کی ممانعت میں احادیث وارد ہیں لیکن سب ضعیف ہیں۔

پہلی حدیث: ابن ماجہ نے برقم (۹۶۵) نکالا ہے، علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بحالت نماز اپنی انگلیاں مت چٹکا، نکالا اسے الشیخ نے ارواء میں برقم: (۳۷۸) ضعیف الجامع میں برقم (۶۲۵۱) زیلعی نے نصب الرایہ (۲/۸۷) میں اور یہ حدیث ضعیف معلوم ہے، الشیخ نے ارواء میں کہا ہے، بہت ضعیف ہے حارث اعور کے ضعف کی وجہ سے بعض نے اسے متہم کہا ہے۔

دوسری حدیث: معاذ ابن انس جہنیؓ سے مرفوعا روایت ہے نماز میں ہنسنے والا، ادھر ادھر دیکھنے والا، انگلیاں چٹکانے والا سب ہی ایک مرتبے میں ہیں۔

دار قطنی (/۶۴) بیہقی (۲/۲۷۹) اسی طرح ارواء (۲/۹۹۔۷۸) میں ہے اور نکالا اسے احمد نے (۲/۴۳۸) میں اور نصب الریہ نے (۲/۸۷) میں، سند اس کی ضعیف ہے اس میں زبان بن فائد ہے، رجوع کریں مجمع الزوائد: (۲/۷۹)

اور وہ دلائل جن سے خشوع کا حکم ثابت ہوتا ہے وہ انگلیوں کے چٹکانے سے منع کرتی ہیں اور اسی طرح ایک حدیث موقوف ہے جسے نکالا ہے ابن ابی شیبہ نے (۲/۳۴۴) میں شعبہ مولی ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں : میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پہلو میں نماز پوری کی تو فرمایا: تیری ماں نہ ہو تو نماز میں انگلیاں چٹکاتا ہے، اور سند اس کی حسن ہے، جیسے ارواء (۲/۹۹) میں ہے، نماز سے خارج انگلیاں چٹکانے سے منع کرنے کی کوئی مضبوط دلیل ہمیں معلوم نہیں سوائے اس کے جو علامہ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی نے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ: (۱/۱۹۶) میں ذکر کیا ہے:

"کہ یہ مکروہ ہے اور یہ قوم لوط کا عمل ہے لیکن بلا ضرورت کی قید ہے جیسے انگلیوں کو راحت پہنچانا۔

اسی طرح ردمختار (۱/۴۳۱) میں ہے۔

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی (۱۷/۷۲) میں حسن سے مرسلا روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "قوم لوط نے دس افعال کیے جن کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے اغلام، غلیل کے غلوں سے مارنا، کنکر مارنا، کبوتر بازی، دف بجانا، شراب

پینا، داڑھی کترنا، مونچھیں لمبی کرنا، سیٹیاں اور تالی بجانا، ریشمی لباس پہننا، اور میری امت سحق (عورتوں کا آپس میں شہوانی تسکین) کی حلت کا اضافہ کرے گی۔

روایت کیا اسے ابن عساکر، خطیب، اسحٰق بن بشر نے اور ذکر کیا قرطبی نے تفسیر سورۃ عنکبوت (۳۴۲/۱۳) میں۔

اور قوم لوط علیہ السلام کے کاموں میں لواطت، کنکر مارنا، مذاق اڑانا، مجلس میں پادنا، مردوں سے علانیہ منہ کالا کرنا، کبوتر بازی، مہندی سے انگلیاں رنگنا، سیٹی بجانا، بے شرمی کرنا، چیونگم چبانا، تہبند کھولنا، انگلیاں چٹکانا، سر کے آس پاس پگڑی لپیٹنا، ٹھیک کرنا، ظلم کرنا، گالی گلوچ کرنا، نرد اور شطرنج کھیلنا، رنگ برنگے کپڑے پہننا، مرغ لڑانا، مینڈھوں کو لڑانا، عورتوں کی مشابہت کرنا، ہر گزرنے والے سے ٹیکس لینا، اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

ایک بے بنیاد کہ جانب شمال پاؤں پھیلنا جائز نہیں

۶۲-سوال: کہا جاتا ہے شمال کی جانب پاؤں پھیلانا جائز نہیں کیا یہ صحیح ہے؟ (آپ کا بھائی: اسماعیل)۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ إلاّ باللہ۔

یہ غلط ہے بلکہ صریح جھوٹ ہے جواز اور عدم جواز دلیل سے ثابت ہوتا ہے تو دلیل کہاں ہے؟ تو اصل برأت اصلیہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ کیا شمال کوئی عظمت والی چیز ہے جس کی ہم عظمت کریں، یہ شیطان ہی کی القاء کی ہوئی بات ہے تا کہ لوگوں کا دین فاسد ہو شاید یہ مشرکوں کا قول ہے جو ہر مدفون کی تعظیم اور عبادت کرتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ باب ادب میں ہم نے ذکر کیا ہے کعبہ معظمہ کی طرف پاؤں پھیلانے سے منع کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں۔

ہم نے وہاں عام دلیلوں سے استدلال کیا ہے جس سے اس کی طرف پاؤں پھیلانے کی کراہت واجب ہوتی ہے تو جس کا دعویٰ ہو کہ پاؤں پھیلانا جانب شمال میں یا جانب جنوب میں جائز نہیں یا مکروہ ہے، تو دلیل پیش کرے ورنہ فتویٰ دینے سے باز آجائے، وباللہ التوفیق۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔



عاشورے کی کھیر پکانا اور کھانا پینے کی وسعت کا حکم

٦٤- سوال: عشر محرم میں دلیا کھانا، اور اسی طرح عاشوراء کے دن کھانے پینے میں وسعت کرنے کے بارے میں بتائیں کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ اجر دے۔ (آپ کا بھائی اسماعیل)۔

جواب: وباللہ التوفیق۔

محرم کے بارے دو باتوں کے علاوہ اور کچھ ثابت نہیں۔ اول:۔ یہ مبارک اور معظم مہینہ ہے بخلاف شیعہ منکرین کے کہ وہ اس مہینہ کو منحوس شمار کرتے ہیں۔ دوم:۔ اس میں روزے رکھنا، خاص کر عاشوراء کا روزہ رکھنا، جیسے ہم نے کتاب الصوم میں ثابت کیا ہے، اس کے علاوہ سب بدعات ہیں جو قباحت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ مثلاً :

(۱) : بعض اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں تو وہ جاہل اور مبتدع ہے۔

(۲) -: بعض کہتے ہیں کہ اس مہینے کی حرمت اور عظمت شہادۃ حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے اس مسکین کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس مہینے کی عظمت وحرمت اُس وقت بھی تھی جبکہ حسین رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۳) - : ماتم کا لباس پہننا قبیح منکرات سے ہے اور دین محمد ﷺ کی بدتر مخالفت ہے۔

(۴) -: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شہادۃ حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ فاجعہ عظیمہ ہے حالانکہ اس سے پہلے اس سے بھی زیادہ اندوہناک واقعات ہو چکے ہیں جیسے شہادہ عثمان رضی اللہ عنہ شہادۃ عمر رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑا المناک واقعہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت ہے تو ان واقعات کے لیے مجلسیں منعقد نہیں کرتے اور ماتم حسین کی مجالس منعقد کرتے ہیں،

حالانکہ ماتم سب بدعات ہیں، اور لوگوں کا ماتم حسین کے حوالے اجتماعات منعقد کرنا اس میں تقریریں کرنا اور لوگوں کو حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قصے سنانا یہ بدعات منکرہ سے ہیں اس عمل میں بڑے مفاسد ہیں ایک ان میں سے شیعوں کی مشابہت ہے اور ان مفاسد میں اکثر قصے باطل ہوتے ہیں۔

(۵) -: اس مہینے کی بدعات میں سے عاشوراء کے دن بازاروں اور مارکیٹوں کی عام تعطیل ہے اس میں شیعوں کی تقویت ہے واللہ المستعان۔

(٦) - : اس دن وسعت اشیاء خورد ونوش میں جو احادیث وارد ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ امام ابن جوزی اور امام ابن تیمیہ نے انہیں موضوع قرار دیا ہے جیسے کہ المنار المنیف ص (۱۱۱-۱۱۲) میں ہے: "امام احمد کہتے ہیں "صحیح نہیں"۔

اور مشکوٰۃ: (۱/۱۷۰) رقم (۱۹۲٦)، اور روایت کیا ہے بیہقی نے شعب ایمان میں ابو ھریرۃ، ابو سعید اور جابر رضی اللہ عنھم سے اور شیخ البانی نے یہ کہہ کر تضعیف کی کہ یہ حدیث تمام سندوں سے ضعیف ہے اور شیخ الاسلام کا اس پر وضع کا حکم لگانا کوئی بعید نہیں اور

شریعت تجربوں سے ثابت نہیں ہوتی اس میں رد ہے سفیان کے اس قول کی، ہم نے تجربہ کیا ہے اور اسی طرح پایا ہے۔

اور حدیث کے لفظ یہ ہیں جو بھی عاشوراء کے دن اخراجات میں وسعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سارا سال اس پر وسعت فرما دیتا ہے' اس کے ساتھ عاشوراء کے دن مخصوص کھانا یا مرغ ذبح کرنا بدعت ہے، مندوب پر اس طرح اصرار کرنا، کہ وہ جس میں یہ جھگڑا ہو کر سنت ہے یا بدعت تو اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے، تو یہ تمام بدعتیں اور اسی طرح اس دن قبور کی زیارت کرنا، ان پر پانی چھڑکنا اور ان کی تعمیر و مرمت کرنا جو شیعوں کے ایجاد کردہ ہیں اور جاہل مسلمانوں نے بھی اس پر عمل شروع کر دیا ہے اور ہم میں معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے نہیں ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ سنتیں بدعت اور بدعتیں سنت بن گئیں۔ تو اے مسلم دین کے معاملے تحقیق کرنا تم پر لازم ہے، واللہ اعلم۔

اور صاحب مرقات کا اس حدیث کے بارے میں کہنا کہ اس کی بعض سندیں مسلم کی شرط کے مطابق ہیں تو یہ بات ان سے بطور تو ہم صادر ہوگئی ہے اور انہوں نے اس کی سندوں کی طرف مراجعہ نہیں کیا۔ احسن الفتاویٰ (۱/ ۳۸۸) میں بھی ان بدعات کا ذکر ہے، دیکھیں فتاویٰ اللجنة الدائمہ: (۳/ ۵۲-۵۳)۔

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

تجارت میں کوشش ومحبت خلاف تقدیر نہیں

٦٥- سوال : تجارت میں کوشش اور محنت کرنے کے بارے میں بتائیں، کیا یہ عقیدہ تقدیر کے خلاف ہے یعنی جو نفع کمانے کے لیے تجارت میں کوشش کرتا ہے تو کیا اس کا تقدیر پر ایمان ہے یا نہیں؟ (آپ کا بھائی محمد اسماعیل)۔

جواب : ولا حول ولا قوة إلاّ بالله۔

یہ تقدیر کے خلاف نہیں تقدیر کے موافق ہے، تقدیر کا یہ مطلب نہیں کہ آپ عاجز اور مہمل بن کر بیٹھ جائیں اور عقیدہ یہ ہو کہ مال (جو میرے تقدیر میں ہے) میرے پاس آئے گا۔ کیونکہ اللہ نے تقدیر میں تمہارے لیے لکھا ہے، یہ منع ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ثابت ہے جسے نکالا ہے ابوداود: (۲/ ۱۵۵) باب القضاء میں اور مشکوٰۃ (۲/ ۳۲۸) میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کیا، جس کے خلاف فیصلہ کیا جب وہ جانے لگا تو کہنے لگا: مجھے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عجز پر ملامت کرتا ہے تمہیں عقلمندی لازم پکڑنی چاہیے اس کے بعد اگر کوئی مقابلہ میں غالب آجائے تو پھر "حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کہنا چاہیے، انسان کے لیے مناسب ہے کہ وہ اسباب سے کام لے اور پھر اللہ پر توکل کرے، نہ یہ کہ بیٹھا رہے اور اللہ پر توکل کرے، اشیاء میں تقدیر اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب کے ساتھ مقرر فرمائی ہے،

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فلاں شخص جب صلہ رحمی کریگا تو میں اس کی عمر بڑھادونگا ورنہ نہیں، اور فلاں شخص جب کمائے گا تو میں اسے مال دونگا ورنہ نہیں، اور فلاں شخص جب اللہ کی اطاعت کریگا تو اسے یہ حاصل ہوگا ورنہیں، تو کسب وکوشش تقدیر کے مخالف نہیں لیکن انسان کے لیے اس میں اسراف سے کام نہیں لینا چاہیے کہ اپنا سارا وقت کسب ومعاش میں صرف کرتا ہے، اور عبادت اور دیگر دینی اہم کاموں کے لیے وقت نہیں نکالتا اور اسی طرح بازار میں ایکدوسرے کو پکارنا اور شور مچانا بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ نبی ﷺ کا طریقہ نہیں تھا، اور آپ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا، اپنے آپ کو بازاروں میں شور مچانے سے بچا کے رکھو، هٰذَا وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْق.

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

0000000

نبی ﷺ نے شب معراج انبیاء کی امامت فرمائی

٦٦- سوال: کیا یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے معراج کی رات انبیاء علیہ السلام کو نماز پڑھائی؟۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ: ہاں مسند ابی عوانہ رحمہ اللہ تعالیٰ (١٣١/١) میں حدیث ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے اپنے آپ کو دیکھا جب میں حطیم میں تھا اور قریش مجھ سے سفر معراج کے بارے میں پوچھ رہے تھے انہوں نے بیت المقدس کی بعض چیزوں کے بارے میں پوچھا جو مجھے یاد نہ تھیں، مجھے سخت تکلیف ہوئی ایسی تکلیف مجھے کبھی نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس لاکر میرے سامنے کردیا اور انہوں نے جو کچھ بھی مجھ سے پوچھا میں نے بتادیا۔ اور میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں موجود پایا، تو موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز ادا فرمار ہے تھے وہ درمیانہ قد آدمی تھے اور ایسے لگ رہے تھے گویا کہ وہ شَنُوْءَة قبیلے کے فرد ہوں،

اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نماز پڑھتے ہوئے کھڑے دیکھا لوگوں میں ان کے زیادہ مشابہہ عروہ بن مسعود الثَّقفِي ہیں، اور ابراھیم علیہ السلام بھی کھڑے نماز ادا فرمار ہے تھے، اور ان سے زیادہ مشابہہ آپ کا ساتھی ہے مراد آپ ﷺ تھے، پھر نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے ان کی امامت کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو کسی نے کہا، "اے محمد (ﷺ) یہ جہنم کے خازن مالک ہیں آپ انہیں سلام کہیں جب میں نے انہیں دیکھا تو انہوں نے سلام میں پہل کیا" سند اس حدیث کی صحیح ہے اور اس میں کوئی غبار نہیں تو اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں۔ اگر چہ زمانے کے لحاظ سے آپ سب سے پیچھے ہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فِي الْأُوْلٰى وَالْاٰخِرَة، وَصَلَّى اللهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔

لوگوں کے دیکھنے کی وجہ سے اپنا مشروع ورد، وظیفہ ترک نہیں کرنا چاہیے

۶۷- سوال : ایک شخص نوافل ادا کرتا ہے یا تلاوت قرآن پاک کرتا ہے، دوسرا اسے یہ کہہ کر روکتا ہے کہ یہ ریاء ہے اور تو ریا کار ہے تو کیا روکنے والے کی بات صحیح ہے یا اس شخص کا عمل؟۔

جواب : وَمِنْهُ الصِّدْقُ وَالصَّوَابُ ۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ (۲۳/۱۷۴) میں فرماتے ہیں، اگر کسی کا کوئی مشروع ورد ہو جیسے چاشت کی نماز یا قیام اللیل وغیرہ تو وہ جہاں کہیں بھی ہو پڑھ لیا کرے، اور لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے اپنا ورد نہ چھوڑے جب کہ اس کے دل کی کیفیت کا اللہ کو علم ہو کہ وہ اللہ کے لیے ہی کر رہا ہے اور اس طرح ریاء اور اخلاص کے مفاسد سے بچنے کی کوشش کرتا رہے، اسی لیے فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کی وجہ سے عمل کو ترک کرنا ریاء ہے اور کوئی عمل لوگوں کی وجہ سے کرنا شرک ہے اور وہ جگہ جہاں وہ رہ رہا ہے اور وہ جگہ اس کے لیے عبادت میں ممد اور مددگار ہے وہاں عمل کرنا بہتر ہے اس جگہ سے جہاں اسے اسباب معیشت میسر نہ ہوں اور اس سبب سے اس کا دل مشغول ہو اور جب نماز میں دل کی یکسوئی اور وساوس سے امن میسر ہو تو وہ نماز کامل ہو گی۔ اور جو شخص محض اپنے خیال کی بناء پر کسی کام سے منع کرے تو اس کی نہی کئی وجہ سے مردود ہے۔

پہلی وجہ: ریاء کے ڈر کی وجہ سے مشروع اعمال سے منع نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان اعمال کا اخلاص کے ساتھ کرنے کا حکم دیا جائے، اگر ہم کسی کو کوئی عمل کرتا دیکھیں تو انہیں کرتا رہنے دیں گے اگر چہ ہمیں یقین ہو کہ وہ ریاء کے لیے کر رہے ہیں، کیونکہ منافقین جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾

(بے شک منافق اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں، اور یاد الٰہی تو یونہی برائے نام کرتے ہیں)" (نساء: ۱۴۳)

تو یہ لوگ ظاہر میں جو دین کے کام کرتے تھے نبی ﷺ اور مسلمان انہیں کرنے دیتے تھے اگر چہ وہ ریا کار ہوتے اور ظاہری اعمال سے انہیں نہیں روکتے تھے کیونکہ بظاہر مشروع کے ترک میں جو فساد ہے وہ بظاہر ریاء کے لیے کرنے کے فساد سے بڑا ہے، جیسے کہ ظاہر ایمان اور نماز ترک کرنے کا فساد ریاء کے طور پر ایمان و نماز کے اظہار سے بڑا ہے، انکار تو اس فساد کا کیا جائے گا جس کا اظہار لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا جائے۔

دوسری وجہ: انکار واقع ہوتا ہے اس جو شریعت کا انکار کرے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے لوگوں کے پیٹ پھاڑ کر ان کے

دلوں میں جھانکنے کا حکم نہیں ملا" اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جو ہمارے لیے بھلائی ظاہر کریگا تو ہم اس کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت اور دوستی کریں گے؛ اگرچہ اندر سے اس کے خلاف ہو، اور جو ہمارے لیے شر ظاہر کرے گا تو اس کی وجہ سے ہم اس سے بغض رکھیں گے اگرچہ وہ اندر سے درست ہو"۔

تیسری وجہ: اگر یہ جائز رکھا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مشرک اور فسادی اہل خیر و دیندار پر انکار کریں گے جب وہ کسی کو مشروع و مسنون کام کرتا دیکھیں گے اور کہیں گے یہ ریا کار ہے تو سچے اور مخلص لوگ بھی مشروع کاموں کو ان کی ملامت وطعن کی وجہ سے ظاہر میں کرنا چھوڑ دیں گے، تو خیر کے کام معطل ہو جائیں گے اور مشرکوں کی شان وشوکت باقی رہے گی وہ شر ظاہر کریں گے اور کوئی ان پر انکار نہیں کرے گا۔ اور یہ سب سے بڑا فساد ہے۔

چوتھی وجہ: یہ منافقوں کا شعار ہے کہ وہ مشروع کام کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (توبہ:۷۹)

"(جو لوگ اُن مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جنھیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسر ہی نہیں، پس یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے، انھی کے لیے دردناک عذاب ہے)"

نبی ﷺ نے تبوک کے سال انفاق کی ترغیب دی تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک بھری تھیلی لے کر آئے جیسے وہ بمشکل اٹھائے ہوئے تھے قریب تھا ہاتھ سے گر پڑتی تو انہوں نے کہا، یہ ریا کار ہے اور کوئی ایک صاع لے آگر آئے تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ اللہ کو اس کے صاع کی کیا ضرورت ہے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا، اللہ تعالیٰ نے یا آیت نازل فرمائی، جو اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار مومنوں پر طعنہ زنی کرنے والوں کے لیے عبرت بن گئی۔ واللہ اعلم.

وصلى الله نبينا محمد وعلى وصحبه أجمعين۔

دعائے وتر میں «وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ» پڑھنا

۶۸- سوال: کیا دعائے وتر میں یہ لفظ "ونؤمن بك ونتوكل عليك" ثابت ہیں؟ کیا سنت میں یہ قنوت وارد ہے؟ (آپ کا بھائی: محمد یونس ومحمد زمان)۔

جواب: وَمِنَ اللّٰهِ نَطْلُبُ الصِّدْقَ وَالصَّوَابَ۔

یہ قنوت طحاوی (۱/۱۷۷)، ابن ابی شیبہ: (۲/۳۱۴) اور ارواء: (۲/۱۷۰) میں بسند صحیح آیا ہے ان الفاظ کے ساتھ، "اَللّٰهُمَّ اِنَّا

نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَلَا نَكْفُرُ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ، اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ"۔

(اے اللہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں، اور تیری بھلائی بیان کرتے ہیں اور کفر نہیں کرتے، اور جو تیری نافرمانی کرے اور چھوڑ کر ہٹ جاتے ہیں، اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے تیری ہی لیے نمازیں پڑھتے، سجدہ کرتے ہیں، اور تیری ہی طرف انتہائی کوشش کرتے ہیں تیری رحمت کی امید رکھتے اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں یقیناً تیرا عذاب کافروں کولاحق ہونے والا ہے)۔

ایک روایت میں "لَا نَكْفُرُكَ" ہے۔ ورایک روایت میں اول میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اور "اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ" سے پہلے "بِسْمِ اللّٰهِ" ہے۔ اور مزید یہ لفظ ہیں: "اَللّٰهُمَّ عَذِّبْ كَفَرَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ" اور ایک روایت میں "وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ" ہے۔

یہ تمام روایتیں مصنف ابن ابی شیبہ میں ہیں اور طحاوی کی روایت میں: "وَنَشْكُرُكَ" اور بیہقی: (۲/۲۱۰) کی روایت میں "وَنَخْضَعُ لَكَ" ہے، لیکن الشیخ نے الارواء: (۲/۱۷۲) میں کہا ہے:

"تنبیه: یہ تمام روایتیں قنوت الفجر میں وارد ہیں۔ قنوت وتر میں، میں نے نہیں دیکھا"۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ قنوت وتر میں بھی جائز ہے (ان شاء اللہ) کیونکہ دعائے قنوت میں مطلق دعائیں جائز ہیں، پس دونوں مسئلے ثابت ہوگئے۔ الحمد للہ وباللہ التوفیق.

لیکن خطبة الحاجة میں "وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ" نہیں ہے کیونکہ خطبہ حاجت چھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے صحیح اسانید کے ساتھ وارد ہے، اور ایک روایت تابعی سے مرسل ہے تو ان میں ان دو کلموں کی زیادتی نہیں ہے جیسے کہ آپ الشیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق خطبہ الحاجت میں دیکھیں گے۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

00000000000

عبدالرسول، عبدالنبی نام رکھنا درست نہیں

۶۹- سوال : کیا عبدالرسول اور عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے مباح ہے یا مکروہ ہے؟۔

جواب : ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

یہ شرکی نام ہے اور جائز نہیں۔اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ (آل عمران:۷۹)

(کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ کتاب وحکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندیں جاؤ، بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ، تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب)۔

تو انبیاء اور رسل علیہم السلام نے لوگوں کو یہ دعوت نہیں دی کہ وہ ان کے بندے بن جائیں بلکہ انہوں نے تو ایک اللہ کی بندگی کا حکم دیا، اس لیے اس قسم کے نام رکھنے جائز نہیں اگرچہ تاویل کرنے والے تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "عبد" سے غلام اور خادم مراد ہے اور اس لیے بھی کہ آپ غلام نہیں آزاد ہیں اور خادم کو عربی زبان میں "عبد" نہیں کہا جاتا اور اس لیے بھی کہ یہ مشتبہات میں سے ہے جن کے استعمال سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر منع فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا﴾ (البقرۃ:۱۰۴)۔

(اے ایمان والو! (نبی ﷺ) کو "راعنا" نہ کہا کرو بلکہ "انظرنا" کہو)

یعنی مشتبہ الفاظ ترک کر دو اور صریح الفاظ استعمال کرو۔

اور حدیث میں ہے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی کسی کو "عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ" (میرا بندہ میری بندی) نہ کہے تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں لیکن یوں کہے میرا غلام میری لونڈی میرا لڑکا میری لڑکی اور غلام (اپنے مالک) کو "ربی" (میرا رب) نہ کہے بلکہ "سیدی" میرا سید کہے)۔

مسلم: (۲/۲۳۸) مشکوٰۃ: (۲/۴۰۷)۔

اس حدیث سے اس کلمے کے استعمال اور اس کے ساتھ نام رکھنے کی ممانعت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔مولانا رشید احمد گنگوھی فتاویٰ رشیدیہ (ص:۶۹) میں لکھتے ہیں، "نبی بخش" "سالار بخش" "مدار بخش" ایسے نام موھم شرک ہے ان کو بدلنا ہے"۔

اور ص: (۷۲) میں کہتے ہیں عبدالنبی نام رکھنے والا اگر عقیدہ بھی یہی رکھتا ہے تو وہ مشرک ہے نہیں تو معصیت ہے اور اس سے اجتناب فرض ہے۔ اور خرم علی رحمه الله المتوفی سن ۱۲۳۸ھ اپنی کتاب نصیحة المسلمین (ص: ۲۴) میں کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے نبی بخش، سالار بخش، عبدالنبی، بندہ علی، بندہ حسین نام رکھنے حرام ہیں اور شریعت میں جائز نہیں۔

مجموعة الفتاوی میں بھی اس موضوع کی تفصیل ہے۔

رجوع کریں شیخ عبدالسلام حفظہ اللہ کی (التبیان: ص: (۷۹-۸۰)۔

اگر نام کے مطابق عقیدہ نہ بھی ہو تو چونکہ یہ شرکی نام ہیں اس لیے بدلنا ضروری ہے اور ایسے موہم شرک الفاظ کا استعمال جائز نہیں۔

مرقاۃ (۹/۱۰۶) میں ہے عبدالحارث اور عبدالنبی جیسے نام رکھنے جائز نہیں لوگوں میں عام ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

شرح فقہ اکبر ص: (۲۳۸) میں ہے، اور یہ جو عبدالنبی نام رکھنا مشہور ہو چکا ہے بظاہر تو یہ کفر ہے اگر چہ عبد سے مملوک مراد لے لیا جائے، رجوع کریں راہ سنت از مولانا سرفراز (ص: ۲۹۲-۲۹۳)۔

امام ابن حجرؒ کی شرح منہاج میں ہے، ''عبدالنبی عبدالکعبہ نام رکھنا حرام ہے'' الخ، اسی طرح راہ سنت میں بھی ہے، اور ردالمحتار (۵/۲۶۸) میں ہے، اس کے قول، عبدفلان سے یہی اخذ کیا جائیگا کہ عبدالنبی نام رکھنا منع ہے۔

و صلى الله على نبينا محمد و على وصحبه أجمعين۔

000000000000

کیا مردہ کفنانے والے اور دفنانے والوں کو پہچانتا ہے

۷۰- **سوال** : مرقاۃ المفاتیح: (۴/۴۲) میں جو حدیث آئی ہے، اور اسے احمدؒ، طبرانیؒ، ابن ابی الدنیاؒ، مروزیؒ اور ابن مندہؒ وغیرہ نے بھی نکالا ہے کہاں تک صحیح ہے حدیث یہ ہے، ''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میت کو جو اٹھاتا ہے، کفن دیتا ہے اور قبر میں اتارتا ہے اسے پہچانتا ہے'' صحیح ہے یا نہیں اور اس سے مراد کیا ہے؟۔

جواب: ولا حول ولاقوة الا بالله ۔

ہاں! اس حدیث کو امام احمد نے مسند (۳/۳) میں نکالا ہے وہ کہتے ہیں حدیث سنائی ہمیں عبداللہ نے وہ کہتے ہیں حدیث سنائی مجھے میرے والد نے وہ کہتے ہیں حدیث سنائی ہمیں ابوعامر نے وہ کہتے ہیں حدیث سنائی ہمیں عبداللہ بن حسن الحارثی نے وہ کہتے ہیں حدیث سنائی ہمیں سعید بن عمرو بن سلیم نے وہ کہتے ہیں میں نے سنا ہم میں سے کسی آدمی سے، عبدالملک کہتے ہیں میں اس کا نام بھول گیا، لیکن اس کا نام معاویہ ہے یا ابن معاویہ ہے وہ حدیث بیان کرتا تھا ابوسعید خدری سے پھر اس حدیث کو ذکر کیا، اور مجلس میں ابن

عمر رضی اللہ عنہما تھے تو انہوں نے کہا تم نے کس سے سنا اس نے کہا ابوسعید خدری سے پھر ذکر کی حدیث، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما ابوسعید خدری کے پاس گئے اور کہا اے ابوسعید تم نے کس سے یہ سنا تو انہوں نے کہا نبی ﷺ سے۔

لیکن جیسا آپ دیکھ رہے ہیں حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایک آدمی مجہول ہے عبدالملک اس کا نام بھول گئے ہیں اور عبدالملک میں کوئی حرج نہیں جیسے کہ تقریب میں ہے۔

اور الشیخ الالبانی نے ضعیف الجامع رقم: (۱۷۹۴) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور اس سے مردوں سے دعا کے جواز پر اور اسی طرح زندگی میں اور مرنے کے بعد غیب جاننے پر استدلال جائز نہیں جیسے کہ ہمارے علاقے کے مشرک اس قسم کی روایتیں ذکر کرتے ہیں کیونکہ یہ برزخی احوال ہیں جیسے کہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ مردے کو جب لوگ گردنوں پر اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ کہتا ہے، "آگے جاؤ آگے جاؤ اور اگر برا آدمی ہوتا کہتا ہے افسوس اسے کہاں لے جا رہے ہو؟ اور اس کی آواز کو انسانوں کے علاوہ سب سنتے ہیں اور اگر انسان سن بھی لے تو بے ہوش ہو جائے، جیسے کہ مشکوۃ: (۱/۴۴) میں ہے

تو یہ امور ایمان آخرت سے متعلق ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر میں نے مجمع الزوائد: (۳/۲۱) میں دیکھا: اور کہا کہ "روایت کیا اسے احمد نے اور طبرانی نے اوسط میں، اس میں ایک راوی ہے مجھے اس کا ترجمہ نہیں ملا"۔ اور ذکر کیا ہے علی المتقی نے کنز العمال: (۱۵/۶۸۷) برقم: (۱۷۵۱)

صرف طبرانی سے تو ان روایات کا باب اعتقاد میں کوئی اعتبار نہیں جب کہ اس کی سندیں ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

00000000000

مرفوع اور موقوف احادیث کی تعداد

۷۱- سوال: مرفوع اور موقوف احادیث کی تعداد کتنی ہے؟ کیا یہ کسی عدد میں محصور ہیں یا نہیں؟۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا بالله:۔

اس بارے میں ہمیں عدد معین معلوم نہیں، سنت کی کتابیں بہت زیادہ ہیں۔ مسند احمد میں ستائیس ہزار سے زیادہ احادیث ہیں، کنز العمال میں سینتالیس ہزار، طبرانی میں تیس ہزار سے زائد، اور علمائے حدیث کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ چھ لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔

لیکن میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ احادیث مرفوعہ بلا تکرار چالیس ہزار ہیں اور موقوف حدیثیں شمار سے اور کسی کتاب کے ضبط سے باہر ہیں، لیکن احادیث مرفوعہ کی تعداد تخمینی طور اس مسئلے میں معلوم ہوگی جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ رقم المسئلہ (۹۰) ان شاء اللہ۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اسماء الٰہی میں الصانع نام

۷۲- سوال : کیا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں "الصانع" بھی وارد ہے میں جب تک اس کی دلیل دیکھ نہ لوں یہ لفظ استعمال نہیں کرتا۔ (آپکا بھائی: محمد امین)۔

جواب : ومن اللہ عزوجل التوفیق۔

ہاں یہ پاکیزہ نام قرآن وسنت میں وارد ہے اللہ تعالیٰ سورۃ الم السجدہ میں ذکر فرماتے ہیں، ﴿صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (نمل: ۸۸) ("یہ ہے صنعت اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے"۔)

صنع مصدر ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا نام مشتق ہوسکتا ہے، سنت سے دلیل یہ ہے کہ بیہقی اسماء وصفات ص: (۲۶، ۸۸) میں، امام بخاری کی خلق افعال العباد ص: (۴۳) میں مستدرک حاکم: (۱/۳۱) میں ہے "اِنَّ اللہَ صَانِعُ كُلِّ صَانِعٍ وَصُنْعَتِهٖ" "اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کا صانع ہے" نکالا اس کو ابن ابی عاصم نے السنہ رقم: (۳۵۷-۳۵۸) اور ابن عدی نے (۲/۲۶۳) میں ان کے علاوہ دوسروں نے جیسے کہ الصحیحہ رقم: (۱۶۳۷)، صحیح الجامع رقم: (۱۷۷۷) میں ہے

،امام بیہقی نے اس نام کے اثبات کے لیے ان دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے جو میں نے ذکر کی ہیں، اس کی "الاسماء الصفات" ملاحظہ فرمائیں۔

0000000000000

زمین کی حرکت کا پہاڑوں کی وجہ سے موقوف ہونا

۷۳- سوال : میں نے سنا کہ زمین حرکت کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ ڈال کر گاڑ دیے تو وہ ٹھہر گئی، کیا اس پر کتاب وسنت کی دلیل ہے؟

جواب : وَبِاللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ التَّوْفِیْقُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ.

ہاں اس پر دلائل قائم ہیں :

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا قول: ''اور اس نے زمین پہاڑ گاڑ دیے تا کہ تمہیں لے کر نہ ہلے، اور نہریں اور راہیں بنادیں تا کہ تم منزل مقصود کو پہنچو۔'' (النحل:۱۵)

اور اللہ تعالیٰ کا قول: ''اور اس نے زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تا کہ وہ تمہیں جنبش نہ دے سکے۔ (لقمان:۱۰)۔

دوسری دلیل: اور حدیث میں بھی وارد ہے انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی تو وہ ہلتی تھی تو پہاڑ پیدا فرما کر اس پر رکھدیے تو ٹھہر گئی، فرشتوں میں پہاڑوں کی شدت سے تعجب کیا، ترمذی: (۱۷۴/۲) مشکوٰۃ: (۱۷۰/۱) احمد: (۱۲۳/۳) اس کے راوی سوائے سلیمان بن ابی سلیمان کے سب ثقہ ہیں، ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کرکے اس کے بارے کوئی جرح وتعدیل ذکر نہیں کی، ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے، جیسے موسوعۃ رجال الکتب التسعۃ: (۹۴/۲) رقم: (۳۴۳۱) میں ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اور اس کے فوائد

۷۴- سوال : اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے بارے میں بتائیں کہ وہ کونسا ہے اور اس کے کیا فوائد ہیں؟۔

جواب : وباللہ عز وجل التوفیق۔

نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنھم سے جو وارد ہے اس میں تیرے دونوں سوالوں کا جواب مل سکتا ہے، ان شاء اللہ۔

پہلی حدیث: یعقوب بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں دو صحابہ رضی اللہ عنھما سے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کوئی بھی بندہ [لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ] روح کے اخلاص اور دل کی تصدیق کے ساتھ زبان سے کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان کو پھاڑ کر زمین میں اس کے قائل کو دیکھتا ہے اور جس بندے پر اللہ تعالیٰ نظر فرمالیں تو اس کا حق ہوتا ہے جو کچھ اس نے مانگا ہے اسے دے دے''۔

روایت کیا امام نسائی نے عمل الیوم واللیلہ رقم: (۲۸) میں منذری نے الترغیب (۴۱۸/۲) میں۔

دوسری حدیث: بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا،

"[اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنِّيْ أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا أَحَدٌ]، (اے اللہ میں تجھ سے یہ گواہی دیتے ہوئے سوال کرتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ایسا اکیلا اور بے نیاز ہے کہ نہ تو نے جنا اور نہ تو جنا گیا اور تیرا ہم مثل کوئی نہیں) تو فرمایا: تو نے اللہ کے اس اسم اعظم کے واسطے سے سوال کیا ہے کہ اس کے ساتھ اگر سوال کیا جائے تو دیتا ہے اور دعا کیجائے تو قبول فرماتا ہے")۔

روایت کیا اسے امام حاکم نے (۱/۵۰۴) میں اسی لفظ کے ساتھ، اور ابو داؤد نے (۱/رقم:۱۴۹۳) میں، ابن حبان نے رقم: (۵۹۲) میں اور ترمذی نے (۳/۲۲/۳۷۲) میں اور دیگر نے جیسے کہ ترغیب (۲/۴۸۵) میں ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

تیسری حدیث: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں نبی ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا: "يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْإِكْرَامِ" تو فرمایا: "مانگ تیرا سوال قبول کیا جائیگا"، روایت کیا اسے ترمذی نے (۲/رقم:۳۷۷۴) میں۔

چوتھی حدیث: ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فرشتہ ہے جو اس شخص پر مقرر ہے جو "يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ" کہتا ہے تو جو یہ تین بار کہتا ہے تو بادشاہ فرماتا ہے أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ کی تیرے طرف توجہ ہے "مانگ"۔ روایت کیا اسے حاکم نے۔

پانچویں حدیث: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں نبی ﷺ ابو عیاش زید بن الصلت کے پاس سے گزرے اور وہ نماز پڑھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْئَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا بَدِيْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ"

(اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں کیونکہ تیرے لیے تعریفیں ہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نہایت مہربان اور بہت احسان کرنے والا ہے، اے زمین و آسمانوں کے موجد اے بزرگیوں کرامتوں والے، اے زندہ اور قائم رہنے والے، قائم رکھنے والے" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو نے اللہ کے اس اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اسے اس نام کیساتھ پکارا جاتا ہے تو وہ قبول فرماتا ہے، اور اگر اس سے مانگا جائے تو دیتا ہے۔

روایت کیا اسے احمد نے (۳/۱۲۰-۱۵۸) میں، ابوداود نے (۱/رقم:۱۴۹۵) میں، حاکم نے (۱/۵۰۴) میں، ترغیب (۲/۴۸۶)۔

طی کے ایک نیک آدمی سے روایت ہے: میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ مجھے اپنا وہ نام دکھادے کہ جس کے ساتھ اس سے دعا کیجائے تو قبول کرے تو میں آسمان کے ستاروں میں یہ لکھا ہوا دیکھا "يَا بَدِيْعَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ

وَالْاِکْرَام" راوی اس کے ثقہ ہیں، جیسے ترغیب میں ہے۔

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، جوان پانچ کلمات کے ساتھ دعا کرے تو جو چیز بھی اللہ سے مانگے گا اسے دیگا: "[لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ، لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ]۔

طبرانی نے اسے سند حسن کے ساتھ روایت کیا، اس طرح ترغیب اور مجمع الزوائد: (۸۵/۱۰) میں ہے۔

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: ﴿ وَاِلٰـهُکُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴾ "تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے" (بقرۃ: ۱۶۳) اور سورۃ آل عمران کے شروع کی آیت ﴿ اَللّٰهُ لَا اِلٰـــهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴾ "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے"۔

ابوداؤد (۱۴۹۸/۱) ترمذی (۳۷۲۳/۳) سند حسن ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں: اے اللہ! میں تجھے "اللہ" کے نام سے پکارتی ہوں، "رحمٰن" کے نام سے پکارتی ہوں، "براور رحیم" کے نام سے پکارتی ہوں تیرے تمام اسماء حسنٰی کے ساتھ پکارتی ہوں جو مجھے معلوم ہوں اور جو معلوم نہ ہوں سارے گناھوں کی مغفرت فرمادے اور مجھ پر رحم فرما، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، وہ "اسم اعظم" انہی اسماء میں ہے جس کے ساتھ تو نے دعا کی، روایت کیا اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند کے ساتھ رقم (۳۸۵۹)۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یہ ہے" لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ"۔

(الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں ظالموں میں ہوگیا) جو مسلمان اس دعا کے ساتھ کوئی بھی چیز مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائیں گے)۔ ترمذی (۳۷۵۳/۳) حاکم (۵۰۵/۱) نسائی سند اس کی صحیح ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنھا سے مرفوعا روایت ہے کہ جب بندہ کہتا ہے یارب یارب، یارب تو اللہ فرماتے لَبَّیْكَ مرے بندے مانگ، ملے گا۔ ابن ابی الدنیا نے اسے مرفوعا روایت کیا اور انس سے موقوفا بھی روایت کیا اسی طرح ترغیب میں ہے۔

حاکم نے (۵۰۵) میں ابو داؤد اور ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کیا، وہ دونوں کہتے ہیں اللہ کا اسم اکبر رب، رب ہے۔ اسی طرح ہے ترغیب (۴۸۸/۲) میں۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا اسم اعظم تین سورتوں میں ہے: سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران اور طٰہٰ۔ قاسمؒ کہتے ہیں: جب میں نے ان سورتوں میں تلاش کیا تو وہ "الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" ہے۔ حاکم (۵۰۵/۱)۔

اسم اعظم کے بارے میں بیس قول ہیں جن میں سے بعض کی کوئی دلیل نہیں، امام سیوطی نے حاوی (۱/۳۹۴) میں ذکر کیا ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

00000000000

صفر کے آخر میں حلوے اور میٹھی چیزیں پکانا

۷۵۔ سوال: اور صفر کے مہینے کے آخر میں بعض میٹھی چیزیں پکاتے ہیں اس نیت سے کہ نبی ﷺ بیماری سے شفایاب ہوئے تھے تو امہات المومنین رضی اللہ عنھا نے حلوا پکایا تھا تو ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی شفا کی خوشی میں ان کی اتباع کرتے ہوئے پکاتے ہیں، شرح میں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

رسول اللہ ﷺ کی شفایابی پر فرحت وسرور کا اظہار کرنا، عظیم عبادت اور تقرب کا بڑا ذریعہ ہے لیکن یہ نعمت بدعات کو رواج دینے اور جھوٹ پھیلانے سے حاصل نہیں ہوتی۔ جان لو! کہ یہ عمل دو وجہ سے بدعت ہے۔

پہلی وجہ: علمائے ربانی نے اس کا رد کیا ہے جیسے مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتاوی رشیدیہ ص (۱۶۳) میں کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی شرع شریف میں کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ جاہلوں کی کلام ہے، اسی قسم کے استفتاء کے جواب میں کہتے ہیں، یہ غلط اور باطل عقیدہ ہے، اس عمل کا کرنا جائز نہیں بلکہ باطل ہے، مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ تفسیر میں ہمارے استاد اپنی مایہ ناز کتاب ضیاء النور: ص (۲۱۴۔۲۱۵) میں مختلف زمانوں کی بدعات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"ان میں سے ایک صفر کے مہینے کے آخری بدھ کو مخصوص کھانوں کے لیے خاص کرنا ہے اس کی کوئی سند نہیں لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ رکھی"۔ (ملخص کے ساتھ)، اسی طرح تمام اہل حق نے اس بدعت شنیعہ کی تردید کی ہے۔

دوسری وجہ: نبی ﷺ کی وفات کی احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں بیماری شدت اختیار کر گئی تھی۔

لیکن مبتدعین حق کی سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے اعراض کرتے ہیں۔ اور کام ودھن کے دھندے میں لگے ہوئے ہیں عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ وہ کیا کھا رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ،

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

0000000

فی سبیل اللہ لفظ ہر کار خیر کو شامل ہے

۷۶- سوال: کیا لفظ "في سبيل الله" جہاد ہی کے ساتھ خاص ہے یا ہر خیر کے کام کو شامل ہے۔

جواب: ولا حول والا قوة الا باللہ۔

یہ کلمہ قرآن وسنت میں بھلائی کے تمام کاموں کے لیے وارد ہوا ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ اسے کسی خاص جگہ یا شخص کے ساتھ خاص نہ کر رہا ہو، جس کے دلائل متعدد ہیں، بعض ہم ذکر کرتے ہیں۔

اول: عبادہ بن رافع سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے لیے جارہا تھا راستے میں ابوعبس ملے تو انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہوئے سنا، "جس کے قدم اللہ کی راہ میں گردآلود ہوں تو انہیں اللہ تعالیٰ آگ پر حرام کر دیتے ہیں"۔

بخاری باب المشی ابی الجمعه (۱/۱۲۴)۔

دوم: وہ حدیث جسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، اور اسی طرح منذری کی ترغیب (۲/۵۲۴) میں کعب بن عُجرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی قوت اور چابکدستی کو دیکھ کر کہا، "اگر یہ اللہ کی راہ میں ہوتا تو اچھا ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اگر بوڑھے والدین کے لیے نکلا ہے تو في سبيل الله ہے اور اگر اپنے نفس کی عفت کے لیے ہے تو في سبيل الله ہے اور اگر ریاء اور فخر کے لیے نکلا ہے تو في سبيل الشيطان ہے»۔

سوم: ام معقل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے نکلے، ہمارا اونٹ تھا وہ ابو معقل نے اللہ کی راہ میں دے دیا تھا، کہتے ہیں: ہمیں بیماری سے واسطہ پڑا اور ابو معقل فوت ہو گئے، کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حج سے واپس لوٹے تو فرمانے لگے اے ام معقل تو ہمارے ساتھ کیوں نہیں گئی، کہنے لگی: اے اللہ کے رسول (ﷺ) ہم تیاری کر رہے تھے کہ ابو معقل فوت ہو گئے اور ہمارا جو اُونٹ تھا جس پر ہم نے حج کے لیے جانا تھا ابو معقل نے اللہ کی راہ میں دے دینے کی وصیت کر دی تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اس پر کیوں نہیں نکلی، حج في سبيل الله تو ہی ہے۔ جب تجھ سے حج فوت ہو گیا تو رمضان میں عمرہ کر لینا، وہ حج کی طرح ہی ہے»۔ ابوداود (۱/۲۷۹) ترمذی، نسائی، ابن خزیمہ اسی طرح ترغیب (۲/۱۸۲-۱۸۳)

ابن الاثیرؒ کہتے ہیں سبیل اللہ عام ہے اللہ کے تقرب کے ہر عمل پر بولا جاتا ہے جیسے فرائض ونوافل کی ادائیگی اور مختلف انواع کے تطوعات اور جب مطلق بولا جائے تو اکثر جہاد مراد ہوتا ہے اور کثرت استعمال کی وجہ گویا کہ وہ اسی کے لیے مقصور ہو کر رہ گیا ہے۔

ھیئۃ کبار العلماء(۱/۵۹۔۹۸) میں اہل علم کے اقوال نقل ہیں رجوع کریں نووی شرح مسلم (۱/۳۳۰)۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

0000000

کھانا کھاتے وقت جوتے اتارنا

۷۷- سوال: اوراس حدیث کے بارے میں بتائیں جس میں ذکر ہے کہ "جب کھانا رکھا جائے تو جوتے اتار لیا کرو اس میں تمہارے قدموں کی راحت ہے" کیا یہ حدیث ہے یا مقولہ اگر حدیث ہے تو صحیح ہے؟۔(آپ کا بھائی: ابوسلمان حضرت محمد)۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

یہ حدیث تین صحابہ رسول ﷺ سے وارد ہے:(۱) ابوعبس بن جبیر رضی اللہ عنہ۔

(۲) انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

(۳) جابر رضی اللہ عنہ۔

ابوعبس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام حاکم نے نکالا ہے جیسے کنز العمال رقم:(۴۰۷۲۵۔۱۵/۳۳۵) میں ہے ان لفظوں کے ساتھ، "کھانا کھاتے وقت جوتے اتار لیا کرو یہ اچھا طریقہ ہے"۔ امام البانی نے ضعیف جامع صغیر رقم:(۲۴۳) میں اسے موضوع کہا ہے۔انس رضی اللہ عنہ کی حدیث دوسندوں سے مروی ہے:

اول: جسے ابویعلی (۳/۱۰۳۶) اور بزار (۱۵۹) میں روایت کیا ہے، کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی معاذ بن شعبہ نے انہیں حدیث سنائی داؤد بن زبرقان نے ابو الھیثم سے وہ روایت کرتے ہیں ابراھیم التیمی سے وہ انس سے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کسی ایک کے لیے کھانا قریب کر دیا جائے اور اس کے پیروں میں جوتے ہوں تو انہیں اتار دے اس میں قدموں کے لیے زیادہ راحت ہے اور سنت ہے"۔

روایت کیا اس کو ھیثمی نے مجمع الزوائد (۵/۲۳) میں اور سکوت کیا ہے اس پر، اور ذکر کیا ہے اسے کنز العمال میں رقم: (۴۰۷۲۷) اور اس میں معاذ بن شعبہ مجھول ہے اور داؤد بن برقان کو امام ابوداؤد نے متروک اور امام بخاریؒ نے مقارب کہا ہے۔

دوسری: وہ حدیث ہے جیسے دارمی نے (۲/۳۲) برقم:(۲۰۸۶) اور حاکم نے (۴/۱۱۹) میں روایت کیا ہے محمد بن سعید سے وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی عقبہ ابن خالد نے موسیٰ بن محمد بن ابراہیم سے وہ کہتے ہیں مجھے حدیث سنائی میرے والد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

''جب کھانا رکھ دیا جائے تو جوتے اتار لیا کرو، تمہارے اقدام کے لیے زیادہ راحت افزا ہے''۔

اور یہ کنز العمال میں برقم: (۴۰۷۲۸) ہے اور حدیث بہت ضعیف ہے کیونکہ موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن الحارث کی تضعیف پر اتفاق ہے، دار قطنی نے اسے متروک کہا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''اس کے پاس مناکیر ہیں،'' اسی لیے امام ذھبیؒ نے کہا ہے:

''میں کہتا ہوں، میرے خیال میں موضوع ہے، اس کی سند میں اندھیر ہے اور موسیٰ کو دار قطنی نے متروک کہا ہے۔

ابو حاتم نے کہا ہے ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے، اس سے عقبہ بن خالد کی احادیث میں قصور موسیٰ کا ہے: عقبہ کا اس میں کوئی جرم نہیں۔ ھیثمی نے عقبہ اور محمد بن حارث جو محمد بن موسیٰ ہے کے درمیان انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے، الخ (۲۳/۵) میں مراجعہ کریں السلسلة الضعيفه (۴۱۱/۲) رقم: (۹۸) اور ضعیف الجامع رقم: (۳۹۶)۔

جابر کی حدیث کو ابن حجر رحمہ اللہ نے المطالب العاليه (۳۱۸/۲) رقم (۲۳۶۲) میں ذکر کیا ہے، جابرؓ نے اسے مرفوع بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم کھانا کھاؤ تو جوتے اتار لیا کرو اس میں تمہارے قدموں کی زیادہ راحت ہے۔

ابو خيثمه حدثنا عقبة به ،لابی یعلی محقق حبیب الرحمنؒ کہتے ہیں: شاید ابو یعلی کی سند سے جابر کی اسناد گر گئی ہے یہ وہاں نہیں ہے، تلخیص کے ساتھ۔

حدیث کی سند کے لحاظ سے یہ حالت ہے لیکن یہ فضائل اعمال و آداب میں ہے اور اکثر اہل علم اس میں تسامح کرتے ہیں۔

وباللہ التوفیق.

وصلى الله على نبينا محمد و على آله وصحبه أجمعين۔

مسجد کے دروازے کے پاس پیشاب کرنا

۷۸- سوال : اس حدیث کے بارے میں بتائیں جو ان الفاظ میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نے مساجد کے دروازوں کے پاس پیشاب کرنے سے منع کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور کہاں ہے؟۔ (آپ کا بھائی: محمد امین)۔

جواب: وبالله التوفيق۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے مراسیل: (ص:۵) میں مکحول سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مساجد کے دروازوں پر پیشاب سے منع کیا ہے اور مرسل انواع ضعیف سے ہے مگر ان شروط کے ساتھ جو مصطلح کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

جس مسجد میں قبر ہو اس میں نماز نہیں ہوتی

۷۹- سوال :علمائے کرام اس مسجد کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ جس میں ایک یا زیادہ قبریں ہوں، کیا اس میں نماز پڑھنی جائز ہے۔ کیا اس میں فرق ہے کہ قبر نمازی کے آگے یا پیچھے یا پہلوں میں ہو، کتاب وسنت اجماع امت اور اعتبار صحیح کے ساتھ ہمیں فتویٰ دیں۔

جواب : ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

ہم پہلے آپ کے لیے امام المفتین محمد ﷺ کا فتویٰ ذکر کر کے اس کے بعد تائید ووضاحت کے لیے ائمہ اربعہ کے فتاویٰ ذکر کریں گے۔ ہم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے صحیح بات کہنے کے لیے مدد چاہتے ہیں۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ مصنف (۸۳/۲) میں اور امام مالک رحمہ اللہ مؤطا (۳۷۶/۱) میں روایت لاتے ہیں حارث نجرانی رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا نبی ﷺ سے موت سے پانچ دن پہلے آپ ﷺ فرمار ہے تھے:

''خبردار جو لوگ تم سے پہلے تھے انہوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں پر مساجد بنا رکھی تھیں۔ خبردار قبروں کو مساجد مت بناؤ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں''۔

اور سند اس کی صحیح ہے اور یہ حدیث مختلف طرق سے متعدد سندوں کے ساتھ وارد ہے جو پندرہ تک پہنچتی ہیں۔ یہ عائشہ، اسامہ، جندب، ابوھریرۃ، ابن عباس، ابوعبیدہ بن الجراح، زید بن ثابت، ابن مسعود، علی بن ابی طالب اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنھم سے ثابت ہے، بخاری (۴۲۲/۱)، مسلم (۶۷/۲)، نسائی (۱۱۵/۱)، دارمی (۳۲۶/۱)، احمد (۲۱۸/۱)، عبدالرزاق (۴۰۶/۱) بیہقی (۸۰/۴)، شرح السنہ للبغوی (۴۱۵/۲) جیسے کہ اس کی تحقیق احکام جنائز اور تحذیر الساجد عن اتخاذ القبور مساجد میں ہے یہ حدیث قبروں پر مسجدیں بنانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے تم جب قبر کو مسجد میں داخل کرو گے تو اس وعید کے مستحق بنو گے، اور نہی تحریم کے لیے ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور جس سے روکے رک جاؤ، (حشر: ۷)

کیا اس فعل شنیع میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی مشابہت کرنی کسی کے لیے حلال ہے؟ نبی ﷺ نے یہ بات امت کو ڈرانے بچانے کے لیے کہی جیسے عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ان کے کرتوت سے بچاتے تھے''مسلمان جو اپنے نبی ﷺ پر ایمان رکھتا ہو کے لیے یہ احادیث کفایت کرتی ہیں

لیکن ہم علماء کے فتوے بھی بصیرت میں اضافے کے لیے لکھتے ہیں۔

(۱) **حنفیہ**: کہتے ہیں قبور کے پاس مساجد بنانی مکروہ تحریمی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاثار(۴۵) میں صراحتاً کہا ہے:

"قبر کے علاوہ اس پر مزید اضافہ ہم درست نہیں سمجھتے اور قبر پکی بنانا اس کی لیپا پوتی اور اس کے پاس مسجد بنانا ہم مکروہ سمجھتے ہیں"۔ حنفیوں میں علامہ ابن مالکؒ کہتے ہیں:

"اس پر مساجد بنانا حرام ہے کیونکہ اس میں نماز پڑھنا یہودیوں کی سنت پر عمل کرنا ہے"

علی القاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ (۴۷۰/۱) میں نقل کرکے اسے ثابت رکھا ہے، کتب حنفیہ میں سے شرعۃ الاسلام (ص:۵۶۹) میں ہے، "قبر پر مسجد تعمیر کرنا مکروہ ہے جس میں نماز پڑھی جائے"۔

الکوکب الدری (۱۵۳/۱) میں ہے: "قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ قبر سامنے ہو یا پیچھے ہو یا ایک جانب ہو لیکن قبر کی طرف منہ کرنے میں کراہت اشد ہے"، تلخیص کے ساتھ۔

اور اسی طرح الطحطاوی علی مراقی الفلاح: (ص:۲۰۸) میں ہے مراجعہ کریں عینی شرح البخاری (۱٤۹/٤) ردالمحتار المعروف بالشامی: (۲۵۴/۱) میں ہے: "اور کہا گیا ہے کہ بتوں کی عبادت کی بنیاد نیک لوگوں کی قبروں پر مسجدیں بنانا ہے...... الخ۔ اسی طرح فتاوی دیوبند: (۹۲/۱) تفسیر آلوسی: (۲۳۱/۱۵)۔

(۲) - **شافعیہ**: کہتے ہیں قبروں پر مسجدیں بنانی اور اس میں نماز پڑھنی کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

ابن حجر الهیثمیؒ نے الزواجر عن اقتراف الکبائر: (۱۲۰/۱) جو بڑی مفید کتاب ہے میں صراحتاً کہا ہے، "قبروں پر مسجدیں بنانا کبیرہ گناہ ہے اور شرک کا سبب ہے یہ مکروہ نہیں حرام ہے"۔ (تلخیص کے ساتھ)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے خود کتاب الأم: (۲۴۶/۱) میں فرمایا ہے کہ "میں قبر پر مسجد بنانے کو مکروہ سمجھتا ہوں اور اسی طرح اس پر نماز پڑھنا یا نیت کرنا یا اس کی طرف نماز پڑھنا بھی کیونکہ اس میں فتنہ اور گمراہی ہے" (تلخیص کے ساتھ)۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ: کہتے ہیں اگر کوئی مسجد تعمیر کرے اور اس کے کسی حصے میں دفن ہونے کا قصد کرے تو وہ لعنت میں داخل ہے بلکہ مسجد میں دفن ہونا حرام ہے اگر دفن ہونے کی شرط لگائی ہے تو وہ شرط صحیح نہیں مسجد کے وقف کی مخالفت کی وجہ سے"،

یہ نقل کیا ہے مناوی نے فیض القدیر (۲۷۴/۵) میں۔

(۳): **مالکیہ**: کہتے ہیں یہ حرام ہے۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر: (۳۸/۱) میں صراحتاً کہا ہے کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ یہ حرام ہے مسلمانوں پر کہ وہ انبیاء اور علماء کی قبروں پر مساجد تعمیر کریں۔

(٤): **حنابلہ**: کہتے ہیں ایسی مساجد میں نمازیں پڑھنا حرام بلکہ باطل ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد: (۲۲/۳) میں تصریح کی ہے:

''اوران میں سے معصیت والی جگہوں کو جلانا اور منہدم کرنا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوتی ہو جیسے رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار جلائی اور اسے منہدم کرنے کا حکم دیا۔ وہ مسجد جس میں نماز پڑھی جاتی ہے اور اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن اس کی تعمیر مومنوں کو نقصان پہنچانے، ان میں تفرقہ بازی ڈالنے کے لیے تھی اور وہ منافقین کا ٹھکانہ تھا اور وہ جگہ جو اس قسم کی ہو تو حاکم کو چاہئے کہ اسے معطل کرے اسے جلائے یا منہدم کرے یا اس کی صورت بدل دے تاکہ جس کام کے لیے بنائی گئی ہے اس کام کی نہ رہے، جب مسجد ضرار کی یہ حالت تھی تو شرک کے اڈے جس کے مجاور اس میں مدفون لوگوں کو اللہ کا شریک بنانے کی دعوت دیتے ہیں جلانے اور منہدم کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر کہا ہے اس بناء پر وہ مسجد جو قبر پر بنائی گئی ہے منہدم کردی جائے، اسی طرح اگر مسجد میں کسی میت کو دفن کردیا جائے تو اسے نکال دیا جائے امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے اس پر نص کی ہے۔

دین اسلام میں مسجد اور قبر جمع نہیں ہوسکتے اوران میں جو بھی دوسرے پر بنائی جائے تو اس کو روکا جائیگا۔ اور حکم پہلے سے جو موجود ہو اسی کا ہوگا، اور اگر دونوں اکٹھی بیک وقت بنائی جارہی ہوں تو جائز نہیں اور یہ وقف صحیح نہیں اور ایسی مسجد میں جائز اور درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی نہی کی وجہ سے اور جو یہ کام کرے اس پر لعنت کرنے کی وجہ سے، یہ دین اسلام ہے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے نبی اور رسول کو مبعوث فرمایا اور لوگوں میں اس کا انوکھا پن آپ دیکھ رہے ہیں''۔ انتھی

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس مسئلے کی بابت اپنے فتوے (۱/ ۱۰۷)، (۲/ ۱۹۲) میں عجیب باتیں ذکر کرتے ہیں۔ اور **مجموعۃ الفتاوی** (۲۷/ ۱۴۰۔۱۴۱) میں کہا ہے:

''ایسی مساجد میں نمازیں پڑھنی بلاشک حرام اور باطل ہیں ان میں فرض یا نفل کچھ بھی جائز نہیں''۔ مراجعہ کریں ابن عروہ حنبلی کی **الکوکب الدری** (۲/ ۲۴۴)، امام ابن تیمیہؒ کی **الاختیارات العلمیہ**: (ص: ۵۲)، شرح **المنتھی** (۱/ ۳۵۳)

ہماری ذکر کردہ **نقولِ صحیحہ** سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اور قبروں کو مسجدوں میں داخل کرنا جائز نہیں ایسی مسجدوں میں نمازیں پڑھنی جائز نہیں کیونکہ یہ مشرکوں کی مشابہت ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے سورج کے طلوع وغروب ہوتے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں مشرکین کی مشابہت تھی ہم نے اس فتوے میں نقول اور احادیث کے ذکر کرنے میں اختصار سے کام لیا ہے کیونکہ انصاف پسند مسلمان کے لیے اسی قدر کافی ہے اور بھائیوں کو مذکور کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں خصوصا شیخ البانی رحمہ اللہ کی ''**تحذیر الساجد عن اتخاذ القبور**'' مساجد۔

اور شیخ عثیمینؒ نے مجموعہ (۲/ ۱۱۹) میں قبر رسول ﷺ کے چار جواب دیئے ہیں۔

اول: مسجد نبوی قبر پر تعمیر نہیں ہوئی بلکہ نبی ﷺ کی زندگی میں تعمیر ہوچکی تھی۔

دوم: نبی ﷺ مسجد میں دفن نہیں ہوئے کہ کوئی کہے یہ صالحین کا مسجد میں دفن ہونا ہے بلکہ آپ اپنے گھر میں دفن ہوئے تھے۔

سوم: رسول اللہ ﷺ کے گھروں کا سمیت عائشہ رضی اللہ عنھا کے حجرے کے مسجد میں شامل کیا جانا، صحابہ رضی اللہ عنھم کے اتفاق سے نہیں تھا بلکہ ۹۴ھ میں اکثر ان میں سے بکھر گئے تھے تو یہ کام صحابہ کی اجازت سے سے نہیں ہوا، بلکہ بعض نے مخالفت بھی کی جن میں سعید بن مسیبؒ بھی ہیں۔

چہارم: داخل کئے جانے کے بعد بھی قبر مسجد میں نہیں کیونکہ قبر مسجد سے مستقل حجرے میں ہے تو مسجد قبر پر نہیں بنی، اسی لیے اس جگہ کو محفوظ کر دیا گیا ہے اور اسے تین دیواروں کی مثلث سے اس طرح گھیر دیا گیا ہے کہ دیوار قبلے سے منحرف ہے اور شمالی کونہ کچھ اس طرح ہے کہ نماز پڑھنے والے کا منہ اس طرف نہیں ہوتا، کیونکہ وہ قبلے سے منحرف ہے اس لحاظ سے قبوریوں کا اس شبہ سے حجت پکڑنا باطل ہے۔ الخ. وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین. :



التباريح في الطقطقة بالتسابيح

التباريح فى الطقطقة بالتسابيح

تسبیح پر ذکر گنتے کا حکم

٨٠- سوال : کیا تسبیح کے دانوں پر ذکر کرنا جائز ہے اور جو ہاتھ کے پوروں پر اذکار گنتا ہے وہ افضل ہے تسبیح کے دانوں پر گننے والے سے؟۔ (آپ کا بھائی: اورنگ زیب، ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ)۔

جواب : الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وآله واصحابه واتباعه أجمعين أما بعد:

ہم کہتے ہیں کہ ذکر کرنے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ تسبیح صرف دائیں ہاتھ سے گنے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے اس حدیث سے جو ابوداؤد (۱/۲۱۰) باب التسبيح بالحصى میں برقم: (۱۵۰۲) صحیح سند کے ساتھ لاتے ہیں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے میں نے نبی ﷺ کو تسبیحات دائیں ہاتھ سے گنتے ہوئے دیکھا۔ بیہقی (۲/۱۸۷)

یہ حدیث امام ترمذی برقم: (۳۶۵۲) اس لفظ کے ساتھ لاتے ہیں "میں نے نبی ﷺ کو تسبیحات گنتے ہوئے دیکھا۔"

دوسری احادیث بھی دائیں ہاتھ کی قید کے بغیر آئی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو امام ترمذی برقم: (۳۶۵۱) صحیح سند کے ساتھ لاتے ہیں ابن ماجہ: (۹۲۶)، مشکوٰۃ: (۱/۲۱۱)، رقم: ۲۴۰۶)، نسائی: رقم: (۱۲۷۷)، احمد (۲/۲۰۴)، حاکم (۱/۵۴۷)۔

عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دو خصلتیں ہیں جنہیں مسلمان شخص گن کر پورا کرتا رہے تو جنت میں داخل ہو وہ دونوں آسان ہیں کہ اس پر عمل پیرا بہت کم ہیں ہر نماز کے بعد سبحان الله دس بار الحمد لله، دس بار اور الله اكبر دس بار، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاتھ سے گنتے ہوئے دیکھا۔ تو یہ زبان سے کہنے میں ایک سو پچاس ہیں اور میزان میں یہ پندرہ سو ہونگی اور جب بستر پر لیٹنے لگو تو سبحان الله، الحمد الله اور الله اكبر سو بار تو یہ زبان سے کہنے میں سو بار ہوئیں اور میزان ایک ہزار ہونگی تو تم میں سے کون رات دن میں ڈھائی ہزار گناہ کرتا ہے؟۔

صحابہ نے فرمایا: ہم کیسے اس کی گنتی پوری نہیں سکتے تو فرمایا: نماز میں تمہارے پاس شیطان آ کر کہتا ہے فلاں چیز یاد کرو یہاں تک کہ نماز سے توجہ ہٹا دیتا ہے تو شاید وہ نماز پوری نہ کر سکے، اور شیطان بستر پر بھی آ حاضر ہوتا ہے اور اسے سلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ (تسبیحات کے بغیر یا پورا کئے بغیر) سو جاتا ہے۔

اور اسی میں وہ حدیث بھی ہے جیسے ابوداؤد (۱/۲۲۰) رقم: (۱۵۰۱) میں، ترمذی رقم: (۳۸۳۵) لاتے ہیں اور یہ مشکوٰۃ (۱/۲۰۲)

میں بھی سند حسن کیساتھ ہے۔

یسیرة رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ تکبیر و تقدیس اور تہلیل کا خیال رکھیں اور انہیں انگلیوں پر گنیں ان انگلیوں سے (تسبیحات کے بارے میں) پوچھا جائے گا اور ان سے نطق کرایا جائے گا۔

حاکم (۵۴۷/۱) ابن ابی شیبہ (۳۹۰/۲)

پہلی حدیث تسبیحات کا داہنے ہاتھ سے گننے کی سنت پر اور مطلق حدیثیں دائیں اور بائیں دونوں ہاتھ سے تسبیحات کے جواز پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ساری انگلیاں مَسْئُوْلَاتٌ اور مُسْتَنْطَقَاتٌ ہیں (یعنی تسبیحات کے بارے میں پوچھا جائیگا اور ان سے نطق کرایا جائے گا) جیسے کہ آخری حدیث میں ہے۔ اور اس کے ساتھ بعض علماء نے پہلی حدیث کو ضعیف بھی قرار دیا ہے۔

لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو والی حدیث صحیح ہے اور اس کی عائشہ رضی اللہ عنھا کی اس حدیث سے تائید ہوتی ہے آپ فرماتی ہیں "کہ رسول اللہ ﷺ کا داہنا ہاتھ صفائی اور کھانے کے لیے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاء اور دوسرا گندی چیزوں کو ہٹانے کے لیے تھا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

تو ہم دائیں ہاتھ سے تسبیحات کو ترجیح دیتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے تسبیحات کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

تسبیح کے ساتھ ذکر کرنے کے جواز پر دلائل

رہا تسبیح کے ساتھ ذکر کرنا تو ہم پہلے اس کے بارے میں آثار ذکر کریں گے اور پھر اس سے استنباط بیان کریں گے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ گٹھلیوں اور کنکروں کے ساتھ ذکر کے بارے میں کچھ حدیثیں آئی ہیں:

پہلی حدیث: ابوداؤد (۲۱۰/۱) میں ہے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک عورت پر داخل ہوئے اس کے سامنے گٹھلیاں اور کنکر تھے جس پر وہ تسبیح کر رہی تھی۔ تو آپ نے فرمایا میں تجھے آسان اور افضل طریقہ بتاتا ہوں۔ الحدیث۔

یہ حدیث مشکوۃ (۲۰۱/۱) میں بھی ہے۔ شیخ البانی ؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں "خزیمہ" مجہول ہے میں کہتا ہوں کہ مستدرک کی حدیث میں خزیمہ نہیں ہے یہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

دوسری حدیث: کنانہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں صفیہ رضی اللہ عنھا سے وہ کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ مجھ پر داخل ہوئے اور میرے سامنے چار ہزار گٹھلیاں تھیں جن پر میں تسبیح کہتی تھی۔ حاکم (۵۴۷/۱) حاکم نے کہا یہ صحیح الاسناد ہے لیکن انہوں (بخاری، مسلم) نے نہیں نکالا۔ امام ذھبیؒ نے اس کی موافقت کی ہے لیکن اس کی سند ھاشم بن سعید اور کنانہ کے ضعف کی وجہ

سے محل نظر ہے جیسے السلسلة الضعيفة :رقم: (۷۳) کے تحت ہے۔ اور نکالا اسے ترمذی نے (۲/۱۹۵) میں۔

تیسری حدیث: امام جرجانی تاریخ جرجان (۶۸) میں لاتے ہیں "ابو ھریرہ سے روایت ہے مرفوعاً کہ وہ کنکروں پر تسبیح پڑھتے تھے، حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں القدامی ہے جیسے السلسلہ (۳/۴۷) رقم: (۱۰۰۲) میں ہے۔

چوتھی حدیث: دیلمی "مسند فردوس میں بھی علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں، "تسبیحات اچھا یاد دلانے والا ہے" اور اس کی سند بعض راویوں کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے جسے السلسلہ (۱/۱۱۰) رقم: (۸۳) میں ہے۔

پانچویں حدیث: جو ابوداؤد نے (۱/۲۹۵) رقم: (۲۱۷۴) اور ابن ابی شیبہ نے (۲/۳۹۰) میں روایت کیا ہے۔

ابو نضرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھے حدیث سنائی طفاوۃ کے شیخ نے وہ کہتے ہیں کہ میں ٹھہرا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں تو میں نے صحابہ رضی اللہ عنھم میں ان سے زیادہ اہتمام کرنے والا اور مہمانوں خیر گیری کے لیے کھڑا ہونے والا نہیں دیکھا، ایک دن میں ان کے پاس تھا اور وہ اپنی چارپائی پر بیٹھے تھے ان کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کنکریاں گٹھلیاں تھیں ان سے نیچے ان کی کالی لونڈی تھی اور وہ ان (کنکروں) سے تسبیح کر رہے تھے یہاں تک کہ تھیلی میں جو کچھ تھا ختم کر دیا اور اسکی طرف پھینک دیا تو اس (لونڈی) نے اکٹھی کر کے دوبارہ تھیلی میں ڈال کر انہیں دیدیں، الحدیث، حدیث ابوھریرۃ سے روایت کرنے والے راوی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

چھٹی حدیث: ابن ابی شیبہ: (۲/۳۹۰) میں حکیم بن الدیلمی سے لاتے ہیں وہ سعد کی لونڈی سے روایت کرتے ہیں کہ سعد کنکروں اور گٹھلیوں کے ساتھ تسبیحات کرتے تھے۔ لیکن یہ روایت سعد کی لونڈی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اور ابن سعد (۲/۱۴۳) میں حکیم بن الدیلمی سے روایت کرتے ہیں کہ سعد کنکریوں کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور اس نے لونڈی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ساتویں حدیث: ابن ابی شیبہ (۲/۳۹۰) ابن اخنس سے روایت لاتے ہیں وہ کہتے ہیں مجھے حدیث سنائی ابوسعید کے مولیٰ نے ابوسعید سے کہ وہ تین مٹھیاں لیکر اپنی ران پر رکھ کر لیتے تھے پھر تسبیح کہتے اور ایک رکھ دیتے، پھر تسبیح کہتے اور دوسری رکھ دیتے پھر تسبیح کہتے اور تیسری رکھ دیتے پھر انہیں اٹھا کر اسی طرح کرتے، لیکن مولا کی جہالت کی وجہ سے سند اس کی ضعیف ہے۔

آٹھویں حدیث: ابن ابی شیبہ (۲/۳۹۰) میں زاذان سے روایت لاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں ام یعفور سے ان کی تسبیح اٹھا لایا، جب علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو مجھے تعلیم دی اور کہا کہ اے ابوعمر ام یعفور کی تسبیح اسے لوٹا دے۔

نویں حدیث: ابن ابی شیبہ (۲/۳۹۱) میں کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی ابن فضل نے وقاء سے انہوں نے سعد بن جبیر سے انہوں نے کہا، دیکھا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کہ اپنی تسبیح کے ساتھ ذکر کر رہا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ تیرا یہ کہنا کافی ہے کہ تو کہے، سبحان اللہ باندازہ زمین و آسمانوں کے بھرنے کے اور باندازہ بھرنے اس چیز کے جو تو چاہے ان کے

"الحدیث۔

دسویں حدیث: وہ حدیث جو امام ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ (۱/۳۵) میں لاتے ہیں زید بن حباب روایت کرتے ہیں عبدالواحد بن موسیٰ سے کہ ابونعیم بن المحرر بن ابی ھریرۃ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا ایک دھاگہ تھا جس میں ہزار گرہیں تھیں وہ اس پر تسبیح پڑھ کے ہی سوتے تھے۔ نکالا اس کو عبداللہ بن الامام احمد نے زوائد الزھد میں اسی طرح الحاوی للفتاوی (۲/۳) میں ہے اور نکالا ابونعیم نے الحلیہ (۱/۳۸۳) میں۔

گیارھویں حدیث:

وہ روایت جو ابن احمد نے کتاب الزھد: (ص:۱۷۵) میں ابوالدرداء کے زید کے بارے میں لاتے ہیں وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی عبداللہ انہوں نے کہا مجھے حدیث سنائی میرے والد نے انہوں نے کہا مجھے حدیث سنائی مسکین بن بکیر نے وہ کہتے ہیں انہیں خبر دی ثابت بن عجلان نے قاسم سے وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن سے کہ انہوں نے کہا کہ ابوالدرداء کے پاس عجوہ کی گٹھلیاں تھیں میرا خیال ہے کہ وہ دس تھیں ایک تھیلی میں اور وہ جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنے فرش پر بیٹھ جاتے اور اس تھیلی میں سے ایک ایک نکالتے جاتے اور تسبیح کہتے جاتے جب ساری نکال لیتے تو پھر ایک ایک واپس اس میں ڈالتے جاتے اور تسبیح کہتے جاتے یہاں تک کہ ام الدرداء ان کے پاس آ کر کہتیں آپ کا کھانا حاضر ہے اور کبھی کہتے اٹھا لیجاؤ میرا روزہ ہے۔

بارھویں حدیث: وہ حدیث جیسے امام بغوی اور ابن کثیر البدایہ والنھایہ (۵/۲۷۹) میں لائے ہیں ابوالقاسم بغوی کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی احمد بن مقدام نے وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی معتمر نے وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی ابوکعب نے اپنے دادا بقیہ سے وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ کے غلام ابوصفیہ سے ان کے لیے چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا جاتا پھر کنکروں کی ایک زنبیل لائی جاتی تو وہ ان پر نصف النھار تک تسبیح کہتے پھر اٹھا لی جاتیں جب ظہر کی نماز پڑھ لیتے تو پھر شام تک تسبیح پڑھتے رہتے، نکالا اس کو ابن سعد نے (۷/٦۰) میں، ابن حجرؒ نے الاصابہ (۴/۱۰۹) میں اور نکالا ہے احمد نے الزھد میں اسی طرح حاوی: (۲/۲) میں دیکھیں۔ کاندھلوی کی حیاۃ صحابہ: (۳/۳۲۲)۔

تیرھویں حدیث: وہ حدیث جو محمد بن وضاح القرطبی "کتاب البدع والنھی عنھا" ص(۱۰) بَابُ كُلُّ مَا أُحْدِثَ مِنَ الْمُحْدَثَاتِ فَهِيَ بِدْعَةٌ يَجِبُ إِزَالَتُهَا" میں لاتے ہیں :

حدیث سنائی ہمیں اسد نے عبداللہ بن رجاء سے وہ روایت کرتے ہیں عبیداللہ بن عمر سے وہ روایت کرتے ہیں یسار بن ابی الحکم سے عبداللہ بن مسعود کو بتایا گیا کہ کوفہ میں کچھ لوگ مسجد میں کنکروں پر تسبیح پڑھتے ہیں وہ آئے تو ہر آدمی نے اپنے سامنے کنکروں کی ایک ڈھیری بنائی ہوئی تھی ابوالحکم کہتے ہیں کہ وہ انہیں کنکر مارتے رہے یہاں تک کہ انہیں مسجد سے نکال دیا اور کہتے تھے تم اندھیری بدعت نکال لاتے ہو یا تم محمد ﷺ کے صحابہ سے علم میں بڑھ چکے ہو۔ اسے اور صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

چودھویں حدیث:

محمد بن الوضاح أبان بن عیاش سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے حسن سے منکوں اور گٹھلیوں کی لڑی کے بارے میں پوچھا (دھاگہ جس میں موتی اور منکے پروتے ہوئے ہوتے ہیں) جس پر تسبیح پڑھی جاتی ہیں تو انہوں نے کہا نبی ﷺ کی زوجات اور مہاجرات میں سے کسی نے یہ نہیں کیا۔

پندرھویں حدیث:

حدیث جسے ابن ابی شیبہ نے (۳۹۱/۲) میں ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو منع کرتے تھے، کہ وہ عورتوں کی تسبیح کے دھاگوں کے بٹنے میں اعانت کرے۔ جس پر تسبیح کی جاتی ہے، سند اس کی اچھی ہے (مقطوع) یہی کچھ ہم جمع کر سکے۔ پس ہم کہتے ہیں: شاید عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا رد ان کا اپنی طرف سے اذکار کی تعیین و تحدید پر تھا۔ اور یہ بدعت ہے۔ اس تاویل پر محمد بن وضاح کی ذکر کردہ روایات دلالت کرتی ہیں۔

اس لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے مجموعۃ الفتاوی (۵۰۶/۲۲) میں کہا ہے، "انگلیوں پر تسبیحات کا گننا سنت ہے جیسے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کو فرمایا تسبیحات پڑھو اور انہیں اپنی انگلیوں پر گنو۔ ان سے پوچھا جائے گا اور ان سے باتیں اگلوائی جائیں گی۔ اور ان کا گٹھلیوں اور کنکروں پر گننا وغیرہ اچھا ہے، صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے بعض ایسا کیا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے ام المؤمنین کو کنکروں پر تسبیحات پڑھتے دیکھا اور برقرار رکھا۔ اور ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے اس پر تسبیحات پڑھنا مروی ہے، اور منکوں وغیرہ کی لڑی پر تسبیحات پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

بعض لوگ مکروہ سمجھتے ہیں اور بعض مکروہ نہیں سمجھتے۔ اگر حسن نیت ہو تو اچھا ہے مکروہ نہیں۔ بلا ضرورت بنانا اور لوگوں کو اس کا اظہار کرنا مثال کے طور پر گلے میں لٹکانا۔ ہاتھ میں کنگن کی طرح ڈالنا تو یہ یا تو ریا کاری یا پھر ریا کاری کا مظنہ ہے بلا ضرورت ریا کاروں کی مشابہت ہے، پہلی صورت حرام ہے اور دوسری صورت کا حال کم کراہت کا ہے۔ الخ۔

صاحب السنن والمبتدعات (۲۵۵/۲) میں یہی بات کہی ہے انہوں نے یہ فرق کیا ہے کہ ہاتھ کے ساتھ تسبیحات کا گننا سنت ہے اور تسبیح وغیرہ سے افضل ہے، پھر کہا ہے اور گٹھلیوں اور کنکروں کے ساتھ تسبیحات پڑھنا جائز ہے۔

پھر پہلے گزرے ہوئے آثار میں سے بعض ذکر کیے ہیں۔ اور تسبیح کو لٹکانے اور لوگوں کو ظاہر کرنے پر رد کیا ہے، مزید وضاحت کیلئے اس کی طرف رجوع کریں۔

اور اسی طرح امام شوکانیؒ نے نیل الاوطار (۲۵۸/۲)، بَابُ جَوَازِ عَقْدِ التَّسْبِيحِ بِالْيَدِ وَعَدِّهِ بِالنَّوى وَنَحْوِهِ" میں ذکر کیا ہے اور مسئلے کی تحقیق کی ہے۔ تو جو تسبیح کو بدعت قرار دیتے ہیں تو ان کی کلام حمل کی جائے گی کہ تسبیح تب بدعت ہوگی اسے دین بنا لیا جائے اور ہاتھوں پر تسبیحات گننے پر اسے فضیلت دی جائے۔

لیکن جو تسبیح اس لیے رکھے کہ اسے یاد رہے جیسے کہ تجربہ سے ثابت ہے تو یہ بدعت نہیں کیونکہ بدعت اسے کہا جاتا ہے کہ جو عبادت کے طور پر دین میں نئی چیز نکالی جائے اور اگر عبادت کے طور پر کوئی نئی چیز نکالی نہ جائے تو وہ بدعت نہ ہوگی اس کے ساتھ گزرے ہوئے آثار سے گٹھلیوں اور کنکروں کے ساتھ تسبیحات پڑھنے کی اباحت معلوم ہوتی ہے۔ اور منکوں کی لڑی بھی اسی معنی میں ہے۔ واللہ اعلم.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔



الحوار التام فی مسئلة افشاء السلام

۸۱- یہ رسالہ ہے جس کا میں نے نام رکھا ہے" اَلْحِوَارُ التَّامُ فِيْ مَسْئَلَةِ اِفْشَاءِ السَّلَام بَيْنَ جَمِيْعِ الأَنَام" ہم کہتے ہیں: ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

مجھ سے بھائی محمد حسن کنڑی نے سلام عام کرنے کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو میں نے دلائل کے ساتھ مختصر فتویٰ لکھا تو بھائی نے وہ فتویٰ کنڑ میں منصف قضاء پر فائز ایک عالم پر پیش کیا، قاضی صاحب نے صرف ایک حدیث کا کمزور بلکہ احتمالی جواب دیا انہوں نے ان مذکورہ احادیث صحیحہ و صریحہ کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا تھا حالانکہ نسخ احتمال سے ثابت نہیں کیا جا سکتا

بلکہ نسخ کے لیے تین درج ذیل شرطیں ہیں۔

اول: یہ تاریخ معلوم ہو کہ فلاں ناسخ فلاں منسوخ سے متأخر ہے۔

دوم: ناسخ منسوخ سے قوی تر یا صحت میں ہم پلہ ہو۔

سوم: ان دونوں میں تطبیق کسی بھی وجہ سے ممکن نہ ہو۔

تو میں نے اس مسئلے کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہا کیونکہ اس مسئلے سے متعلق فوائد بہت ہیں اور لوگ اکثر اس سے غفلت کرتے اور اکثر مفتی حضرات بعض مصنفین کی تقلید کرتے ہیں جنھوں یہ مسئلے دلیل و برھان کے بغیر لکھا ہے جس سے یقین حاصل نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ آپ بھی میرے ساتھ ان دلائل میں سکون واطمینان سے تدبر کریں اور عجلت سے کام نہ لیں۔ نمازی کو سلام کرنا مسنون ہے اور وہ بحالت نماز اشارے سے اس کا جواب دے، ذکر کرنے والے، تلاوت کرنے والے اور مؤذن پر سلام کہنا مسنون ہے اور اسی طرح عورتوں پر بھی اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اسی طرح کھانے میں مصروف لوگوں سمیت مسلمانوں پر سلام کیا جا سکتا ہے، سوائے ان بعض اشخاص کے جن کا اس حکم سے مستثنی ہونے پر سنت وارد ہے، ان کا حال ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

اس کے دلائل دو قسم کے ہیں۔ عام دلائل" خاص دلائل"۔

عام دلائل یہ ہیں:

اول: مسلم (۱/ رقم ۹۳) کتاب الایمان، مشکوٰۃ (۲/ ۳۹۷) ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مومن بنے بغیر جنت میں نہیں جا سکتے، اور مومن تب بنو گے کہ تم آپس میں محبت کرنے لگو، میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں کہ جب

تم وہ کرنے لگو تو آپس میں محبت پیدا ہوگی (وہ عمل یہ ہے) کہ آپس میں سلام عام کرو۔ ترمذی (۲/۹۸) اس کی سند جیسے آپ دیکھ رہے ہیں صحیح ہے۔

یہ حدیث سلام کے عام کرنے میں مطلق ہے اس کی تخصیص وتقیید جب تک شک سے مبرا دلیل نہ لائی جائے ممکن نہیں۔ انصاف پسند اہل تدبر کے لیے یہی ایک دلیل کافی ہے اور مزید دلائل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوم: بخاری (۲/۹۲۱)، مسلم (۲/۲۱۳)، مشکوۃ (۲/۳۹۷) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا، بیمار کی عیادت، جنازوں کے ساتھ جانا، چھینکنے والے کو جواب دینا (بشرطیکہ وہ الحمد اللہ کہے) کمزور کی مدد کرنا، سلام عام کرنا، قسم پوری کرنا۔

اسی طرح مشکوۃ (۱/۱۳۳) میں بھی ہے۔

تو نبی ﷺ نے افشاء سلام کا حکم فرمایا، اور افشاء کا معنی عام کرنا اور وسیع کرنا ہے تو جو شخص ذکر کرنے والے اور نماز وغیرہ پڑھنے والے پر سلام نہیں کرتا تو وہ افشاء السلام کے حکم کی مخالفت کرتا ہے، اور مسلمان سنت کی مخالفت نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کے پاس ایسی شرعی حجت نہ ہو جو مخالفت کو جائز کرتی ہو اور اس عام حکم میں سے اس کی تخصیص کرتی ہو، وباللہ التوفیق۔

عام دلائل بکثرت ہیں ہم ان پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

خاص دلائل:

(۱) نمازی پر سلام کہنے کے دلائل بھی بہت ہیں:

ان میں سے اول وہ حدیث ہے جسے ابوداؤد رقم (۹۲۷) باب رد السلام في الصلاة ابن ماجہ رقم: (۱۰۱۷) "باب المصلي يسلم عليه كيف يرد" میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ قباء کی طرف نماز پڑھنے نکلے راوی کہتے ہیں آپ ﷺ نماز میں تھے اور انصار نے آکر آپ کو سلام کیا، راوی کہتے ہیں میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو کہا کہ جب وہ سلام کہہ رہے تھے تو تم نے رسول اللہ ﷺ کو کیسے جواب دیتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے کہا ایسے کرتے تھے، اور اپنی ہتھیلی پھیلائی۔ جعفر بن عون نے اپنا ہاتھ پھیلایا ہتھیلی کو نیچے کی طرف کیا اور اس کی پشت کو اوپر کی جانب کیا، یہ حدیث صحیح ہے اور مدینہ میں وارد ہوئی جبکہ نماز میں کلام منسوخ ہو چکی تھی اس سے قبل مکہ میں بحالت نماز بات چیت جائز تھی غور کریں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کیسے اس مسئلے کی تعلیم دیتے تھے۔

دوم: جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا (جب میں واپس آیا) تو

آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا میں نے آپ کو سلام کہا، آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا۔ فارغ ہونے کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا تم نے مجھے ابھی سلام کہا تھا اور میں نماز پڑھ رہا تھا، ابن ماجہ: رقم (۱۸) مسلم: (۱/۲۰۴) اسی طرح ابوداؤد: رقم: (۹۲۶)۔

سوم: صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے میں نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے اشارے سے جواب دیا راوی کہتا ہے میں یہی جانتا ہوں کہ انہوں نے انگلی سے اشارہ فرمایا، ابوداؤد: رقم (۹۲۵) بسند صحیح، ترمذی (۱/۳۶۷) مراجعہ کریں، مشکوۃ (۱/۹۱) ابن ابی شیبہ (۲/۷۴)، احمد (۴/۳۳۲۔۳/۳۷۹۔۳۸۰)۔

چہارم: نافع" سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس سے گزرے اور وہ نماز پڑھ رہا تھا، انہوں نے اسے سلام کیا تو اس شخص نے کلامی جواب دیا، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ واپس لوٹے اور اسے کہا جب تم میں سے کسی کو کوئی سلام کہے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو اسے کلام نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہاتھ کے اشارے سے جواب دے۔ مؤطا (۱/۱۵۴) مشکوۃ (۱/۹۲) ابن ابی شیبہ (۲/۷۴)

کیا رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ بھی منسوخ ہے اور ہر حکم جو رسول اللہ ﷺ سے آئے اور وہ لوگوں میں سے کسی کی رائے کے خلاف ہو تو اس میں یا تو دور کی تاویل کرتے ہیں یا پھر اسے بلا دلیل منسوخ کر کے دم لیتے ہیں۔

پانچویں: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور آپ نماز میں تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اشارے سے جواب دیا جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو اسے فرمایا کہ ہم پہلے نماز میں سلام کا (کلامی) جواب دیتے تھے لیکن ہمیں اس سے منع کر دیا گیا ہے، بزار نے اسے سند حسن کیساتھ نکالا ہے، اسی طرح مجمع (۲/۸۱) میں ہے۔

اس حدیث سے ہمارے لیے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز میں سلام کے جواب اشارہ کرنا نہیں بلکہ کلامی جواب دینا منسوخ ہے۔ تدبر کرے کوئی تو یہ بڑی واضح دلیل ہے۔

چھٹی: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب میں میری طرف اشارہ فرمایا، نکالا اسے طبرانی نے اوسط اور صغیر میں اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ المجمع (۲/۸۳) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو روایت صحیحین میں ہے تو اس میں کلام سے ممانعت ہوئی، اشارے سے نہیں باوجود اس کے کہ یہ حدیث مکہ میں وارد ہوئی ہے، ابن ابی شیبہ (۳/۸۳) اور اسکی تفصیل (۲/۸۴) میں ہے۔

انہوں نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے جب نبی ﷺ کو سلام کہا تو آپ نے اپنے سر مبارک کو ہلا کر جواب دیا۔

ساتویں: عطاء کہتے ہیں میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سلام کہا آپ کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا مجھے (کلامی) جواب نہ دیا اور ہاتھ پھیلا کر مجھ سے مصافحہ کیا۔

امام ابن ابی شیبہ (۳/۷۴) میں "بَابُ مَنْ كَانَ يَرُدُّ وَيُشِيرُ بِيَدِهِ أَوْ بِرَأْسِهِ" ذکر کیا ہے۔

آٹھویں: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب تم پر کوئی سلام کہے اور آپ نماز پڑھ رہے ہوں تو آپ اس کا جواب دیں۔

نویں: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: نماز پڑھتے ہوئے میں کسی کو سلام نہیں کہتا اور اگر کوئی مجھ پر سلام کہے تو میں اسے ضرور جواب دونگا۔ ابن ابی شیبہ أیضاً (۲/۷۴)۔

دسویں: عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے جواب دیا، ابن ابی شیبہ باب مذکور میں لاتے ہیں۔ کنز العمال (۸/۲۱۷) رقم: (۲۲۶۳۵)۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ : نفس اشارہ رسول اللہ ﷺ سے کئی احادیث سے ثابت ہے اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بھی تو ایک عام آدمی کی رای کی وجہ سے کس طرح منع کیا جاسکتا ہے اور یہ باطل پرستوں جاہلوں کی طرح صرف دعوی نہیں بلکہ اسی کے بارے میں بعض احادیث ذرا کان لگا کر سنیں !۔

امام ابوداؤد رقم: (۹۴۳) باب الاشارہ في الصلاۃ اور عبدالرزاق نے المصنف (۲/۲۵۸) میں، امام بیہقی: (۲/۲۶۲) میں صحیح سند کے ساتھ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں اشارہ کرتے تھے۔

دوسری حدیث عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ انہوں نے نماز میں ایک عورت کی طرف اشارہ کیا تھا جو ان کے لیے هریسہ (ایک قسم کا کھانا) لے کر آئی تھیں کہ اسے رکھ دے۔ مشکاۃ (۱/۵۱) باب احکام المیاہ۔

تیسری حدیث: "نبی ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنھا کی لونڈی کو اشارہ کیا تھا" جیسے کہ شیخان نے "بـاب صلوۃ العصر" میں روایت کیا ہے، یہ اشارہ نماز کے اندر تھا دیکھیں صحیح مسلم (۱/۲۷۷) بخاری (۱/۱۶۴) باب الاشارۃ في الصلوۃ۔ امام عبدالرزاق نے المصنف (۲/۲۵۸) کے باب الاشارۃ في الصلوۃ میں بہت آثار ذکر کئے ہیں۔

اس باب میں احادیث کثیر تعداد میں آئی ہیں لیکن تنگی وقت کی وجہ سے ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

یہ ایسے دلائل ہیں کہ جن کی تردید نسـخ وتاویلات بعید سمیت وجوہ میں سے کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی، جن کا دعویٰ مدعیان علم کرتے ہیں۔ واللہ الموفق للصواب وبہ التکلان۔

(۲): ذاکر پر سلام بھی مسنون ہے

اس کے بھی تین قسم کے دلائل ہیں۔ دلائل عامہ تو ہم نے فتوی کے شروع میں ذکر کردئے اور دوسری قسم کے دلائل نمازی پر سلام کہنے کے ذکر میں ہم نے بیان کردئے کیونکہ نمازی بھی اللہ کا بڑا ذاکر ہے جب نمازی پر سلام کہنا جائز ہے تو عام ذکر کرنے والے پر بطریق اولیٰ جائز ہے یہ ایسی واضح دلیل ہے کہ اس کے بعد مزید کسی تحقیق کی ضرورت نہیں۔

تیسری قسم کی دلیل یہ ہے کہ مؤمن کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا ہے وہ ذکر الٰہی سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔

رسول اللہ ﷺ بھی ہر حال میں ذکر کیا کرتے تھے جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے اور اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں:

''جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں'' (آل عمران:۱۹۱)

جب تم نے ذکر کرتے وقت سلام سے منع کر دیا تو گویا تم نے مومن پر ہمیشہ سلام کہنے سے منع کر دیا، کیونکہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے بالفاظ دیگر تم کہتے ہو جس کی یہ صفت ہو اس پر ہم سلام نہیں کہتے ہیں بلکہ ہم سلام غافلین اور فاسقین پر کہتے ہیں تو تم نے شریعت کی مخالفت کی جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں اس سے زیادہ واضح دلیل دوسری نہیں ہو سکتی۔

مزید دلیل کیلئے ہم کہتے ہیں کیا سلام اذکار میں سے نہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم کیوں ذکر سے روکتے ہو۔ اور اگر تمہارے نزدیک وہ اذکار شرعیہ میں سے نہیں تو دلیل پیش کرو، اگر پیش نہیں کر سکتے تو ان قطعی دلائل شرعی کے آگے سر خم تسلیم کرو۔ اور ذکر کرنے والوں پر سلام سے نہی کی دلیل کہاں ہے جبکہ نبی ﷺ نے افشاء سلام کا عام حکم دیا ہے۔

(۳) قرآن کی تلاوت کرنے والے پر بھی سلام کہنا مسنون ہے

جو دلائل ہم نے ذکر کیے ان سے یہ سب کچھ ثابت ہو جاتا ہے جب نمازی پر سلام کہنا جائز ہے تو وہ نماز میں قرآن بھی تو پڑھتا ہے تو نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے والے پر بطریق اولیٰ جائز ہے اور اس سے نہی بھی وارد نہیں۔

اس کے بارے میں صریح دلائل میں سے ایک وہ ہے جو امام ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''الوابل الصیب'' (ص:۹۰) میں ایک شرعی قاعدہ بیان کرتے ہوئے ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ عبادت مفضولہ اپنے مطلوبہ وقت میں فاضلہ بن جاتی ہے اگرچہ وہ باقی اوقات مفضولہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں یہ بڑا مفید اصل ہے اس سے بندے پر اعمال کے مراتب اور ان کو اپنے مراتب پر رکھنے کے معرفت کے دروازے کھلتے ہیں تا کہ فاضل کو چھوڑ کر مفضول کے ساتھ مشغول نہ رہے کہ فاضل اور مفضول کے درمیان فرق کا فائدہ ابلیس کو نہ پہنچے، یا یہ کہ فاضل اور مفضول میں دیکھ کر فاضل کے ساتھ مشغول ہو جائے اور مفضول کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ وقت مفضول کا ہے اور اس کی مصلحت بالکلیہ فوت ہو جائے اس کا یہ خیال ہو کہ فاضل میں مفضول سے زیادہ ثواب ہے۔ یہاں اعمال کے مراتب، تفاوت اور مقاصد کی معرفت اور ہر عمل کو اس کا حق دینے کی سمجھ کی ضرورت ہے۔ کہ ایک عمل کو مرتبے میں رکھنے کی صورت میں اس سے اہم عمل کے فوت ہونے کا امکان ہو۔

لیکن اس میں اہم اور افضل عمل کو اگر چھوڑ بھی دیا جائے تو اس کا تدارک ممکن ہے اور کسی اور وقت بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ

مفضول عمل فوت ہو جائے تو اس کا تدارک ممکن نہیں اس لیے اس (مفضول) عمل کے ساتھ مشغول ہونا ہی بہتر ہے۔

یہ بات اس مثال سے سمجھی جا سکتی ہے کہ سلام یا چھینکنے والے کو جواب دینے کے لیے اگر قرأت ترک کر دی جائے اگرچہ اس سے قرأت افضل ہے کیونکہ اس مفضول (سلام یا چھینک کا جواب) کو کر لینے کے بعد فاضل (قرأت) کا اعادہ ہو سکتا ہے اس کے خلاف اگر تلاوت کے ساتھ مشغول رہے تو سلام اور چھینک کے جواب کی مصلحت فوت ہو جائے گی یہی حال تمام اعمال کا ہے جب وہ آپس میں مزاحم ہو جائیں اس شرعی قاعدے میں غور و فکر کی ضرورت ہے اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔

اللجنة الدائمہ نے (۸۳۸۲/۴) میں جب یہ سوال پوچھا گیا کہ اگر تلاوت میں مصروف کسی انسان کے پاس سے کوئی گزرتے ہوئے سلام کہے تو سلام کا جواب دینے کے لیے قرأت قطع کر سکتا ہے؟

تو انہوں نے اپنے فتوے میں تین جواب دیے ہیں۔

<u>پہلا جواب:</u> سلام کہنے والے کا جواب دینے کے بعد اپنی قرأت کی طرف لوٹ آئے تا کہ دونوں فضیلتیں جمع ہو جائیں۔

<u>دوسرا جواب:</u> سنت یہی ہے کہ اس پر سلام ڈالے کیونکہ صحیح احادیث سے ملاقات کے وقت سلام اور مصافحہ مشروع ہے۔

<u>تیسرا جواب:</u> قاری سلام میں پہل بھی کر سکتا ہے اور سلام کا جواب بھی دے سکتا ہے کیونکہ اس سے منع پر کوئی شرعی دلیل ثابت نہیں ہے۔

اور سلام میں پہل اور سلام کا جواب دینے کی مشروعیت کے دلائل میں اصل عموم ہی ہے، یہاں تک کہ اور دلائل سے اس کی تخصیص ثابت ہو جائے تو اس مسئلے میں اہل علم کے بھی فتوے ہیں۔ ہم عنقریب بعض محققین علماء کے فتوے بھی ذکر کریں گے۔

امام نووی کتاب الاذکار: (ص:۲۲۴) میں ابو الحسن الواحدی نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''تلاوت میں مصروف شخص پر سلام کا ترک ہی اولیٰ ہے اور جب اس پر کوئی سلام کہہ دے تو جواب زبانی دے یا اشارے سے''۔

پھر امام نوویؒ کہتے ہیں اس میں نظر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ اس پر سلام کہے اور اس پر لفظی جواب دینا فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل علم کے اقوال سے استدلال کرنا درست نہیں البتہ تائید کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ بعض مدعیان فتویٰ کی نظر کسی سطر پر ٹک جاتی ہے تو وہ اسی پر جھک جاتے ہیں اور اسے اصل اصیل بنا لیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی دلیل کیا ہے اور اسے کس نے قبول کیا ہے۔

(۴) مؤذن کو سلام کہنا بھی سنت ہے

ایک تو مذکورہ دلائل کے عموم کی وجہ سے، اور چونکہ اذان میں بات کرنی جائز ہے تو سلام کا جواب دینا بطریقہ اولیٰ جائز ہے، ابن ابی شیبہ (۲۱۲/۱) میں سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے یہ صحابی ہیں، وہ چھاؤنی میں اذان بھی دیتے تھے اور آذان کے

دوران اپنے غلام کو کام کا بھی کہتے تھے، حسن سے روایت آئی ہے کہ وہ آذان واقامت میں بات کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے، قتادہ اور عروۃ بن الزبیر آذان میں کلام کیا کرتے تھے،

اسی طرح مصنف عبدالرزاق (۱/ ۴۶۸) میں بھی ذکر ہے، امام بخاریؒ اپنی صحیح (۱/ ۷۶) میں باب الکلام في الاذان میں فرماتے ہیں، سلیمان بن صرد نے اپنی اذان میں کلام کیا، اور حسنؒ نے کہا:

''اذان واقامت کے دوران ہنسنے میں کوئی حرج نہیں''، پھر عبداللہ بن الحارث سے مسند حدیث ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یوم ردغ میں ہمیں خطبہ دیا جب مؤذن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کو پہنچا تو اسے حکم دیا کہ وہ ''اَلصَّلٰوۃُ فِي الرِّحَال'' کہے۔

لوگ یہ سن کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو انہوں فرمایا، یہ فعل مجھ سے بہتر شخصیت نے کیا تھا اور یہ عزیمت ہے۔

فتح الباری (۲/ ۷۷) اسی طرح امام نوویؒ نے الاذکار (ص:۲۲۵) میں کہا ہے:

''مؤذن کے لیے لفظ معتاد کے ساتھ جواب دینا مکروہ نہیں کیونکہ اس معمولی فعل سے اذان باطل ہوتی ہے، نہ اس میں خلل آتا ہے''

(۵) عورتوں کو سلام کی سنیت

جب سلام کہنے والے کے لیے اور اسی طرح عورت کے لیے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر سلام کہنا جائز ہے اس کی دلیل متعدد احادیث ہیں جن میں ایک وہ ہے جو ابوداؤد رقم: (۵۲۰۴) کِتَابُ الْأَدَبِ بَابُ السَّلَامِ عَلَی النِّسَاءِ میں اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہم پر کچھ عورتوں میں گزرے تو آپ نے ہم پر سلام کہا''۔

اور اسناد اس کی صحیح ہے، ابن ماجہ رقم: (۳۷۰۱) الصحیحہ : (رقم:۸۲۳)

دوسری روایت اسماء سے ہے وہ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ مسجد میں گزرے وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ نے ہاتھ سے سلام کا اشارہ فرمایا، اسے امام بخاری نے الادب المفرد میں (رقم:۱۰۴۷) ابوداؤد نے کتاب الادب میں اور ترمذی نے کتاب الاستیذان میں روایت کیا ہے۔ احمد نے (۶/ ۴۵۲-۴۵۷-۴۵۸) میں اور دارمی نے نکالا ہے۔

(۶) عورتوں کا مردوں کو سلام کہنے کی سنیت:

ام ھانی فرماتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس گئی آپ اس وقت غسل فرما رہے تھے، میں نے آپ کو سلام کہا تو آپ نے فرمایا یہ کون ہے تو اس نے کہا میں ام ھانیٔ ہوں تو آپ نے مرحبا کہا۔ بخاری (۲/ ۴۲) کتاب الادب وللاستیذان ، مسلم (۲/) کتاب السلام، بخاری الادب المفرد (رقم:۱۴۵)۔

اسی طرح امام بخاری الادب المفرد میں حسن سے روایت کرتے ہیں کہ عورتیں مردوں پر سلام کہا کرتی تھیں رجوع کریں زادالمعاد:(۲/۲۷)۔

(۷) بچوں پر سلام کی سنیت:

"انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بچوں پر گزرے تو انہیں سلام کہا۔ اور پھر کہا کہ نبی ﷺ ان کے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے۔ بخاری (۲/۹۲۳) مسلم (۲/۲۱۴)۔

(۸) کھانا کھانے والے پر سلام کی سنیت:

احادیث کے عموم سے بھی ثابت ہوتا ہے، اس کے علاوہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے سلام کہنے میں بھی بخل کرے، الادب المفرد (رقم:۱۰۴۱) تو سلام کے ساتھ بخل کرنا درست نہیں جب تک کہ صریح نہی وارد نہ ہو جو نہیں پائی گئی تو جو کھانے والوں پر سلام نہیں کہتا وہ نص رسول ﷺ سے بخیل ہے،

امام نووی الاذکار ص :(۲۲۴) میں وہ احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں جن میں سلام کہنا مکروہ ہے، کہ جب کھانا کھائے اور لقمہ اس کے منہ میں ہو (تو سلام نہ کہا جائے) ہاں اگر لقمہ منہ میں نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور جواب دینا فرض ہے۔

میں کہتا ہوں کہ لقمہ منہ میں ہو تب بھی سلام کہنا جائز ہے کیونکہ لقمہ منہ سالوں تک تو نہیں ٹھہرتا بلکہ دوسرے لمحے نکل جاتا ہے اور سلام کا جواب فوراً دینا تو ضروری نہیں کہ کسی بھی صورت اس میں تاخیر کی گنجائش نہ ہو۔

الشیخ الصحیحہ (۱/۳۱۰) رقم:(۱۸۴) میں فرماتے ہیں :جب یہ (احادیث افشاء السلام) تم جان چکے تو یہ بھی جان لینا چاہئے کہ افشاء السلام جس کا حکم ہوا ہے کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور لوگوں نے سنت سے ناواقفی کی وجہ سے یا عمل میں سستی کی وجہ سے تنگ کر دیا ہے ان میں سے ایک نمازی پر سلام کہنا ہے اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ مشروع نہیں بلکہ امام نووی نے الاذکار میں اسے صراحۃً ذکر کیا ہے جبکہ صحیح مسلم کی شرح میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ سلام کا جواب اشارے سے دینا مستحب ہے اور یہی سنت ہے۔

نبی ﷺ پر نماز پڑھتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنھم کا سلام کہنے کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، اور نبی ﷺ نے اس عمل کو برقرار رکھا اور سلام کا (اشارے سے) جواب دیا، پھر ابن عمر رضی اللہ عنھما کی حدیث ذکر کی جو پہلے گزر چکی پھر فرمایا:

"اس حدیث کی طرف امام احمد اور امام اسحق دونوں گئے ہیں"۔

اور امام مروزیؒ نے المسائل :ص(۲۲) میں فرمایا:"میں نے امام احمدؒ کو کہا: قوم جب نماز پڑھ رہی ہو تو ان پر سلام کہا جا سکتا

ہے؟ تو انہوں نے کہا: "پھر بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ ذکر کیا جب ان سے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ (سلام کا) جواب کیسے دیتے تھے؟ تو کہا: "اشارہ کر کے دیتے تھے۔" اور یہی اختیار کیا ہے بعض محققین مالکیہ نے۔

پس قاضی ابو بکر بن العربی العارضہ (۲/۱۶۲) میں کہتے ہیں: "اور کبھی کبھی اشارہ نماز میں سلام کے جواب کے لیے ہوتا ہے اور کبھی کبھی نمازی کو پیش آنے والی کسی ضرورت کے لیے ہوتا ہے۔"

اگر وہ نماز میں سلام کے جواب کے لیے ہے تو اس میں بہت سے صحیح آثار ہیں جیسے قباء میں نبی ﷺ کا فعل وغیرہ۔

پھر شیخ کہتے ہیں: تعجب ہے کہ امام نووی الاذکار میں نمازی پر سلام کو صراحتاً مکروہ کہنے کے بعد کہتے ہیں:

"اور نماز میں اشارے سے سلام کا جواب دینا مستحب ہے تلفظ درست نہیں"۔

میں کہتا ہوں: تعجب کی وجہ یہ ہے کہ جواب سلام کا استحباب سلام کو مستلزم ہے اور اس کا عکس عکس کو کیونکہ دونوں امور کی دلیل ایک ہی ہے۔ اور وہ بھی حدیث یا اس کا ہم معنی حدیث ہے۔ تو جب سلام کے جواب کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہے تو عین اس وقت نفس سلام کے استحباب پر بھی دلالت کرتی ہے، اگر یہ مکروہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ بیان فرما دیتے اگرچہ جواب سلام میں عدم اشارہ کے ساتھ کیونکہ یہ بات مسلم ہے ضرورت کے وقت سے بیان کی تاخیر جائز نہیں۔

اور یہ واضح ہے۔ الحمد للہ اور ان میں سے مؤذن اور قاری پر سلام کہنا ہے تو یہ بھی مشروع ہے اور اس کی دلیل آگے گزر چکی۔

جب نمازی پر سلام کا استحباب ثابت ہو چکا تو قاری اور مؤذن پر سلام کا کہنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

اور مجھے یاد ہے کہ میں نے مسند میں ایک حدیث پڑھی تھی جس میں نبی ﷺ کا تلاوت میں مصروف جماعت پر سلام کہنے کا ذکر تھا اور اس مناسبت سے اس کا ذکر کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے اب تک نہیں ملی۔

پھر وہ سلام کا جواب لفظوں میں دیں یا اشارے سے تو ظاہر پہلی بات ہی ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں مؤذن کو سلام کا جواب معتاد لفظوں میں دینا مکروہ نہیں کیونکہ یہ معمولی عمل ہے۔ الخ۔

اسی طرح انہوں نے (۴/۱۴۰) میں مختصر ذکر کیا ہے۔

(۹) مسجد میں موجود لوگوں پر سلام کیا جائے خواہ وہ ذکر میں یا تعلیم میں مصروف ہوں یا نماز پڑھ رہے ہوں

کیونکہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا اور نبی ﷺ ایک کونے میں تشریف فرما تھے، پھر اس نے آکر آپ کو سلام کہا، آپ ﷺ نے وَعَلَيْكَ السَّلَامُ کہا، ابن ماجہ رقم: (۳۶۹۵) لاتے ہیں مسئی الصلاۃ والی مشہور حدیث کا ایک حصہ ہے اور اس میں سلام کا ذکر تین بار ہے۔ اور اسی طرح جواب بھی۔ مشکوۃ (۱/۷۵)۔

الشیخ الصحیحہ (۳۱۴/۱) میں کہتے ہیں: ''اس میں مسجد میں موجود لوگوں کو سلام کہنے کی مشروعیت کی دلیل ہے''۔
اور مسجد قباء میں انصار کا نبی ﷺ پر سلام کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کا ذکر ہو چکا۔
اس کے باوجود ہم بعض متعصبین کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس سنت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ جب مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو اس خیال سے کہ یہ مکروہ ہے اہل مسجد پر سلام نہیں کہتے۔ جو کچھ ہم لکھ چکے اس میں ان کے لیے اور دوسروں کے لیے نصیحت ہے۔ وَالذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ، شرح مسلم (۲۰۴/۱) میں امام نوویؒ نے سلام کے جواب میں اشارہ کرنے کو مستحب کہا ہے۔

سلام سے شریعت نے جن لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے وہ یہ ہیں:

کافر، فاسق، مبتدع اور جو پیشاب کر رہا ہو۔
لیکن نبی ﷺ کافروں پر ''السَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى'' کہہ کر سلام کہا کرتے تھے، جیسے کہ بخاری (۵/۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اور فاسق کو سلام کہنے اور اس کے سلام کا جواب نہ دینے کی دلیل صحیحین میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ''وہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کو سلام کہا کرتا تھا لیکن آپ جواب نہیں دیا کرتے تھے، اگرچہ کعب رضی اللہ عنہ بہترین صحابہ میں سے تھے۔
اور مبتدع سے ترک تعلق ضروری ہے جبکہ اس کی بدعت سے دفاع کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو تو اسے سلام کہہ کر عزت افزائی کیسے کی جا سکتی ہے۔
پیشاب کرنے والے پر سلام کے عدم جواز پر دلیل بخاری کی حدیث ہے جو مشکوۃ (۵۵/۱) میں ہے ابو جہیم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ پر سلام کہا اور آپ پیشاب کر رہے تھے تو آپ نے جواب نہیں دیا پھر تیمم کر کے جواب دیا۔
فتح الباری (۳۵۱/۱) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پیشاب کرنے والے پر سلام نہ کہا جائے اور نہ ہی وہ سلام کا جواب دے۔ جو صریح اور صحیح دلائل اور محققین علماء کے اقوال ہم نے ذکر کیے کہ سلام کا دائرہ وسیع ہے اسی لیے نبی ﷺ نے سلام عام کرنے کا حکم دیا، اس سے بعض متفقھہ جو کچھ کہتے ہیں اس کا بطلان ثابت ہوا۔
جیسے ابن عابدین حاشیہ رد المحتار (۴۱۴/۱) میں کہتے ہیں کہ اکیس قسم کے لوگوں پر سلام نہ کہا جائے۔
اور ایسے ابیات میں ذکر کرتے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:
''سلام کا جواب فرض ہے سوائے اس کے۔ وہ نماز میں ہو، کھانے پینے میں مصروف ہو، قرأت دعا یا ذکر میں مشغول ہو، خطبہ یا تلبیہ میں مصروف ہو، قضائے حاجت کر رہا ہوں، اذان دے رہا ہو یا اقامت کر رہا ہو، اسی طرح بچے کو سلام کہنا، یا بحالت نشہ کسی کو سلام کہنا، یا نوجوان عورت کو سلام کہنا کہ جس میں فتنے کا ڈر ہو، فاسق، اونگھنے والا، سویا ہوا، حالت جماع میں، یا حاکم کے پاس فیصلہ

لیجاتے وقت، یا وہ حمام میں ہو، یا دیوانہ ہو، یہ اکیس (۲۱) ہوئے۔

درمختار میں ہے، سلام کرنا تیرا مکروہ ہے ان پر جن کا ذکر تو عنقریب سنے گا۔ اور جو میں ظاہر کردوں ان کے بعد اوروں پر (سلام کہنا) مشروع و مسنون ہے۔ نماز پڑھنے والا، تلاوت کرنے والا ذکر کرنے والا، حدیث بیان کرنے والا خطیب اور وہ جس کی طرف کان لگا کر اس کی بات سنی جائے فقہ کا تکرار کرنے والا اور جو فیصلہ کرنے بیٹھا ہو، اور جو فقہ کی بحث میں مشغول ہوں تو انہیں چھوڑ دے تا کہ وہ نفع پہنچائیں، اذان کہنے والا، اقامت کہنے والا، تدریس کرنے والا،

اسی طرح اجنبی عورتوں پر (سلام کہنے سے منع کرتا ہوں) اور شطرنج یا اس جیسا اور کوئی کھیل کھیلنے والے اور جوان کے کھیل سے متمتع ہو رہے ہوں، اور اسی طرح کافر کو بھی چھوڑ دو اور برہنہ کو اور جو قضائے حاجت کی حالت میں ہو تو اس پر سلام کہنا بری بات ہے۔ اسی طرح کھانا کھانے والا، لیکن اگر آپ خود بھوکے ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ وہ کھانے سے نہیں روکے گا (تو سلام کہہ کر اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں) اسی طرح گانے والا، استاذ جو اپنے گانے سے لوگوں کو مبہوت کر رہا ہو۔ یہاں آ کر ان کا ذکر ختم ہوا لیکن مزید بھی ہو تو آپ کو نفع دی سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے ذہن اور فکر کے بل بوتے پر کسی چیز کو حلال قرار دے دیا حرام کرے یا مکروہ و مباح کرے جب تک شرعی دلیل نہ ہو، بلکہ کتاب و سنت کی بنیاد پر کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیا جا سکتا ہے، ان فقیہان بے توفیق نے اپنے آپ کو شارع سمجھ رکھا ہے۔ اور دلیل دیکھے بغیر جسے چاہتے ہیں جائز قرار دیتے ہیں۔ اور جسے چاہتے ہیں حرام گردانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا ان کرتوت پر محاسبہ فرمائے گا، اور ہم تو الحمد للہ صرف دلیل کی تابعداری کرتے ہیں، صراط مستقیم پر چلنے والوں کا یہی طریق ہے اور جو اس راہ سے بھٹکے گا اسے اللہ تعالیٰ کا عذاب آلے گا۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْق - بدھ (۵) ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ۔

دو حدیثوں کے درمیان تطبیق

۸۲- سوال: رسول اللہ ﷺ کا قول ہے، ''اے اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ، اور موت بھی مجھے حالت مسکینی میں دے اور (قیامت کے دن) مساکین کی جماعت میں میرا حشر فرما''۔

اور دوسرا قول ہے، ''اے اللہ! میں کفر سے، فقر سے، اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں''۔ ان دونوں اقوال رسول اللہ ﷺ میں تطبیق کی کیا صورت ہے، نبی ﷺ کا فقر سے پناہ پکڑنا متعدد احادیث میں وارد ہے تو کیا پہلی حدیث صحیح ہے؟۔

آپ کا بھائی: ابو یاسر عبداللہ بدھ: ۲۹: شعبان: ۱۴۱۴ھ۔

جواب: وَمِنْهُ الصِّدْقُ وَالصَّوَاب :

ہاں حدیث صحیح ہے ترمذی :(۲/۶۰)، بیہقی (۷/۱۲) ابن ماجہ (۲/۴۱۲۶)، ضیاء المقدسیؒ المختارہ میں اور عبد بن حمید میں یہ حدیث لاتے ہیں، اسی طرح الارواء رقم: (۸۶۱) اور الصحیحہ (۱/۵۵۵) میں برقم: (۳۰۸) مذکور ہے اُسے ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، عبادہ بن صامتؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

اور امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کر کے زیادتی کی ہے، امام ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ نے ان پر رد کیا ہے۔

امام بیہقیؒ نے فرمایا ہے، "اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس مسکینی کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت اور تنگدستی کی طرف لوٹتا ہے بلکہ اس مسکینی کا سوال کیا ہے جس کا معنی تواضع اور انکساری کی طرف لوٹتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ تلخیص ص: (۲۷۵) میں فرماتے ہیں امام ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کر کے زیادتی کی ہے اور انہوں نے یہ اقدام اس لیے کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو آپ ﷺ کی حالت وفات کے مباین سمجھا ہے کیونکہ آپ ﷺ بحالت کفاف تھے، رجوع کریں صحیح الجامع (۱۷۱۱) رقم: (۱۲۶۱)۔

اور صاحب مصابیح اور مشکاۃ نے اسے (۲/۴۴۷) باب فضل الفقراء میں ذکر کیا ہے مرقاۃ (۱۰/۱۱)۔

بعض نے کہا ہے، "مجھے متواضع بنا، جابر اور متکبر مت بنا" یہ نہیں کہا کہ مجھے فقیر بنا دے تا کہ محتاج اور حقیر ہونے کا وہم نہ رہے۔

میں کہتا ہوں: مذکورہ نقول سے دونوں مسئلوں کا جواب ثابت ہو گیا۔

اور مال کے موجود ہونے سے آدمی غنی نہیں بن جاتا، غنیٰ تو نفس کا غنیٰ ہے اور مال کی قلت سے آدمی حقیقی مسکین نہیں بنتا کیونکہ بہت سے نادار متکبر ہوتے ہیں اور نبی ﷺ کا قول، "وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ" بھی اس پر دلالت کرتا ہے کسی نے کہا ہے، "مسکینی کی دعا سے نبی ﷺ کی مراد مال کے ساتھ قلتِ اشتغال ہے کیونکہ یہ انسان کو حد کمال سے خارج کر دیتا ہے۔ مرقات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

کان کے بجنے کی دعا

۸۳ - سوال : کان کے بجنے کی دعا کے بارے میں بتائیں کہ کیا اس میں سنت مطہرہ وارد ہے؟۔

(آپ کا بھائی: علی گل)۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ابن السنی نے ص: (۸۷) رقم: (۱۶۶) میں عبداللہ بن عبیداللہ کے دادا سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے

فرمایا: جب کسی کا کان بجے تو مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے اور یوں کہے، "ذَكَرَ اللهُ بِخَيْرٍ مَنْ ذَكَرَنِيْ" (جس نے مجھے یاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کا ذکر خیر فرمائے)۔ امام نووی نے اسے الاذکار ص: (۱۷۱) میں نکالا اس کی سند میں محمد بن عبداللہ ہے اور اس کے مناکیر میں سے ہے جیسے کہ میزان (۴/۱۵۷) میں ہے۔

اور اسی طرح اس میں معمر بن محمد بن عبید اللہ ہے اور میزان (۳/۱۳۵) میں ہے "یہ اس کے مناکیر میں سے ہے" اور روایت کیا اسے طبرانی، بزار، خرائطی اور ابن عدی نے اور سند اس کی ضعیف ہے لیکن ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/۱۳۸) میں طبرانی کی سند کو حسن کہا ہے، اور جلاء الأفهام ص: (۲۴۰) کی تعلیق میں ہے کہ سخاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے، "روایت کیا اسے طبرانی ابن عدی، ابن السنی، خرائطی، ابن عاصم، ابو موسیٰ المدائنی اور ابن بشکوال نے اور سند اس کی ضعیف ہے اور نکالا ہے اسے ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور تعجب کی بات ہے کیونکہ اس کی سند غریب ہے اور اس کے ثبوت میں نظر ہے جیسے کہ القول البدیع (۲۲۴) میں ہے واللہ اعلم۔

حدیث: [رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ] کی تحقیق

۸۴- **سوال**: یہ حدیث کہاں تک صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا، "ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہیں"، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس روایت کو ملا علی القاری نے موضوعات کبریٰ ص (۴۰) میں ذکر کیا ہے، عسقلانی تسدید القوس میں کہتے ہیں یہ مشہور علی الالسنہ ہے اور یہ ابراہیم بن عبلۃ کی کلام ہے (الكنى للنسائي)

میں کہتا ہوں: یہ حدیث الاحیاء میں مذکور ہے اور امام عراقی نے بروایت جابر امام بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔

امام سیوطیؒ کہتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے اسے جابر رضی اللہ عنہ سے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک غزا سے واپس آئے تو فرمایا، اچھی آمد آئے ہو اور تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو۔

صحابہ رضی اللہ عنھم نے پوچھا، "جہاد اکبر کا کیا مطلب؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"بندے کا اپنی خواہش کے خلاف جہاد کرنا"

بوصیریؒ نے اس پر سکوت کیا ہے جیسے المطالب العالیہ (۳/۲۳۶) میں ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں اگرچہ

معنی کے لحاظ سے درست ہے۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں باتوں سے پاک اور منزہ ہے

۸۵- سوال : کیا یہ کلام صحیح ہے جو زبان زد عام ہے؟ کہتے ہیں، ''کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر میں انسان ہوتا تو دہی کھاتا اور کہتے ہیں، ''جب کوئی شخص قوم لوط (علیہ السلام) والا عمل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو بخار چڑھ جاتا ہے''۔

جواب: وَ مِنْهُ الصِّدْقُ وَالصَّوَاب۔

یہ جاہلوں کی خرافات ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کھانے کی اور حدوث کی تمنیٰ کر سکتے ہیں؟ یہ شیطان کی باتیں ہیں جو ان کی زبانوں پر جاری کر دی گئی ہیں۔ جو کچھ ظالم اور جاہل کہتے ہیں۔ اس سے تعالیٰ بہت بلند و برتر ہے ایسی باتیں کرنا اللہ تعالیٰ کے حق میں سوء ادب ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی برتری کا عقیدہ نہیں رکھتے'' ۔نوح (۱۳)۔

سلف رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایسی چیزوں کے ساتھ ذکر کرنا مناسب نہیں کہ جن کو ذکر کرنے سے انسان شرماتا ہو جیسے کتا، خنزیر اور مستقذر اشیاء یہ اللہ عزوجل کی تعظیم کے خلاف ہے۔ اور جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ یہودیوں کی پیروی ہے کیونکہ وہ کہتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں (آل عمران:۱۸۱) ''اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں'' المائدہ (۶۴) ''ہم اس کے بیٹے اور دوست ہیں'' مائدہ (۱۸)

دوسرا قول بھی غلط ہے کیونکہ اللہ کی صفات میں بخار کی صفت وارد نہیں ہوئی ہے۔

صحیح یہ ہے کہ کہا جائے، ''اللہ تعالیٰ اس کام پر غیرت کرتا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے، ''اللہ تعالیٰ غیرت کرتے ہیں آدمی جب اللہ کے حرام کردہ کام کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے غیرت آتی ہے (مسلم)

یا یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل پر غضبناک ہوتے ہیں۔

الفاظ [illegible] کے ہوتے ہوئے گھٹیا کلمات اور گرے پڑے اقوال کی کیا ضرورت ہے۔

ان خبیث زبانوں کے لیے ہلاکت ہو جو بے شرمی سے یہ خرافات بکتی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں۔ ایک مسلمان کو اس جیسے کلمات زبان پر نہیں لانے چاہئے تاکہ اس کے لیے ملاقات والے دن اس کا غضب نہ لکھ دیا جائے۔

وباللہ عزوجل التوفیق۔

ooooooo

انگلیوں پر تسبیحات کا گننا

۸٦- سوال : ذکر شرعی کا انگلیوں پر حساب رکھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے یا جس طرح کوئی انسان چاہے انگلیوں پر شمار کر سکتا ہے ؟۔

جواب: وَمِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی الصِّدْقُ وَالصَّوَابُ۔

ہم نے مسئلہ: (نمبر ۸) میں تسبیح اور انگلیوں پر ذکر کا حکم تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

مطلوبہ مسئلہ میں ہم کہتے ہیں، حدیث صحیح سے ثابت ہے جیسے ابوداؤد (۱/۲۸۰) رقم: (۱۵۰۲) میں بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاص لاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تسبیحات دائیں ہاتھ سے گنا کرتے تھے، ترمذی (۲ :رقم: ۳۶۵۲، ۳۴۳۳، ۳۷۴۳)، ابن ماجہ (۱/۲۹۹) رقم: (۹٦۲) احمد (۲/۲۰۴) مشکاۃ (۱/رقم: ۲۳۰٦) اور اسی طرح مستدرک (۱/۵۴۷)۔

<u>دوسری حدیث</u>: ابوداؤد (۱/۲۸۰) رقم: (۱۵۰۱) نے بروایت یسیرہ رضی اللہ عنہا ذکر کیا ہے، وہ خبر دیتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ تکبیر، تقدیس اور تہلیل کا خیال رکھیں اور انہیں انگلیوں پر گنا کریں، ان (انگلیوں) سے پرسش ہوگی اور ان سے باتیں کرائی جائیں گی، اس کی سند حسن ہے۔ مشکوۃ (۱/۲۰۲) ترمذی نے بھی اسے نکالا ہے تحفہ (۴/۲۸۴) احمد (٦/۳۷۰)

مبارک پوری تحفہ (۴/۲۸۳) میں کہتے ہیں "وَاعْقِدْنَ" یعنی تسبیحات کا شمار انگلیوں پر کریں ان کو بند کر کے یا ان کے سروں پر، اور "عَقَدَ الشَّيْءَ بِالْأَنَامِلِ" کے معنی ہے: کسی چیز کو انگلیوں کے ذریعے شمار کرنا۔ جاننا چاہیے کہ عربوں کا گنتی کا معروف طریقہ ہے، جس پر ان کا توافق چلا آرہا ہے جو اکائیوں "عشروں" سینکڑوں اور ہزاروں کی مختلف انواع پر مشتمل ہے۔

اکائیوں میں وہ ایک کے لیے چھنگلی کو ہتھیلی کی طرف بند کر لیتے ہیں، دو کے لیے وہ اس کے ساتھ ساتھ والی انگلی بھی بند کر لیتے ہیں اور تین کے لیے دونوں کے ساتھ بیچ والی انگلی بھی بند کر لیتے ہیں، چار کے لیے وہ چھنگلی کو کھول لیتے ہیں۔ اور پانچ کے لیے وہ چھنگلی اور ساتھ والی انگلی دونوں کھول دیتے ہیں۔ چھ کے لیے وہ چھنگلی کی ساتھ والی انگلی کو بند کر کے باقی سب انگلیاں کھول دیتے ہیں۔ سات کے لیے وہ چھنگلی کو ہتھیلی میں انگوٹھے کی جڑ تک پھیلا دیتے ہیں۔ آٹھ کے لیے ساتھ والی انگلی کو چھنگلی پر اسی طرح رکھ دیتے ہیں اور نو کے لیے درمیانی انگلی کو بھی ان پر اسی طرح رکھ دیتے ہیں۔

عشرات (دھاکے) کے لیے انگوٹھا اور شہادت کی انگلی ہوتی ہے پہلے دھاکے (عشرے) کے لیے انگوٹھے کے سرے کو شہادت والی انگلی کے پہلو پر رکھتے ہیں، دوسرے دھاکے (عشرین) (بیس: ۲۰) کے لیے انگوٹھے کو دونوں انگلیوں (شہادتوں والی اور بیچ والی) کے درمیان رکھتے ہیں۔ اور تیس کے لیے شہادت والی انگلی کا سرا انگوٹھے کے سرے پر رکھتے ہیں اور چالیس کے لیے انگوٹھے کو

شہادت والی انگلی کے درمیانے بند پر رکھتے ہیں، اور پچاس کے لیے انگوٹھے کو شہادت والی انگلی کی جڑ کی طرف موڑتے ہیں، اور ساٹھ کے لیے چالیس کے برعکس شہادت والی انگلی کو انگوٹھے کی پشت پر جوڑتے ہیں۔ اور ستر کے لیے انگوٹھے کا سرا شہادت والی انگلی کے درمیانے بند پر گراتے ہیں اور اس کا سرا انگوٹھے کی طرف موڑتے ہیں۔ اور اسی کے لیے شہادت والی انگلی کے اس جانب پھیلا دیتے ہیں جو انگوٹھے کی طرف ہے۔ اور نوے کے لیے شہادت کی انگلی کو انگوٹھے کی جڑ کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ اور سینکڑے نو سو تک اکائیوں کی طرح ہیں بائیں ہاتھ میں اور ہزار دہاکوں (عشرات) کی طرح ہیں بائیں ہاتھ میں۔

مرقات (۵/۱۱۸۔۱۱۹) میں ہے "وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ" کا معنی ہے تسبیحات کی گنتی انگلیوں اور ان کے سروں سے کرو، اس سے دلالت ہوتی ہے کہ وہ عقد حساب کو جانتی تھیں۔ ملخصا اور مرقاۃ (۲/۳۲۸) میں "عَقَدَ ثَلاثاً وَخَمْسِينَ" کے تحت لکھا ہے کہ "اس سے دلالت ہوتی ہے کہ صحابہ میں یہ مخصوص حساب اور عقد جاننے والے تھے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ معرفت رکھنا اس مشہور حدیث کے منافی نہیں جس کے راوی بھی وہی ہیں کہ "ہم امی امت ہیں لکھنا اور حساب کرنا نہیں جانتے" کیونکہ اسے یا تو اکثر پر حمل کریں گے یا نفی حساب مذموم پر حمل کریں گے جو علم نجوم تک پہنچتا ہے۔ ملخصا النووی شرح مسلم (۱/۳۱۶) احمد (۲/۱۳۱)

مسند احمد (۲/۳۴۱) میں ہے: اور وھیب نے نوے کا عقد کیا۔ اور بخاری (۲/۱۰۴۶) سفیانؒ نے نوے یا سو کا عقد کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۳/۹۲) میں تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے، کہ "عقد حساب یہ عربوں کی اپنی اصطلاح ہے جسے انہوں نے آپس میں تلفظ سے بچنے کے لیے وضع کیا ہے۔

اور وہ اس کا اکثر استعمال سودوں میں بھاؤ کے وقت کیا کرتے تھے۔ ایک اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں رکھتا تو تلفظ کئے بغیر دونوں مراد کو سمجھ لیتے تھے، دیگر حاضرین سے اپنی مراد کو مستور رکھنا مقصود ہوتا تھا۔ تو جس قدر رسد (سکندری) سے کھل گیا تھا اسے نبی ﷺ نے ایسی صفت کے ساتھ تشبیہ دی جو انہیں معلوم تھی، اور ان عقود کے ساتھ اکثر شعراء نے بھی تشبیہ دی ہے۔ اس پر غور کرتے ہوئے مجھے ایک لطیفہ ملا۔ کسی ادیب کا یہ شعر ہے:

وَفُؤَادِيْ فِيْ قَبْضَةِ التِّسْعِيْنَ		رُبَّ بَرْغُوْثٍ لَيْلَةٍ بِتُّ مِنْهُ
حَتّٰى ذَاقَ طَعْمَ الْحِمَامِ فِي السَّبْعِيْنَ		اَسَرَتْهُ يَدُ الثَّلَاثِيْنَ

(کتنے ہی پسو تھے کہ میں نے ان سے رات گزاری اور میرا دل نوے کی مٹھی میں تھا۔ تیس کے ہاتھ نے اسے گرفتار کیا اور ستر (۷۰) کے ہاتھ نے اسے موت کا مزا چکھا دیا)،

اور تیس کا عقد یہ ہے کہ انگوٹھے کو شہادت والی انگلی سے ملا دیا جائے جیسے کہ کوئی سوئی جیسی باریک چیز پکڑ رہا ہو اور ستر کی گرہ یہ ہے

کہ انگوٹھے کے ناخن والا کنارہ اندر کی طرف شہادت والی انگلی کے دو بندوں کے درمیان میں دکھ دیا جائے اور شہادت والی انگلی کو اس پر موڑ دیا جائے جیسے کوئی دینار کا کھوٹ کھرا معلوم کر رہا ہو۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "عقد انامل" رسالے میں لکھا ہے "اس حساب سے ذکر کرنا سنت نبوی ہے اور انہوں نے اردو زبان میں اپنے خاص مطبوعہ رسالے میں ان گرہوں کو تصویروں کے ذریعے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ جس کیفیت کے ساتھ گن لیا جائے سنت ادا ہو جائیگی لیکن مذکورہ کیفیت افضل ہے ان احادیث کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ صلحاء اور متقین میں یہی طریقہ معروف تھا۔ وَمِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ التَّوْفِيْق۔ رجوع فرمائیں : مصنف ابن ابی شیبہ(۲/۳۸۹۔۳۹۱)۔

00000000

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کی قدر

۸۷- سوال : بعض لوگ ذکر کرتے ہیں: "کعبہ کو ساتھ بار منہدم کرنا مؤمن کو ایک بار غمگین کرنے سے زیادہ آسان ہے" کیا یہ حدیث صحیح ہے۔

جواب: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

حدیث ان لفظوں میں وارد ہے: "ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: "تیری کتنی بڑی عظمت ہے، تیری کتنی بڑی حرمت ہے اور مؤمن کی حرمت اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑی ہے"

نکالا اسے ترمذی نے (۲/۳۰۰) رقم: (۲۱۱۸) صحیح ابن حبان (۷/۵۰۶)، ترغیب للمنذری (۳/۲۴۰)

اور ترغیب (۳/۲۹۴) میں مرفوعاً ہے، "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے مؤمن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے، اس کے مال کی، اس کے خون کی، ابن ماجہ (۲/رقم: ۳۹۳۲) بسند ضعیف۔ جیسے کہ ضعیف الجامع (۵۰۰۶) اور غاية المرام (۴۳۵) اور سند اس کی حسن ہے مرفوعاً۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے متعلق احادیث

۸۸- سوال : اس حدیث کے بارے میں بتائیں "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا نور پیدا فرمایا، کیا یہ صحیح ہے، فضل اللہ (۲۱: شوال ۱۴۱۴ھ)۔

جواب: وَمِنَ اللهِ الْحَقُّ وَالصَّوَابُ :-

مذکورہ حدیث اور اس جیسی یہ حدیث، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کا نور پیدا فرمایا، اور یہ حدیث، "میں عرب بلاعین ہوں یعنی "رب" اور احمد بلامیم ہوں یعنی "احد" بلاشک باطل ہیں جسے بے دینوں نے وضع کیا ہے تاکہ مسلمانوں کو صحیح دین سے روکیں جیسے کہ آپ دیکھ سکتے ہیں فتاویٰ اللجنة الدائمه (۱/ ۳۰۷-۳۱۰)۔

ہم نے یہ روایتیں موضوعات کی کتب کے علاوہ کہیں نہیں دیکھیں اور صحیح حدیث اس کی تردید کرتی ہے جسے نکالا ابویعلی نے (۱/ ۱۲۶) اور بیہقی نے (ص: ۲۷۱) میں اور ترمذی نے (۲/ ۳۸) میں اور مشکاۃ (۱/ ۲۷) میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ اور اسے وہ سب کچھ لکھ لینے کا حکم دیا جو ہونے والا تھا۔

اور صحیحہ رقم: (۱۳۳/۱/۱/ ۲۰۷) میں ذکر کرکے فرمایا ہے کہ حدیث میں اشارہ ہے اس کی طرف جو لوگ نقل کرتے پھرتے ہیں یہاں تک کہ یہ لوگوں کے دلوں میں راسخ عقیدہ بن گیا ہے، اور وہ کہ کہ نور محمدی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تخلیق فرمایا، اور اس کی صحت کی کوئی بنیاد نہیں اور عبدالرزاق والی حدیث کی سند غیر معروف ہے اس پر شاید ہم الاحادیث الضعیفه میں الگ کلام کریں گے ان شاء اللہ۔

اور مرقاۃ (۱/ ۱۶۶) میں جو ذکر ہے کہ اول حقیقی نور محمدی ہے جیسے کہ میں "المورد للمولد" میں تحقیق کرچکا ہوں اور اسی طرح (۱/ ۱۶۷) میں بھی ذکر ہے۔

تو میں کہتا ہوں،" کہ صاحب المرقاۃ غث وسمین کو جمع کرنے والے ہیں انہوں نے مرقاۃ میں الاحادیث الواهیہ جمع کر رکھی ہیں جیسے حدیث "أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ الْعَقْلَ" اور "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ رُوْحِيْ" اور "أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ نُوْرِيْ"

لیکن ان کے مخارج ذکر نہیں کرتے اور نہ ہی ان کی سندوں کی صحت، وہ ہمیں تقلید جامد کی طرف دعوت دیتے ہیں ہم ان کی سیڑھی (مرقاۃ) سے دھوکہ نہیں کھائیں گے کیونکہ یہ آگ کی طرف جانے والی سیڑھی ہے، تو اگر کوئی تمھیں یہ حدیثیں پیش کرے تو ان سے صحیح سند طلب کریں۔ واللہ عزوجل الموفق۔

محمد طاہر پٹنی نے "تذکرۃ الموضوعات ص: (۸۶) میں اسے موضوع کہا ہے، امام ابن تیمیہؒ نے بھی اسے موضوع کہا ہے، کشف الخفاء (۱/ ۲۰۵) میں اسے موضوع لکھا ہے۔

اور تنزیہ الشریعة (۲/ ۴۰۳) میں ہے، "امام ابن تیمیہؒ نے کہا" یہ موضوع ہے"۔



روح قبض کرنے والے فرشتے کا درست نام ملک الموت ہے

۸۹- سوال : کیا ملک الموت کے لیے عزرائیل کا لفظ سنت میں ثابت ہے؟۔

جواب: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے تعلیق احکام الجنائز (ص:۱۵۵) میں فرمایا ہے" کتاب وسنت میں اس کا نام ملک الموت ہے اور یہ کہ ان کا نام عزرائیل ہے یہ صرف لوگوں میں مشہور ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور شاید یہ اسرائیلیات میں سے ہے۔

امام ابن کثیرؒ (۲/۴۵۷) میں آیت " ﴿ قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ﴾ (سجدہ آیت:۱۱) کے تحت لکھتے ہیں:" اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک الموت فرشتوں میں سے کسی معین فرشتے کا نام ہے اور یہی حدیث براء سے بھی متبادر ہے جو ہم نے سورۃ ابراھیم میں ذکر کی۔

اور بعض آثار میں انکا نام عزرائیل بھی آیا ہے قتادۃؒ وغیرہ نے یہی کہا ہے اور اس کے معاون بھی ہیں۔

تفسیر روح المعانی (۲۱/۱۲۶) میں ہے کہا گیا ہے کہ وہ عزرائیل ہیں اور اس کا معنی عبداللہ ہے۔

میں کہتا ہوں:" شیخ البانی رحمہ اللہ کا قول درست ہے کیونکہ امام سیوطی رحمہ اللہ سے آیات سے متعلق احادیث وآثار کی کثرت تتبع کے باوجود انکی دُرِّ (۵/۱۷۳) میں کچھ وارد نہیں، صرف یہی کہا ہے کہ "ابن ابی الدنیا نے اور ابوالشیخ نے (العظمة) میں اشعث بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس نے کہا، ابراہیم علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا اور اس کا نام عزرائیل ہے اور اس کی دو آنکھیں ہیں۔الخ۔تو جیسے آپ دیکھ رہے ہیں یہ اثر اسرائیلیات میں سے ہے۔

اور امام شنقیطی رحمہ اللہ نے اضواء البیان (۲/) میں کہا ہے کہ اس کا نام عزرائیل ہے جیسے کہ آثار میں آتا ہے اور جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے کسی مفسر نے یہ ذکر نہیں کیا، تفسیر اور سنت کی کتابوں کا میں نے خوب مطالعہ کیا ہے، رجوع کریں خازن (۳/۴۷۳) التسهیل (ص:۱۳۰)۔

قبر میں موسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا

۹۰- سوال : یہ حدیث کہاں تک صحیح ہے،" میں نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا،" اگر حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب کیا ہوگا ؟ کیونکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد میت عبادت کرتا ہے۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہاں حدیث صحیح ہے نکالا ہے اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح (۲/۲۶۸) میں، امام احمد نے اپنی مسند (۳/۱۴۴ - ۲۴۸)، (۵/۵۹-۳۶۲-۳۶۵) میں اور امام نسائی نے اپنی سنن (۱/۲۴۲) میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں آیا،

اور ایک روایت میں ہے: میں گزرا موسیٰ علیہ السلام پر اسراء کی رات سرخ ٹیلے کے پاس اور آپ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرمارہے تھے اور امام نسائی نے "بَابُ قِيَامِ اللَّيْلِ" میں اسے نکالا ہے "اللہ کے نبی موسیٰ کلیم اللہ کی نماز کا ذکر"

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم (۱/۹۴) "بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُوْلِ اللهِ" میں کہتے ہیں:

"اگر کہا جائے کہ وہ کیسے حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں حالانکہ وہ اموات ہیں اور دار آخرت میں ہیں جو دار عمل نہیں تو جاننا چاہیے کہ جو کچھ اس سے ہمیں ظاہر ہوتا ہے۔

ہمارے مشائخ جواب دیتے ہیں۔

پہلا جواب: وہ مانند شہداء کے ہیں بلکہ ان سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں تو کوئی بعید نہیں کہ نمازیں پڑھتے ہوں اور حج کرتے ہوں۔ جیسے کہ دوسری حدیث میں وارد ہے۔

اور اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہوں، کیونکہ وہ اگر چہ فوت ہو چکے ہیں لیکن وہ اسی دنیا میں ہیں جو دَارُ الْعَمَل ہے اور جب دنیا کے بعد آخرت آئے گی تو وہ دَارُ الْجَزَاء ہوگی اور عمل پھر منقطع ہو جائیگا۔ یہ جواب ضعیف ہے۔

دوسرا جواب:

آخرت کا عمل ذکر و دعا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی "سبحان اللہ" (یونس: آیت: ۱۰)۔

تیسرا جواب:

یہ رؤیت خواب کی ہو اسراء کی رات کے علاوہ یا اسراء کی رات کے کسی حصے میں جیسے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا، میں سویا ہوا تھا تو میں نے اپنے آپ کو کعبے کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ الحدیث۔

چوتھا جواب:

آپ ﷺ کو ان کی زندگی کے احوال کی جھلک دکھائی گئی اور آپ کو ان کی مثال دکھائی گئی کہ وہ کیسے حج کرتے تھے کیسے تلبیہ کہتے تھے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا، "گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں" "گویا کہ میں یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں" گویا کہ میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ میں کہتا ہوں یہ صحیح ہے۔

پانچواں جواب:

ان کے بارے میں اوران کے افعال کے بارے میں بذریعہ وحی خبردی گئی ہو۔اگرچہ آنکھوں سے رویت نہ ہوئی ہو۔میں کہتا ہوں صالحین کاان پرقیاس کرنا جائزنہیں کہ مشرک ان سے مدد مانگتے پھریں اورکہیں کہ وہ عبادت کرتے ہیں اورنماز کی طرح دعا بھی عبادت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا،صحیح مسلم میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت آئی ہے :

"انسان جب مرجاتا ہے توسوائے تین کے باقی سارے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں۔ایک صدقہ جاریہ،دوسرا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اورتیسرا صالح اولاد جواس کے لیے دعا کرتی ہے"۔

مشکوٰۃ(۱/۲۵)تو مشرکوں کا"یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کہنا غلط اور فساد فی الدین ہے۔

احادیث مرفوعہ کی گنتی

۹۱- سوال : احادیث مرفوعہ کتنی ہیں؟۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہم اس مسئلے کی طرف پہلے اشارہ کرچکے ہیں یہاں ہم حروف تہجی کی ترتیب سے صحابہ رضی اللہ عنھم کے نام ذکرکریں گے اوران سے روایت شدہ مرفوع احادیث کی تعداد پھرآخرمیں اس کا میزان ذکرکریں گے اس مسئلہ سے آپ کو دوقسم کے علم کا فائدہ حاصل ہوگا۔(۱) :-احادیث مرفوعہ کی معرفت۔(۲) :- صحابی سے روایت شدہ مرفوع احادیث کی معرفت۔

ہم کہتے ہیں :

نمبر شمارہ	اسم صحابی/ صحابیہ	مرویہ احادیث مرفوعہ کی تعداد
۱	ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۴۲ احادیث۔
۲	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	۱۶۴ احادیث۔
۳	اغر بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ	۳ احادیث۔
۴	اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ	۱۲۸ احادیث۔
۵	انس بن مالک رضی اللہ عنہ	۲۲۸٦ احادیث۔
٦	ابو سعید الساعدی رضی اللہ عنہ	۲۸ احادیث۔
۷	ابو امامۃ الباھلی رضی اللہ عنہ	۲۵۰ احادیث۔
۸	ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ	۱۵۵ احادیث

۹	ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ	۴۱ احادیث
۱۰	ابوبرزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ	۴۶ احادیث
۱۱	ابو بشر الانصاری رضی اللہ عنہ	۴ احادیث۔
۱۲	ابو نصر الغفاری رضی اللہ عنہ	۱۲– احادیث
۱۳	ابوبکرۃ الثقفی رضی اللہ عنہ	۱۳۲ احادیث
۱۴	ابو ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ عنہ	۴۰ احادیث
۱۵	ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ	۲۶
۱۶	ابو الدرداء رضی اللہ عنہ	۱۷۹
۱۷	ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ	۲۸۱
۱۸	ابو رافع رضی اللہ عنہ	۸
۱۹	ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ	۱۱۷
۲۰	ابو شریح العدوی الخزاعی رضی اللہ عنہ	۲۰
۲۱	ابو طلحۃ رضی اللہ عنہ	۲۵
۲۲	ابو عبیس عبد الرحمن بن جبیر رضی اللہ عنہ	۵
۲۳	ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ	۱۴
۲۴	ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ	۱۷۰
۲۵	ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ	۲۷
۲۶	ابو مَرْثَد الْغَنَوِی رضی اللہ عنہ	۲
۲۷	ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ	۱۲
۲۸	ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ	۳۶۰
۲۹	ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ	۲۴
۳۰	ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ	۵۳۷۴
۳۱	ام سلمۃ رضی اللہ عنہا	۳۷۸

۳۲	ام حبیبة رضی اللہ عنہا	۶۵
۳۳	ام الدرداء رضی اللہ عنہا	۵
۳۴	ام حرام رضی اللہ عنہا	۷
۳۵	ام خالد رضی اللہ عنہا	۷
۳۶	ام الحصین رضی اللہ عنہا	۸
۳۷	ام سلیم رضی اللہ عنہا	۱۴
۳۸	ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا	۲۴
۳۹	ام عطیة رضی اللہ عنہا	۴۰
۴۰	ام الفضل رضی اللہ عنہا	۳۰
۴۱	اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا	۵۸
۴۲	اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا	۶۰
۴۳	البراء بن عازب رضی اللہ عنہ	۳۵۱
۴۴	بریدة بن الحصیب رضی اللہ عنہ	۱۸۷
۴۵	تمیم الداری رضی اللہ عنہ	۱۸
۴۶	ثابت بن الضحاك رضی اللہ عنہ	۱۴
۴۷	ثوبان رضی اللہ عنہ	۱۲۸
۴۸	جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	۱۵۴۰
۴۹	جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ	۱۴۶
۵۰	جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ	۶۰
۵۱	جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	۱۰۰
۵۲	جندب بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ	۴۳
۵۳	جویریة بنت الحارث رضی اللہ عنہا	۷
۵۴	جدامة بنت وهب الاسدیة رضی اللہ عنہا	۲

۵۵	حارثة بنت وهب رضی اللہ عنها	(۳) بعض کہتے ہیں (۲)
۵۶	حکیم بن حزام رضی اللہ عنه	۴۰
۵۷	حمزة بن عمر الاسلمی رضی اللہ عنه	۹
۵۸	حنظلة بن الربیع رضی اللہ عنه	۲
۵۹	حفصة بنت عمر رضی اللہ عنها	۶
۶۰	خباب بن الارت رضی اللہ عنه	۳۲
۶۱	خولة بنت حکیم رضی اللہ عنها	۱۵
۶۲	خولة بنت ثامر الانصاریة رضی اللہ عنها	۲
۶۳	رافع بن خدیج رضی اللہ عنه	۷۸
۶۴	ربیع بنت مسعود رضی اللہ عنها	۲۱
۶۵	زبیر بن العوام رضی اللہ عنه	۳
۶۶	زید بن ارقم رضی اللہ عنه	۷۰
۶۷	زید بن ثابت رضی اللہ عنه	۷۲
۶۸	زید بن خالد رضی اللہ عنه	۸۱
۶۹	زینب بنت جحش رضی اللہ عنها	۱۱
۷۰	زینب بنت ابی سلمة رضی اللہ عنها	۷
۷۱	زینب بنت ابی معاویة رضی اللہ عنها	۸
۷۲	سبرة بن معبد رضی اللہ عنه	۱۹
۷۳	سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنه	۲۷
۷۴	سعید بن زید رضی اللہ عنه	۴۸
۷۵	سفیان بن ابی زمرة رضی اللہ عنه	۵
۷۶	سلمان الفارسی رضی اللہ عنه	۶۰
۷۷	سلیمان بن صُرَد بن الجون رضی اللہ عنه	۱۵

۷۸	سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ	۷۷
۷۹	سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	۲۳
۸۰	سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ	۴۰
۸۱	سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ	۱۸۸
۸۲	شداد بن اوس رضی اللہ عنہ	۵۰
۸۳	شرید بن سوید رضی اللہ عنہ	۲۴
۸۴	صعب بن جثامۃ رضی اللہ عنہ	۱۶
۸۵	صفیۃ بنت حُیَیّ رضی اللہ عنہا	۱۰
۸۶	طلحۃ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ	۳۸
۸۷	عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	۵۳۷
۸۸	عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۱۴۶
۸۹	علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	۶۸۶
۹۰	عابد بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ	۸
۹۱	عامر بن ربیعۃ بن مالک رضی اللہ عنہ	۲۲
۹۲	عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۱۶۶۰
۹۳	عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۸۴۸
۹۴	عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۲۶۳۰
۹۵	عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	۷۰۰
۹۶	عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ	۳۳۰
۹۷	عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ	۲۵
۹۸	عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ	۹۵
۹۹	عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	۲۵
۱۰۰	عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ	۴۸

۱۰۱	عبد اللہ بن المغفل رضی اللہ عنہ	۴۳
۱۰۲	عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ	۱۲
۱۰۳	عبد اللہ بن الجزء رضی اللہ عنہ	۱۷
۱۰۴	عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	۷۵
۱۰۵	عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ	۸
۱۰۶	عبد الرحمن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ	۱۴
۱۰۷	عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	۳۵
۱۰۸	عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ	۱۸۱
۱۰۹	عبد المطلب بن ربیعۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ	۸
۱۱۰	عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ	۲۹
۱۱۱	عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	۶۶
۱۱۲	عدی بن عمرۃ رضی اللہ عنہ	۱۰
۱۱۳	عرفجۃ شریح رضی اللہ عنہ	۷
۱۱۴	عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ	۵
۱۱۵	عقبۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ	۷
۱۱۶	عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ	۱۸۰
۱۱۷	عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	۳۹
۱۱۸	عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ	۳۸
۱۱۹	عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ	۶۲
۱۲۰	عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ عنہ	۱۲
۱۲۱	عمارۃ بن رویبۃ رضی اللہ عنہ	۹
۱۲۲	عوف بن مالک رضی اللہ عنہ	۶۷
۱۲۳	عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ	۳۰

۱۲۴	عائشة رضی الله عنها	۲۲۱۰
۱۲۵	فضالة بن عبید رضی الله عنه	۵۰
۱۲۶	فاطمة بنت رسول الله ﷺ رضی الله عنها	۱۸
۱۲۷	فاطمة بنت قیس رضی الله عنها	۳۴
۱۲۸	قبیصة بن المخارق رضی الله عنه	۲
۱۲۹	کعب بن مالك رضی الله عنه	۸۰
۱۳۰	مالك بن صعصعة رضی الله عنه	۵
۱۳۱	مالك بن بُحَینة رضی الله عنه	۲۷
۱۳۲	مجاشع بن مسعود رضی الله عنه .	۵
۱۳۳	مروان بن الحکم رحمه الله	۲۳
۱۳۴	مسور بن مخرمة رضی الله عنه	۳۰
۱۳۵	مستورد بن شداد الفهری رضی الله عنه	۷
۱۳۶	مسیب بن الحزن رضی الله عنه	۷
۱۳۷	معاذ بن جبل رضی الله عنه	۵۷
۱۳۸	معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنه	۱۳۳
۱۳۹	معیقیب رضی الله عنه	۷
۱۴۰	معقل بن یسار رضی الله عنه	۳۴
۱۴۱	معن بن یزید رضی الله عنه	۵
۱۴۲	مغیرة بن شعبة رضی الله عنه	۱۳۶
۱۴۳	مقداد بن الاسود رضی الله عنه	۴۲
۱۴۴	مقدام بن معدی کرب رضی الله عنه	۴۷
۱۴۵	میمونة رضی الله عنها	۷۶
۱۴۶	النعمان بن بشیر رضی الله عنه	۱۱۴

۱۴۷	نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ	۱۷
۱۴۸	واثلة بن الاسقع رضی اللہ عنہ	۵۶
۱۴۹	وائل بن حجر رضی اللہ عنہ	۷۱
۱۵۰	هشام بن حکیم رضی اللہ عنہ	۶
۱۵۱	هشام بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ	۹
۱۵۲	یعلی بن امیة رضی اللہ عنہ	۲۸

یہ شرح المشارق للکا ذورانی میں منقول ہیں اور ہم نے فتاویٰ عزیزیہ (۲/۵۳-۵۴) سے نقل کیا ہے۔

ان کا مجموعہ: ستائیس (۲۷۶۱۲) ہزار چھ سو بارہ بنتا ہے۔

لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے جو ذکر کی ہیں یہ ساری مرفوع احادیث نہیں ہیں اور نہ سب صحابہ ہی ہیں۔ بلکہ اگر آپ امام احمد کی مسند کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو مذکورہ صحابہ کے علاوہ صحابہ کی احادیث بھی ملیں گے۔ مجھے شروع میں اس مسئلہ پر خوشی ہوئی تھی لیکن جب مجھے ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مزید احادیث کا ادراک ہوا تو میری خوشی کافور ہوئی اور معلوم ہوا کہ تمام احادیث مرفوعہ کا حصر واحاطہ بڑا مشکل کام ہے۔ واللہ الموفق. یوم الجمعہ ۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ۔

0000000

پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت والی حدیث کی تخریج

۹۲- **سوال** : صاحب البدائع والصنائع نے جو حدیث ذکر کی ہے کہ "جس نے متقی کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی کیا یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مخرج کہاں ہے؟ اخوکم: جمیل۔

جواب : ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

اس حدیث کی سنت کی کتابوں میں کوئی اصل نہیں علماء نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ جیسے کہ ملا علی قاریؒ نے اپنی موضوعات کبیر صفحہ (۷۱) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اصل نہیں۔ اس سے فقہاء کی حدیث میں کم علمی پر دلالت ہوتی ہے۔ یہ جو بھی لکھنے والوں نے لکھا اپنی کتابوں میں وارد کر دیتے ہیں اور صحیح وضعیف کی تمیز نہیں کرتے۔ اور اس کے باوجود لوگ ان کی تقلید وتابعداری کئے جاتے ہیں۔

0000000

چالیس قدم تک جنازہ لیجانے کی فضیلت کے بارے میں حدیث کی تحقیق

۹۳- سوال :اس حدیث کے بارے میں بتائیں جسے صاحب بحرالرائق نے ذکر کیا ہے کہ" جس نے چالیس قدم جنازہ اٹھایا اس کے چالیس کبیرہ گناہ بخش دئے جائیں گے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ اخوکم: عبدالمالک اکاخیل کمبوری، اتوار ۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ۔

جواب : ولا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

یہ حدیث بہت ضعیف ہے صاحب البحرالرائق نے (۲/۲۰۷-۲۰۸) میں بدائع سے ذکر کیا ہے اور شرح منیہ میں ابوبکر النجاری نے روایت کیا ہے جیسے کہ حاشیہ (۱/۸۳۳) میں ہے اور اسی طرح ان کے بعض بعض سے حدیث کی حالت کی طرف اشارہ کئے بغیر نقل کرتے رہتے ہیں اور یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں علی بن ابی سارہ راوی ضعیف ہے۔ اور اس حدیث کو منکر کہا گیا ہے جیسے کہ ذھبیؒ نے کہا، مراجعہ کریں احکام الجنائز اور اس کی تعلیق (۲۴۹) اس حدیث کو ضعیف الجامع میں (برقم ۵۵۶۶-۸۰۲) وارد کیا گیا ہے اور کہا ہے کہ بہت ضعیف ہے اور السلسلہ الضعیفہ: (۴/۳۶۵) رقم (۱۸۹۱) میں ہے، اسے منکر کہا ہے اور علی مذکور کے بارے میں علماء کے اقوال ذکر کئے ہیں لیکن لفظ ان کے قریب قریب ہیں۔

تو یہ حال ہے فقہ کی کتابوں کا جو غث وسمین سے بھری ہیں اور یہ تقلید جامد کا اثر ہے کہ جس میں تحقیق نہیں کی جاتی۔ لیکن یہاں ایک اور حدیث صحیح بھی ہے جو غسل میت کی فضیلت میں ہے ابورافع روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے کسی مسلمان کو غسل دیا اور اسے چھپائے رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس بار مغفرت فرمائے گا۔ اور جو قبر کھود کر اسے اس میں چھپائے گا تو قیامت تک کے لیے اسے مسکن کا اجر جاری کردیا جائے گا جو اسے دیا ہے اور جو اسے کفن پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن جنت کا ریشمی لباس پہنائے گا"۔

حاکم (۱/۳۵۴-۳۶۲) بیہقی (۳/۳۹۵) ھیثمی نے مجمع الزوائد (۳/۲۱) میں کہا ہے اس کے رواۃ قابل حجت ہیں۔

امام ابن حجر نے درایہ (ص ۱۴۰) میں اسکی سند کو قوی کہا ہے، منذری نے (۴/۱۷۱) میں ھیثمی جیسا قول کیا ہے۔ جیسے کہ احکام الجنائز (ص:۵۱) میں ہے امام طبرانی نے الکبیر میں بلفظ "اربعین کبیرۃ" روایت کیا ہے اور سند اس کی شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے۔

ooooooo

لفظ لواطت کا استعمال

۹۴- سوال: شیخ السید عبدالسلام رستمی حفظہ اللہ نے ان احادیث کے بارے میں پوچھا جن سے کلمہ "اللواطۃ" کے استعمال کا جواز مترشح ہوتا ہے تو میں نے اسے اسی طرح ہی پایا۔

امام احمدؒ اپنی مسند (۲/۱۸۲،۲۱۰) میں لاتے ہیں کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی عبداللہ نے وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی میرے والد نے وہ کہتے ہیں انہیں حدیث سنائی عبدالرحمٰن نے وہ کہتے ہیں کہ انہیں خبر دی ہمام نے قتادہ سے انہوں نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے اپنے دادا سے کہ یقیناً نبی ﷺ نے فرمایا، "یہ لوطیت صغریٰ" ہے یعنی آنا آدمی کا اپنی بیوی کی دبر میں" پھر فرمایا امام احمد بن حنبل نے کہ ہمیں حدیث سنائی عبداللہ نے انہوں نے کہا مجھے حدیث سنائی میرے والد نے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی عبدالصمد نے انہوں نے کہا ہمیں حدیث سنائی ہمام نے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی قتادہ نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے یقیناً نبی ﷺ نے فرمایا، اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کے پاس آتا ہے (جماع کرتا ہے) اس کی دبر میں تو یہ "لوطیت صغریٰ" ہے۔

اور آپ کی دوسری روایت میں ہے وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی عبداللہ نے انہوں نے کہا مجھے حدیث سنائی میرے والد نے انہوں نے کہا ہمیں حدیث سنائی ہمام نے انہوں نے کہا قتادہ سے پوچھا گیا اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرتا ہے تو (جواب میں) یہی ذکر کیا،

اور روایت کیا اسے احمد اور بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں احمد اور بزار کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے (۱/۲۶۳) میں کہا ہے: "یہ موقوف ہے عبداللہ بن عمرو کا قول ہے اور یہی میرے نزدیک صحیح ہے،" اور امام بیہقی نے سنن کبریٰ (۷/۱۹) میں اسی سے مرفوعاً سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ امام البانی نے غایۃ المرام رقم: (۲۳۴) میں کہا ہے، نکالا اسے امام احمد نے (۱۲ـ۷ـ۲۱۰) میں۔

لیکن ہیثمی اور منذری کا یہ قول عجیب ہے کہ عمرو بن شعیب اور ان کے آباء شیخین کے راویوں میں سے نہیں ہیں۔

اور نکالا امام احمد نے (۱/۳۱۷) انہوں نے کہا ہمیں حدیث سنائی عبداللہ نے، انہوں نے کہا مجھے حدیث سنائی میرے والد نے انہوں نے کہا، ہمیں حدیث سنائی یعقوب نے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی میرے والد نے ابن اسحٰق سے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی عمرو مولی مطلب نے عکرمہ سے اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے کہا کہ فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات (لوطیت کے بارے میں) تین بار کہی۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور ابن اسحٰق مدلس ہے اور اس نے صراحۃً حدثنا کہا ہے۔

اور امام ابوداؤد نے (۲/۲۵۷) کتاب الحدود میں برقم: (۴۴۶۳) میں کہا ہے "ہمیں حدیث سنائی اسحٰق بن ابراہیم راھویہ نے انہوں نے کہا ہمیں حدیث سنائی عبدالرزاق انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابن جریج نے، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابن خثیم نے انہوں نے کہا میں نے سنا سعید بن جبیر اور مجاہد سے وہ دونوں حدیث بیان کرتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنھما سے اس غیر شادی شدہ مرد کے بارے میں جو لوطیت پر پکڑا جائے فرمایا: "رجم کیا جائے، موقوف سنداً صحیح ہے۔

جیسے کہ صحیح ابی داؤد میں (۸۴۴/۳) ہے۔ یہاں دو جزء (رسالے) ہیں اول جزء ابن عساکر کا مفعولیت کی حرمت کے بارے میں ہے اور دوسری کتاب ابومحمد کی "ذم اللواط" ہے دونوں مطبوع ہیں، دیکھی جاسکتی ہیں۔

ابن ابی شیبہ نے (۵۳۲۹) میں کچھ آثار نقل کیے ہیں جو ہمارے قول پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اسی طرح مصنف عبدالرزاق (۷/۳۲۶) اور محلی لابن حزم (۱۱/۱۱۵) میں بھی ہے تو اس لفظ کا استعمال جائز ثابت ہوا۔

0000000

قضاء عمری ایک قبیح بدعت ہے

۹۵ - سوال: قضاء عمری کے بارے میں بتائیں کیا یہ بدعت ہے یا اس کی کوئی دلیل وارد ہوئی ہے؟ ھدایہ کے شارحین اس کے بارے میں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

قضاء عمری شرعی لحاظ سے بدعات قبیحہ میں سے ہے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، نہ اس کی ترغیب دی اور نہ ہی رہنمائی فرمائی، تمام صحابہ رضی اللہ عنھم، تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی نے نہیں کیا، اور جس کام کی یہ حالت ہو وہ بدعت اور گمراہی ہے اور اس کا کرنے والا گمراہ مبتدع اور صاحب رسالت ﷺ کا گستاخ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، "جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالتا ہے جو اس میں نہ ہو وہ مردود ہے۔" اور ایک روایت میں ہے، "جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا امر (دین) نہیں وہ مردود ہے۔"

روایت کیا اس کو بخاری مسلم نے، مشکوۃ (۱/۲۷)

تو کیا اس کام کا ہمارے نبی ﷺ نے حکم دیا ہے یا یہ ان کا فعل ہے یا تقریر۔ اے بدعتیو! جواب دو۔

اور امام مالک ؒ نے فرمایا، جس نے اسلام میں بدعت نکالی اور اسے اچھا کام سمجھتا ہے تو اس کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت میں خیانت کی۔ اسی طرح الاعتصام میں ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے (۶/۱۵۶) میں کہا ہے، "اہل سنت والجماعت اس قول وفعل کو بدعت کہتے ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنھم سے ثابت

نہ ہو کیونکہ اگر وہ اچھا کام ہوتا تو وہ ہم سے پہلے کرتے۔ کیونکہ انہوں نے کوئی اچھی خصلت نہیں چھوڑی جس پر عمل کرنے میں سبقت نہ کی ہو۔ تو ہم (ان قضاء عمری کرنے والوں) سے پوچھتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس کوئی شرعی دلیل ہو تو ہمیں پیش کرو

تو وہ کہتے ہیں ہمیں البنایہ اور النھایہ جیسی حدایہ کی شروحات میں حدیث ملی ہے جس کے لفظ یہ ہیں، جس نے رمضان کے آخری جمعہ کے دن فرض نمازوں کی قضاء کی تو اس سے گذشتہ عمر اور مزید ستر سال تک کی فوت شدہ نمازوں کی کمی پوری ہوگی۔ تو ہم ہر پکارنے والے کی پکار کے پیچھے لگنے والوں کو کہتے ہیں کہ کیا اس جھوٹی روایت کی سند تمھیں کہیں ملی ہے یا کتب حدیث میں تمھیں اس کا مخرج ملا ہے تو ہم کہتے ہیں اس کی صحیح سند تو درکنار، یہ اس کی ضعیف سند بھی نہیں پا سکتے۔

ملا علی القاری نے موضوعات کبریٰ (ص: ۴۷) میں اس حدیث کو قطعی باطل کہا ہے اور یہ اجماع کے منافی ہے اس بات پر کہ عبادات میں سے کوئی بھی عبادت کئی سالوں کی فوت شدہ عبادت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

پھر نہایہ سمیت حدایہ کے باقی شراح کی نقل کردہ عبارت غیر معتبر ہے اس لیے کہ وہ محدثین نہیں تھے اور نہ ہی حدیث کی مخرجین حدیث میں سے کسی کی طرف سند بیان کی ہے۔ الخ۔

اور ہم کہتے ہیں: کہ فقہاء یا منہ بولے فقہاء رسول اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے میں کوئی پروا نہیں کرتے۔ اور اسلامی دواوین میں بے اصل حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔ اس کا مشاہدہ آپ امام ابن حجرؒ کی کتاب الدراية في تخريج احاديث الهداية میں کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح اس جھوٹی روایت کی وجہ سے لوگوں کو ترک نماز کی جسارت ہوگئی ہے کیونکہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ قضاء عمری کرنے سے مغفرت ہو جائے گی۔ ''ان کی گھڑی گھڑائی باتوں نے انہیں ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا ہے'' (آل عمران: ۲۴)

علمائے حدیث ذکر کرتے ہیں کہ صلوۃ تسبیح اور صلوۃ حاجت کے علاوہ صلاۃ الرغائب، صلوۃ الرجبیہ، شعبان کی پندرھوی رات کی نماز اور راتوں اور دنوں میں پڑھی جانے والی دیگر نمازیں اور قضاء عمری کی نمازوں سمیت ہر وہ نماز جو معروف نمازوں کے خلاف ہو وہ بدعت ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

مراجعہ کریں موضوعات لابن جوزیؒ (۲/۱۱۱-۱۴۶)، المنار المنيف لابن القيم (ص ۹۵) ضیاء النور (ص: ۲۰۴) التبيان للشيخ عبدالسلام رستمی (ص: ۱۹۷) کہ قضاء عمری بدعت ہے۔ اگر تمہارے پاس شریعت مطہرہ کی کوئی دوسری دلیل ہو تو پیش کرو جو تمھیں ہرگز نہیں مل سکتی۔ اور ہم نے اس نماز کے بدعت ہونے کے قوی دلائل ذکر کر دئے۔ حق کے بعد تو گمراہی ہی ہو سکتی ہے اور سنت کے بعد بدعت ہی ہو سکتی ہے۔

واللہ ولی التوفیق۔ منگل ۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

اس کے بعد ابن عابدین وغیرہ کے قول کا کوئی اعتبار نہیں جو اس نے (۵۴۲/۱) میں ذکر کیا ہے، "اس لیے بعض نے کہا ہے، وہ شخص جو نماز فوت نہ ہونے کے باوجود قضاء عمری کرتا ہے تو مکروہ نہیں کیونکہ اس نے احتیاط اختیار کی ہے۔
میں کہتا ہوں: یہ گمراہی ہے کیونکہ ابن عابدین اسے مجہول سے نقل کر رہا ہے۔ پھر وہ فرائض جو اپنی شرائط کے مطابق ادا کر دیے گئے ہیں ان کی قضاء کرنا بدعت اور گمراہی نہ ہو تو پھر دنیا میں سرے سے بدعت کا وجود ہی نہیں۔ ان کے پاس آراء اور قیل وقال کے علاوہ کوئی دلیل ہے نہ نقل۔

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا ضعیف حدیث ہے

۹۶- سوال : لوگوں کا کہنا "کاموں میں بہتر کام ان کے درمیانے ہیں" کہاں تک صحیح ہے؟ یہ حدیث ہے یا مقولہ؟ (اخوکم جمیل)۔

جواب: یہ ضعیف حدیث ہے امام بیہقی (۲۷۳/۳) میں کنانہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دو شہرتوں سے منع فرمایا ہے، یہ کہ اچھا پہنے تاکہ لوگ اس کی طرف دیکھیں یا گھٹیا اور بوسیدہ پہنے تاکہ لوگ اسکی طرف دیکھیں۔ عمرو (حدیث کے ایک راوی) کہتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے آپ ﷺ نے فرمایا، دونوں امور میں درمیانہ امر، اور امور میں بہتر امر ان میں درمیانہ ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں، یہ منقطع ہے۔
نکالا اسے قرطبی نے (۱۵۴/۲)، (۳۴۳/۵)، (۲۷۱/۶) میں اور عجلونی کی کشف الخفاء (۳۹۱/۱) رقم (۱۲۴۷) میں ہے "یہ ضعیف ہے" اور الاتحاف (۱۳/۸)، (۳۳۶/۷) میں ہے" کہا ہے کہ یہ مرسل روایت ہے"
اور دوسری سند کے ساتھ اس میں ایک راوی مجہول ہے، اور دیلمی میں بلا سند ہے۔
اور المقاصد الحسنہ رقم: (۴۵۵: ص: ۲۰۵) میں ہے "یہ حدیث ضعیف ہے" ھٰذَا. وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

امام سفیان ثوریؒ کو ثوری کیوں کہتے ہیں؟

۹۷- سوال : امام سفیان ثوریؒ کا نام ثوری کیسے پڑ گیا کہا جاتا ہے کہ "انہوں نے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے بایاں پاؤں آگے کیا تھا تو انہیں ان کے استاد نے آواز دی اے ثور بایاں پاؤں کیوں آگے کیا اور سنت کی مخالفت کی۔ تو سفیانؒ نے اپنا نام ثوری رکھ لیا، تاکہ انہیں وعظ ونصیحت رہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ مولانا سعید الرحمٰن۔ ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

کتب الرجال میں اپنی استطاعت کے مطابق تلاش بسیار کے بعد ہمیں یہ قول نہیں ملا۔ بلکہ کتب رجال سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ "ثور" قبیلہ ہے جیسے کہ ابن خلکان کی "وفیات الاعیان" میں ہے:

"امام سفیان ثوریؒ خلیفہ مہدی پر داخل ہوئے اور ایسی باتیں کہیں جن میں شدت بھی تھی تو عیسیٰ بن موسیٰ نے انہیں کہا:" آپ امیر المؤمنین سے اس طرح باتیں کرتے ہیں اور آپ تو ثور قبیلہ کے ایک فرد ہیں تو سفیان ثوریؒ نے فرمایا، ثور قبیلے کا وہ شخص جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے تیری قوم کے اس شخص سے بہتر ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

اور آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب بن رافع بن عبد اللہ بن موھبة بن ابی عبد اللہ بن منقذ بن نصر بن الحارث بن ملکان بن ثور ابن عبد مناۃ بن أد بن طابخة بن الیاس بن مضر بن نزار بن عدنان۔

اور ابن ابی الدنیا نے محمد بن خلف التیمی سے ان کا نسب اسی طرح بیان کیا ہے لیکن انہوں نے منقذ اور الحارث کو ساقط کیا ہے اور مسروق کے بعد حمزہ کو زیادہ کیا ہے باقی ایک جیسا ہے۔

اور اسی طرح ہیثم بن عدی اور ابن سعد نے ان کا نسب اسی طرح ذکر کیا ہے اور وہ ثور بن طابخہ کی اولاد میں سے ہیں۔

اور بعض نے ثور ھمدان سے نسب جوڑا ہے لیکن یہ قول قابل قبول نہیں۔

دیکھیں سیر أعلام النبلاء (۲۲۹/۷) اور زرکلی نے اعلام (۱۰۴/۳) میں انہیں بنی ثور بن عبد مناۃ مضر سے بتایا ہے۔

0000000

دائرہ اسلام میں داخل ہوتے وقت کونسے الفاظ کہنے چاہیئے؟

۹۸- سوال : ایک شخص مرتد ہونے کے بعد پھر مسلمان ہوا لیکن جب وہ "آمَنْتُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ" کہہ رہا تھا تو "وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ" کا تلفظ کیا" کیا اس کا اسلام صحیح ہے ؟ المولوی حبیب اللہ۔

جواب : وباللہ التوفیق۔

اس کا یہ کہنا واجب تھا "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ" اور اس پر "آمَنْتُ بِاللهِ الخ۔ کا تلفظ فرض نہیں تھا بلکہ اس پر فرض تھا کہ وہ اعتقاد رکھے اور ایمان لائے اللہ پر فرشتوں پر ...... الخ۔

اور اسے اپنی مرضی کی بولی میں اقرار کرنا فرض ہے۔ کیونکہ ایمان عبارت ہے تصدیق، اور اقرار اور عمل سے۔ اور جو شخص یہ کلمہ

(اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ......) کہے اور اس کا معنی نہ سمجھے تو مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ''آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ......الخ۔
یہ کلمات اکٹھے کسی ایک حدیث میں وارد نہیں ہوئے بلکہ یہ کسی عالم نے عوام کو عقائد آسانی سے سمجھانے کے لیے وضع کیے ہیں تو ان کلمات کا حفظ لوگوں پر لازم نہ کیا جائے بلکہ وہ کچھ سمجھانا فرض ہے جس سے انسان مومن بنتا ہے جیسے کہ مسلمان ہونے والے شخص کے لیے رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے، اور اس سے قبیح بات یہ ہے کہ بعض مبتدعین امنت باللہ کا کلمہ ناکح کے لیے نکاح کے وقت لازم کرتے ہیں جبکہ وہ مسلمان ہوتا ہے۔
مراجعہ کریں فتاویٰ مولانا مفتی محمد شفیع (۱/۶۹) انہوں نے بھی یہی بات کہی ہے کہ ان کلمات کا حفظ کرنا لازم نہیں۔

0000000

جادو اور شرکیہ کفریہ تعویذ بھی اللہ کے حکم سے نقصان پہنچا سکتے ہیں

۹۹- سوال : کیا شرکی تعویذ اور وہ جس میں شیطان و جن وغیرہ سے مدد مانگنے جیسے کفریہ کلمات لکھے گئے ہوں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟۔

جواب : پہلے تو مسلمان پر فرض ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے علاوہ امیر ہو، فقیر ہو اولیاء اللہ ہوں یا اعداء اللہ کسی کے اختیار میں نفع یا نقصان نہیں۔ اس کائنات میں صرف اللہ تعالیٰ کا تصرف چلتا ہے اور یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر ساری امت تجھے نقصان پہنچانے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھا ہے۔ اور سب تجھے نفع پہنچانے کے لیے اکٹھے ہو جائیں تو کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ نبی ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہی وصیت فرمائی تھی۔
اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں میں ضرر پیدا فرمایا ہے اگر چہ وہ اس کی رضا کے خلاف ہے اور اس کے برعکس بھی۔ اللہ عز وجل نے جادو اور شرکی تعویذوں میں تاثیر رکھی ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کا بغیر اثر نہیں کرتے۔
جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صراحت فرمائی ہے اور آپ کے نبی ﷺ نے بھی اپنی سنتوں میں بیان فرمایا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے میں بھوک اثر مٹانا اور پانی میں پیاس کا اثر ختم کرنا وضع فرمایا ہے اور نکاح میں اولاد کا پیدا ہونا وضع فرمایا ہے تو ان سب کا خالق اللہ عز وجل ہے لیکن اس کا ارادہ الگ ہے اور رضا الگ، اللہ تعالیٰ بعض چیزوں کا ارادہ فرماتے ہیں لیکن پسند نہیں فرماتے اور بعض چیزیں پسند تو ہوتی ہیں لیکن اس کا ارادہ نہیں فرماتے تو وہ وقوع پذیر نہیں ہوتے جیسے کافر کا ایمان لانا۔ اللہ عز وجل کے ارادہ کونی اور ارادہ دینی میں فرق ہے اور تفصیل کے لیے دیکھیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب '' الفرقان''۔

اس عالم میں مخلوقات کی تعداد کتنی ہے؟

۱۰۰- سوال: اس عالم میں پیدا شدہ مخلوقات کتنی ہیں؟ کسی نے کہا ہے ایک ہزار آٹھ سو ہیں، کسی نے اس سے کم بتایا ہے۔ راجح بات کونسی ہے؟۔

جواب: ہم کہتے ہیں:

اول: تو اس مسئلے کا تعلق دین سے نہیں کہ ہم اس کی تحقیق کریں اور کسی شخص کے حسن اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزیں ترک کردے۔ تو مسلمان کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ دین وعقیدہ اور ایمان اور اسی طرح اللہ کی رضا اور ناراضگی والے امور کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔

دوم: لیکن اس سوال میں ایک دو وجہ سے فائدہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی معرفت ہے اور اس کی مخلوق کی عظمت جو پیدا کرنے والے کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ تو یہ نور ایمان کی زیادت کا باعث بنتا ہے نتیجتاً بندہ اپنے رب کا مطیع ومنقاد ہو جاتا ہے۔ امام بیہقی شعب ایمان میں ایک حدیث لائے اور صاحب مشکوۃ نے (۲/۴۷۱-۴۷۲) میں کنز العمال (۱۲/ ۳۴۷) رقم: (۳۵۲۹) میں ذکر کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ اسے حکیم الترمذی، ابویعلی اور ابوالشیخ نے "العظمة" میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے اور جو بروایت عمر ہے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں:

''جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کی وفات کے سال ٹڈے ناپید ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ بڑے غمگین ہوئے تو آپ نے ایک سوار یمن، اور ایک سوار عراق اور ایک سوار شام کو بھیجا۔ تا کہ وہ ٹڈی دل کے بارے پوچھیں کہ کہیں نظر آئے ہیں یا نہیں تو یمن کی طرف جانے والے سوار نے ایک مٹھی ٹڈوں کی لا کر آپ کے سامنے رکھ دی۔

عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر مارے خوشی کے اللہ اکبر کہا، اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا فرمائی ہیں جن میں چھ سو سمندر میں اور باقی چار سو خشکی میں ہیں۔ سب سے پہلے نابود ہونے والی امت ٹڈی ہے جب ٹڈی نابود ہو جائیں گی تو باقی امتیں بھی دھاگے میں پروتے ہوئے موتیوں کی طرف یکے بعد دیگرے ناپید ہونا شروع ہو جائیں گی۔ **واللہ اعلم**۔

وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد وآله وصحبه أجمعين۔

OOOOOOO

ایک بے اصل بات

۱۰۱ - سوال : کہا جاتا ہے، "کہ بلال رضی اللہ عنہ کی سیاہی سے جنت کی حوریں وشم کریں گی"، کیا یہ صحیح ہے؟
(اخوکم: محمد اسماعیل)۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔
یہ تو واضح جھوٹ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ اس کے باطل ہونے کی دو دلیلیں ہیں۔
پہلی تو یہ کہ وشم کوئی زینت نہیں جیسے کہ عقلاء جانتے ہیں اور دوسری یہ کہ وشم (گندوان) شریعت اسلامی میں ممنوع ہے اور ممانعت کی وجہ فساد ہی ہوتی ہے اور جنت وہ پاک جگہ ہیں جہاں فساد راہ نہیں پا سکتا۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ستار کا نام ثابت ہے یا نہیں؟

۱۰۲ - سوال : اللہ تعالیٰ کے نام "السـتـار" کے بارے میں بتائیں کیا یہ نام اسماء حسنیٰ میں وارد ہوا ہے، بعض بھائی انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسماء حسنیٰ میں یہ نام نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں اس میں اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔
(تمہارا بھائی نادر شاہ طالب علم نبوی)۔

جواب : وباللہ سبحانہ وتعالیٰ التوفیق۔
آپ کا کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں درست اور قابل قبول ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا نام 'السـتار'' ہمیں حدیث میں ملا ہے۔
سنن نسائی (۲۶/۱) رقم: (۹۳۹) میں بسند صحیح یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو کھلے میدان میں نہاتے ہوئے دیکھا تو آپ منبر پر چڑھے اللہ تعالیٰ حمد وثنا کے بعد فرمایا، "اللہ تعالیٰ حلیم، حیی ستیر بردبار حیا ناک اور پردہ ڈالنے والا ہے حیا اور ستر کو پسند فرماتا ہے جب تم میں سے کوئی نہائے تو اسے ستر کرنا چاہیئے"۔ احمد (۲۲۴/۴) ابوداؤد (۲۰۱/۲) رقم: (۴۰۱۲)۔ المشکاۃ (۴۹/۱) رقم: ۴۴۷) الارواء (۲۳۳۵)۔ (۳۹۷/۷) بیہقی (۱۹۸/۱) "الستیر' اور' الستار' ایک ہی ہیں اس نام کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اس مناسبت سے ہم وہ اسماء حسنیٰ ذکر کرتے ہیں جس کا ترمذی کی مشہور حدیث میں ذکر نہیں اَلْحَیِیُّ ، السِتِّیْرُ، الْحَنَّانُ، الْمَنَّانُ، الْمُسْتَعَانُ ،الْعَلَّامُ، الْمُحْسِنُ،الْجَمِیْلُ، الْمَوْلٰی،النَّصِیْرُ السَّیِّدُ، الْمُسَعِّرُ،الطَّیِّبُ،الْوِتْرُ،الْکَرِیْمُ،الْاَکْرَمُ،الشَّافِيْ، الْاَعْلٰی، الْمُبِیْنُ، الْعَالِمُ، غَافِرُالذَّنْبِ،قَابِلُ التَّوْبِ،شَدِیْدُ الْعِقَابِ،ذِي الطَّوْلِ،الْجَوَّادُ،النَّظِیْفُ،الرَّفِیْقُ، أَهْلُ التَّقْوٰی،أَهْلُ الْمَغْفِرَةِ،خَیْرُ الْحَافِظِ،خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ،نِعْمَ

اَلْمَوْلٰی، نِعْمَ النَّصِیْرُ،نِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ،الطَّاهِرُ،الْمُبَارِكُ،فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ، ذُوالْعَرْشِ الْمَجِیْدُ،الْقَرِیْبُ،الْقَائِمُ،الْاَعَزُّ،السُّبُّوْحُ،الْقَاهِرُ، الْغَالِبُ، الْكَافِیْ، الصَّانِعُ، مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جب تم فیصلہ کرو تو عدل سے کام لو اور قتل کرتے ہوئے بھی احسان کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ محسن ہے اور احسان کو پسند فرماتا ہے'' نکالا اسے ابن ابی عاصم نے الدیات (ص:۵۲) میں، ابن عدی نے الکامل (۲۱۴۵/۶) میں جیسے کہ الصحیحۃ (۷۶۱/۱) رقم:(۴۷۹) میں ہے اور احمد (۱۵۴/۵۔۱۷۷) میں حدیث ابوذر میں ہے:

''اگر تمہارے پہلے اور پچھلے انسان و جن، زندہ و مردہ خشک و تر سب اکٹھے ہو جائیں اور ہر سوال کرنے والا مجھ سے اپنی آرزو کے مطابق سوال کرے اور میں ہر سائل کو اس کا مانگا ہوا دے دوں تو اس سے (میرے خزانوں میں سے) اسی قدر کم ہوگا جیسے کہ تم میں سے کوئی سمندر کے کنارے پر گزرے اور اس میں سوئی ڈبو کر نکال لے اسی طرح میرے ملک میں سے کچھ کم نہیں ہوتا یہ اس لیے کہ میں جواد اور ماجد ہوں میرا دینا کلام اور میرا عذاب کلام ہوتا ہے میں جس چیز کا ارادہ کروں تو میں صرف کن (ہوجا) کہتا ہوں تو وہ ہوجاتا ہے۔ابن ماجہ (۱۴۲۲/۲) رقم:(۴۲۵۷)

پہلی حدیث میں لیث بن سلیم ہے اور دونوں ضعیف ہیں۔لیکن اس حدیث کا اکثر حصہ صحیح مسلم میں ہے جیسے المشکاۃ (۲۰۵/۱) رقم:(۲۳۵۰،۲۳۲۶) میں ہے۔

المسیب سے مروی ہے انہوں نے کہتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ طیب ہے اور طیب کو پسند کرتا ہے، صاف ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے تو صاف رکھو (میرا خیال ہے) کہ اپنے گھروں کے آس پاس کو اور یہودیوں کی مشابہت نہ کرو۔وہ کہتے ہیں میں نے اس (حدیث) کا ذکر مہاجر بن مسمار سے کیا تو اس نے کہا مجھے عامر بن سعد نے اپنے والد سے یہ حدیث سنائی اس کے والد نے نبی ﷺ سے اسی طرح۔مگر اس نے کہا، اپنے آس پاس کو صاف رکھو، اور سند اس کی حسن ہے، ترمذی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے، اور حدیث میں ہے، ''یقیناً اللہ طیب ہے اور طیب اسے پسند ہے'' نکالا اس حدیث کو مسلم نے اور ترمذی نے برقم:(۳۱۸۶) اور مسلم (۳۲۲/۲) المشکاۃ (۴۳۱/۲) میں حدیث ہے، ''اللہ رفیق (نرم) ہے نرمی کو پسند فرماتا ہے، اور حدیث مسلم (۶۵۱) میں ہے، ''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔'' اور حدیث ابن ماجہ رقم:(۳۸۵۹) میں ہے، ''اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے طاہر، طیب، مبارک اور تجھے زیادہ محبوب ام کے ساتھ۔الحدیث۔اور سند اس کی ضعیف ہے۔

(لیکن تحقیق ثانی سے یہ بات سامنے آئی کہ ستار نام اگرچہ معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کرنا صحیح ہے لیکن اس نام سے اکرنا یا عبدالستار نام رکھنا مناسب نہیں کیونکہ باوجود تحقیق ہمیں اللہ کیلئے ستار نام نہیں ملا۔یعنی جملہ خبریہ میں ستار نام استعمال کرنا

درست ہے، یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ستار ہے لیکن دعاؤں میں یا ستار کہنا صحیح نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں) اس مسئلہ کی وضاحت اس فتاوی (۴۴۱/۸) رقم المسئلہ: (۱۸۳۶) میں ذکر ہے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

oooooo

غیر مسلم ڈاکٹر سے علاج کرانا جائز ہے

۱۰۳- سوال : کیا کافر ڈاکٹر سے علاج کرانا جائز ہے۔ "الشیخ علی جان"۔

جواب : ہاں جائز ہے لیکن مسلمان کو محتاط رہنا چاہیے کہ کہیں اسے نشے والی دوا پلا نہ دے یا بلا ضرورت روزہ افطار نہ کرا دے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے (۳۱۵/۲۔۳۷۱)، ابن ماجہ نے (۱۱۵۶/۲) ابوداؤد نے (۱۸۴/۲) میں بروایت جابر نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو (اس کے علاج) کے لیے نبی ﷺ نے طبیب بھیجا جس نے اس کے بازو کی رگ پر داغ لگایا، اور مسند احمد (۴۲/۱) میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے میرے پاس ایک طبیب میرے اس زخم کا معائنہ کرنے بھیجا، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک عرب طبیب کو پیغام بھیجا تو اس نے عمر رضی اللہ عنہ کو نبیذ پلایا اور نبیذ کو خون سے تشبیہ دی۔ الحدیث۔

اور الدر المختار (۲۱۹/۵) میں ہے "اور کافر کی بات اگر چہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو معاملات میں قبول کی جائے گی۔ دینی امور میں نہیں اور اس پر اجماع ہے۔ تفصیل کے لیے مراجعہ کریں فتاوی شیخ الاسلام (۱۱۴/۴)۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بدائع الفوائد (۲۰۸/۲) میں کہا ہے: "نبی ﷺ کا بوقت ہجرت عبد اللہ بن اُرَیْقِطِ الدُّؤَلِی کو راستے کی رہنمائی کیلئے اجرت پر رکھنے سے یہ ثابت ہوا حالانکہ وہ کافر تھا کہ طب، سرمہ، ادویات، لکھائی، حساب وغیرہ میں کافر کو رجوع کرنا جائز ہے جب تک ایسا کوئی کام نہ ہو جس میں عدالت شرط ہو اور صرف کافر ہونے سے یہ لازم نہیں آیا کہ اس پر بالکل کسی چیز میں بھروسہ نہ کیا جائے، خاص کر ہجرت کے وقت راہ دکھانے سے زیادہ خطرے والا اور کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ انتہی۔

ooooooo

اصلاح کرنے والا اور خیر کی بات کہنے والا جھوٹا نہیں

۱۰۴- سوال : کیا کسی بھی وقت جھوٹ بولنا مباح ہے۔ ''اخوکم شوکت''

جواب : جاننا چاہیے کہ جھوٹ کی حرمت کی علت لوگوں کے درمیان فساد اور خیانت ہے تو جب کسی بات میں مصلحت راجح ہو یا مصلحت ہی مصلحت ہو اور وہ جھوٹ ہو تو جائز ہے ان شاء اللہ۔ کیونکہ بخاری مسلم کی حدیث میں ثابت ہے جیسے مشکوۃ (۲/۴۱۲) میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنے والا جھوٹا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خیر کی بات کہتا ہے اور خیر کی بات لے جاتا ہے۔

اور المسند (۶/۴۵۹) اور ترمذی (۲/۱۸۳) میں اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جھوٹ تین چیزوں کے علاوہ حلال نہیں ہے۔ (۱)- آدمی اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے جھوٹ بولے۔

(۲) : لڑائی میں جھوٹ بولنا۔ (۳) :لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

امام احمدؒ نے (۶/۴۰۴) میں ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا سے روایت لاتے ہیں وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین چیزوں میں جھوٹ بولنے کی رخصت دی ہے۔

۱-:لڑائی میں ۔۲-:۔لوگوں میں اصلاح کے لیے۔۳-: مرد کا اپنی بیوی کو جھوٹ کہنا۔

اور ایک روایت میں ہے مرد کا اپنی بیوی سے بات کرنے میں، اور عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ بات کرنے میں۔ جیسے کہ الصحیحہ (۲/۷۴) میں ہے۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا

۱۰۵ - سوال: دعاء اور استغفار میں ہاتھ اٹھانے کی کیفیت کے بارے میں بتائیں کہ کہاں تک اٹھائے جائیں۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کی تعداد (۱۰۰) سو تک پہنچتی ہے۔ جن میں سے تیس (۳۰) صحیحین میں ہیں۔ جیسے کہ قاسمی کی قواعد الحدیث اور امام نووی کی شرح مسلم میں ہے۔ رہی ہاتھ اٹھانے کی کیفیت تو ہم کچھ احادیث صحیحہ ذکر کرتے ہیں جن سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے المسند (۲/۶۱) میں روایت کیا ہے جیسے کہ مشکوۃ (۱/۱۹۶) رقم: (۲۲۵۷) میں ابن عمر رضی اللہ عنھما سے

مروی ہے "تمہارا یہ ہاتھ اٹھانا بدعت ہے رسول اللہ ﷺ نے اس سے زیادہ نہیں بڑھایا یعنی سینے تک۔"

اور امام ابوداؤد نے (۱/۲۷۸) رقم: (۱۴۸۶) نے مالك بن يسار السكوني ثم الوفي سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو ہتھیلی کے ساتھ مانگو، ہاتھوں کی پشت پھیلا کر مت مانگو۔ سند اس کی صحیح ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دعا فرماتے دیکھا آپ دونوں ہتھیلیوں کے ظاہر و باطن کے ساتھ ایسے دعا کرتے تھے، اور صحیح ابی داؤد کے ایک روایت میں ہے کہ ہتھیلیوں کے ظاہر کو منہ کے سامنے کرتے اور باطن کو زمین کی طرف کرتے۔ رقم: (۱۴۸۷)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مانگنے کے لیے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھائیں، اور استغفار کے لیے انگلی سے اشارہ کریں۔ اور ابتہال کے لیے دونوں ہاتھ پھیلائیں، اور ان سے ایک روایت اس طرح ہے "اور ابتہال اس طرح ہے، دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کی پشتوں کو منہ کے سامنے کیا۔

اسے امام ابوداؤد نے تین صحیح سندوں کے ساتھ نکالا ہے۔ (۱/۲۷۹) مشکوۃ (۱/۱۹۶) (رقم: ۲۲۵۶)

اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ آپ ﷺ دونوں انگلیاں کندھوں کے برابر اٹھاتے اور دعا کرتے تھے۔ مشکوۃ (۱/۱۹۶) الدعوت الکبیر سے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا میں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کی بغل کی سفیدی دیکھی جاتی" جیسے مشکوۃ (۱/۱۹۶) رقم: ۲۲۵۳) میں ہے۔

ان روایات سے درج ذیل مسائل پر دلالت ہوئی ہے۔

۱-: دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ سینے تک اور کندھوں کے قریب تک اٹھائے جائیں۔

۲-: آدمی ہتھیلیوں کے اندر والے طرف کے ساتھ دعا کرے اور کبھی کبھی بطور ابتہال اس کے برعکس بھی جائز ہے خصوصاً استسقاء میں۔

۳-: استغفار میں ایک ہی انگلی سے اشارہ کافی ہے یہ عمل اکثر لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے یہاں تک کہ اسے پہچاننے تک نہیں۔

۴-: رفع الیدین کی نفی والی حدیثیں مؤوّل ہیں۔ رجوع کریں تحفة الأحوذي، المرقاة (۵/۴۶-۴۷)

دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا چاہئے یا نہیں۔ اس کی تحقیق (مسئلہ نمبر ۱۱۸) میں آئے گی ان شاء اللہ۔

ooooooo



کرامت فاروقی

۱۰۶- سوال: حدیث "یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلَ" صحیح ہے یا ضعیف اور یہ آواز دینا نیند میں تھا یا بیداری میں کیا یہ کشف مزعوم ہے؟۔اخوکم/عبداللہ ابو یاسر۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (۱۸۱/۲) میں نقل کیا ہے۔جیسے کہ مشکاۃ (۵۴۶/۲) رقم: (۵۹۵۴) باب الکرامات میں ہے، امام ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ: (۱۳۱/۷) میں، ابن عساکر نے (۶/۷۔ا)، (۲۳/۱۳۔۲) میں، الضیاء نے المنتقی من مسموعاته بمرو (ص:۲۸۔۲۹) میں ابن الأثیر نے اسد الغابة (۶۸/۵) میں ذکر کیا ہے۔

اور السلسله الصحیحه (۱۰۱/۳) (رقم ۱۱۱۰) میں نافع سے مروی ہے کہ یقیناً عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ نے کہا [یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلَ یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلَ] اے ساریہ (رضی اللہ عنہ) پہاڑ کو لازم پکڑ!، اے ساریہ پہاڑ کو لازم پکڑ!"۔ تو اس وقت جمعہ کے دن ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرف حملہ کر رہے تھے۔اور اس کے اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک مہینے کی مسافت تھی۔

جو اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، اس حدیث کی متعدد سندیں ہیں اور یہ خطبہ جمعہ کے دوران تھی نیند نہیں تھی۔رہا وہ کشف جو صوفیاء خیال کرتے ہیں تو وہ باطل ہے اور یہ کرامت تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں الھام ہوا تھا، آپ کے منہ سے بجھ کے بغیر صادر ہو گیا تھا۔تفصیل کے لیے مراجعہ کریں۔السلسلہ۔

کیا مردے کو قبر میں رسول اللہ ﷺ دکھائے جاتے ہیں

۱۰۷- سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ میت دفن کے پہلے دن نبی ﷺ کو دیکھتے ہیں کیونکہ فرشتے میت سے پوچھتے ہیں، "اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔اور ھذا کے ساتھ اشارہ محسوس کو کیا جاتا ہے تو کیا ان کی بات صحیح ہے؟

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

یہ قول جاہل بریلویوں کا ہے جو نبی ﷺ کے ہر جگہ حاضر ہونے کے قائل ہیں۔یہ باطل ہے اور ان کا عقیدہ فاسد ہے کیونکہ حدیث

ان الفاظ میں وارد ہے: "فَيَقُوْلَانِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ" "وہ کہتے ہیں جو شخص تم میں مبعوث ہوا وہ کون ہے۔ تو وہ کہے گا وہ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ) الحدیث۔

اس حدیث کو نکالا امام احمد نے اور ابوداؤد (۲/رقم ۴۷۵۳) المشکاۃ (۱/۲۵)۔

علی القاری مرقاۃ (۱/۱۹۹) میں کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ میت کو کشف ہوتا ہے اور وہ نبی ﷺ کو دیکھتا ہے تو مؤمن کے لیے یہ بڑی خوشخبری ہے اگر صحیح ثابت ہو لیکن ہمیں کوئی صحیح حدیث معلوم نہیں۔ اور قائل نے صرف اشارے سے سند پکڑی ہے کہ اشارہ حاضر کی طرف ہوتا ہے لیکن احتمال ہے کہ مجازی طور اشارہ اس کی طرف ہو جو ذہن میں ہے۔

میں کہتا ہوں: کہ یہ مجاز نہیں بلکہ "ھذا" کا کلمہ معلوم اور محسوس دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ صحیح قول یہ ہے کہ عربی زبان میں سرے سے مجاز موجود ہی نہیں۔ جیسے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے (۲۰/) میں مفصل ذکر کیا ہے۔

ہر کام کے شروع میں بسم اللہ کہنا چاہیئے

۱۰۸- سوال: نوٹ گنتے وقت بسم اللہ پڑھنی جائز ہے؟ اور احادیث میں بِسْمِ اللهِ پڑھنی کہاں وارد ہے۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

نوٹ وغیرہ کے گنتے وقت بسم اللہ پڑھنی جائز بلکہ مستحب ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (۱/۱۸) میں فرمایا ہے، "انسان کا پاؤں پھسلتے وقت بسم اللہ پڑھنی مستحب ہے، جیسے کہ امام احمد حدیث لائے ہیں یہ مت کہو کہ شیطان نے پھسلا دیا جب تم تَعِسَ الشَّيْطَانُ کہو گے تو وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ اور کہتا ہے، "اپنی قوت سے میں نے اسے گرایا" اور جب تم بسم اللہ کہتے ہو تو مکھی جیسا ذلیل ہو جاتا ہے پھر فرمایا، "یہ بسم اللہ کی برکت سے حاصل ہوا" اس لیے ہر قول و عمل سے پہلے بسم اللہ کہنا مستحب ہے خطبہ کے شروع میں مستحب ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے "کوئی بھی کام جو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے، بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بھی مستحب ہے۔

کیونکہ یہ حدیث میں وارد ہے اسی طرح وضوء کے شروع میں بھی کہا جائے۔

جیسے کہ حدیث میں ہے، "جو اللہ کا نام ذکر نہ کرے اس کا کوئی وضوء نہیں۔" اور ذبح کرنے سے پہلے، اور اسی طرح کھانے سے پہلے مستحب ہے اور ایک قول وجوب کا ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے اور اسی طرح جماع کے وقت مستحب ہے اور اسی طرح دیگر مقامات پر۔



حیوانات بھی قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جائیں گے

۱۰۹-سوال: حیوانات کے بارے میں بتائیں کہ قیامت کے دن ان کا حشر ہوگا یا نہیں؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ احادیث میں ان کے حشر کا ذکر مجاز اور کنایہ ہے ظالم ومظلوم سے۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

حیوانات کا حشر حق ہے جس پر کتاب وسنت اور اقوال سلف دلالت کرتے ہیں۔

حشر حیوانات کے قرآنی دلائل۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ، مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴾ (انعام:۳۸)

(اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح گروہ نہ ہوں ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے)۔"

امام قرطبیؒ کہتے ہیں "ضمیر کا مرجع تمام خلائق ظاہر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَإِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴾ (التکویر:۵)

(اور جب وحشی جانور اکٹھے کئے جائیں گے) اور ایسی دیگر آیات۔

احادیث بابت حشر حیوانات۔

(۱)-: نبی ﷺ فرماتے ہیں، "قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق ضرور ادا کئے جائیں گے یہاں تک کھلے سینگوں والی بکری سے لپٹے ہوئے سینگوں والی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔ صحیح مسلم (۴/۱۹۹۷)، احمد (۲/۲۳۵-۲۳۳)۔

(۲)-: امام قرطبیؒ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کا قول روایت کرتے ہیں۔ مویشیوں جانداروں پرندوں سمیت تمام مخلوق اکٹھی کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا عدل یہاں تک پہنچے گا کہ کھلے سینگ والی سے لپٹے ہوئے سینگ والی کا بدلہ لیا جائے گا پھر کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول میں اسی کا ذکر ہے ﴿وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا﴾ (عم:۴۰)

(اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا)۔ حاکم (۲/۳۱۶)، طبری (۱۱/۳۴۷) اور الدر المنثور وابن کثیر۔

(۳) : امام دارقطنی عطاء سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "جب دیگر مخلوق انسانوں کو جزع فزع کی حالت میں دیکھیں گے تو کہیں گے الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری طرح نہیں بنایا ہمیں جنت کی امید ہے نہ جہنم کا ڈر تو اللہ تعالیٰ انہیں حکم فرمائیں گے مٹی بن جاؤ تو اس وقت کافر مٹی ہو جانے کی تمنا کریں گے۔

(۴) : ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس دو بکریوں نے آپس میں سینگ مارے تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے ابوذر کیا تجھے ان کی لڑائی (کے انجام) کی خبر ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کی لڑائی کا علم ہے اور وہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ احمد (۱۶۲/۵۔۱۷۳)، الطبری (۳۴۸/۱۱) جیسے کہ زاد المسیر (۳۶/۳) میں ہے۔

(۵) : عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، "لپٹے سینگوں والی کھلے سینگو والی سے قیامت کے دن بدلہ لے گی۔ احمد (۷۲/۱)، ابن کثیر (۱۳۱/۲)۔

(۶) :ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمام مخلوق آپس میں ایک دوسرے سے بدلہ لیں گے یہاں تک کہ لپٹے سینگوں والی کھلے سینگوں والی سے اور یہاں تک کہ چیونٹی دوسری چیونٹی سے"۔

شیخ الاسلام نے الفتاوی (۲۴۸/۴) میں کہا ہے تمام حیوانات کو اللہ تعالیٰ اکٹھا فرمائے گا جیسے کتاب وسنت اس پر دلیل ہیں اور پھر مذکورہ دو آیتیں ذکر کیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمِنْ آيٰتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ﴾ (شوریٰ :۲۹)

(اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور ان میں جانداروں کا پھیلانا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے انہیں جمع کردے)۔

اور "اذا" کا صرف کسی چیز کا لامحالہ آنے پر دلالت کرتا ہے۔ اس مضمون کی احادیث مشہور ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام حیوانات کو جمع کر کے ان کو ایک دوسرے سے بدلہ دلوائیں گے پھر انہیں مٹی بن جانے کا حکم فرمائیں گے تو وہ مٹ ہو جائیں گے تو کافر اس وقت کہے گا کاش میں بھی مٹی ہو جاتا، اور جو کہتا ہے کہ زندہ نہیں ہونگے تو وہ فحیج غلطی پر ہے بلکہ وہ گمراہ یا کافر ہے۔

واللہ اعلم۔

OOOOOOO

توحید کا لفظ قرآن وسنت میں آیا ہے

۱۱۰ سوال : ہفتہ (۱۱) رمضان ۱۴۱۳ھ کو ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ قرآن وسنت میں "توحید" کا لفظ ثابت نہیں۔ تو اس کلمے کا استعمال بدعت ہے، تم لوگوں کو تو بدعت سے منع کرتے ہو لیکن خود اس بدعت میں واقع ہو چکے ہو تو میں تفسیر القرآن میں مصروف ہونے کی وجہ سے اسے اس وقت جواب دے نہ سکا اور اسے ظہر کے بعد آنے کا کہا تا کہ اسے شافی جواب دیا جا سکے۔ تو ہم کہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

توحید لفظاً و معنیً کتاب وسنت صحیحہ میں وارد ہے اور اس پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو توحید کا معنی انکار و کفر ہے اور لفظ "التوحید" کا انکار احادیث متواترہ کا انکار ہے۔ وہ آیات جن میں لفظ "وحدہ" اور "الاحد" اور "الواحد" آیا ہے یہ ہیں۔

قول اللہ تعالیٰ کا: "اور جب تو صرف اللہ ہی کا ذکر اس کی توحید کے ساتھ اس قرآن میں کرتا ہے، تو وہ روگردانی کرتے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں" الاسراء:۴٦)

اور قول اللہ تعالیٰ کا: "جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔

اور قول اللہ تعالیٰ کا، یہ عذاب تمہیں اس لیے ہے کہ جب صرف اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا تو تم انکار کر جاتے تھے، (الغافر:۱۲)

اور قول اللہ تعالیٰ کا، کہ اللہ واحد پر ہم ایمان لائے اور جن جن کو تم اس کا شریک بنا رہے تھے ہم نے ان سب سے انکار کیا" (الغافر:۸۴)

اور اللہ تعالیٰ کا قول: "وہ اکیلا ہے اور زبردست غالب ہے" (الرعد:۱٦)

اور قول اللہ تعالیٰ کا: "آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے" (اخلاص:۱)

اس معنی کی مزید آیات بہت ہیں تمام ذکر کرنے کی اب گنجائش نہیں۔

اب احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

اول: ابو مالک اشجعیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، "جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانے اور اس کے علاوہ جن کی پوجا کیجاتی ہے ان کا انکار کرے تو اس کا خون اور مال حرام ہے اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے" مسلم (۱/۳۷) مسند احمد: (۳/۴۷۲)، (٦/۳۹۴-۳۹۵)۔

دوم: جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث "فکبر اللہ ووحدہ" "اللہ تعالیٰ کو بڑا اور اکیلا جانے، مسلم (۱/۳۹۵) ابو

داؤد (۱/۳۵۷)، مشکوٰۃ (۱/۲۲۴)۔

سوم: وہ حدیث جسے امام احمد نے (۴/۵۷) میں ابو اسحٰق سے روایت کیا ہے وہ خفاف بن أیماء سے نبی ﷺ کا نماز میں بیٹھنے کا طریقہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، "اور اپنی شہادت والی انگلی کھڑی کی اس کے ساتھ اللہ عزوجل کو ایک بتاتے تھے۔

چہارم: وہ حدیث جسے امام مسلم نے (۱/۳۲) میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اللہ کی توحید نماز کی اقامت، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنے اور حج کرنے پر

پانچویں: وہ حدیث جسے امام احمد نے (۶/۱۱۲) میں عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ سے اس کی طویل حدیث روایت کی ہے۔ اس میں ہے، "میں نے کہا آپ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے تو فرمایا، یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا مانا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، بت توڑ دیئے جائیں اور صلہ رحمی کی جائے۔ الحدیث۔

چھٹی: وہ حدیث جسے امام مسلم نے (۱/۲۷۶) میں عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں ہے، "اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا مانا جائے اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کیا جائے" یہ وہی پہلے والی حدیث ہے۔

ساتویں: وہ حدیث جو امام بخاری نے (۲/۱۰۹۶) میں معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس میں ہے، "پہلی چیز جس کی تم دعوت دو گے وہ اللہ کی توحید ہے۔

آٹھویں: وہ حدیث جیسے امام احمد نے (۱/۲۰۲) میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نجاشی کے پاس بات کرنے سے متعلق طویل حدیث روایت کی ہے اس میں ہے، "ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی کہ اسے اکیلا مانیں اور اس کی عبادت کریں اور جن کی ہم اور ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے اسے چھوڑ دیں۔ نکالا اسے (۵/۲۱۹) میں۔

نویں: وہ حدیث جسے امام ترمذی نے (۱/۲۳۳) اور امام احمد نے (۳/۳۹۱) میں جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا کہ بعض اہل توحید کو آگ میں عذاب دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ (جل کر) کوئلہ ہو جائیں گے"

دسویں: حدیث جیسے امام ترمذی نے (۲/۲۳۳) میں جابر اور ابو سعید رضی اللہ عنھما سے مرفوعا روایت کیا: "بعض اہل توحید کو (جہنم سے نکال کر) جنت میں داخل کر دیا جائے گا"۔

گیارھویں: وہ حدیث جیسے امام ترمذی نے (۲/۲۳۳) میں روایت کیا ہے کہ "جب اہل توحید آگ سے نکالے جائیں گے" الخ۔

بارھویں: وہ حدیث جیسے امام داؤد نے (۱/۳۵۹) میں جابر رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث روایت کی ہے، "پس اہل توحید"۔

تیرھویں: وہ حدیث جیسے امام احمد نے (۲/۱۸۲) میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عاص بن وائل نے جاہلیت میں سو اونٹ نحر کرنے کی نذر مانی اور ھشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ نحر کر دیئے اور عمرو نے اس کے بارے

میں نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا،''اگر تیرا باپ توحید کا قرار کرتا روزے رکھتا اور صدقہ کرتا تو یہ اسے فائدہ دیتا۔

چودھویں: وہ حدیث جسے امام ابن ماجہ نے (۲/۱۹۹) میں اور امام احمد نے (۶/۳۰۴) میں ابو هریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تم سے پہلے کی امتوں میں ایک شخص نے سوائے توحید کے کوئی بھلائی کا کام نہیں کیا تھا''۔

پندرھویں : وہ حدیث جسے امام ابن ماجہ نے (۲/۱۹۹) اور امام احمد نے (۲/۸۔۲۲۰۔۲۲۵۔۳۹۱) میں عائشہ اور ابو هریرہ رضی اللہ عنهما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سینگوں والے دو ٹیالے رنگ کے مینڈھوں کی قربانی دیتے تھے (اور ذبح کرتے وقت) بسم اللہ اللہ اکبر کہتے تھے، اور میں نے انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے دیکھا آپ اس کے پہلو پر اپنا قدم مبارک رکھے ہوئے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک اپنی امت میں سے اس کی طرف سے ذبح کیا جس نے توحید کی گواہی دی۔ اور آپ کی تبلیغ کی گواہی بھی دی۔

سولھویں: وہ حدیث جسے امام احمد نے (۳/۳۲۰) میں جابر رضی اللہ عنہ ان کی طویل حدیث روایت کی ''پس قرأت کی توحید یعنی سورۃ اخلاص کی'' الحدیث۔

احادیث تو اس معنی کی بڑی کثرت سے ہیں لیکن انہیں توحید سے بغض ہے۔ واللہ اعلم.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔

ماں کے پیٹ میں بچہ تین پردوں میں ہوتا ہے

۱۱۱ سوال : جنین کا ماں کے پیٹ میں تین اندھیروں کا جو ذکر قرآن میں آتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

(احمد سالم جمعہ عمان)۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

تین اندھیروں کے بارے میں قرطبی کی روایت کے مطابق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنهما فرماتے ہیں کہ وہ ایک پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور بچہ جس جھلی میں لپٹا ہوا ہوتا اس کا اندھیرا۔ اور ابو عبیدہ کہتے ہیں پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور باپ کی پیٹھ کا اندھیرا، لیکن افضل پہلا قول ہے۔

OOOOOOO

صحابی کی تعریف

۱۱۲ سوال : کیا صحابہ سے مراد صرف وہی لوگ ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا، یا وہ ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ کے ساتھ محبت کی۔ یا وہ لوگ مراد ہیں جو آپ کے زمانے میں زندہ تھے اور آپ کو دیکھا بھی ہو یا شاید نہ دیکھا ہو۔

(احمد سالم جمعہ عمان)

جواب : ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

صحابی وہ ہے جس نے نبی ﷺ کو دیکھا اور آپ پر ایمان لایا، اور ایمان ہی پر وہ فوت ہوا۔ یا آپ سے بات کی اور آپ کے منہ مبارک سے آپ کی بات سنی جیسے ابن ام مکتوم (نابینا) رضی اللہ عنہ۔

اور جس نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا اور آپ کے زمانے میں موجود تھا، تو اس کا شمار صحابہ میں نہ ہوگا جیسے اویس قرنی یہ یمن میں تھے اور والدہ کی خدمت کی وجہ سے رکے ہوئے تھے جب یہ مدینہ پہنچے تو اس کے پہنچنے سے پہلے نبی ﷺ فوت ہو گئے تھے۔ تو وہ صحابی شمار نہیں ہوئے اور نص نبوی کے مطابق وہ خیر التابعین ہیں جیسے کہ مسلم (۲/۳۱۱) میں ہے۔

اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا لیکن آپ ﷺ پر ایمان لائے یا ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے تو یہ کافر ہیں اور صحابہ میں سے نہیں۔ واللہ التوفیق.

چند باطل فرقوں کا تعارف

۱۱۳ سوال : درج ذیل فرقوں کی تعریف بیان کریں۔(۱) : الزنادقة. (۲): الطبعيين. (۳) : القدرية.(٤): الجبرية. (٥):الناصبية. (٦) : الغلاة ۔ اخوکم سالم جمعہ عمان۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا باللہ.

(۱) **الزنادقة** : زنادقہ زندیق کی جمع ہے فیروز آبادی "قاموس" میں کہتے ہیں: الزنديق: زاء کی کسرہ کے ساتھ، دو معبودوں کو ماننے والا یا ظلمت اور نور کے قائل یا جو آخرت اور ربوبیت کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ یا جو بظاہر مؤمن بنے اور دل میں کفر رکھے اور یہ زن دین، کا معرّب ہے جس کا معنی ہے "عورت کا دین"۔

اور ملا علی قاری مرقات میں، جیسے کہ حواشی مشکوٰۃ (۲/۲۰۷) میں بھی ذکر ہے، حدیث عکرمہ "علی رضی اللہ عنہ کے پاس زندیق لائے گئے آپ نے ان کو جلا دیا" الحدیث کے تحت کہتے ہیں: زندیق وہ ہے جو بقاء دھر کا قائل ہے آخرت اور خالق پر یقین نہیں رکھتا اور کہتا ہے کہ حلال وحرام سب ایک ہیں۔ اور اس کی توبہ کی قبولیت میں دو روایتیں ہیں۔

اور راجح بھی ہے کہ امام وقاضی کے پاس اس کی توبہ مقبول نہیں۔باقی رہی عند اللہ اس کے توبہ کی قبولیت تو اللہ کے پاس تو ہر کافر کی توبہ قبول ہوتی ہے بشرطیکہ توبہ میں سچا ہو۔

ثعلب کہتے ہیں "زندیق" "اور برزین" یہ عربی کلمے نہیں اور عام لوگوں کے نزدیک اس کا معنی ملحد اور دھری ہے۔

مولانا عبدالحق دہلوی نے حواشی مشکوۃ میں کہا ہے:"اصل میں یہ مجوسی کی کتاب زند کے پیروکار تھے۔اور اس حدیث میں ان سے مراد وہ لوگ تھے جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے یا عبداللہ بن سبا کے پیروکار تھے جو فتنہ انگیزی اور امت کو گمراہ کرنے کے لیے بظاہر مسلمان بنے پھرتے تھے اور ان کا یہ دعویٰ تھا کہ علی رب ہیں تو انہیں گرفتار کر کے ان سے توبہ کروائی لیکن انہوں نے توبہ نہ کی پھر گڑھے کھدوا کر اس میں آگ جلائی اور انہیں اس میں پھینک دینے کا حکم دیا یہ ان کا اجتہادی فیصلہ تھا۔

بعد میں جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کا یہ قول پہنچا کہ کسی کو جلانے کی سزا دینی جائز نہیں آگ کا عذاب آگ کا رب ہی دے سکتا ہے۔تو جلانے کی سزا دینے سے رجوع کر لیا۔

(۲) : الطبیعیین

یہ اصحاب طبعیات ہیں جو چیزوں کا پیدا ہونا اتفاقی سمجھتے ہیں اور طبیعت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عالم اتفاقی طور پر اور طبعی طور پر پیدا ہوا تو حقیقی دھری ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں صرف ظن وتخمین کے تابعدار ہیں۔

(۳) : القدریة :یہ گمراہ فرقہ واثلہ بن الاسقع ،عبداللہ بن عمر،عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنھم جیسے متاخرین صحابہ کے زمانے میں پیدا ہوا،انکار تقدیر کی بات سب سے پہلے معبد جہنی نے بصرہ میں کی۔جیسے کہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح (۱/۲۷) میں روایت کیا ہے کہ یہ حسن بصریؒ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا تو انہوں نے اسے نکال دیا تھا۔اس کی بات عمرو بن عبید نے بھی مان لی تھی جسے حجاج بن یوسف نے پکڑ کر قتل کر دیا تھا۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں کہا ہے قدریہ کے مختلف فرقے ہیں بعض ان میں اللہ تعالیٰ کے علم کی سابقیت کا انکار کرتے ہیں۔اور بعض پیدا کرنے سے پہلے تقدیر اشیاء کے منکر ہیں۔اور وہ کہتے ہیں بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔

ان کے عقائد کی تفصیل مجموع الفتاوی (۸/ ۲۸۸۔۲۸۹) میں ہے۔

اور بعض قدریہ امر نہی ثواب وعذاب کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے قضاء وقدر وکتاب کے تقدم کا انکار کرتے ہیں یہ اواخر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں ظاہر ہوئے اور مالک،شافعی،احمد بن حنبل جیسے ائمہ نے انہیں کافر کہا۔کیونکہ یہ اللہ کے علم قدیم کے منکر تھے،اور بعض اللہ کے علم اور اس کے لکھے جانے کے تقدم کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن انکا خیال ہے اس کے بعد امر نہی اور عمل کی ضرورت نہیں رہتی۔بلکہ جس کے لیے سعادۃ کا فیصلہ لکھا گیا ہے وہ بغیر عمل کے جنت میں جائے گا۔اور جس کے لیے شقاوۃ کا فیصلہ کیا گیا ہے وہ بلا عمل بدبخت وشقی ہے:الخ۔

(٤) : **الجبریة**: یہ کہتے ہیں کہ انسان جمادات کی طرح مجبور محض ہے اس کا نہ ارادہ ہے نہ کسب اور نہ ہی اختیار یہ بھی قدریہ کا ایک طائفہ ہے جن کی مختلف اُصناف ہیں (الملل والنحل) للشہرستانی (۷۹/۱)۔

(۵) : **ناصبیة** : ابن منظور لسان العرب (۱۵۷/۱۴) میں کہتے ہیں: "ناصبی ایک فرقہ ہے جن کا دین علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا ہے اور امام ابن قیمؒ نے اپنی قصیدے کے شروع میں کہا ہے:

إِنْ كَانَ نَصْباً حُبُّ صَحْبِ مُحَمَّدٍ	٥	فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ أَنِّيْ نَاصِبِيْ

"اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم سے محبت رکھنی ناصبیت ہو تو ثقلین گواہ رہیں کہ میں ناصبی ہوں"۔

رافضی اہل سنت کو ناصبی کہتے ہیں جیسے کہ الغنیة (۸۵/۱) میں ہے۔

(٦) : **الغلاة** : یہ نام ہے ہر اس شخص وگروہ کا جو عقیدہ وعمل میں اپنی حد سے بڑھتا ہے۔

ایک گناہ سے توبہ کرنا اور دوسرے سے توبہ نہ کرنا

۱۱٤ - **سوال** : ایک شخص مثال کے طور پر زنا اور چوری سے تو توبہ کرتا ہے لیکن سود خوری اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے توبہ نہیں کرتا کیا اس کی توبہ قبول ہوگی؟

جواب : ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

امام قرطبیؒ (۹۰/۵) میں فرماتے ہیں، "امت کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول، "اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو" (نور:۳۱) کے مطابق توبہ مومنوں پر فرض ہے۔ اور یہ توبہ ایک گناہ سے اس کے علاوہ کسی دوسری نوع کے گناہ پر قائم رہنے کے باوجود درست ہے یہ اہل سنت کا مذھب ہے بخلاف معتزلہ کے کہ کسی گناہ پر قائم رہتے ہوئے یہ توبہ درست نہیں۔

اور ایک معصیت کا دوسری معصیت سے کوئی فرق نہیں۔

امام ابن قیمؒ نے مدارج السالکین (۲۷۳/۱) میں اس کے بارے میں عمدہ فصل تحریر فرماتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "گناہ سے توبہ درست ہے اگرچہ دوسرے گناہ پر مصر ہو۔ اس میں اہل علم کے دو قول ہیں اور وہ امام احمدؒ کی دو روایتیں ہیں۔ اور جو اس کے صحیح ہونے پر اجماع نقل کرتے ہیں وہ اس اختلاف پر مطلع نہیں۔ جیسے امام نووی وغیرہ۔ مسئلہ مشکل ہے اور اس میں گہرائی ہے۔ اور دونوں اقوال ذکر کرنے کے بعد کہا ہے میرے نزدیک اس مسئلہ میں ایک گناہ سے توبہ درست نہیں جبکہ اس نوع کے دوسرے گناہ پر اصرار ہو۔ رہی توبہ کرنی ایسے گناہ سے کہ دوسرے گناہ کا مرتکب ہو اور اُس گناہ کا اس گناہ سے کوئی تعلق نہ ہو تو توبہ صحیح ہے جیسے کوئی سود سے توبہ کرے اور شراب خوری سے توبہ نہ کرے۔ تو سود سے اس کی توبہ صحیح ہے لیکن اگر سود تفاضل سے توبہ کرے اور سود نسیہ سے

توبہ نہ کرے تو اس کی توبہ مردود ہے۔الخ۔ وباللہ التوفیق۔

خضر علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں

۱۱۵ سوال :آپ نے خضر علیہ السلام کے فوت ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی ﷺ جب فوت ہوئے تو غسل دیتے وقت صحابہ حیران ہوئے کہ انہیں لباس سمیت غسل دیں یا بے لباس کر دیں تو مکان کے ایک کونے سے آواز آئی کہ نہیں لباس میں غسل دیدو۔اور آواز دینے والے خضر علیہ السلام تھے تو اس حدیث سے آپ کا فتویٰ منقوض ہوا؟ اخوکم عبد اللہ۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہم نے جو خضر علیہ السلام کی وفات کا فتویٰ دیا ہے درست ہے آئندہ ان شاء اللہ دلائل کا ذکر ہوگا۔

اور آپ نے حدیث ذکر کی ہے اسے امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے جیسے کہ مشکوۃ (۲/۵۴۹) رقم: (۵۹۷۲) میں جعفر بن محمد سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کا ایک شخص ان کے والد علی بن الحسن کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہ سناؤں انہوں نے کہا ہاں سناؤ۔تو وہ کہنے لگا کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے،اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی تکریم کے لیے بھیجا ہے الخ،اور اس میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے اور تعزیت ہونے لگی تو لوگوں نے مکان کے کونے سے یہ آواز سنی:''اے گھر والوں تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔اور اللہ ہی میں ہر مصیبت سے تسلی ہے اور وہی ہر فوت ہونے والے کا خلیفہ ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کا پایا جانا اسی کے پاس ممکن ہے۔تو اسی سے ڈرو اور اسی سے امید رکھو،ثواب سے محرومی ہی بڑی مصیبت ہے تو علی کہنے لگے،''تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ خضر علیہ السلام ہیں''۔

اس کی سند کمزور اور اس میں ارسال وانقطاع ہے کیونکہ علی بن حسن نے نبی ﷺ کا زمانہ نہیں پایا۔تو اس حدیث سے حیات خضر پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔اور یہ ان دلائل کے خلاف ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ'' کے آخری کلمات کیا ہیں

۱۱۶- سوال: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِـاللهِ :کلمے کے بارے میں بتائیں اس کے آخر میں'' الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ '' ہے یا''الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' ہے۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

أَمَّا بَعْدُ :

صحیح تو یہ ہے کہ آدمی اس کلمہ طیبہ کا اختتام "العزیز الحکیم" کے ساتھ کرے کیونکہ امام مسلمؒ اپنی صحیح (۲/۳۴۵) باب فضل التسبیح و التهلیل و الدعاء میں سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے کوئی کلام سکھاؤ جو میں کہتا رہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو کہہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ"

(اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اللہ بہت بڑا ہے اس کے لیے بہت تعریفیں ہیں، اللہ پاک ہے جہانوں کا پالنے والا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر برائی سے پھرنے کی قوت ہے نہ نیکی کرنے کی طاقت وہ غالب (زبردست) اور حکمت والا ہے۔ تو اس نے کہا یہ سب تو رب کے لیے ہے میرے لیے کیا ہے، تو فرمایا: تو کہہ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ" اے اللہ میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما مجھے ہدایت اور رزق دے، تو اس حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے جو میں نے کہا، اور یہ مشکوۃ (۱/۲۰۲) الترغیب (۲/۴۳۰) میں ہے۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے جسے احمد نے (۴/۹۱-۹۲) میں نکالا ہے جیسے کہ مشکوۃ (۱/۹۶) میں علقمہ بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا جب کہ اس کے مؤذن نے آذان کہی تو معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہی کہتے جو مؤذن کہتا۔ جب مؤذن نے "حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ" کہا تو انہوں نے "وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" کہا اور اس کے بعد وہی کچھ کہا جو مؤذن نے کہا پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ یہ کہا کرتے تھے۔ یہ حدیث ضعیف ہے اس میں عیسیٰ اور عبداللہ مجہول ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مصنف کے قلم سے غلطی ہوگئی ہے یا لکھنے والوں کے قلم نے غلطی کی ہے ہم نے جب مسند احمد دیکھی تو ہمیں "الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ" نہ ملا۔

امام احمد نے اس حدیث کو تین بار (۴/۹۱-۹۲-۹۸) ذکر کیا ہے، پہلی سند صحیح اور دوسری ضعیف ہے جیسے کہ ہم نے کہا۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ کلمہ نہیں ہے یہ حدیث سنن نسائی (۱/۱۴۵) رقم: (۶۵۲) اور ھیثمی نے المجمع (۱/۳۳۰-۳۳۱) میں روایت کیا ہے لیکن کسی بھی روایت میں "الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ" ذکر نہیں، جو مشکوۃ کی خطاء پر دلالت کرتی ہے اور جو ملا علی القاری کا مرقات میں (۲/۱۲۲) قول ہے کہ "یہ زیادت روایات میں نادر ہے"۔ قلت جستجو سے صادر ہوا ہے۔

یہی تحقیق مشکوۃ پر علامہ البانیؒ کی تعلیق (۱/۲۱۳) رقم (۶۷۵) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

صاحب مرقاۃ (۱/۳۸) میں خطبہ میں مصنف کے قول، "ولا حول ولا قوة الا باللہ العزیز الحکیم" کے تحت کہتے ہیں: "ابن حجرؒ نے کہا، "یہ دو اسم ذکر کئے کیونکہ اس کلمے کے اختتام میں یہی دو وارد ہوتے ہیں اور جو "الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ" کے ساتھ اختتام مشہور ہے وہ وارد نہیں۔ جبکہ حافظ جزریؒ کی حصن حصین کے بعض نسخوں میں "الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ" کے ساتھ اختتام کی روایت

موجود ہے شاید وہ دوسری روایت ہو،اھ۔جان لو کہ صحیح "العزیز الحکیم" والی ہے جو صحیح مسلم میں ہے جسے صاحب مصابیح نے نقل کیا ہے اور صاحب مشکوۃ بھی ان کے تابع ہیں اور اسی طرح اصل حصن حصین میں ہے لیکن حاشیے میں "العَلِيُّ الْعَظِيْم" لکھا ہے اور بزار کی طرف منسوب ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: پھر بعد میں دوسری بار تحقیق میں ہمیں ابن ماجہ (۲/۳۳۵) رقم: (۳۸۷۸) اور ابن السنی کی عمل الیوم واللیلۃ، رقم: (۷۵۱: ص:۳۵) صحیح سند کے ساتھ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ملی۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس کی رات کو نیند اُچاٹ ہو جائے۔ جب وہ جاگے تو کہے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔"

پھر دعا کرے اے اللہ میری مغفرت فرما۔ تو اسے بخش دیں گے۔ ولید نے کہا" یا کہا: دعا تو قبول ہوگی پھر اگر کھڑا ہوا اور وضوء کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز مقبول ہوگی۔

بخاری (۱/۱۵۵) ترمذی (۳/۱۴۹) رقم: (۳۶۵۴) باب ما جاء في الدعا اذا انتبه من الليل۔ ابو داود (۳/۹۵۴) رقم: (۵۰۶) احمد (۵/۳۱۳) المشکاۃ (۱/۱۰۸)

لیکن بخاری اور اس کے بعد والوں کی روایت میں یہ کلمہ نہیں ہے یہ صرف ابن ماجہ، ابن السنی اور الکلم الطیب (ص:۴۲) رقم: (۴۲) میں ہے لیکن حوالہ صحیح بخاری کا دیا ہے اور اس میں یہ کلمہ نہیں ہے۔ اور منذری کی الترغیب (۲/۴۳۵) میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یقیناً اس نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "جو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" کہے تو اللہ فرماتا ہے "میرا بندہ مسلمان ہوا تابعدار رہا"۔

روایت کیا اس کو حاکم نے اور اسے صحیح الاسناد کہا۔

پھر جب ہم نے مستدرک (۱/۵۰۲) کا مراجعہ کیا تو یہ کلمہ ہمیں وہاں نہیں ملا۔ تو یہ منذری کی خطا پر دلالت کرتا ہے اس حدیث میں اس کی خطاء پر دلالت کرتا ہے جسے اس نے نکالا ہے،" وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ " اکثر پڑھا کرو، یہ جنت کے خزانے میں سے ہے۔" (رواہ الترمذی)۔

جب ہم نے ترمذی (۳/۷۶) رقم: (۳۸۵۳) دیکھی تو ہمیں یہ کلمہ وہاں نہ ملا، اور یہ منذری کی عدم تحقیق کی وجہ سے ہے اور حدیث صحیح ہے۔ پھر بزار کی روایت المجمع (۱۰/۶۱) میں اسی طرح ہے،" سعد سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا مجھے کوئی کلمہ سکھائیں جو میں کہوں۔ فرمایا: "کہہ" لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

میں کہتا ہوں: یہ صحیح میں ہے سوائے قول "الْعَلِيُّ الْعَظِيْمِ" کے بزارؒ نے روایت کیا ہے اور راوی اس کے صحیح ہیں۔ الخ۔ اور

الوابل الصیب (ص:۹۲)اور ابن السنی رقم:(۵۷:ص:۳۰) میں صبح شام کی دعاؤں میں لفظ "العلي العظيم" وارد ہوا ہے ضعیف سند کے ساتھ، اس میں اغلب بن تمیم منکر الحدیث ہے تو ثابت ہوا کہ اس کلمے کو 'العزيز الحكيم' کے ساتھ ختم کرنا چاہئے اور العلي العظيم" کے ساتھ ختم کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک ضعیف حدیث

۱۱۷- سوال: اس حدیث کی صحت کے بارے میں بتائیں جس میں ہے "اللہ تعالیٰ محمد (ﷺ) کو ہماری طرف سے وہ بدلہ دے جس کا وہ اہل ہے جو یہ کہے گا تو ستر ہزار فرشتوں کو ستر صبح تک تھکائے گا"؟ الاخ ابو عمر نذیر احمد، ۲۸ رشوال ۱۴۱۳ھ۔

جواب: وَمِنْهُ الصِّدْقُ وَالصَّوَابُ۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کہے "اللہ تعالیٰ بدلہ دے ہمارے طرف سے محمد ﷺ کو جس کا وہ اہل ہے تو اس نے ستر کاتبوں کو ایک ہزار صبح تک تھکا دیا۔

اسی طرح الترغیب (۵۰۴/۲) میں ہے اور اس حدیث کو امام ذھبی نے میزان الاعتدال میں هانيء بن المتوكل الأسكندراني کے ترجمے میں ذکر کیا ہے، ابن حبان کہتے ہیں کہ اس پر مناکیر کثرت سے داخل ہوئی تھیں تو اس سے احتجاج کسی صورت جائز نہیں۔ تو اس کی مناکیر میں سے یہ حدیث بھی ہے امام سیوطی نے بھی اس حدیث کو الحاوی (۵۳/۲) میں اسی سند سے ذکر کیا ہے، جس میں یہ شخص ہے۔

امام ھیثمی نے المجمع (۱۶۳/۱۰) میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے، "روایت کیا اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں اور اس میں ھانئی بن المتوکل ضعیف ہے۔ مولانا زکریا نے فضائل درود میں یہ حدیث نقل کی ہے، سخاوی نے یہ حدیث نقل کرکے اس کی تمام سندیں بسط کے ساتھ لکھی ہیں۔ السلسلہ (۱۹۲/۳) نے الحلیہ (۲۰۶/۳) میں ذکر کیا ہے۔ تو حدیث بہت ضعیف ہے اور الصلاۃ علی النبی کی فضیلت میں صحیح حدیثیں اس سے مستغنی کرتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

OOOOOOO

مروّجہ ''اسقاط'' بدعت ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

۱۱۸ سوال: حیلہ اسقاط اور اس میں قرآن پاک کو گھمانا جو ہمارے علاقوں میں مروج ہے، اس کی شریعت مطہرہ میں کوئی بنیاد ہے؟ یا اسے منافقین اور مبتدعین نے مسلمانوں کو صحیح دین سے پھیرنے کے لیے گھڑا ہے۔

جواب: وَمِنَ اللهِ نَطْلُبُ الْحَقَّ وَالصِّدْقَ وَالصَّوَابَ۔

دین اسلام ہمارا ایک عظیم دین ہے اس کی رات بھی دن کی مانند روشن ہے اس میں بلا ثبوت باتوں کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور اس میں کسی مسئلے کی بنیاد دلیل شرعی کے علاوہ کسی فقیر کے قول یا اس کی کتاب پر مبنی نہیں ہے۔ جب دین کا معاملہ یہ ہے تو مسلمان کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ دلیل کی تابعداری کرے نہ کہ کسی سنی یا متاخرین کی باطل اور من گھڑت باتوں پر کان دھرے ہم کہتے ہیں فدیہ تو اس شخص کیلئے مشروع ہے جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے رہتے ہوں۔ فوت شدہ نماز وغیرہ کا کوئی فدیہ مشروع نہیں یہ تو عام معروف مسئلہ ہے اس میں دقیق مطالعہ کی ضرورت نہیں۔

لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگ اپنے آپ کو فقہاء سمجھتے ہیں حالانکہ وہ فقہ شرعی سے کوسوں دور ہیں۔ انہوں نے اپنی طرف سے نیک نیتی سے دین بنایا ہے لیکن وہ اس میں غلطی پر ہیں۔ یہ مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ہے جسے انہوں نے خود بنایا ہے ہم اس کے بارے میں اہل تحقیق کے کچھ اقوال ذکر کریں گے۔ ان کے مصادر تک مراجعہ آپ پر لازم ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی ''فتاویٰ الرشیدیہ'' (ص:۲۶) میں کہتے ہیں، ''یہ مروج اسقاط لغو محض ہے اس حیلہ ضائعہ میں کوئی خیر نہیں اور خیر القرون میں اس کا کوئی ذکر اور نام ونشان نہیں''۔

مولانا رشید احمد لدھیانوی احسن الفتاویٰ (۱/۳۴۸) میں کہتے ہیں، یہ مروج طریقہ حرام اور بدعت ہے اس کا ذکر کتاب وسنت اور فقہ کی کتب صحیحہ میں نہیں اور نہ ہی خیر القرون میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾
''(آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا)'' (المائدہ :۳)

اور ارشاد ہے: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الاحزاب:۲۱)
(یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے)۔

ہر وہ کام جسے رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو اور کوئی شخص اسے ثواب کا کام سمجھے تو اس کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت میں

خیانت کی ہے اوران آیات کووہ غلط خیال کرتا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور یہ حیلہ لوگوں کو معصیت کی جرأت دلاتی ہے جو مخفی نہیں۔

پھر ردالمحتار(۴۹۲/۱) کی عبارت ذکر کی ہے اور صراحۃً اسے محرمات میں بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''ولی پر حیلہ اسقاط کا کرنا واجب نہیں اگر چہ میت نے اس کی وصیت کی ہو۔میت پر اسی قدر وصیت کرنی واجب ہے جس سے اس کے ذمے حقوق ادا ہوتے ہوں بشرطیکہ ثلث ترکہ اس کا متحمل ہو،اگر وصیت اس کے ذمہ حقوق سے کم کی،اور حیلہ اسقاط کرنے کا حکم بھی دیا اور ثلث کا باقی وارثوں کے لیے چھوڑ دیا،یا ان کے علاوہ کسی پر صدقہ کیا تو وہ اس کے ذمے واجب الادا حقوق کے ترک کرنے پر گنہگار ہوگا اور اس سے ہمارے زمانے کی وصیتوں کا حال واضح ہوا کہ کسی شخص پر بہت سی نمازوں کا کفارہ،زکوٰتیں،قربانیاں قسموں کے کفارے وغیرہ رہتے ہوتے ہیں اور وہ ان کے لئے تھوڑی سی رقم کی وصیت کرتا ہے اور وصیت کا اکثر حصہ ختم قرآن وذکر کی مجلسوں کے لیے کر جاتا ہے جس کے لیے وصیت کرنا ہمارے علماء نے صراحۃً غیر صحیح کہا ہے''۔

میں کہتا ہوں: کہ کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے نمازوں قربانیوں وغیرہ کا فدیہ ثابت نہیں۔

o وھبہ زحیلی الفقہ الاسلامی (۱۳۵/۲) میں کہتے ہیں:''لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اس جیسے حیلے غیر مقبول ہیں کیونکہ نماز بدنی عبادت ہے،جو خالی خولی ارادوں کھوکھلے طریقوں سے ساقط نہیں ہوسکتی''۔

o مولانا سرفراز خان کی المنھاج الواضح:(ص:۴۸۳) میں اس حیلے اور اس میں دور قرآن پاک کا عمدہ رد ہے ان کے کہنے کا حاصل یہ ہے''بدعی حیلہ اور بدعی دور رسول اللہ کے زمانے میں نہیں تھا نہ ہی صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں اور نہ اس کا مذاہب اربعہ کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے بلکہ بعض اہل بدعت نے روایت خود گھڑی جس کے الفاظ کی رکاکت کا اندازہ عربی زبان سے ممارست رکھنے والا بخوبی کرسکتا ہے اور اس کی سند موضوع اور اس کا کوئی صحیح مصدر یا حوالہ نہیں۔

اور وہ اس کے یہ حوالہ دیتے ہیں کہ فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے،''ہمیں حدیث سنائی عباس بن سفیان نے (مجہول ہے اس کا کوئی ذکر نہیں) ابن علیہ سے (سند منقطع ہے) وہ ابن عون سے وہ محمد سے وہ عبداللہ سے وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:''اے مؤمنو! قرآن کو مردوں کی نجاۃ کا ذریعہ بناؤ،حلقہ بنا کر بیٹھو اور کہو اے اللہ! قرآن مجید کی حرمت سے اس مردے کی بخشش فرما۔اور باری باری (قرآن کو) اپنے ہاتھوں میں لیتے جاؤ۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری زمانے میں یہ عمل کیا تھا۔اسی طرح اپنے زمانے میں ایک عورت کے لیے جس کا لقب حبیبہ تھا جو عمر بدکی بیٹی اور قلاب کی بیوی تھی وہ مالی سے عم تک پر مشتمل جزء قرآن پر اسی طرح عمل کیا تھا۔اور عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مروان کے انکار پر عناد کے سبب پھیلا سمرقندی کہتے ہیں کہ پھر یہ حیلہ اسقاط اور دوران قرآن ہارون رشید کی خلافت میں کسی کے انکار کے بغیر مشہور ہوا تھا اس کا اصل عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اگر چہ حدیث کی مشہور کتابوں میں مشہور نہ ہوسکا۔

لیکن تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر قوی سند سے آتا ہے جیسے کہ مؤرخ صاحب فتوح کہتا ہے خبر دی ہمیں ابو عاصم نے ابن جریج سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے ابو سلمہ سے انہوں نے ابو موسیٰ سے وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فعل ایک عورت اور ایک انصار مرد کے لیے کیا تھا۔ جس کا نام ہمیں یاد نہیں۔ اور اسی سند سے ثابت ہے، ہمیں خبر دی سعد نے ایوب سے انہوں نے جمیع سے انہوں عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے کہ دوران قرآن عمر رضی اللہ عنہ وجود میں لائے تھے اور قرآن مؤمنوں کے لیے زندگی میں شفاعت کرنے والا ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ انتہیٰ۔

تو اس کے جواب میں کہتا ہوں :

اول: یہ حوالہ غلط ہے، فتاویٰ سمرقندیہ میں یہ عبارت نہیں ہے جیسے شیخ مذکور نے کہا ہے۔

دوم : اس کی سند باطل ہے کیونکہ عباس مجہول ہے اور عباس اور ابن علیہ کے درمیان انقطاع ہے۔

سوم: الفتوح کا مؤلف الواقدی جھوٹ و باطل کے لیے مشہور ہے۔

چہارم: اس میں ابن جریج زہری سے روایت کرتے ہیں وہ مدلس ہے اور زہری سے اس کی روایت کچھ بھی نہیں۔ جیسے کہ ابن معین نے کہا ہے اور وہ مدلس ہوتے ہوئے عن کے ساتھ روایت کر رہا ہے۔

پنجم: ایوب، سعید، جمیع سب مجہول ہیں۔

جیسے کہ الشیخ محمد طاہر کی النشاط: (ص:۹) میں ہے: ''ان الفاظ کی رکاکت پر غور کرو۔'' دوران اوجد في الكتب من التواريخ "وشاع فعله في زمن خلافة عثمان بانكار مروان بعناد" ثم اشتهر في خلافة هارون الرشيد من غير انكار نكير دوران القرآن لحيلة الاسقاط" تو کیا یہ کسی عربی کی وضع ہے، یہ تو کسی منافق اور غالی کی اختراع معلوم ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو صحیح دین سے پھیر دے۔

○ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۸۲/۷)، (۵۰/۶) میں ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ حیلہ اسقاط شریعت مطہرہ کے خلاف ہے اور اس کی وصیت کرنی حرام ہے۔

○ اور مولانا انور شاہ کشمیری فیض الباری (۳۰۲/۱) میں کہتے ہیں، ''اور جو حیلہ فقہاء نے بیان کیا ہے باوجود اس کے کہ وہ اہل بدعت کے حیلے کے خلاف ہے جیسے کہ اہل تدریب واہل تدبر سے یہ مخفی نہیں کہ وہ شارع سے ثابت نہیں نہ سلف سے اور نہ ہی علماء میں سے کسی سے اور نہ ہی خیر القرون میں اس کا نام و نشان تھا، بلکہ اکثر علماء نے اس کی تردید فرمائی ہے۔

مراجعہ کریں التبیان للشیخ عبدالسلام حفظہ اللہ (ص:۱۹۶) دیکھیں فتاویٰ دیوبند از مفتی محمد شفیع (۱۲۲/۱)، مراقی الفلاح (ص:۱۰۶) مجموعۃ الرسائل للشامی: (۲۰۸/۱-۲۱۰)

اور اب ہم شیخ محمد طاہر مرحوم کی کتاب، "المنشاط" سے اس حیلے کی کراہت کی علتیں ذکر کرتے ہیں۔

اول: اگر یہ طریقہ پسندیدہ طریقہ ہوتا تو شارع اس کا حکم دیتے اور عدم نقل کراہت پر دال ہے جیسے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے۔

دوم: اس حیلہ میں غیر ملتزم کا لازم کرنا ہے کیونکہ وہ اسے ترک نہیں کرتے اور یہ بدعت ہے جیسے کہ بزازیہ میں ہے لازم کرنا اس چیز کا جو لازم نہ ہو بدعت ہے۔

سوم: اگر اسے مستحب فرض کر لیا جائے تو اس میں اس پر اصرار ہے اور مستحب پر اصرار کے منکر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں جو مندوب پر اصرار کرے اور اسے ضروری بنالے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو یہ شیطان کا بہکاوا ہے تو اس شخص کا اندازہ خود لگالیں جو بدعت اور منکر پر اصرار کرتا ہے۔

جیسے کہ مرقاۃ (۱/۴۰) اور العنایہ اور الطیبی میں ہے:

"اور اس (حیلہ اسقاط) کو تجہیز و تکفین کے اعمال میں ایک مستقل عمل قرار دیا ہے"۔

چہارم: اس حیلے میں دھوکہ ہے کیونکہ وہ فقراء کو دیکر واپس لے لیتے ہیں تو یہ تملیک نہیں مکر وہ دھوکہ ہوا۔

پنجم: اکثر ورثاء میں ایتام ہوتے ہیں، یا پھر غائبین اور یتیموں اور غائبین کا مال تقسیم کرنا اور کھانا حرام ہے۔

ششم: اگر ورثاء بالغ اور حاضر ہوں تو وہ خوشدلی سے خرچ نہیں کرتے بلکہ عار اور مجبوری کی خاطر کرتے ہیں تو یہ کیسے فدیہ اور کفارہ بن سکتا ہے۔

ہفتم: اگر یہ روزے کا فدیہ ہے تو از روئے شرح نصف صاع گندم یا ایک صاع جو ہونا چاہیئے اور پورا ایک فقیر کو دینا چاہیئے، اس دھوکہ سے نہیں دینا چاہیے۔ اور یہ تو فقراء کو فدیے کا تہائی یا چوتھائی، طلبہ کو آٹھواں دسواں اور پگڑی پوش اغنیاء کو کئی چند دیتے ہیں۔ حالانکہ فدیہ اغنیاء پر حرام ہے جیسے کہ شامی نے مجموعہ الرسائل (ص:۱۹۴) میں کہا ہے۔

ہشتم: وہ نقدی جسے یہ گھماتے ہیں اور پہلا دوسرے کو دیتا ہے تو یہ دوسری کی ملکیت بن جاتا ہے پھر یہ پرائی ملکیت اس کی رضا کے بغیر تقسیم کرتے ہیں اور اس کے ظلم و جبر اور پرائے مال میں تصرف کے ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ دوسرے نے جب پہلے سے ھبہ کرنے کا مطالبہ کیا تو پہلے کے ھبہ کے بعد وہ دوسرے کی ملکیت بن گیا اور میت کا نہ رہا۔

نہم: یہ اصحاب حیلہ جو اپنے اس قابل مذمت حلقہ میں مال جزیل ھبہ کرتے ہیں خود بڑے بخیل ہوتے ہیں انفاق تو بڑی بات ہے زکوۃ تک ادا نہیں کرتے اور اگر کوئی سائل ان سے مانگ لے تو اسے ڈانٹ ڈپٹ کر دھتکا دیتے ہیں تو یہ کیسے کثیر مال اس حلقے میں خرچ کرنے والے ہو گئے یہ صرف دھوکہ ہے۔

دھم: یہ حیلہ بہت سی بدعات و منکرات اور قبائح و فضائح پر مشتمل ہے اگر حقیقی مسلمان ان پر غور کرے تو بغیر دلیل کے انہیں

رد کردے، اس کے علاوہ یہ حیلہ ھبہ میں رجوع پر مشتمل ہے جس کی مثال نبی ﷺ نے کتے سے دی ہے، اور اسی طرح یہ مال کی حرص ومحبت جنگ علماء، اور قبر وآخرت کو بھلا دینے اور اس جیسی دیگر قباحتوں پر مشتمل ہے۔ تو یہ سب اس حیلہ شنیعہ کے حرام ہونے کی علتیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ الموفق۔

oooooo

دعا کے بعد ہاتھ چہرے پر پھیرنا

۱۱۹- سوال : دعاء کے بعد ہاتھ چہرے پر پھیرنے کا کیا حکم ہے؟۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔

ابوداود (۲۰۹/۱) رقم: (۱۴۹۷) اور بیہقی الدعوات الکبیر اور اسی طرح مشکوۃ (۲۰۵/۱) رقم: (۲۲۵۵) میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب دعا کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور پھر منہ پر پھیر لیتے تھے" اور اس کی سند میں ابن لھیعہ ضعیف اور حفص بن حاشم مجہول ہے۔ ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو منہ پر ہاتھ پھیرے بغیر نیچے نہیں کیا کرتے تھے؛" اور اس کی سند میں حماد بن عیسیٰ بہت ضعیف ہے۔

امام حاکم نے مستدرک (۵۳۶/۱) میں روایت کیا ہے اور سکوت کیا ہے۔

اور ابوداود (۲۰۹/۱) ابن ماجہ (۱۸۱/۱، ۸۶۶) اور حاکم (۵۳۶/۱) اور طبرانی في الکبیر (۹۸/۳) اور ابن نصر نے قیام اللیل ص: (۳۲۷) میں ابن عباس سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو ہاتھ کے باطن (ہتھیلیوں) سے دعا کیا کر ہاتھ کی پشت سے دعا نہ کیا کرو اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیا کرو؛" اس حدیث کی سند میں ابن حسان راوی منکر الحدیث ہے۔

اس حدیث کو بیہقی نے (۲۱۲/۲) اور حاکم نے (۲۷۰/۴) میں دوسری سندوں سے روایت کیا ہے جو سب کی سب ضعیف ہیں، جیسے کہ ارواء (۱۷۹/۲، ۱۸۰) میں ہے۔ امام بخاری نے الادب المفرد (ص:۱۵۹) میں برقم: (۶۰۹) نکالا ہے کہ حدیث سنائی ابراھیم بن منذر نے وہ کہتے ہیں انہیں حدیث سنائی محمد بن فلیح نے وہ کہتے ہیں مجھے خبر دی میرے والد نے ابی نعیم سے (اور وہ وھب ہے) وہ کہتے ہیں میں نے ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ کو دعا کرتے دیکھا وہ اپنی ہتھیلیاں اپنے چہرے پر پھیر رہے تھے اور اس کی سند صحیح یا حسن ہے اور یہ حدیث اس کے جواز پر دال ہے اور مرفوع روایت کی تائید کرتی ہے۔

اس لیے امام بیہقی نے سنن کبریٰ (۲۱۲/۲) میں کہا ہے؛" دعا سے فراغت کے بعد ہاتھوں کو منہ پر پھیرنا دعائے قنوت میں سلف

میں سے کسی سے مجھے یاد نہیں۔

اگر چہ نماز کے علاوہ دعا میں بعض سے مروی ہے اور اس کے بارے میں مرفوع روایت بھی آئی ہے اور اس میں ضعف ہے، نماز کے علاوہ بعض کا اس پر عمل ہے لیکن نماز میں یہ عمل نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی اثر یا قیاس سے ثابت ہے۔ تو بہتر یہی ہے کہ ایسا نہ کرے اور سلف نے جس پر عمل کیا ہے اسی پر اقتصار کرے کہ ہاتھ تو دعا میں اٹھائے لیکن نماز میں منہ پر ہاتھ نہ پھیرے۔

ابن نصر نے قیام اللیل (ص: ۳۲۷) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے:

''معتمر سے روایت ہے میں نے صاحب الحریر ابو کعب کو ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے دیکھا جب وہ دعا سے فارغ ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو منہ پر پھیر لیا کرتے تھے، تو میں نے انہیں کہا،'' آپ نے کسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے تو انہوں نے کہا حسنؒ کو محمد بن نصرؒ کہتے ہیں میں نے اسحٰقؒ کو دیکھا وہ اس عمل کو ان احادیث کی وجہ سے اچھا سمجھتے تھے۔

یہ دلائل ہیں اگر چہ ان میں اکثر میں ضعف ہے لیکن ان سے دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنے کی اباحت ثابت ہوتی ہے اور علماء کی ایک جماعت نے اسے مکروہ سمجھا ہے کیونکہ اس باب میں وارد مرفوع حدیثیں سب کی سب ضعیف ہیں۔

جیسے کہ امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا: جب ان سے وتر میں دعائے قنوت سے فراغت کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا،'' میں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔

اور امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا وہ یہ عمل نہیں کرتے تھے، اور کہا عیسیٰ بن میمون نے جو یہ حدیث ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اس کی حدیث قابل احتجاج نہیں اور اسی طرح صالح بن حسان بھی جیسے پہلے گزر چکا۔

اور امام مالکؒ سے بھی جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا: مجھے معلوم نہیں،'' اور عبداللہ (ابن مبارک) رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے اور پھر وہ انہیں منہ پر پھیر لیتا ہے تو انہوں نے کہا کہ سفیانؒ نے اسے مکروہ کہا ہے۔ قیام اللیل (ص: ۳۲۷)، الصحیحہ (۲/۱۴۶) تحت رقم (۵۹۵) العز بن عبدالسلامؒ فرماتے ہیں:'' دعا کے بعد ہاتھوں کو منہ پر پھیرنا جاہل ہی کر سکتا ہے۔

امام نوویؒ نے المجموع میں کہا ہے:'' یہ مندوب نہیں ہے،

مراجعہ کریں الارواء (۲/۱۸۲) والعلل المتناھیۃ وتعلیقہ (۲/۳۵۷) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے (۲۲/۵۱۹) میں کہا: اور ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنے کے بارے میں آپ سے ایک یا دو حدیثیں مروی ہیں لیکن ان سے حجت قائم نہیں ہوتی، ھذا، وباللہ التوفیق۔

OOOOOOO

دعا کے الفاظ کا تین بار تکرار

۱۲۰- سوال: کیا دعا کا تین بار تکرار سنت مطہرہ سے ثابت ہے۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ۔

صحیحین میں ثابت ہے جیسے کہ مشکوۃ (۵۲۳/۲) میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ قریش کا مؤاخذہ فرما، تین بار کہا اور آپ جب بھی دعا فرماتے تو تین بار دعا فرماتے اور جب سوال کرتے تو تین بار سوال کرتے''۔ مراجعہ کریں المجمع (۱۵۱/۱۰)، فتح الباری (۱۶۱/۱۱)

اور تین بار دعا سے مراد لفظ دعا کا تین بار تکرار کرنا ہے نہ کہ دعا کے لیے ہاتھوں کا تین بار اٹھانا۔

دعا میں رفع یدین کا تین بار تکرار ہم نے صرف ایک حدیث میں دیکھا ہے جو صحیح مسلم (۳۱۳/۱) کتاب الجنائز میں ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ''پھر اپنے تین بار ہاتھ اٹھائے اور یہ زیارۃ قبور میں ہے یہ جاننا چاہیے کہ دعا تمام عبادتوں میں افضل عبادت ہے جیسے کہ امام احمد، ترمذی کی حدیث میں ہے ''دعا ہی عبادت ہے'' اور عبادت کی بنیاد توقیف اور اتباع پر ہوتی ہے بدعت اور خواہش پر نہیں تو ان احادیث پر قیاس کرتے ہوئے فرض نمازوں کے بعد یا سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثابت کرنا جائز نہیں یہ تحقیق پہلے گزر چکی۔

اس لیے امام ابن تیمیہؒ (۵۱۴،۵۱۲/۲۲) نے فرمایا ہے، نبی ﷺ سے فرض نمازوں کے بعد جو منقول ہے وہ اذکار معروفہ ہیں جو صحاح وسنن اور مسانید میں ہیں پھر وہ اذکار ذکر کیے ہیں اور بعد میں کہا ہے، ''امام اور مقتدیوں کا اکٹھے دعا کرنا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ فرض نمازوں کے بعد نبی ﷺ نے کہیں کیا ہو جیسے کہ اذکار ماثورہ کرتے تھے اگر کیا ہوتا تو صحابہ ضرور نقل فرماتے، اور ان سے تابعین اور علماء نقل کرتے جیسے کہ دیگر اور نقل کیے ہیں۔ میں کہتا ہوں مطلق دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں سو کے لگ بھگ صحیح احادیث آئی ہیں جیسے کہ قواعد التحدیث للقاسمی (ص:۱۴۶) میں ہے۔

اور زبیدیؒ نے اپنے رسالے میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھانے کا جواز ذکر کیا ہے تو اس نے صحیح احادیث ذکر نہیں کیں جیسے کہ السلسلہ (۱۳/۴) اور ھیئۃ کبار العلماء (۲۴۵/۱) اور السنن والمبتدعات (۷۰/۱) اور زاد المعاد (۸۷/۱) میں ہے۔



کھانا کھانے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

۱۲۱ – سوال:۔کیا کھانا کھانے کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا جائز ہے؟ جیسے ہمارے ہاں عام عادت ہے۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّا بَعْدُ:

کھانا کھانے کے بعد دعا اہم سنت ہے اور اس میں انفرادی یا اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھانا میرے علم میں ثابت نہیں، اس کا کرنا بدعت ہے اور اس کے برے اثرات ہیں نبی ﷺ سے کھانے کے بعد بہت سی دعائیں وارد ہیں اور ان میں کسی میں بھی ہاتھ کا اٹھانا نہیں ہے۔

ان میں سے سب سے احسن یہ ہے:

[اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ] (بخاری)

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور اس نے مجھے یہ رزق دیا ہے بغیر میری قوت وطاقت کے۔

اور یہ دعا بھی ہے: [اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ، غَیْرَ مَکْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا]

(اللہ کے لیے تعریفیں ہیں، کثیر پاکیزہ اور مبارک نہ کفایت کی گئی، نہ چھوڑی ہوئی اور نہ ہی استغناء کیا گیا ہے، اے ہمارے رب)۔نکالا ہے اسے ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ۔

اور یہ دعا: [اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ او مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ]

"(تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا، یا مسلمانوں میں کیا)، اسے امام ابن ماجہ نے برقم (۳۲۸۳) نکالا ہے ضعیف سند کے ساتھ۔

اس میں ایک راوی مجہول ہے مراجعہ کریں مشکوۃ (۵/۴۶)،

امام طیبیؒ نے شرح مشکوۃ میں کہا ہے: "یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ آپ نے نہ ہاتھ اٹھائے اور نہ ہی منہ پر پھیرے اور یہ اچھی قید ہے کیونکہ نبی ﷺ نماز وطواف میں، نماز کے بعد، سوتے وقت کھاتے وقت، کھانے کے بعد اور ایسے دیگر مواقع پر بہت دعائے ماثورات پڑھا کرتے تھے اور نہ ہاتھ اٹھاتے تھے اور نہ ہی منہ پر پھیرتے تھے۔

مراجعہ کریں مشکوۃ (۱/۱۹۶)

یہاں ایک شرعی قاعدہ کلیہ ہے،" اور یہ کہ مطلق دعاؤں میں ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے لیکن جب شریعت کی طرف سے کوئی دعا یا ذکر کسی خاص مکان کے لیے متعین کر دیا جاتا ہے تو اس میں ہاتھوں کا اٹھانا نہیں ہے۔ جیسے مسجد میں داخل ہونے یا نکلنے کی دعا، بیت

الخلاء میں داخل ہونے کی دعا سوتے وقت اور جاگتے وقت کی دعائیں، جماع کے وقت کی دعا اور اس کے علاوہ دیگر خاص جگہیں تو ان موقعوں پر دعا کرتے وقت ہاتھوں کا اٹھانا بدعت ہے جیسے کہ احسن الفتاوی (۱/۳۶۵) اور مجموعۃ الفتاوی لشیخ الاسلام ابن تیمیہ (۲۲/۵۱۲) میں ہے۔

میت دفنانے کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا

۱۲۲- سوال : کیا میت کو دفنانے کے بعد دعا کرتے ہوئے ہاتھ اٹھانا جائز ہے؟

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّا بَعْدُ :

صحیح حدیث میں ثابت ہے جو امام ابوداؤد نے (۲/۳۲۲۱) اور اسی طرح مشکاۃ (۱/۲۷) میں عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ میت کے دفن سے فراغت کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے: "اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا مانگو اس سے اب پوچھا جائیگا"۔

اس کی سند صحیح ہے اس حدیث سے نفس دعا ثابت ہوئی۔

رہی دعا میں ہاتھ اٹھانے کی بات تو مسند ابی عوانہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو قبر ذی البجادین میں دیکھا، اس حدیث میں ہے، جب آپ دفن سے فارغ ہوئے تو آپ نے قبلے کی طرف منہ کیا اور اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔

اسے امام ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۱/۱۲۰) "بَابُ الدُّعَاءِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ" میں ذکر کیا ہے۔

یہ صریح دلیل ہے اور قبرستان میں زیارت قبور کے وقت ہاتھ اٹھنے والی عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی۔ علماء میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ دفن کے وقت دعا کرنی بدعت ہے یا اس دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے یہ غلط ہے دلائل مذکورہ کی وجہ سے۔

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ لَا رَبَّ غَیْرُہٗ۔

عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا اور مصافحہ ومعانقہ

۱۲۳- سوال : عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا کیا حکم ہے؟ اور کیا نماز عید کے بعد معانقہ و مصافحہ ثابت ہے اس کی ذرا ہمیں وضاحت فرمادیں۔ اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب : وَمِنْهُ الصِّدْقُ وَالصَّوَابُ۔

جاننا چاہئے کہ اچھا طریقہ طریقہ محمدی ہے اور عید کے دن معانقے اور مصافحے کے ساتھ مبارکبادی آپ ﷺ کا طریقہ نہ تھا، جیسے کہ ہمارے علاقوں میں عادت ہے اور اس قسم کا ہر کام بدعت ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ عمل جس پر ہمارا امر نہیں وہ مردود ہے۔(مسلم)

مگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب عید پڑھ کر واپس آتے تو ایک دوسرے کو "تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ" کہتے جیسے کہ الجوھر النقی (۳/۳۱۹) بَابُ قَوْلِ النَّاسِ فِي الْعِيْدِ تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْكَ میں ہے، محمد بن زیاد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی اور دیگر صحابہ کے ساتھ تھا جب وہ عید کی نماز پڑھ کر لوٹتے تو ایک دوسرے کو کہتے، اللہ تعالیٰ ہم سے بھی قبول کرے اور آپ سے بھی۔

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں اس کی سند عمدہ ہے امام بیہقی نے اپنی سنن میں اس مضمون کی ضعیف حدیثیں ذکر کی ہیں اور اسی طرح ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (۲/۲۰۶) باب التھنئة بالعید میں ایک حدیث ذکر کی ہے اور اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ اور اسی وجہ سے امام ابن قدامہؒ نے المغنی (۲/۲۵۰) میں کہا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں "اگر کوئی شخص دوسرے کو عید کے دن "تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ" کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حربؒ کہتے ہیں: "امام احمدؒ سے عیدین میں لوگوں کا "تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ" کہنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ اہل شام ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کرتے ہیں۔

پوچھا گیا: اور واثلہ بن اسقع ؟، فرمایا: "ہاں" کہا گیا کہ عید کے دن اگر یہ کہا جائے تو آپ اسے مکروہ نہیں سمجھتے تو انہوں نے کہا، "نہیں"۔

اور ابن عقیلؒ نے عید کی مبارک بادی کے بارے میں کچھ حدیثیں ذکر کی ہیں ان میں سے ایک محمد بن زیاد کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں میں ابوامامہ الباہلی اور دیگر صحابہ کے ساتھ تھا جب وہ عید سے واپس ہوتے تو ایک دوسرے کو "تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْكَ" کہتے اور امام احمدؒ ابوامامہ کی حدیث کی سند کی جید کہتے ہیں، اور علی بن ثابت کہتے ہیں میں مالک بن انس سے پینتیس سال سے پوچھتا رہا ہوں، وہ کہتے ہیں یہ مدینہ میں معروف چلا آرہا ہے۔

اور امام احمدؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں کسی کو ابتداءً نہیں کہونگا اور کسی نے مجھے کہا تو میں اسے جواباً کہوگا۔

اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا: کہ عید کی مبارکبادی اور "عید مبارک" جو زبان زد عام ہے اور اس جیسے اور کلمات، کیا اس کی شریعت میں اصل ہے یا نہیں؟ اور اس کی شریعت میں اصل ہے تو کیا کہنا چاہئے ؟ ہمیں فتوی دیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے تو انہوں نے جواب دیا، عید کے دن مبارکبادی کے طور پر نماز عید کے بعد ملتے وقت "تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنْکُمْ" (اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ سے قبول فرمائے) اور "وَأَحَالَهُ اللّٰہُ عَلَيْكَ" (اللہ تعالیٰ اسے تم پر دوبارہ لائے) وغیرہ کہنا تو یہ صحابہ کے ایک

طائفہ سے مروی ہے کہ وہ یہ کرتے تھے اور ائمہ میں امام احمد وغیرہ نے اس کی رخصت دی ہے،
لیکن امام احمد فرماتے ہیں کہ پہل نہیں کروں گا اگر کسی نے مجھ پر پہل کی تو میں اسے جواب دوں گا اس لیے کہ تحیہ کا جواب دینا فرض ہے اور مبارکبادی کی پہل کرنی مامور بہا سنت نہیں، اور نہ اس سے روکا گیا ہے کرنے والے کے بھی مقتدا ہیں اور چھوڑنے والے کے بھی مقتدا ہیں۔

میں کہتا ہوں: کہ مسجد میں شور مچانا اور معانقہ کرنا جبکہ وہیں اکٹھے رہنے والے ہوں تو یہ بدعت ومعصیت ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ وَبِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ التَّوْفِیْقُ۔

دل نرم کرنے کے اسباب

۱۲٤- سوال : دل کی سختی دور کرنے کے اسباب بیان فرمائیں؟۔اخوکم: عبدالرحمٰن۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّا بَعْدُ۔

وہ دوسروں کا کیا علاج کرے گا جو خود مبتلائے مرض ہو۔ڈاکٹر وطبیب بیمار کا علاج کیا کرتا ہے۔صالح بھائی! اسباب ازالہ سختی قلب یہ ہیں،(۱): مساکین کو کھانا کھلانا۔(۲) :یتیم پر رحم کرنا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے، ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے قسوۃ قلبی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا،''یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا۔

احمد (٢/٢٦٣) طبراني (مختصر مكارم الاخلاق)(١/١٢٠)۔المجمع للهيثمي (٨/١٦٠) ابو نعيم في الحليه (١/٢١٤)ترغيب للمنذري دیکھیں مشکاۃ(۲/۴۲۵)

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے قسوت قلبی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا دل نرم ہو اور تیری حاجت پوری ہو یتیم پر رحم کیا کر اور اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر، اور اسے اپنا کھانا کھلا، تیرا دل بھی نرم ہوگا اور تیری حاجت بھی پوری ہوگی۔

تیسرا سبب : دل کو نرم کرنے والے اسباب میں سب سے بڑا سبب اللہ کا ذکر ہے۔

چوتھا سبب: دل کو نرم کرنے اور اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لیے یہ مجرب نسخہ ہے کہ باتیں کم کی جائیں۔

پانچواں سبب :

مزاح بالکل ترک کر دینا کیونکہ نبی ﷺ سے ساری عمر میں صرف بیس بار مزاح منقول ہے اور وہ بھی حق ہوا کرتا تھا۔

چھٹا سبب: ام الدرداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

جنازے کو حاضر ہونا بیمار کی عیادت اور زیارت قبور دل کی سختی دور کرتی ہیں۔

اور الفوائد لابن قیم (۱۶۷) میں ہے :"چار چیزیں: (۱) کھانا (۲): سونا (۳): باتیں کرنا (۴): لوگوں کے ساتھ اختلاط جب حد سے بڑھ جائیں تو دل کی سختی کا سبب بنتی ہیں۔

اور مدارج السالکین (۱/۴۵۳) میں ہے:"دل کے لیے پانچ چیزیں باعث فساد ہیں،"لوگوں سے میل جول کی کثرت، آرزوئیں، غیر اللہ سے تعلق، پیٹ بھر کر کھانا، اور سونا۔ پھر ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اس کی تفصیل کیلئے ہمارے کتاب (الفوائد تزکیہ نفس، علم قلب اور محبت الٰہی کے بارے میں) سے رجوع فرمائیں)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل نصیب فرمائے۔ وہی توفیق دینے والا ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔



صيد النعامة في أحاديث العمامة

پگڑی سے متعلق احادیث کی تخریج وتحقیق

۱۲۵- سوال : بغیر پگڑی کے نماز کی کراہیۃ کا عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟ سنت مطہرہ میں اس کی مقدار کتنی ہے، نماز اور خارج نماز اس کا کیا حکم ہے؟ اخوکم: عزیز اللہ۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ، أَمَّا بَعْدُ :

پہلے ہم لفظ احادیث مع نقد سند ذکر کریں گے پھران سے ہم عمامہ (پگڑی) سے متعلق مسائل کا استنباط کریں گے تا کہ جولوگ اس کے بارے میں تعصب وتشدد کا شکار ہیں یا جو تساہل برتتے ہیں، سب کے شکوک وشبہات دور ہوں۔

اللہ کے حکم اور اس کی توفیق سے۔

پہلی حدیث: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی۔ مسلم (۱/ ۴۳۹) صحیح مسلم کی دوسری روایت عمرو بن حُریث سے مروی ہے وہ کہتے ہیں گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھ رہا ہوں آپ سیاہ پگڑی پہنے ہوئے تھے اور اس کے دونوں کنارے کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔

دوسری حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب پگڑی باندھتے تو اسے کندھوں کے درمیان لٹکاتے۔ ترمذی (۱/ ۲۰۴) الخطیب (۱۱/ ۲۹۳) اس کی سند سمیت تمام طرق کے صحیح ہے، الصحیحۃ (۲/ ۳۴۳) رقم (۷۱۷)۔

تیسری حدیث : عائشہ رضی اللہ عنھا روایت فرماتی ہیں کہ جبریل علیہ السلام عمدہ گھوڑے پر سوار نبی ﷺ کے پاس آئے انہوں نے پگڑی باندھ رکھی تھی اور اس کا کنارہ دونوں کندھوں کے درمیان تھا۔ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا، آپ نے اسے دیکھا وہ جبریل علیہ السلام تھے۔ احمد (۶/ ۱۴۸، ۱۵۲) حاکم (۴/ ۱۹۳-۱۹۴) امام حاکم نے اسے صحیح کہا اور امام ذھبی نے بھی ان کی موافقت کی۔ لیکن اس کی سند میں عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے،

چوتھی حدیث: ابوعبید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے اور عطاء نے دیکھا کہ یزید اللیثی رضی اللہ عنہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، کالی پگڑی باندھے ہوئے تھے اور اس کا کنارہ پیچھے لٹکائے ہوئے تھے اور داڑھی کو زرد رنگ دیئے ہوئے تھے، میں ان کے سامنے سے گزرنے لگا تو انہوں نے مجھے واپس لوٹا دیا۔ الحدیث۔ احمد (۲/ ۸۲) یہ حدیث موقوف علی التابعی ہے۔

پانچویں حدیث: عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پگڑی باندھی اور اس کی کنارے میرے آگے اور پیچھے لٹکائے۔ نکالا اسے ابوداؤد (۲/ ۲۰۹) نے اور اس کی سند ضعیف ہے سلیمان بن خربوذ مجہول ہے۔ مشکوۃ (۲/ ۳۷۴)، رقم (۴۳۳۹)۔

چھٹی حدیث:

رکانہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ فرماتے تھے ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق ٹوپی پر پگڑی باندھنا ہے۔

ابوداؤد (۲/۲۰۹)، ترمذی (۱/۳۰۸) مشکاۃ (۲/۳۷۴) اس کی سند ضعیف ہے اس میں ابوالحسن العسقلانی راوی مجہول ہے لیکن اس حدیث میں المصارعہ کا ذکر ہے اور یہ صحیح سند کے ساتھ وارد ہے جیسے الارواء (۵/۳۲۹) رقم (۱۵۰۳) اور ضعیف الجامع رقم (۳۹۵۹) میں ہے۔

ساتویں حدیث: حسن سے روایت ہے وہ کہتے ہیں لوگ عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے اور ان کے ہاتھ آستینوں میں ہوا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب (۱/۵٦) میں ذکر کیا ہے اور نکالا ہے اسے ابن ابی شیبہ نے۔

آٹھویں حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنھما سے مرفوعاً روایت ہے پگڑی کے ساتھ فرض یا نفل نماز بغیر پگڑی کے پچیس نمازوں کے برابر ہے، پگڑی کے ساتھ جمعہ بغیر پگڑی کے ستر جمعوں کے برابر ہے۔ نکالا اسے ابن النجار، الدیلمی اور ابن عساکر نے، ضعیف الجامع رقم (۳۵۲) حدیث موضوع ہے، السلسلہ الضعیفہ (۱/۱۵۸) رقم (۱۲۷) کیونکہ اس کی سند میں چار راوی مجہول ہیں: عباس، ابوبشر، محمد بن مھدی اور مھدی بن میمون۔

نویں حدیث: پگڑی کے ساتھ دو رکعتیں بغیر پگڑی کے ستر رکعتوں سے بہتر ہیں، الضعیفہ (۱/۱٦۰) یہ موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن نعیم کذاب اور ایک مجہول راوی ہے۔

دسویں حدیث: "پگڑی کے ساتھ نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے"۔ موضوع ہے، تنزیہ الشریعۃ (۲/۲۵۷) المقاصد الحسنہ (۱۴۴) موضوعات علی القاری: (ص:۱۵) الضعیفہ (۱/۱٦۱) رقم: (۱۲۹) اور اس کی سند میں ابان راوی متھم ہے۔

گیارھویں حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پگڑی باندھو تحمل بڑھے گا۔ حاکم (۴/۱۹۳)، بزار، طبرانی اس میں عبیداللہ بن ابی حمید ہے اور وہ متروک ہے طبرانی کی سند میں عمران بن تمام ضعیف ہے مجمع الزوائد (۵/۱۱۹) بہت ضعیف ہے، ضعیف الجامع: (ص:۱۳۲)۔

بارھویں حدیث: اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: پگڑی باندھو تحمل بڑھے گا۔ (طبرانی) اس میں عبیداللہ راوی متروک ہے دیکھو کنز العمال (٦/۲۰۱)۔

تیرھویں حدیث: عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو پگڑی باندھی اور سے بقدر چار انگلی لٹکایا، اور فرمایا جب میں آسمان پر گیا تھا تو میں نے اکثر فرشتوں کو پگڑی باندھے دیکھا، طبرانی فی الأوسط اس ں مقدام بن داؤد ضعیف ہے۔

چودھویں حدیث: رسول اللہ ﷺ کے غلام ثوبان روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب پگڑی باندھتے تو آگے اور پیچھے لٹکاتے (طبرانی) اس میں حجاج بن رشدین ضعیف ہے۔

پندرھویں حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے میں مسجد رسول اللہ ﷺ میں موجود دس افراد میں سے دسواں تھا ابو بکر، عثمان، ابن مسعود، ابن جبل، حذیفہ ابن عوف، میں اور ابو سعید تو ایک انصاری جوان آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ پس حدیث ذکر کی یہاں تک کہ کہا، پھر حکم دیا ابن عوف کو تو وہ ایک جماعت کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو کر آئے جس کا امیر بنا کر آپ ﷺ نے اسے بھیجا تھا، تو وہ صبح کالی کھردرے کپڑے والی پگڑی باندھ کر آئے تو نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اسے کھول کر دوبارہ باندھ دیا اور پیچھے بقدر چار انگلی کے یا اس کے قریب قریب لٹکایا پھر فرمایا اس طرح پگڑی باندھا کرو اے ابن عوف! یہ زیادہ واضح اور اچھی ہے۔ لمبی حدیث ذکر کی ہے (طبرانی فی الاوسط) اور اس کی سند حسن ہے اسی طرح ھیثمی نے کہا۔

سولھویں حدیث: ابو عبدالسلام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنھما کو کہا۔ "رسول اللہ ﷺ کس طرح پگڑی باندھا کرتے تھے تو انہوں نے کہا پگڑی اپنے سر مبارک پر لپیٹتے اور پیچھے گھرس کر اس کے کنارے کندھوں کے درمیان لٹکا دیتے تھے۔ روایت کیا اسے طبرانی نے اوسط میں اور اس کے تمام راوی صحیح کے ہیں سوائے ابو عبدالسلام کے اور وہ ثقہ ہے مراجعہ کریں الصحیحہ (۳۴۵/۲)۔

سترھویں حدیث: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس اترے انہوں نے کالی پگڑی پہن رکھی تھی اور اس کے دونوں طرف پیچھے لٹکائے ہوتے تھے۔ اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس میں عبید اللہ بن تمام راوی ضعیف ہے۔

اٹھارھویں حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پگڑی کا التزام کرو، یہ فرشتوں کی علامت ہے اور اس کے (کناروں) کو پیچھے کی طرف لٹکاؤ۔ اسے طبرانی نے روایت کیا، اور اس میں عیسیٰ بن یونس راوی مجہول ہے امام ذھبیؒ نے المیزان (۳۹۶/۴) میں ذکر کیا ہے۔ اور حدیث منکر ہے جیسے کہ الضعیفہ (۱۱۹/۲) رقم: (۶۹۹) اور طبرانی (کبیر) (۲۰۱/۳) میں ہے، المقاصد الحسنہ میں ہے بعض بعض سے زیادہ کمزور ہیں۔

انیسویں حدیث: ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی شخص کو پگڑی باندھے بغیر والی نہیں بناتے تھے اور اس کا کنارے کان کی جانب لٹکاتے تھے)۔ اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس میں جمیع بن ثقت نام کا راوی متروک ہے۔ مراجعہ کریں مجمع الزوائد (۱۲۰/۵۔۱۲۱)۔

بیسویں حدیث: ابو الدرداء سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے پگڑی والوں پر جمعہ کے دن درود بھیجتے ہیں۔ طبرانی نے اسے الکبیر میں روایت کیا۔ اور اس میں ایوب بن مدرک کذاب ہے، جیسے کہ

المجمع (۱۲۶/۲) میں ہے۔حدیث موضوع اور باطل ہے، السلسلہ الضعیفہ (۱۸۸/۱) رقم: (۱۵۹)۔

اکیسویں حدیث: معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: اِخْتِبَاء (تہبند باندھنا) عربوں کی حفاظت ہے، تکیہ لگانا عربوں کی رھبانیت ہے، اور پگڑی باندھنا عربوں کا تاج ہے تو تم پگڑی باندھا کرو تمہارا حلم بڑھے گا۔ اور جو پگڑی باندھتا ہے اس کے لیے پگڑی کے ہر بل کے عوض ایک نیکی ہے اور جب وہ پگڑی کھولتا ہے تو ہر بل کے کھلنے پر اس کا ایک گناہ ختم ہو جاتا ہے۔ کنز العمال (۳۵۸/۱۵) رقم: ۴۱۱۴۶) ھیثمی نے احکام اللباس (۲/۹) میں ذکر کیا ہے، الضعیفہ (۱۵۲/۲) رقم (۷۱۸) حدیث موضوع ہے اس میں تین کذاب ہیں۔

بائیسویں حدیث: خالد بن معدان سے مرسل روایت ہے، پگڑی باندھو اور پہلی امتوں کی مخالفت کرو۔

روایت کیا اسے بیہقی نے شعب الایمان میں اور کنز العمال میں (۳۰۶/۱۵) رقم: (۴۱۱۳۷) میں ذکر کیا ہے اور حدیث بہت ضعیف ہے جیسے کہ ضعیف جامع: (ص: ۱۳۳) میں ہے۔

تینسویں حدیث: علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے مساجد میں پگڑی کے ساتھ یا بغیر پگڑی کے آؤ، پگڑیاں مسلمانوں کا تاج ہیں۔ اسے ابن عباس، عدی نے روایت کیا۔ اور اس میں میسرۃ بن عبید راوی متروک ہے جیسے کہ المناوی نے فیض القدیر (۶۷/۱) میں کہا ہے، حدیث موضوع ہے الضعیفہ (۴۵۹/۳) رقم: (۱۲۹۶)۔

چوبیسویں حدیث: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق پگڑی کا ٹوپی پر باندھنا ہے، سر پر پگڑی کا ہر بل گھمانے پر نور دیا جائیگا۔ اسے باوردی نے روایت کیا جیسے کہ کنز العمال (۳۰۵/۱۵) میں رکانہ سے مروی ہے، اور حدیث باطل ہے جیسے السلسلۃ الضعیفہ (۳۶۲/۳) رقم: (۱۲۱۷) میں ہے، دیکھیں ضعیف جامع (ص: ۵۶۷) رقم (۳۸۹)

پچیسویں حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے: ''پگڑیاں عربوں کا تاج ہیں اور تہبند جب یہ پگڑی اتار دیں گے تو عزت بھی اتار پھینکیں گے''۔ اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں نکالا ہے، کنز العمال (۳۰۵/۱۵) رقم: (۴۱۱۳۳) اور حدیث ضعیف ہے الضعیفہ (۹۶/۳) رقم: (۱۵۹۳) ضعیف الجامع رقم: (۳۸۹۱)۔

چھبیسویں حدیث: علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے: ''پگڑیاں عربوں کا تاج اور تہبند ان کی حفاظت ہے اور مومن کا مسجد میں بیٹھنا رباط ہے منکر ہے، دیکھیں الضعیفہ (۹۶/۴) رقم (۱۵۹۳) ضعیف الجامع (ص: ۵۶۷) رقم: (۳۸۹۲)۔

ستائیسویں حدیث: عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، پگڑی مؤمن کا وقار اور عرب کی عزت ہے جب عرب پگڑیاں چھوڑ دیں گے تو وہ عزت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے''۔ اسے دیلمی نے مسند الفردوس (۳۱۵/۲) میں روایت کیا ہے۔ دیکھیں الضعیفہ تحت رقم (۱۵۹۳) اور دیکھیں المقاصد الحسنہ للسخاوی /۲۹۱) رقم: (۷۱۷) اور حدیث منکر ہے اور دیکھیں کنز العمال (۳۰۸/۵) رقم (۴۱۱۴۷)۔

اٹھائیسویں حدیث: علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

''اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ایسے فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی جنہوں نے یہ پگڑیاں باندھ رکھی تھیں، یقیناً پگڑی ایمان وکفر کے درمیان رکاوٹ ہے''۔ اسے روایت کیا طیالسی نے اور بیہقی نے اس سے اور حدیث بالکل کمزور ہے جیسے کہ ضعیف الجامع رقم (۱۵۶۳) اور السلسلہ الضعیفہ (رقم:۳۰۵۲) میں ہے، مراجعہ کریں کنز العمال (۱۵/۳۰۶) رقم: (۴۱۱۴۱)۔

انتیسویں حدیث: ان کو سر ڈھانپنا عقلمندی اور رات کو ڈھانپنا مشکوک ہے، اسے ابن عدی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے جیسے کہ فیض القدیر، اور ضعیف الجامع رقم: (۲۴۶۳)۔ (ص:۳۶۲) میں ہے۔

تیسویں حدیث: خالد بن معدان سے مرسل روایت ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی پگڑیوں اور جھنڈوں سے عزت فرمائی ہے اور تمہارا مسجد میں آنے اور قبروں میں دفن ہونے کے لیے سفید لباس سے بہتر کوئی لباس نہیں۔

کنز العمال (۱۵/ ۳۰۷) اور حدیث ضعیف ہے۔

اکتیسویں حدیث: ابی جعفر الأنصاری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جس دن عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کالی پگڑی باندھے دیکھا۔ ابن ابی شیبہ (۸/۲۳۴) رقم: (۵۰۰۳) اور ابن سعد نے الطبقات (۳/۱۹/۱) میں بواسطہ وکیع کے روایت کیا ہے، ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے، ''اور اس کے دونوں طرف کو پیچھے لٹکایا ہوا تھا''۔

بتیسویں حدیث: سلمہ بن وردان روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں میں نے انس کو بغیر ٹوپی کے پگڑی باندھے دیکھا اور انہوں نے ایک ہاتھ کے برابر اسے لٹکایا تھا۔ ابن ابی شیبہ (۸/ ۲۳۵)، ابن سعد (۷/۱۱/۱)۔

تینتیسویں حدیث: عثمان بن ابی ھند سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابی عبید پر کالی پگڑی دیکھی۔

ابن ابی شیبہ (۷/ ۲۳۵) ابن سعد (۶/ ۱۳۶)۔

چونتیسویں حدیث: ملحان بن ثروان روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں میں نے عمار بن یاسر پر کالی پگڑی دیکھی۔

ابن ابی شیبہ (۷/ ۲۳۵) ابن سعد (۶/ ۱۵۱)۔

پینتسویں حدیث: دینار بن عمر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے حسن پر کالی پگڑی دیکھی۔

ابن سعد (۷/ ۱۱۷) ابن ابی شیبہ (۸/ ۲۳۵، ۲۴۰)۔

چھتیسویں حدیث: ابو صخرۃ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن پر کالی پگڑی دیکھی۔

ابن ابی شیبہ (۷/ ۲۳۶)

کالی پگڑی سعید بن جبیر، الاسود، البراء، ابو الدرداء، ابن الحنفیہ، واللہ ابن الاسقع، حسین بن علی اور ابو نضرۃ وغیرہ صحابہ اور تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے ثابت ہے۔

مراجعہ کریں المصنف لابن ابی شیبہ (۸/۲۳۶-۲۳۸)،

سعید بن جبیرؒ نے سفید پگڑی پہنی، اور شعبی نے سفید پگڑی پہنی اس کا کنارہ ڈھیلا کیا اور لٹکایا نہیں۔

الطبقات لابن سعد (۷/۱۵۱، ۶/۱۷۵-۱۸۶) ابن ابی شیبہ (۸/۲۳۸)۔

سینتیسویں حدیث: براء سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ابورافع کا کام تمام کرنے ایک جماعت بھیجی، عبد اللہ بن عتیکؓ اس کے کمرے میں رات کو داخل ہوئے، وہ سویا ہوا تھا تو اسے قتل کر دیا، اس حدیث میں ہے، "میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے پگڑی سے پٹی باندھی، اور اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا، الحدیث۔

بخاری (۲/۵۷۷) مشکاۃ (۲/۵۳۱) باب المعجزات۔

اڑتیسویں حدیث: مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کیا اور موزوں اور پگڑیوں پر مسح کیا، ترمذی (۱/۳۲)، ابوداؤد (۱/۳۱)، مسلم (۱/۱۳۴) مشکاۃ (۱/۴۶) نسائی (۱/۲۵)۔

انتالیسویں حدیث: ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت بھیجی تو انہیں سردی لگی جب وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں عصائب اور تساخین یعنی پگڑیوں اور موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیا۔ ابوداؤد (۱/۳۰)۔

چالیسویں حدیث: بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موزوں اور پر مسح کیا۔

ابن ماجہ (۱/۹۱) اور سند اس کی صحیح ہے۔

اکتالیسویں حدیث: عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں اور عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ ابن ماجہ (۱/۹۱) سند صحیح ہے۔

بیالیسویں حدیث: نافع سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پگڑی باندھتے تھے اور اسے کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے، نافع کے شاگرد عبید اللہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے مشائخ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی ﷺ کے صحابہ کو دیکھا وہ پگڑی باندھتے اور اس کے سروں کو کندھوں کے درمیان لٹکاتے تھے، ابن ابی شیبہ (۸/۲۳۹) اور اس کی سند صحیح ہے۔

تینتالیسویں حدیث: ھشام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو پگڑی باندھے دیکھا انہوں عمامہ کے دونوں کناروں کو سامنے کی طرف لٹکایا، ابن ابی شیبہ (۸/۲۳۹)۔

چوالیسویں حدیث: سلمۃ بن وردان کہتے ہیں میں نے انس بن مالک پر پگڑی دیکھی انہوں نے اس کے کناروں کو پیچھے لٹکایا ہوا تھا۔ (ابن ابی شیبہ)۔

پینتالیسویں حدیث: محمد بن قیس کہتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پگڑی باندھے دیکھا انہوں نے پگڑی کے کنارے آگے اور پیچھے لٹکا رکھے تھے میں نہ جان سکا کہ ان دونوں میں کونسا زیادہ لمبا تھا۔ (ابن ابی شیبہ)۔

چھیالیسویں حدیث: اسمٰعیل سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے شریح پر پگڑی دیکھی، انہوں نے اسے پیچھے لٹکایا ہوا تھا، یہ مقطوع صحیح ہے ابن ابی شیبہ، ابن سعد (۹۶/۶)۔

سینتالیسویں حدیث: عبیداللہ بن عمر سالم اور قاسم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ دونوں اپنی پگڑی کندھوں کے درمیان لٹکایا کرتے تھے۔ ابن سعد (۱۴۳/۵۔۱۴۶) ابن ابی شیبہ (۲۴۰/۸)۔

اڑتالسویں حدیث: اسمٰعیل بن ابی خالد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے شریح کو ایک بل کی پگڑی باندھے دیکھا، ابن ابی شیبہ (۲۴۱/۸) باب من كان يعتم بكور واحد ابن سعد (۹۶/۶)۔

انچاسویں حدیث: سلیمان بن ابی عبداللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے اولین مہاجرین کو دیکھا وہ سیاہ، سفید، سرخ، سبز، زرد رنگ کی سوتی پگڑیاں باندھا کرتے تھے، پگڑی سر پر رکھ کر اس پر ٹوپی رکھتے تھے پھر پگڑی کو ٹوپی پر گھماتے تھے اور اسے ٹوڑی کے نیچے سے نہیں نکالا کرتے تھے، (ابن ابی شیبہ)۔

پچاسویں حدیث: اسامہ سے روایت ہے کہ وہ پگڑی کو داڑھی اور حلق کے نیچے سے گزارنے کو مکروہ سمجھتے تھے (حوالہ مذکور)۔

اکیاونویں حدیث: ثابت عبیداللہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے زید بن ثابت پر تہبند، چادر اور پگڑی دیکھی۔ (حوالہ مذکورہ)۔

باونویں حدیث: عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ پر زعفران سے رنگے دو کپڑے چادر اور عمامہ دیکھی۔ اسے نکالا طبرانی اور حاکم نے جیسے امام سیوطی کی حاوی (۱۰۴/۲) میں ہے اور اس کی سند عبداللہ بن مصعب کی وجہ سے ضعیف ہے المجمع (۱۲۹/۵)۔

ترپنویں حدیث: عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے انہیں یہ بات پہنچی کہ بدر کے دن فرشتے اترے ان پر زرد رنگ کی پگڑیاں تھیں۔ زبیر رضی اللہ عنہ کی بھی اس دن زرد پگڑی تھی تو نبی ﷺ نے فرمایا آج فرشتے ابو عبداللہ جیسی نشانی پر اترے ہیں اور نبی ﷺ تشریف لائے ان کی پگڑی بھی زرد تھی۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عامر بن صالح بن عبد الله بن عروه بن الزبير کہتے ہیں، میرے دادا احمد ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے اور ابتلاء کے وقت ان کے وزیر ہیں اور سخت مصیبتوں کے شاہسوار ہیں۔ بدر کی صبح وہ پہلے شاہسوار تھے جو زرد پگڑی پہنے معرکے میں حاضر ہوئے۔ فرشتے مدد کے لیے حوض پر اس کی نشانی (زرد پگڑی) لیے اترے جس دن دشمنوں نے شرانگیزی کی۔

چوّنویں حدیث: امام بازریؒ نے «توثیق عری الایمان» میں، امام ابن قیمؒ نے زاد المعاد (۵۰/۱) میں اور امام سیوطیؒ نے الحاوی (۷۲/۱) میں ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ پگڑی کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے۔ اور ٹوپی بغیر پگڑی کے اور پگڑی بغیر ٹوپی کے بھی پہنا کرتے تھے۔ اور جنگوں میں کانوں والی ٹوپی پہنا کرتے تھے، اور اکثر سفر میں حرقانی سیاہ پگڑی باندھا کرتے تھے، اور اعتجار بھی

کرتے تھے، اعتجار پگڑی کے نیچے سر پر کوئی کپڑا رکھنے کو کہتے ہیں۔

امام بازریؒ کہتے ہیں کہ کبھی پگڑی نہ ہوتی سر اور ماتھے پر پٹی باندھ لیا کرتے تھے آپ کی سحاب نامی ایک پگڑی تھی جو آپ باندھا کرتے تھے تو وہ علی رضی اللہ عنہ کو دے دی تو علی جب وہ پگڑی سر پر باندھ کر نکلا کرتے تو آپ فرماتے علی تمہارے پاس سحاب میں آئے ہیں آپ کی مراد وہ پگڑی ہوا کرتی تھی جو آپ نے انہیں ہبہ فرمائی تھی۔ دیکھو مرقاۃ (۲۵۰/۸)۔

پچیسویں حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے، اسے بیہقی نے روایت کیا ہے جیسے کہ حاوی میں ہے۔

چھبیسویں حدیث: امام نوویؒ کہتے ہیں نبی ﷺ کی ایک چھوٹی پگڑی بمقدار سات ہاتھ اور ایک بڑی پگڑی بمقدار بارہ ہاتھ تھی، جیسے مرقاۃ (۲۴۹/۸) میں ہے۔ یہ باطل ہے کیونکہ پگڑی کی مقدار ثابت نہیں جیسے کہ امام سیوطیؒ نے حاوی (۷۳/۱) میں کہا ہے۔

احادیث کے ذکر کرنے کے بعد ان سے مُسْتَنبَطْ مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

پہلا مسئلہ:

پگڑی ہر وقت مسلمانوں کا شعار رہی ہے اس کی نماز یا علماء و ائمہ سے کوئی خصوصیت نہیں۔

دوسرا مسئلہ:

پگڑی یا پگڑی میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں کچھ بھی ثابت نہیں۔ اس کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ اسے نبی ﷺ، صحابہ رضوان اللہ علیہم أجمعین اور ائمہ نے استعمال کیا۔

تیسرا مسئلہ:

سر جو کچھ بھی لپیٹ لیا جائے وہ پگڑی کہلاتی ہے، اس کی شرعاً کوئی حد نہیں۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ عام اوقات میں سات ہاتھ، نمازوں میں بارہ ہاتھ، جمعہ اور عیدین میں چودہ ہاتھ اور جنگوں میں پندرہ ہاتھ پگڑی استعمال فرماتے تھے تو یہ لوگوں میں سب سے بڑا جھوٹا ہے اور اس نے نبی ﷺ پر وہ جھوٹ باندھا ہے جو کسی نے نہیں باندھا۔

چوتھا مسئلہ:

آپ ﷺ نے ہر رنگ کی پگڑی استعمال فرمائی کالی پگڑی کے بارے میں احادیث بکثرت ہیں، بالکل سرخ رنگ کی پگڑی کی کوئی حدیث ثابت نہیں۔ بلکہ ایسے سرخ رنگ کے لباس سے نہی وارد ہے جس کا ذکر باب الآداب میں آئے گا ان شاء اللہ۔

پانچواں مسئلہ:

پگڑی کا شملہ کندھوں کے درمیان لٹکانا جائز ہے خواہ یہ شملہ ایک ہو یا دو، اور ایک کا آگے اور دوسرے کا پیچھے لٹکانا بھی جائز ہے۔ اور پگڑی بغیر شملے کے بھی جائز ہے۔

شملے کے طول کی کوئی حد مقرر نہیں،

البتہ ارسال اور اسبال حرام ہے، اس کا ذکر آداب میں ان شاء اللہ آئے گا۔ دیکھو نیل الاوطار (۱۰۵/۲)

اور جو کہتا ہے کہ دُم کا چھوڑنا گناہ ہے، قاضی بقدر چھتیس انگلی چھوڑے، خطیب بقدر اکیس انگلی، عالم بقدر ستائیس انگلی، طالب علم بقدر دس انگلی، اور عام آدمی بقدر چار انگلی چھوڑے، جیسے ضیاء القلوب (ص:۱۵۳) میں ہے تو وہ "تَقُوْلُ عَلَى اللّٰہِ" کا مرتکب ہے دین حنیف ایسے تعمق کے دلدادہ مبتدعین کے فساد کا شکار ہے خَذَلَهُمُ اللّٰہُ۔

چھٹا مسئلہ:

پگڑی کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی استحباب کے درجے میں نبی ﷺ کی تابعداری کی نیت سے استعمال کرتا ہے تو اسے اجر ملے گا، اور اگر شہرت وریاء کے لئے استعمال کرتا ہے تو گنہگار ہے اور جو استعمال نہیں کرتا تو وہ معذور ہے اس پر نہ کوئی گناہ ہے نہ ملامت، اور جو استعمال عمامہ کا انکار کرتا ہے یا واجب سمجھتا ہے تو وہ شریعت غراء کے محاسن سے ناواقف ہے۔

ساتواں مسئلہ:

ٹوپی یا ٹوپی کے بغیر پگڑی کا باندھنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں کسی صحیح حدیث میں نہی وارد نہیں۔

آٹھواں مسئلہ:

پگڑی پر مسح جائز ہے اس اثر کی وجہ سے جو جامع الترمذی (۳۲/۱) میں ہے۔

نواں مسئلہ:

نماز کے لیے پگڑی کا پہننا اور نماز کے بعد اتار کر رکھ دینا بدعت ہے، اور نمازیوں کے ساتھ ترک عمامہ اور ایسے دیگر مسائل پر جھگڑنا بدعت اور غُلُوّ فِی الدِّیْن ہے۔

○ مولانا رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ ص:(۳۴) میں لکھتے ہیں :

"تارک عمامہ سے جھگڑنے والا جاہل ہے، اور عمامہ کے بغیر نماز مکروہ نہیں۔

○ شیخ البانی "الضعیفہ (۱۶۲/۱) رقم:(۱۲۷) میں کہتے ہیں ان بے ثبوت احادیث کا یہ اثر ہے کہ ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ یا ٹوپی پر رومال لپیٹ لیتے ہیں تا کہ انہیں اپنے خیال کے مطابق ثواب مذکور ملے جبکہ وہ نفس کی طہارت وتزکیے کا کوئی عمل

نہیں کرتے، عمامہ کی اگر کوئی فضیلت ثابت ہے تو اس سے مراد وہ عمامہ ہے جس کے ساتھ مسلمان عام حالت میں زینت حاصل کرتا ہے اور جو نماز کے وقت مستعار پگڑی استعمال کرتا ہے اس کی مثال تو ایسی ہے جو نماز پڑھاتے وقت مستعار مصنوعی داڑھی لگالے۔الخ۔ تلخیص کے ساتھ۔

اور (۳۶۲/۳) رقم (۱۲۱۷) میں حدیث، ہمارے اور مشرکوں کے مابین فرق پگڑی کا ٹوپی پر باندھنا ہے" باطل ہے، کے تحت کہتے ہیں، یہ حدیث میرے نزدیک باطل ہے کیونکہ پگڑی کے بل زیادہ کرنے نبی ﷺ کی سیرت کے خلاف ہے جو شہرت کا لباس ہے اور اس سے روکا گیا ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں عمامہ کی فضیلت والی حدیثیں بعض بعض سے زیادہ کمزور ہیں۔

دیکھیں المقاصد الحسنہ (ص:۲۹۱)۔

دسواں مسئلہ:

رہا ننگے سر نماز پڑھنے کا مسئلہ تو صحیح یہ ہے کہ سر کا ڈھانپنا افضل ہے کیونکہ بیہقی (۲۳۵/۲) اور طبرانی ابن عمر رضی اللہ عنھما سے صحیح حدیث ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے کپڑے پہن لیا کرے اللہ تعالی زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لیے زینت کیجائے۔الحدیث۔ معارض نہ ہو تو یہ عام دلیل ہی کافی ہے۔

○اور سید سابق کا فقہ السنہ (۱۵۵/۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ "نبی ﷺ کبھی اپنی ٹوپی اتار کر اپنے سامنے رکھتے اور سترہ بناتے" سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس کے سند ضعیف ہے۔

یا ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے مطلق سر ننگا کرنا ثابت نہیں ہوتا اس سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سترہ نہ ملنے کی صورت میں ایسا کیا، کیونکہ سترہ کا ہونا بھی ضروری ہے اس میں حدیثیں وارد ہیں۔

○اسی لیے شیخ البانیؒ نے تمام المنۃ (ص:۱۶۵۴) میں کہا ہے اس مسئلے میں میری رائے تو یہ ہے کہ ننگے سر نماز مکروہ ہے" اور میرے نزدیک خلاف استحباب ہے، اور یہ اس لیے کہ مسلمان کا نماز میں مکمل اسلامی حالت میں داخل ہونا مستحب ہے، سابقہ حدیث "فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ مَنْ تُزَيَّنُ لَهُ" کی وجہ سے سلف کے عرف میں یہ اچھی ھیئت نہیں کہ راستوں میں ننگے سر گھومنے اور عبادت کی جگہوں داخل ہونے کی عادت اپنائی جائے، بلکہ یہ غیروں کی عادت ہے جو بہت سارے اسلامی ملکوں میں کافروں کے آنے جانے اور اپنی فاسد عادتیں ساتھ لانے کی وجہ سے در آئی ہے اور مسلمان اس میں اور دیگر عادتوں میں ان کی تقلید کرنے لگے جس سے ان کا اسلامی تشخص ضائع ہوا۔تو یہ نئی چیزیں قدیم اسلامی عرف کی مخالفت کی وجہ سے کیسے جائز ہو سکتی ہیں۔اور نہ ہی اسے نماز میں ننگے سر داخل ہونے کے جواز کی دلیل بنایا جا سکتا ہے۔

اور مصر میں انصار السنہ کے بعض دوستوں کا محرم کا حج میں سر ننگا رکھنے پر قیاس کرتے ہوئے اس کے جواز کا استدلال سب سے بڑا

باطل قیاس ہے جوان بھائیوں سے میرے مطالعہ میں آیا ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے،

حج میں سرننگا رکھنا اسلامی شعار ہے اور یہ حج کے مناسک میں سے ہے جس میں اس کے ساتھ اور کوئی عبادت شریک نہیں، اگر مذکورہ قیاس صحیح ہو تو اس سے سرننگا رکھنے کا وجوب لازم آتا ہے کیونکہ یہ حج میں واجب ہے اور یہ الزام اس قیاس سے رجوع کئے بغیر ختم نہیں ہوتا، شاید وہ ایسا کر گزریں، پھر اس حدیث، ''آؤ مساجد کو ننگے سر اور پگڑی باندھ کر'' کی تضعیف کرتے ہوئے کہتے ہیں ،اسمیں میسرہ بن عبداللہ ہے اور وہ اپنے اعتراف سے وضاع ہے۔الخ۔

میں کہتاہوں: مجموعة الفتاوىٰ لشیخ الاسلام ابن تیمیة (۲۲/۱۱۷) میں میں نے دیکھا وہ کہتے ہیں:

''اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام نافع کو ننگے سر نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا: بتا اگر تو لوگوں کے پاس اس حالت میں نکلے گا'' اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تیرے جمال کا زیادہ حقدار ہے'' اور حدیث صحیح میں ہے جب آپ ﷺ کو کہا گیا، کہ ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کے جوتے اچھے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ] ''اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال پسند فرماتا ہے''۔

اس بناء پر مرد کا مرد سے استتار اور عورت کا عورت سے استتار کی بنسبت بحالت نماز میں استتار میں زیادہ مبالغہ ہونا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ آه.

''تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو'' (اعراف: ۳۱)

پہلے یہ معلوم ہو چکا کہ سرننگا کرنا زینت نہیں، اور یہ سلف کی عادت نہیں۔ نماز میں خشوع وتذلل کے لیے سر کا ننگا کرنا دین میں ایسی بدعت ہے جس کی کوئی دلیل نہیں سوائے رای کے اگر یہ حق ہوتا تو نبی ﷺ ضرور کرتے اور اگر انہوں نے کہا ہوتا تو ہمارے پاس نقل ہو کر ضرور آتا جب منقول نہیں تو یہ اس کے بدعت ہونے کی دلیل ہے اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

دیکھو السنن والمبتدعات (۱/۲٦). وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

صفر المظفر ۱۴۱۳ھ، ترجمہ: ۲۸ محرم ۱۴۳۰ھ۔



اصحابی کالنجوم والاروایت کی تحقیق

۱۲۶ - سوال: حدیث : [اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِأَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ] (میرے صحابہ ستاروں جیسے ہیں جس کی بھی اقتداء کروگے ہدایت پاؤگے) جولوگوں میں مشہور ہے کیا یہ صحیح ہے؟ یا نہیں، مدلل ذکر کریں کیونکہ میں صرف دلیل کا تابعدار ہوں۔ اخوکم عبد المجید۔

جواب: وباللہ التوفیق۔

یہ حدیث سند اور متن دونوں لحاظ سے موضوع اور باطل ہے جو اہل سنت میں سے کسی جاہل نے شیعہ کی دشمنی میں گھڑی ہے، اسی کا بیان مختلف وجوہ سے درج ذیل ہے:

اول وجہ:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب یہ روایت ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۱۹۱/۲) میں اور ابن حزمؒ نے الاحکام (۸۲/۶) میں ذکر کی ہے، اس میں ایک راوی سلام بن سلیم ہے یا سلام بن سلیمان طویل ہے۔

ابن خراش کہتے ہیں: کذاب ہے، ابن حبان کہتے ہیں یہ موضوع احادیث روایت کرتا ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے، اور اس میں حارث بن غصین ہے جو مجہول ہے اور اس طرح کی روایت خطیب الکفایہ في علم الروایة (ص:۴۸) اور ابن عساکر (۳۱۵/۷/۲) میں لاتے ہیں اور اس میں سلیمان بن ابی کریمہ ضعیف ہے۔

اسی طرح ابن ابی حاتم نے بھی کہا ہے، اور اس میں جویبر بن سعید ازدی متروک ہے، اور اس میں ضحاک بن مزاحم ہے اس کی ملاقات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں ہوئی تو حدیث مقطوع بھی ہے، اور اس قسم کی روایت ابن بطہ الابانہ (۲/۱۱/۴) میں اور خطیب ضیاء نے المنتقی میں اپنی مرو میں سنی ہوئی احادیث میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح ابن عساکر (۲/۱۱۶) نے (۱/۲۰۳/۶) میں۔ اس میں نعیم بن حماد ضعیف اور زید العمی کذاب ہے اور اسی قسم کی روایت عبد بن حمید نے المنتخب من المسند (۱/۸۶) میں اور ابن بطة نے الابانه (۲/۱۱/۴) میں روایت کیا ہے، اور اس میں حمزہ جو ابن ابی حمزہ ہے متروک ہے، ابن عدی کہتے ہیں اس کی اکثر روایتیں موضوع ہیں، اور اسی طرح ابن حبان نے بھی کہا ہے۔

یہ اس موضوع حدیث کی سند کے لحاظ سے بحث ہوئی۔

دوسری وجہ معنی کے لحاظ سے:

یہ حدیث باطل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اختلاف جائز نہیں کیا بلکہ امت کو اتفاق کا حکم دیا ہے۔ اور تفرق واختلاف سے منع فرمایا ہے

صحابہ کی شرعی مسائل میں مختلف آراء تھیں بعض صحیح اور بعض واضح خطا تھی۔

بطور مثال سمرۃ بن جندبؓ شراب کی بیع جائز خیال کرتے تھے، ابوطلحہ صائم کے لیے اولوں کا کھانا جائز سمجھتے تھے، عثمان، علی، طلحہ اور عبداللہ بن مسعود جنبی کے لیے تیمم جائز نہیں سمجھتے تھے، اور ابوالسنابل فوت ہونے والے شخص کی بیوی کے لیے عدت أَبْعَدُ الْأَجَلَيْن کا فتویٰ دیتے تھے۔

سمرۃ بن جندب نے حالت حیض میں رہ جانے والی نمازوں کے اعادہ کا حکم دیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تعبیر رؤیا میں خطا ہوئی، عمر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے مہاجرین کو کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔

نبی ﷺ نے ان کی تکذیب فرمائی۔ بلال رضی اللہ عنہ نے کھجور کا ایک صاع دو صاع کے بدلے بیچا جو رسول اللہ ﷺ نے رد فرمایا، اور عدی رضی اللہ عنہ خیط الأبیض کا مطلب سفید رسی سمجھے اس قسم کی بہت سی روایتیں دیکھی جا سکتی ہیں جو امام ابن حزمؒ نے الاحکام (۶/۸۲-۹۱) میں ذکر کی ہیں۔

تو کیا ان سارے صحابہ کی ان اخطاء میں اقتداء کرنا جائز ہے جن میں وہ بلا قصد سنت سے چوک گئے تھے یہ ان کا اجتہاد تھا اور مُجتَہِد کبھی غلطی کر جاتا ہے اور کبھی صحیح بات کو پہنچ جاتا ہے تو ہم حق اور سنت کی اتباع کریں گے اور خطاء میں ان کا قول ترک کر دیں گے، دین یہ ہے، اور جو ان کی ہر روایت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرح سمجھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور صحابہ کے علاوہ ائمہ میں سے کسی مجتہد کے قول کو نبی کے قول کے برابر درجہ دے یا اس پر فوقیت دے تو اس سے بھی بڑی فاحش غلطی ہے، ظالم لوگ اپنے مذہب کی تائید کے لیے اقوال وافعال نبی ﷺ میں بھی تاویل سے گریز نہیں کرتے، بلکہ مذہب کو سنن مصطفیٰ ﷺ کے تابع کرنا فرض ہے، حق ہو تو قبول کرے ورنہ رد کر دے۔ کہنے والا کوئی بھی ہو، ائمہ کرام رحمهم الله نے یہی حکم دیا ہے۔ جیسے کہ مقدمہ میں گزر چکا۔

تیسری وجہ متن کے لحاظ سے:

یہ صحابہ کی تشبیہ ستاروں کے ساتھ درست نہیں ہے صحیح بات کو پہنچنے والوں کی تشبیہ ستاروں کے ساتھ فاسد تشبیہ ہے کیونکہ جس کا ارادہ ہو جدی کے طلوع ہونے کی سمت کا اور چل پڑے سرطان کے طلوع ہونے کی طرف تو وہ بھٹک جائے گا اور بڑی فاحش غلطی کا مرتکب ہوگا، ہر راستے کی رہنمائی ہر ستارے سے نہیں مل سکتی، تو اس سے ثابت ہوا کہ حدیث باطل ہے اور اس کا جھوٹ عیاں ہے اور ساقط الاعتبار ہونا واضح ہے۔

مراجعہ کریں الخلاصة لابن الملقن (۲/۱۷۵) الضعیفه (۱/۷۸-۸۵) رقم: (۵۸-۶۳) مشکاۃ (۲/۵۵۴) اسی لیے مُعْتَمَد کُتُب کے مصنفین نے اسے نہیں روایت کیا۔ اگر نجات چاہتے ہو تو بچ کر رہیں اور غفلت نہیں تدبر سے کام لیں۔

کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

۱۲۷- سوال :مشہور ہے کہ "خضر علیہ السلام زندہ ہیں، صحراؤں اور چٹیل میدانوں میں گھومتے ہیں اور الیاس علیہ السلام سمندروں میں گھومتے ہیں دونوں کی ہر سال ملاقات ہوتی ہے اور حج کے موقع پر وہ سر منڈھاتے ہیں" کیا اس کی کوئی قوی دلیل ہے؟ اگر ہو تو بیان فرمائیں۔

جواب : وباللہ عزوجل التوفیق۔

جاننا چاہیے کہ خضر علیہ السلام کی موت کتاب وسنت اور امت میں معتمد علیہ لوگوں کے اجماع اور عقل واعتبار سے ثابت ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں ان کے پاس سوائے ضعیف روایات، رکیک خواب اور کمزور اقوال کے علاوہ کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔

دلائل پیش خدمت ہیں۔

کتاب اللہ سے دلیل : اللہ تعالیٰ کا قول ہے : ﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ، قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي، قَالُوا أَقْرَرْنَا، قَالَ : فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴾ (آل عمران: ۸۱)

"(جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے "تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے، فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے، فرمایا، تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا اس سے یہ وعدہ لیا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد ﷺ کی بعثت ہو جائے تو انہیں ان پر ایمان لانا اور ان کی نصرت کرنا ضروری ہے (بخاری) تو خضر علیہ السلام نبی ہوں یا ولی وہ اس میثاق میں داخل ہیں، اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کا سب سے اہم کام یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے کی ان پر اتاری گئی شریعت پر ایمان لاتے اور ان کی نصرت فرماتے تا کہ کوئی دشمن ان تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔

دوسری دلیل : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ (الانبیاء:۳۴)

(آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہیشگی نہیں دی)"

اگر خضر علیہ السلام کہیں ہیں تو پھر ان کے لیے خلود ثابت ہو جائیگا۔

خضر علیہ السلام اگر بشر ہیں تو وہ اس عموم میں ضرور داخل ہیں اور صحیح دلیل کے بغیر ان کی تخصیص جائز نہیں۔ اصل عدم ہی ہے جب تک ثابت نہ ہو جائے، اور رسول معصوم ﷺ سے کوئی ایسی دلیل مذکور نہیں جس سے اس عموم کی تخصیص کی جا سکے جیسے کہ امام ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ (۱/۳۳۴) میں کہا ہے۔

سنت سے دلائل:

پہلی حدیث: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری زندگی میں ایک رات ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی سلام پھیر کر کھڑے ہوئے اور فرمایا، یہ جو تمہاری آج کی رات ہے اس سے لیکر سو سال تک ان لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا جو آج زمین پر موجود ہیں، لوگوں نے رسول ﷺ کی بات سمجھنے میں غلطی کی۔

رسول اللہ ﷺ کی بات کا مطلب یہ تھا کہ جو اس وقت موجود تھے سو سال بعد وہ گزر جائیں گے۔

بخاری (۱/۱۸۸)، (۲/۳۹-۶۱)، مسلم (۱/۱۶-۸۹)۔

دوسری حدیث: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رحلت سے تھوڑے دن پہلے فرمایا کہ آج جو نفس روئے زمین پر زندہ ہے سو سال کے گزرنے تک ان میں کوئی بھی زندہ نہ ہوگا۔

امام ابن کثیرؒ نے البدایہ (۱/۳۳۶) میں ان دو حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے: ''کہ امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں،'' یہ صحیح حدیثیں حیات خضر علیہ السلام کے دعویٰ کی جڑ کاٹ ڈالتی ہیں، کہتے ہیں خضر علیہ السلام نے اگر نبی ﷺ کا زمانہ نہیں پایا جیسے کہ خیال ہے اور یہ خیال ترقی کر کے قوۃ میں قطعی بن جاتا ہے تو کوئی اشکال نہیں۔

اور اگر انہوں نے آپ ﷺ کا زمانہ پالیا تھا اس حدیث کے تقاضے کے مطابق سو سال بعد وہ زندہ نہیں رہے تو اب وہ موجود نہیں ہیں کیونکہ وہ اس عموم میں داخل ہیں اور اصل عدم تخصیص ہے جب تک کہ قابل قبول صحیح دلیل ثابت نہ ہو جائے۔

اہل تحقیق واہل علم کے اقوال اور ان کا اجماع

امام ابن قیمؒ ابراہیم حربیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے خضر علیہ السلام کی عمر کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں تو فرمایا: جو غائب پر حوالے دیتا ہے وہ اس سے انصاف نہیں کرتا اور یہ باتیں لوگوں میں شیطان کی پھیلائی ہوئی ہیں۔

میں کہتا ہوں: امام صاحب نے درست فرمایا۔

امام بخاریؒ سے خضر اور الیاس علیھما السلام کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ زندہ ہیں؟ تو فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ رسول

اللہ ﷺ نے تو فرمادیا: ''آج جو زمین پر زندہ ہے سو سال بعد ان میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔''

اکثر علماء سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس آیت سے جواب دیا:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ (الانبیاء:۳۴)

(آپ سے پہلے کسی انسان کو بھی ہم نے ہمیشگی نہیں دی کیا اگر آپ مرگئے تو وہ ہمیشہ کے لیے رہ جائیں گے)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر رسول اللہ ﷺ کے پاس آنا، آپ کے ساتھ جہاد کرنا اور آپ سے سیکھنا ضروری تھا، حالانکہ رسول ﷺ نے بدر کے دن فرمایا، اے اللہ! اگر یہ جماعت ھلاک ہوگئی تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ ہوگی''

اور وہ تین سو تیرہ معروف اشخاص تھے جن کے نام سمیت ولدیت اور قبیلے کے معلوم تھے۔ تو اس وقت خضر علیہ السلام کہاں تھے، یہ بے علم کی بات۔

امام علی بن موسیٰ الرضا کہتے ہیں، ''خضر علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں امام ابراھیم بن اسحٰق الحربی، ابوالحسین المناوی دونوں کا یہی قول ہے اور یہ دونوں امام ہیں اور امام ابن مناویؒ اس قول کو برا سمجھتے تھے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ قاضی ابو یعلیٰؒ بھی امام احمد بن حنبلؒ کے اصحاب سے ان کی موت کا قول نقل کرتے ہیں۔

بعض اہل علم نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ اگر وہ (خضر) زندہ ہوتے تو ان کے لیے نبی ﷺ کے پاس آنا واجب تھا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لیے سوائے میری اتباع کے اور کوئی گنجائش نہیں تھی، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ (خضر) علیہ السلام زندہ ہوں اور آپ کے ساتھ جمعہ جماعت میں شریک نہ ہوں اور آپ کے ساتھ جہاد نہ کریں۔ آپ دیکھتے نہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے تو وہ اس امت کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے تا کہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت میں خلل نہ آئے۔

امام ابو الفرج بن الجوزیؒ فرماتے ہیں، جو ان کے وجود کو ثابت کرتے ہیں ان کی سمجھ حقیقت سے بہت دور ہے، انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ اثبات شریعت مطہرہ کے اعراض کو متضمن ہے۔

عقلی دلائل:

پہلی دلیل: یہ تقول علی اللہ ہے جو نص قرآن حرام ہے۔

دوسری دلیل: اگر وہ اتنا لمبا عرصہ زندہ رہے تو اللہ تعالیٰ یہ ہمیں ضرور بیان فرماتے کیونکہ یہ عجیب خبر ہے۔

تیسری دلیل: اگر وہ نوح علیہ السلام سے پہلے موجود تے تو ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام کی نسل کے علاوہ کوئی بھی باقی نہیں رہا۔

چوتھی دلیل: ان کوزندہ ماننے والوں کی زیادہ سے زیادہ دلیل منقول حکایتیں ہوتی ہیں جس میں کوئی شخص خضر علیہ السلام کو دیکھنے کی خبر دیتا ہے، تعجب ہے خضر علیہ السلام کی کوئی علامت ہے، جس سے دیکھنے والا اسے پہچان لیتا ہے۔

پانچویں دلیل:

اگر وہ زندہ ہوتے تو جنگلوں میں وحوش وطیور کے درمیان مارے مارے پھرنے سے یہ بہتر تھا کہ وہ کافروں سے جہاد کرتے، في سبيل الله سرحدات کی حفاظت کرتے، جمعہ وجماعات میں شریک ہوتے اور علم دین سکھاتے۔ حیاۃ خضر علیہ السلام کی بڑے بڑے علماء نے مبسوط تردید کی ہے جیسے امام ابن قیمؒ نے المنار المنيف في الصحيح والضعيف بتحقيق ابو غدة ص: (۶۷) میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۳۰۹/۶) میں۔

اور الاصابة: (۴۲۸/۱) میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ: ۳۲۵/۱-۳۲۷) میں۔

امام ابن جوزیؒ نے موت خضر اور ان کو زندہ ثابت کرنے والوں کی تردید میں "عُجَالَةُ الْمُنْتَظَرِ فِيْ حَالِ الْخَضِرِ" نامی تفصیلی کتاب لکھی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے ان کی موت کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے۔

امام علی القاری نے "كَشْفُ الْخِدْرِ عَنْ اَمْرِ الْخَضِرِ" تالیف کی ہے۔ اور امام ابن المناریؒ المتوفی ۳۳۶ھ نے ان کی وفات میں رسالہ لکھا ہے مراجعہ کریں تفاسير اهل التحقيق في سورة الكهف۔

جو کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں اور ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے یہ سب جھوٹے ہیں: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (بنی اسرائیل:۳۶)

(جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ، کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے پوچھ گچھ کی جانے والی ہے) والله ولي التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

OOOOOOO

ازدیاد الایقان

بحفظ شعب الایمان

اِزْدِيَادُ الْاِيْقَانِ بِحِفْظِ شُعَبِ الْاِيْمَان

ایمان کے شعبوں کا تفصیلی بیان

۱۲۹- سوال :ایمان کے کتنے شعبے ہیں؟ کیا یہ سارے کسی حدیث میں وارد ہوئے ہیں؟ ایسا کوئی رسالہ ہے جس میں یہ سارے جمع کئے گئے ہوں؟۔الاخ قاری سمیع اللہ۔

جواب : اس کے جواب میں میں نے یہ مبارک وطیب رسالہ لکھا ہے جس کے مطالعے سے ایمان اور دلوں کا تقویٰ وایقان بڑھتا ہے۔اور کانوں کو اسے سننے سے لذت ملتی ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ ،وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.أَمَّابَعْدُ :

جس میں ذراسی عقل ہوتو اسے اس بات میں شک نہیں ہوسکتا کہ دنیا وآخرت کی نجات صرف اسے ہی نصیب ہوسکتی ہے جو اوصاف ایمان سے متصف ہواور یقین کا کنڈا مضبوط تھاما ہوا ہو،اس لیے عقل مندوں کے لیے اس باب کا حصول ازبس ضروری ہے ہم قرآن وسنت میں واردایمان کے شعبوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

اور میں اس رسالے کو۱۳/رمضان ۱۴۱۳ھ جبکہ میری عمر تیس سال کو پہنچ چکی ہے نیک فالی تصور کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہمیں افضل ایمان نصیب فرمائے اوردین واسلام کی نعمت کا اتمام فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے ہیں سب سے افضل ذکر'' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ '' کا کہنا ہے،اور سب سے ادنیٰ راستے میں پڑی ہوئی تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے،اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے جوان شعبوں کو جمع کرلے وہ مؤمنوں میں سب سے کامل اور خلاصہ موجودات ہوگا۔اور جوان کی طرف دھیان نہیں دیتا تو وہ سب سے بڑا جاہل اور فساد مخلوقات ہے،اور جوان میں سے کمی کرتا ہے تو اسی قدر اس کا ایمان کم ہوجاتا ہے۔

جب ہم یہ تمام شعبے اس رسالے میں جمع کردیں گے جس کا ابھی ہم نے تعارف کرایا اور انہیں سمجھ لیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے

عمل کا راستہ آسان فرمادے گا ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کی تفصیل نمبر وار بیان کریں گے اور ساتھ ساتھ ان کے دلائل کتاب وسنت صحیحہ سے ذکر کریں گے۔

(۱) : ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ اس ساری کائنات کا رب، خالق اور معبود ہے، اس اکیلے کے علاوہ کوئی معبود (برحق) نہیں، ساری مخلوق کو پیدا کرنے میں اور ان پر حکم چلانے میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ آسمان سے زمین کے امور کی تدبیر کرتا ہے، سینے کے رازوں کو جاننے والا ہے، آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی پوشیدہ چیز اس سے مخفی نہیں اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۲-: ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ عزت، جلال، جمال اور کبریائی کی کمال والی صفتوں سے موصوف ہے، اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں اور اعلےٰ اعلےٰ صفتیں ہیں، نہ اس کی ذات کسی کی ذات کے مشابہ ہے اور نہ ہی اس کی صفات کسی کی صفات کے مشابہ ہیں۔

اس کے اسماء اور اس کی صفات وہی ہیں جو اس نے اپنے لیے خود بیان فرمائی ہیں یا اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے کسی بھی چیز کی کوئی نفی کر سکتا ہے، نہ اس میں تحریف وتبدیل کر سکتا ہے، نہ کوئی اس کی تاویل کے علاوہ کسی قسم کی تاویل کر سکتا ہے بلکہ اس کے تمام اسماء وصفات پر ایمان لاتا ہے اور یہ بھی مانتا ہے اس کی ہم مثل کوئی نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

۳-: یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ تمام عالم اور ساری کائنات حادث اور ممکن ہے اور ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور وہ (جل جلالہ) ذاتی طور پر غنی ہے وہ غنی اور تعریف کیا ہوا ہے۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (وہی پہلے ہے، وہی پیچھے ہے وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی، وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے)، (الحدید:۳)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ نے قلم پیدا فرمایا۔ ترمذی: (۲/۳۸) جیسے کہ مشکاۃ (۱/۲۱) میں ہے۔

۴-: فرشتوں پر ایمان لانا۔

۵-: اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانا۔

۶-: اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔

۷-: اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا۔

۸-: آخرت کے دن پر ایمان لانا۔

اور ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

(بلکہ حقیقۃً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو)"

اور نبی ﷺ نے فرمایا، ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے، بخاری (۱/۱۲) مسلم (۱/۲۷)، المشکاۃ (۱/۱۲)۔

۹-: قبر میں سوال کرنے والے دو فرشتوں پر ایمان لانا،

اور یہ ایمان رکھنا کہ قبر سے زندہ ہو کر اٹھنا، میدان محشر میں جمع ہونا، حساب میزان، صراط جنت، آگ حق ہیں اور ثابت ہیں اور یہ سب ایمان بالآخرۃ میں داخل ہیں، مومن اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں اس کے پاس دو فرشتے بھیجے گا جو اس سے اس کے رب، اس کے رسول اور اس کے دین کے بارے میں پوچھے گا۔ مومن کہے گا، میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرا نبی محمد ﷺ ہے۔ اور وہ یہ تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل قبور کو زندہ کر کے اٹھائے گا اور مومن برے حساب سے ڈرتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا، اور وہ اعمال کے وزن کئے جانے پر ایمان رکھتا ہے: ﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ﴾ (پھر جس کے پلڑے بھاری ہونگے وہ تو دل پسند آرام کی زندگی میں ہوگا۔ اور جس کے پلڑے ہلکے ہونگے اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے)۔ القارعۃ (۶-۹)

اور وہ تصدیق کرتا ہے کہ صراط جہنم کے اوپر کا پل ہے جیسے کہ متواتر احادیث میں اس کا ذکر ہے اور مؤمنین اس پر سے بعض بجلی کی طرح، بعض ہوا کی طرح، بعض عمدہ گھوڑوں کی طرح اپنے اعمال کے مطابق گزریں گے۔ اور ظالم گزرتے ہوئے جہنم میں گر پڑیں گے۔ نعوذ باللہ من ذلك۔

۱۰ - :اللہ عزوجل کے ساتھ سخت محبت رکھنی:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ "(بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیئے ۔اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔" (البقرۃ:۱۶۵)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾

(کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا" اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا")۔ (آل عمران:۳۱)

اورحدیث میں آتا ہے:[ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْعَبْدَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ]

بخاری (۷/۱) مسلم (۴۹/۱) المشکاۃ (۱۳/۱)

(تین چیزیں جس میں ہوں گی تو وہ ان کی وجہ سے حلاوت ایمان پالے گا۔ جسے اللہ اور اس کا رسول باقی سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ اور وہ اگر کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کرتا ہے اور اسے کفر میں دوبارہ لوٹنا اس طرح برا لگتا ہے جیسے اسے آگ میں ڈالا جانا برا لگتا ہے)۔

جسے اللہ عزوجل کی محبت نہ ہو تو وہ نہ مؤمنوں میں سے ہے اور نہ ہی عابد بندوں میں سے ہے کیونکہ عبادت اور بندگی تو اللہ کی عبادت اور اس کے سامنے عاجزی کرنے کا نام ہے۔

۱۱-: اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنی:

جو کسی عوض، غرض اور حسن صورت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ للہ فی اللہ ہو اور یہ رسول ﷺ کی تصریح کے مطابق افضل الاعمال ہے۔

۱۲-: اللہ کے لیے بغض رکھنا:

یعنی مؤمن اللہ کے دشمنوں سے اور جو بھی شریعت مطہرہ کا مخالف ہو اور اللہ کی رضا کے خلاف ہر چیز سے بغض رکھتا ہے، اور اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے: ”جو اللہ کے لیے محبت کرے، اللہ کے لیے بغض رکھے اللہ کے لیے دے اور اللہ کے لیے روکے تو اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا:“ ترمذی (۳۰۹/۲)، المشکاۃ (۱۴/۱)، ابوداود (۳۷۲/۲)، احمد (۴۴۰/۳)۔ مؤمن کی دوستی دشمنی اللہ کے لیے ہوتی ہے اور کسی چیز کے لیے نہیں ہوتی، اس سے ایمان اتمام پذیر ہوتا ہے۔

۱۳-: محمد ﷺ سے محبت جو اپنی جان، والد اور تمام لوگوں کی محبت پر فائق ہو:

جیسے کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے:

[لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ] ”(تم میں سے کوئی شخص کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں)۔

بخاری (۷/۱) مسلم (۴۹/۱) المشکاۃ (۱۲/۱)

تو مؤمن نبی ﷺ کے حکم کو ان کے حکم پر مقدم رکھتا ہے جس طرح کہ وہ طبعی محبت بمصداق حدیث ھذا ان کی محبت پر مقدم رکھتا ہے اور اس لیے بھی کہ نبی ﷺ کے امت پر دینی احسانات بے حساب ہیں اور منعم سے محبت فرض ہے۔

۱۴: آپ ﷺ کی عزت، توقیر کرنا:

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (الفتح:۸-۹)

"یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا، اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، تا کہ (اے مسلمانوں) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو، اور اس کا ادب کرو اور اس کی پاکی بیان کرو صبح وشام"۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (حجرات:۲)

(اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو، نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو، جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو)۔

اور فرمایا: ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ (النور:۶۳)

"(تم اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کے بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا ہے)"

اور فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾

"(جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (باطل) بے عقل ہیں)" (الحجرات:۴)۔

۱۵-: نماز میں اور نماز کے بغیر اور آپ ﷺ کے ذکر کے وقت آپ پر درود بھیجنا:

جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب:۵۶)

(اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی بھیجتے رہا کرو)"

اور نبی ﷺ نے فرمایا: [رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ] (رواہ الترمذی)

"(اس شخص کا ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہوتا ہے اور وہ مجھ پر درود نہیں بھیجتا)۔ جیسے کہ مشکوۃ (۸۶/۱) میں ہے۔

منذریؒ نے اسے الترغیب (۵۱۰/۲) میں ذکر کیا، اسے نسائی، ابن حبان حاکم اور ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔

۱۶-: نبی ﷺ کی سنتوں کا اتباع :

مؤمن آپ ﷺ کے اقوال وافعال اور آپ کی شریعت کا تابعدار ہوتا ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اس کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾

"کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا، اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے)۔" (آل عمران:۳۱)

اور فرمایا: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور:۵۴)

"(سنو! جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے)"

اور فرمایا: ﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور) (اور اگر تم اس کی اتباع کروگے، ہدایت پاؤگے)

اور فرمایا:﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء:۶۵)

"(سو قسم ہے تیرے پروردگار کی: یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں)۔

اس باب میں آیات بکثرت ہیں جو معلوم ہیں۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قِيلَ وَمَنْ أَبَى ؟ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى] بخاری (۱۰۸۱/۲) المشکاة (۶۷/۱)

(میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی، سوائے اس شخص کے جو انکار کریگا، کہا گیا، انکار کون کرے گا، فرمایا، جو میری اطاعت کرے گا داخل جنت ہوگا اور جس نے نافرمانی کی گویا اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کیا)۔

ہدایت کے تمام راستے مسدود ہیں صرف آپ کی اطاعت کا راستہ کھلا ہے، ایسا شخص کیسے مومن باللہ ہوسکتا ہے جو اوامر ونواہی میں سنت رسول اللہ ﷺ کا مخالف ہو۔ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ.

OOOOOOO

۱۷-: تمام عبادتیں خالص

اس کائنات کے رب کے لیے کرنا، جس کے علاوہ نہ کوئی الہ ہے اور نہ کوئی معبود:

جب تک یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے خالص نہ ہوں گی نہ کسی کی عبادت پوری ہوسکتی ہے نہ کسی کا ایمان، ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا مدنظر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب میں ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ﴾

"(تم اللہ کو پکارتے رہو اس کے لیے دین کو خالص کر کے، گو کافر برا مانیں)" (المؤمن:۱۴)

اور فرمایا: ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ، أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ (الزمر:۲-۳)

(پس آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے، خبردار اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے)

اور فرمایا: ﴿ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴾ (بینہ:۵)۔

(انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین خالص رکھیں ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوۃ دیتے رہیں یہی دین سیدھی ملت کا)۔

اس باب میں آیات بکثرت ہیں۔

اور حدیث معاذؓ میں ہے، کام کا سر اسلام ہے یعنی دین کا سر رب العالمین کے لیے عبادات میں اخلاص ہے۔

روایت کیا اسے امام احمد نے جیسے کہ، مشکاۃ (۱۶/۱) میں ہے تو مؤمن اکیلے اللہ کی عبادت کرتا ہے، اور اپنے عمل سے اس کا ارادہ اللہ اور آخرت ہوتا ہے اور جو لوگ عمل لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں اور اپنے عملوں سے ان کا ارادہ دنیا کا حصول ہوتا ہے ان کا کام حد درجہ حقیر ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

جو اپنے لیے نجات چاہتا ہو تو اسے اخلاص سیکھنا چاہیے اور یہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسان فرمادے آسان ہے۔

۱۸-: تمام اعمال میں ریاء کا ترک کرنا:

اللہ تعالیٰ منافقین کی مذمت میں فرماتے ہیں: ﴿ يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (النساء:۱۴۲)

(صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یادِالٰہی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں)۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴾ (الماعون:۴۔۷)

(ان نمازیوں کے لیے افسوس (اور ویل نامی جہنم کی جگہ) ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز روکتے ہیں)۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ صَلّٰى يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ]

(جو نماز ریاکاری کے لیے پڑھتا ہے اس نے شرک کیا، جو روزہ ریاکاری کے لیے رکھتا ہے اس نے شرک کیا، جو ریاکاری کے لیے صدقہ کرتا ہے، اس نے شرک کیا)، احمد (۱۳۶/۴) المشکاۃ (۲۵۵/۲)

تو ریاکار منافق یا مشرک ہوگا، نفاق اور شرک دونوں ایمان کے منافی ہیں تو مؤمن کو ریاء اور اس کے اسباب سے بچنا ضروری ہے، اور اپنے اعمال کو چھپانے کی کوشش کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو وہ مومن پسند ہے جو متقی لوگوں کی نظروں میں مخفی اور بے پرواہ ہو، بہت سی آیات واحادیث میں ریاء کی قباحت وارد ہوئی ہے یہ عادت ایمان سے دور ہے۔

۱۹: نفاق کا ترک کرنا:

خواہ نفاق عملی ہو یا اعتقادی مؤمن نفاق سے ڈرتا ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا ہے، منافق کی تین نشانیاں ہیں (صحیح مسلم میں مزید یہ لفظ ہیں) اگر چہ روزے رکھتا ہو، نمازیں پڑھتا ہو، اور اپنے آپ کو مسلمان خیال کرتا ہو جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب جھگڑتا ہے تو گالیاں بکتا ہے۔ بخاری (۱۰/۱)۔

صحابہ ؓ اپنے آپ پر نفاق سے ڈرتے تھے، اور حسن بصریؒ کہتے ہیں مومن کو اس کا ڈر رہتا ہے اور منافق بے خوف ہوتا ہے، جیسے کہ امام بخاریؒ نے اس سے یہ اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

۲۰: اللہ کے لیے توبہ کرنا:

خواہ توبہ گناہ سے ہو یا نہیں۔ توبہ ایمان کے شعبوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ سچے مؤمنوں کی صفت میں فرماتے ہیں:

﴿ اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (التوبہ:۱۱۲)

"(وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے (یا راہ حق میں سفر کرنے والے) رکوع سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے)۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾ (التوبہ:۱۱۷)

"(اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار کے حال پر بھی جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا)"

اور یہ توبہ کسی گناہ سے بالکل نہیں تھی۔اور حدیث میں ہے:"اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو میں دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں، مسلم (۲/۳۵۰) المشکاۃ (۱/۲۰۳)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحًا ﴾ "اے ایمان والو تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو" (التحریم:۸)۔

مؤمن اپنے دل اور زبان سے اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہے خواہ اس سے کوئی معصیت صادر ہو یا نہیں۔اور اپنی عبادات کے بعد وہ استغفار کرتا ہے کیونکہ اپنے رب کے حق کی ادائیگی اس کے بس کی بات نہیں اگر اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ نہ لے، تو یہ عظیم ایمانی شعبہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔

۲۱: اللہ تعالیٰ قلبی خوف جس کا اثر ظاہر و باطن میں ہو

اگر ظاہر و باطن میں خوف کا اثر نہ ہو تو اس کا وجود و عدم وجود برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران:۱۷۵)

"(تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو اگر تم مؤمن ہو)"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ﴾ (المائدہ:۴۴)

"اور تمھیں چاہیئے کہ لوگوں سے نہ ڈرو، اور صرف میرا ڈر رکھو"۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يَا عِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴾ (الزمر:۱۶)

"یہی (عذاب) ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے، اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴾ "بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے" (الملک :۱۲)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ﴾ (الرحمٰن: ۴۶)

(اور اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، دو جنتیں ہیں)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ﴾

(اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے، کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر والوں کے درمیان بہت ڈرا کرتے تھے)۔(الطور:۲۵۔۲٦)۔

مؤمن اپنے رب کے عذاب سے ڈرتا ہے، میرے حساب سے ڈرتا ہے زوال ایمان سے ڈرتا ہے، رحمٰن جبار، قہار رب کے سامنے پیشی سے ڈرتا ہے، گزشتہ گناھوں سے ڈرتا ہے، آئندہ بھی بے خوف نہیں ہوتا اور حکیم عزیز رب کے ھیبت کا خوف اسے لرزاتا ہے، بے خوف اور نڈر گھاٹا پانے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے تمام عذابوں سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔

۴۲-: امید اور طمع وہاب کریم اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ہونی چاہیئے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

(البتہ ایمان لانے والے ہجرت کرنے والے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت مہربانی کرنے والا ہے)،(البقرۃ:۲۱۸)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ﴾ (جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی"(الفاطر:۲۹)

اور حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: اگر مؤمن کو اللہ تعالیٰ کے پاس عذابوں کا علم ہو جائے تو اس کی جنت کی کسی کو امید نہ ہو، اور اگر کافر کو اللہ کے پاس رحمتوں کا علم ہو جائے تو اس کی جنت سے کوئی بھی ناامید نہ ہو۔

(متفق علیه) مشكاة (۲۰۷/۱) احمد (۳۳٤/۲) مسلم (۳۳٦/۲)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾"بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے"(الفاتحہ:۳)

اور فرمایا:﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے)"(الاعراف:۱۵)

اور فرمایا:﴿إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾"بیشک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے"(النجم:۳۲)

تو مؤمن اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھتا ہے، اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھتا ہے، اس کی رضا اور ثواب کی امید رکھتا ہے اسی لیے

نیک اعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے اور رجاء کی یہی حقیقت ہے اور اسی طرح دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ سے آسانی کی امید رکھتا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عاجز وکمزور بندے کو عذاب دینے کی کوئی حاجت نہیں تو خوف ورجاء اور محبت سے ایمان وعبادات کی تکمیل ہوتی ہے۔

﴿إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ﴾

(یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں) (یوسف:۸۷)

﴿وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّوْنَ﴾ (الحجر:۵۶)

(اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو صرف گمراہ اور بھکے ہوئے لوگ ہی ہوتے ہیں"۔

۲۳-: اللہ تعالیٰ کی دینی دنیوی ظاہری باطنی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا:

ایک شخص جب تک شکر گزار نہ بنے مؤمن نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿فَاذْكُرُوْنِيْ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ (البقرۃ:۱۵۲)

"(اس لیے تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمہیں یاد کرونگا میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو)"

اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کرنے کا بتکرار ہمیں حکم دیا ہے، فرماتا ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ "اگر تم شکر گزاری کروگے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دونگا اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے"(ابراھیم:۷) اور نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ].

(جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا)" ابو داؤد (۳۱۴/۲) احمد (۲۵۸/۲) ترمذی۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کے کام پر تعجب ہے اگر اسے خوشی پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے تو وہ خوشی اس اس کے لیے خیر بن جاتی ہے، اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے خیر بن جاتی ہے۔

(رواہ مسلم) جیسے مشکوۃ (۴۵۴/۲) میں ہے۔

تو آدھا ایمان شکر ہوا اور آدھا صبر دونوں سے مل کر ایمان بنتا ہے، مومن اللہ تعالیٰ کے ظاہری وباطنی احسانات یاد کر کے سوچتا ہے کہ میں تو ان نعمتوں کے لائق نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے یہ مجھے میسر فرمائے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوکر اسے راضی کرنے کی کوششوں میں لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا کی توفیق عنایت فرمائے۔

۲۴-:عہد کا پورا کرنا:

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کی صفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾

(جو اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور قول و اقرار کو توڑتے نہیں" (الرعد:۲۰)

اور فرماتے ہیں:﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾

(اور وعدے پورے کرو، کیونکہ قول و اقرار کی باز پرس ہونے والی ہے) (بنی اسرائیل:۳۴)

اور فرماتے ہیں : ﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا﴾

(جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے)، (الدھر:۷)

نبی ﷺ نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے: [وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ] "وہ جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے" الحدیث۔

مؤمن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے معاہدے پورے کرتا ہے اور اسی طرح لوگوں کے ساتھ کئے ہوئے وعدے بھی پورے کرتا ہے، تو مومن کی صفت وفا ہوتی ہے جفا نہیں۔

۲۵-:طاعتیں کرتے رہنے اپنے پر، معصیتوں سے بچتے رہنے پر، اور تقدیری مصائب پر صبر کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

(صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے) (الزمر:۱۰)

اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ﴾

(اور وہ جو اپنے رب کی رضامندی کی طلب کے لیے صبر کرتے ہیں،" (الرعد:۲۲)

اور حدیث میں ہے : [اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ] "صبر روشنی ہے" مسلم (۱/۱۱۸) المشکاۃ (۱/۳۸)

پس مؤمن اپنے رب کی اطاعت گزاری پر اور اپنے تمام امور میں صبر سے کام لیتا ہے۔ اور جیسے کے پہلے گزر چکا ایمان صبر و شکر سے حاصل ہوتا ہے۔

۲۶-:رضا بر قضا:

بیماری، بچے یا قریبی کی فوتگی، فقر وغیرہ سب بندے کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے پہنچتے ہیں تو بندہ ان امور میں اپنے رب سے ناراض نہیں ہوتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ شاید اسی میں میری بھلائی ہے، نعمت ہو یا نقصان سب کچھ مومن کے لیے خیر کا باعث بنتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ﴾

"جو اللہ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔" (التغابن:۱۱)

اکثر مفسرین نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے، "اسے اپنی قضاء پر راضی کرلیتا ہے۔

اور حدیث میں ہے:"اے اللہ! میں تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہو جو کبھی ختم نہ ہو، اور کبھی ختم نہ ہونے والی آنکھوں کی ٹھنڈک، اور میں تجھ سے قضا پر راضی ہونے کا سوال کرتا ہوں۔ احمد (۲۶۴/۴) نسائی رقم: (۱۲۳۷) المشکوۃ (۲۳۰/۱)۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ﴾

"تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو، اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ" (الحدید:۲۳)۔

۲۷- : دینی دنیوی تمام امور میں اللہ عزوجل پر توکل کرنا:

یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ نفع نقصان کا مالک اللہ ہے، رزق اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے، توکل کے لیے یہ اعتقادات ضروری ہیں، توکل کا معنی یہ ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا، اس کے رحم وکرم اور اس کی حسن تدبیر پر بھروسہ کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں متعدد مقامات پر ہمیں توکل کا حکم فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾"ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے)،

(آل عمران:۱۶۰)

اور فرماتے ہیں: ﴿ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾ (المائدہ:۲۳)

"(اور تم اگر مؤمن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے)

اور فرماتے ہیں :﴿ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ﴾ (الطلاق:۳)

"اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا"۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:"اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح روزی دیگا جیسے پرندوں کو روزی دیتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر آتے ہیں۔ اور صحیح حدیث میں ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے ان کے بارے میں آیا ہے، کہ یہ وہ لوگ ہونگے جو بدفالی نہیں کرتے، داغ نہیں لگواتے (علاج نہیں کرواتے اگر بیمار ہوں) جو اور نہ ہی دم کرواتے ہیں بلکہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ مسلم (۱۱۷/۱) المشکاۃ (۴۵۲/۲)

تو مؤمن اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھتا ہے، اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، اور اسے اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسہ ہوتا ہے، توکل بڑی خوبصورت ایمانی خصلت ہے۔

۲۸-: اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق پر رحم کرنا:

مؤمن اللہ کے بندوں کے لیے بڑا رحم کرنے والا اور شفقت کرنے والا ہوتا ہے۔
نبی ﷺ نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رب رحم فرمائے گا، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر مہربان ہوگا، اسے ابوداؤد نے روایت کیا جیسے کہ مشکوۃ (۲/۴۲۳) میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: اہل جنت تین ہیں: ۱-: انصاف کرنے والا صدقہ کرنے والا صاحب اقتدار جسے اللہ تعالیٰ سے توفیق ملی ہو۔ ۲-: مہربان شخص جس کا دل ہر قریبی، مسلمان کے لیے نرم ہو، ۳-: پاک دامن، نہ مانگنے والا عیال دار" مسلم (۲/۳۸۵) مشکاۃ (۲/۴۲۲) احمد (۴/۶۲) اور حدیث میں ہے رحمت تو بدبخت ہی سے سلب کر لی جاتی ہے تو مومن اللہ کے بندوں پر اور اس کی مخلوق پر اس کے لیے رحم کرنے والا ہوتا ہے۔

۲۹-: اللہ کے لیے تواضع کرنا:

اور لوگوں سے عاجزی سے پیش آنا، اور حدیث سے ثابت ہے کہ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ رفعتیں نصیب فرماتا ہے۔ (بیہقی) فی شعب الایمان، المشکاۃ (۲/۴۳۴) حدیث میں ہے، "اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حد تک تواضع اختیار کرنے کی وحی فرمائی ہے کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے اور نہ ہی فخر کرے، ابوداؤد (۳/۱۲۵) وغیرہ صحیح سند کے ساتھ۔
مؤمن نہ تو اللہ کے آگے تکبر کرتا ہے اور نہ ہی اس کی مخلوق میں سے کسی پر، وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اسے چھیڑتا ہے تو معاف کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہوئے غصے کا اظہار نہیں کرتا، متواضع بننے کے لیے ظاہری تواضع ہی کافی نہیں بلکہ حق سے عناد نہ رکھنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا اور خود پسندی سے بچنا بھی ضروری ہے۔

۳۰-: بڑوں کی عزت کرنا۔

۳۱: چھوٹوں پر رحم کرنا:

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔
ترمذی۔ المشکاۃ (۲/۴۲۳)
پس مؤمن بڑے کی عزت کرے کیونکہ وہ اپنے رب کی زیادہ سے زیادہ اطاعت کرتا ہے اور بڑے کی توقیر میں اس کے رب کے

حکم کی اطاعت ہے اور چھوٹوں پر رحم کرے۔ پتھر دل اور جفا کار نہ بنے۔

۳۲-: تکبر اور خود پسندی چھوڑنا:

نبی ﷺ سے تکبر کی تفسیر ثابت ہے کہ تکبر سے مراد حق ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے، اور ایک روایت میں "غَمْصُ النَّاس" لوگوں کے دین وحسب میں عیب لگانا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا تو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ مسلم (۱/۶۵)۔

اور ایک حدیث میں ہے "تین چیز نجات دلانے والی اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔

نجات دلانے والی یہ ہیں: ۱-: خفیہ وعلانیہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، ۲-: رضا و ناراضگی میں سچی بات کہنا۔ ۳-: فقر وغنا میں میانہ روی، اور ہلاک کرنے والی یہ ہیں۔ خواہش جس کی پیروی کی جائے۔ ۲-: بخل جس کے مطابق روش اختیار کی جائے، ۳-: خود پسندی اور یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے"۔ امام بیہقی نے اسے شعب الایمان میں روایت کیا اور اسی طرح المشکاۃ (۲/۴۳۴) میں ہے۔

(مؤمن نہ تو تکبر کرتا ہے اور نہ حق سے عناد رکھتا ہے اور نہ خود پسندی میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ وہ جو کچھ بھی پہنچے اسے اللہ کی طرف سے امتحان سمجھتا ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔ واللہ المستعان.

۳۳-: حسد وبغض سے بچنا:

یعنی وہ کسی شخص کی نعمت کا زوال نہیں چاہتا بلکہ اگر اس کے علم میں آئے تو برکت کی دعا کرتا ہے، اور حسد بمطابق نص قرآن یہودیوں کی بیماری ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "آپس میں بغض وحسد نہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے سے منہ مت موڑو اور اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ ابوداود (۳/۹۲۷)، متفق علیہ۔

تو حسد ایمان کے لیے باعث فساد اور اس سے کوسوں دور خصلت ہے۔

۳۴-: دنیا اور اپنی ذات سے متعلق امور میں غصہ نہ کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ﴾

(غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں) (آل عمران: ۱۳۴)

نبی ﷺ نے ایک شخص کو وصیت فرماتے ہوئے متعدد بار فرمایا تھا "غصہ نہ کر" (بخاری)

حدیث میں ہے کہ غصے میں سارا شر جمع ہے جیسے امام ابن کثیرؒ نے مسند سے نقل کیا ہے، پس مؤمن اپنی ذات کے لیے یا اپنے کسی رہ جانے والے کام پر غصہ نہیں کرتا۔ اور اگر غصہ آ بھی جائے تو پی لیتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴾ (اور غصے کے وقت بھی معاف کر دیتے ہیں) (الشوریٰ:۳۷)

لیکن حرمات اللہ کی پامالی کے وقت اللہ تعالیٰ کے لیے غصے ہونا یہ ایمان کامل کی نشانی ہے۔ واللہ ولی التوفیق.

۳۵-: منہ سے کلمہ توحید بولنا:

اور وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ " کہنا ہے۔

اور یہ ارکان ایمان سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے ہیں جن میں سب سے افضل "لا الہ الا اللہ" کہنا ہے، اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانی ہے۔ اور حیاء بھی ایمان کا شعبہ ہے۔ متفق علیہ۔

مؤمن اس کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا ہے اور اس کا ذکر اور ورد کرتا رہتا ہے کیونکہ اس میں حلاوت و نور اور نعمت و سرور ہے۔

حدیث میں ہے: "اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو" صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا، اے اللہ کے رسول ہم کیسے اپنے ایمان کی تجدید کریں، فرمایا: "کثرت سے لا الہ الا اللہ کہا کرو۔ حیاۃ الصحابہ (۱۴/۳) احمد، امام ہیثمی نے (۸۲/۱) میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور امام منذری نے الترغیب (۷۵/۳) میں اسے حسن کہا ہے۔

۳۶-: کتاب اللہ کی تلاوت:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴾ "جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہے جو کبھی خسارے میں نہ ہوگی، (فاطر:۳۰)

اور فرمایا: ﴿ اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ ﴾ (عنکبوت:۴۵)

"جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھئے:"

اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾

(بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں) (الانفال:۲)

اور حدیث میں ہے: ''مؤمن جو قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اترج کی طرح ہے۔ الحدیث۔ (بخاری ومسلم)

کتاب اللہ کی تلاوت، اس کی درس وتدریس اور سیکھنا سمجھنا ایمان کے قوت بخش اسباب میں سے ہیں اور ایمان کے شعبوں میں ایک بڑا شعبہ ہے اسی سے مزید شعبوں کی رہنمائی ملتی ہے۔ تو مومن قرآن پڑھتا ہے اس پر عمل کرتا ہے اس پر ایمان لاتا ہے اس میں تدبر کرتا ہے اور اس کا اثر قبول کرتا ہے، یونہی پیچھے چھوڑ کر مہمل نہیں بناتا، قرآن سے تعلق قائم رکھنا تقویت ایمان کا سبب ہے اب ضائع کرنا حفاظت کرنا تمہارا کام ہے۔

۳۷-:علم کا سیکھنا :
۳۸-:علم کا سکھانا :

علم نور ہے ایمان بھی نور ہے اور دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ ''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں'' (الفاطر:۹)

اور فرماتے ہیں: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

(اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دئے گئے ہیں درجے بلند کردیگا)، (المجادلہ:۱۱)

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے، ''جو علم تلاش کرنے کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔ اور ترمذی (۱۱۴/۲) کی ایک حدیث میں بسند ضعیف ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

''دو خصلتیں منافق میں کبھی جمع نہیں ہوتیں اچھا اخلاق اور دین کی سمجھ''۔ المشکاۃ (۳۴/۱)

اور علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے جیسے کہ مفتاح دار السعادۃ میں ہے وہ فرماتے ہیں: ''تفقہ سے خالی عبادت میں کوئی خیر نہیں۔ اور اس فقہ میں کوئی خیر نہیں جو سمجھ میں نہ آتی ہو۔ اور تدبر سے خالی قرأت میں بھی کوئی خیر نہیں''۔

مؤمن جب تک لوگوں کے پاس سے علم حاصل نہیں کر لیتا اس کی علمی پیاس نہیں بجھتی وہ ہر وقت اسی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ دین میں بصیرت حاصل کرتا رہتا ہے اور استطاعت کے مطابق اس کی اشاعت کرتا ہے اور جو نظر اٹھا کے علم کی طرف دیکھتا تک نہیں اس کا شمار مؤمنوں میں نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مومن کی اپنے رب سے محبت ہوتی ہے جو اسے اسکی رضا طلبی کے لیے ابھارتی رہتی ہے اور یہ قرآن سنت سے حاصل کردہ علم نافع سے ہی ممکن ہے تو جو دین کے بارے میں ہر وقت پوچھتا رہتا ہے وہ مؤمن ہے اور دین سے

غفلت برتنے والے خسارے میں ہیں۔

۳۹-: دعا :

مؤمن اپنی دینی ودنیوی حوائج میں قرآن سنت میں وارد دعائیں کرتا رہتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران کے آخر میں مؤمن کی صفت میں بہت سی دعائیں ذکر فرمائیں ہیں:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴾

(اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں دعاؤں کو قبول کرونگا یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہوکر جہنم میں پہنچ جائیں گے)۔ (المؤمن:۶۰)

اور فرمایا:﴿ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ﴾ (اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو)۔(النساء :۳۲)

اور نبی ﷺ نے فرمایا:"جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ ان پر غصے ہوتے ہیں۔ترمذی (۳/۱۲۸) المشکاۃ (۱/۱۹۵) سند حسن

مؤمن اپنے رب سے دل وزبان سے مانگتا ہے اور کسی سے نہیں مانگتا اور مصیبت کے وقت اللہ ہی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اور اپنے رب سے نہایت عاجزی اور تذلل کے ساتھ امید وخوف کے جذبے سے مانگتا ہے۔

اور اوقات دعا، الفاظ وکیفیت دعا میں اپنے نبی ﷺ کی اقتداء کرتا ہے، دعا عظیم خالص عبادت ہے اس کا اللہ کے لیے خاص کرنا فرض ہے۔ دعا سے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور دل میں اللہ کی طرف حرکت پیدا ہوتی ہے اور دل کی غلظت وسختی دور ہوتی ہے اور یہی ایمان کا مقصود ہے ہم اللہ تعالیٰ سے عاجزی کرتے ہوئے یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں اپنا اطاعت گزار بنائے۔ آمین۔

۴۰-: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

تاکہ انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر میں رطب اللسان رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن سچے مؤمنوں کے ساتھ جنت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے ان کی صفت کرتے ہوئے فرمایا ہے :

﴿ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴾ (الاحزاب:۳۵)

(بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان (سب کے) لیے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے)

اور فرماتے ہیں: ﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴾ البقرۃ (۱۵۲)

"اس لیے تم میرا ذکر کرو، میں بھی تمہیں یاد کرونگا، میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔"

اور فرماتے ہیں:﴿ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ﴾ "بے شک اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔" (العنکبوت:۴۵)

اور منافقین کی صفت میں اللہ فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾
"اور یاد الٰہی تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں" (النساء:۱۴۲)

ذکر تمام عبادات کا مرکزی نقطہ ہے، جہاد، حج، نماز اور تمام عبادتیں اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لیے ہی ہیں ذکر میں وہ دعائیں بھی شامل ہیں جو بعض جگہوں کے ساتھ خاص ہیں جیسے دخول مسجد اور گھر میں داخل ہونے وغیرہ کی دعائیں۔

ذکر کے بڑے فائدے ہیں :

امام ابن قیمؒ نے اپنی کتاب الوابل الصیب میں سو کے قریب فوائد جمع کیے ہیں۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ ذکر جس کا ہمیں حکم ہے وہی ہے جس سے اللہ کی خشیت اور اس کی طرف انابت پیدا ہوتی ہو۔ دل میں شجر ایمان معرفت الٰہی، علوم نافعہ اور محبت صادقہ سے ثمر بار ہو اور بندے میں خشوع پیدا کر دے۔

اور وہ شروط یہ ہیں: (۱)-: ذاکر اللہ سے ڈرنے والا اس کی تعظیم کرنے والا اور آداب بندگی ادا کرنے والا ہو۔

(۲)- : جو ذکر اس کی زبان پر ہے اس کے مفہوم سے آشنا ہو اور وہ رسول ﷺ سے منقول ہو، رہا وہ ذکر جو اُدب سے خالی چیخ چیخ کر لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا جائے، یا جس کی جلدی جلدی گنتی پوری کرنا مقصود ہو تو اس کا سوائے تھکاوٹ اور تکلیف کے کوئی فائدہ نہیں۔

ذاکرین کے کیے گئے وعدوں میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اور اسی طرح مفرد اذکار جیسے لوگوں کا صرف اللہ، اللہ یا ھُوْ، ھُوْ، کہنا تو یہ بدعت ہے اس میں خواہ مخواہ اپنے آپ کو تھکانا نہیں چاہیے، مؤمن اپنے رب کو اپنے دل میں نہایت عاجزی سے اُونچی آواز سے نہیں آہستہ یاد کرتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرتا ہے لوگوں کو نہیں دکھاتا۔ اللہ تعالیٰ سے توفیق کی مدد چاہتے ہیں۔

استغفار بھی ذکر اللہ میں شامل ہے اور اس کے بڑے فوائد ہے۔

۴۱-: لغو سے اجتناب :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴾ "جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں" (المومنون:۳)

اور فرماتے ہیں: ﴿ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴾
"اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں" (الفرقان:۷۲)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: "جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ بھلائی کی بات کہے یا چپ رہے" مسلم (۱/۵۰) اور لغو سے مراد ہر وہ چیز جس کا دنیا یا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ مومن کو اپنی زبان لغو سے محفوظ رکھنی چاہیے

کیونکہ لغو سے ایمانی نور ماند پڑ جاتا ہے اور عبادات کا حسن جاتا رہتا ہے۔

اسی لیے نبی ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ابواب خیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: "کیا میں ان (سب بھلائی) کے کاموں کو پائیدار اور مستحکم کرنے والی چیز بتاؤں تو انہوں نے کہا ہاں آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا، اسے کنٹرول کرو۔ تو زبان کی حفاظت میں سارے دین کی حفاظت ہے یہ حدیث امام احمد نے نکالی ہے اور ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ مطول ذکر کی ہے جیسے کہ المشکاۃ (۱۴/۱) میں ہے۔ متعدد احادیث میں لغو کے مفاسد اور نقصانات کا اس قدر ذکر وارد ہے کہ انسان حتی الامکان اس سے پرہیز اور نفرت کرنے اور دور رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

۴۲-: نجاستوں گندگیوں اور میل کچیل سے ظاہری و باطنی پاکیزگی:

مؤمن کا دل بدن اور لباس پاک صاف ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر" (المدثر:۴) صحیح حدیث میں ہے، "طہارت آدھا ایمان ہے" مسلم (۱۲۸/۱) المشکاۃ (۳۸/۱)

ترمذی کی بسند حسن مرفوع روایت جو المشکاۃ (۳۸۵/۲) میں ہے کہ "اللہ طیب ہے اور طیب اسے پسند ہے، پاکیزہ ہے پاکیزگی پسند کرتا ہے، کرم والا ہے کرامت پسند کرتا ہے، سخی ہے سخاوت پسند کرتا ہے، اپنے ماحول کو پاک صاف رکھو، یہودیوں کی مشابہت نہ کرو۔ طہارت کا حکم کئی حدیثوں میں وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤمنین صادقین کی صفت میں فرماتے ہیں: ﴿ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴾ (اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے)

(التوبہ:۱۰۸)

مؤمن اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہمیشہ پاک رہتا ہے اور ظاہر و باطن میں پاک رہنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

۴۳-: ستر پوشی:

مرد کے لیے ناف سے لیکر گھٹنے تک اور عورت کے لیے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ سارا بدن مستور رکھنا ضروری ہے۔ مؤمن کثرۃ حیاء کی وجہ سے اپنی شرمگاہ ظاہر نہیں کرتا سوائے اس مقام کے جہاں اس کے لیے ظاہر کرنا حلال ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ﴾

(مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں، یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے)

(النور:۳۰)

اور حدیث سے ثابت ہے: "اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں میں نے کہا اے اللہ کے رسول ذرا بتائیں! اگر آدمی اکیلا ہو تو، آپ نے فرمایا: اللہ حیا کئے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ۔

جو لوگ اپنی شرمگاہیں لوگوں کو ظاہر کرتے ہیں ان میں حیا ختم ہو گئی ہے اور ان میں اتنا ایمان بھی نہیں جو اس بے حیائی سے اسے باز رکھے۔

۴۴-: فرض نماز:

یہ ایک عظیم خصلت ہے جس کی حفاظت واجب ہے کیونکہ اللہ کے اقرار کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے، نماز کو قصداً ترک کرنے والا کبھی بھی مؤمن نہیں رہتا، اگر چہ وہ مدعی ایمان ہو بلکہ وہ راجح قول میں کافر ہے، جس کا مفصل و مدلل ذکر اس فتاوی میں کر چکے ہیں۔ اس شعبے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور اُنس پیدا ہوتا ہے یہ بڑے بڑے فوائد کا موجب ہے اور بے حیائی اور منکر سے باز رکھتا ہے اس کے فوائد ونقصانات سے ہر مومن بخوبی واقف ہے، نماز نور ہے اور اس کی حفاظت کرنے والا مؤمن اور مسلم ہے اسی عظیم شعبہ پر اسلام کی بنیاد ہے۔

۴۵-: نفل نمازیں :

مؤمن جس طرح فرض نمازوں کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح سنن اور نوافل کو بھی نہیں بھولتا، اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں کامل مؤمنوں کی صفت میں فرماتے ہیں : ﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴾

"اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں" (الفرقان:۶۴)

اور فرماتے ہیں : ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ﴾ "ان کی کروٹیں اپنے بستروں سے الگ رہتی ہیں" (السجدہ:۱۶)

اور فرماتے ہیں : ﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴾ "وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے" (الذاریات:۱۷)

قرآن کی دلالت کے مطابق رات کی نماز ایمان کی عظیم خصلتوں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو وضوء کے بعد دو رکعت پڑھنے پر جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے جیسے حدیث عثمان رضی اللہ عنہ میں ہے، مسلم (۱۱۹/۱) المشکاۃ (۳۹/۱)

اور اس طرح عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو مسلمان اچھی طرح وضوء کرتا ہے اور پھر دل اور چہرے کو متوجہ کر کے دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ مسلم (۱۲۰/۱)

تو مؤمن کیلئے نوافل وتطوعات سے اہمال برتنا مناسب نہیں۔

۴۶-: فرض زکوٰۃ :

یہ ایمان میں سے ہے اور نماز کی ساتھی ہے اس سے نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں وارد ہے، امام ابن کثیرؒ نے سورۃ حدید کے شروع میں ذکر کیا ہے اور امام ابوداؤدؒ نے کتاب الزکاۃ میں روایت کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ تزکیہ نفس کا سبب ہے اور اس کے فضائل معروف ہیں۔

۴۷-: نفلی صدقات:

انفاق خالص مؤمن کی صفت ہے اور یہ اغنیاء کی صفت نہیں جیسے کہ لوگ سمجھے ہیں بلکہ ہر مؤمن راحت و تکلیف میں انفاق کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ ﴾ ''جو (جنت) پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو لوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں'' (آل عمران: ۱۳۳-۱۳۴)

اور فرماتے ہیں: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو'' (بقرۃ: ۲۶۷)

اور مؤمنوں کی صفت میں فرماتے ہیں: ﴿ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ ﴾

(بلکہ حقیقۃً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں کو دے)، (البقرۃ: ۱۷۷)

مؤمن بخل نہیں کرتا بلکہ اللہ کی رضا کے لیے قرآن وسنت میں مذکور شرائط کے مطابق اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اپنے گھر میں بھی ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ ہے۔

۴۸-: گردن کا آزاد کرنا:

یہ دو طرح سے ہوتا ہے۔ (۱)-: غلاموں کو آزاد کرنا۔ (۲) : قرض دار کی طرف سے اس کا قرضہ ادا کرنا۔

یہ مؤمن کی صفت ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ﴾

(جو مال اسے محبت کے باوجود، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والے کو دے، غلاموں کو آزاد کرے)

(البقرة:۱۷۷)۔

۴۹ :سخاوت:

۵۰ :مہمانوں کا اکرام:

بخاری مع الفتح (۱/۴۷) میں صحیح حدیث سے ثابت ہے،"ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا،کونسا اسلام اچھا ہے؟ (اسلام کی کونسی خصلتیں اچھی ہیں) فرمایا: کھانا کھلا،اور پہچان اور غیر پہچان والوں سب کو سلام کہہ۔

اور حدیث میں ہے:"جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیئے"
صحیح مسلم (۱/۵۰)

تو مؤمن سخی ہوا کرتا ہے اور بڑے شوق ورغبت سے بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرتا ہے اور مہمانوں کے آنے جانے اور تین دن تک ٹھہرنے سے اس کا تکبر مانع نہیں ہوا کرتا۔

۵۱-:فرض روزے رکھنا :

یہ بھی ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے اور کتاب وسنت میں اس کے دلائل معروف ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة:۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقوی اختیار کرو)۔

اور مؤمنوں کی صفت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ﴾ (الاحزاب:۳۳)

(روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں)،

تو مؤمن ایمان اور طلب ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھتا ہے۔

بخاری مع الفتح (۱/۷۷) میں ہے بَابُ صَوْمِ رَمَضَانَ اِحْتِسَابًا مِنَ الْاِیْمَانِ اور اپنی سند ذکر کر کے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"جو ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا تو اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردئے جائیں گے"۔

روزے رکھنا تقویٰ کا سبب ہیں اس لیے بڑے شوق محبت اور رغبت کے ساتھ روزے رکھنا لازم ہیں۔

۵۲-: نفلی روزے:

مؤمن صرف فرض روزوں پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ نفلی روزے بھی ساتھ ملاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ﴾

''اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں'' (احزاب:۳۳) یہ فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے۔

حدیث میں ہے:''جنت کے کئی دروازے ہیں جو نماز والا ہوگا اسے باب صلاۃ سے بلایا جائے گا۔ جو جہاد والا ہوگا اسے باب الجہاد سے بلایا جائے گا۔ جو صدقے والا ہوگا اسے باب صدقہ سے بلایا جائیگا۔ اور جو روزے والا ہوگا اسے ریان سے بلایا جائے گا۔ الحدیث: (متفق علیہ) المشکاۃ (۱/۱۶۲)۔

۵۳: حج کرنا:

یہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر فرض فرمایا ہے جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

حدیث صحیح میں ہے''حج سابقہ تمام گناہ گرا دیتا ہے'' مسلم (۱/۱۴) اور متفق علیہ حدیث میں ہے:

''عمرہ سابقہ عمرے تک گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور حج مبرور کی جزاء جنت ہی ہے۔ مشکوٰۃ (۱/۲۲۱)

اور حدیث میں ہے جو اللہ کے لیے حج کرتا ہے اور اس میں کسی بے ہودہ کام کا ارتکاب نہیں کرتا اور نہ ہی فسق کرتا ہے تو وہ اس طرح لوٹتا ہے جیسے کہ اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (متفق علیہ)

حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے مؤمن کو اللہ کی رضا کے لیے حج کرنے کی سعی کرنی چاہیے تاکہ یہ عظیم اجر حاصل کر سکے۔ اور حج بندے کی اپنے رب کے ساتھ محبت کی دلیل ہے کیونکہ وہ اپنے رب سے اس کے خاص گھر میں ملتا ہے جو لوگ زندگی بھر مال جمع کرتے ہیں اور وہ حج نہیں کرتے تو وہ یہود و نصاریٰ کی موت مرتے ہیں۔

سلف کی یہ عادت ہوتی تھی کہ وہ ناداروں کو اپنے خرچ پر حج کراتے تھے تاکہ وہ حج سے محروم نہ ہوں۔

۵۴-: عمرہ کرنا:

یہ بھی ایمان میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾

''حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو'' (البقرۃ:۱۹۶)۔

حدیث میں ہے: اسلام یہ ہے کہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود برحق نہیں۔ اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہے۔ نماز قائم

کرو، زکوٰۃ دو، حج اور عمرہ کرو، جنابت کا غسل کرو۔ وضوء پورا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ تو اسے کہا اگر میں (یہ سارے کام) کروں تو مسلمان بن جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں اس نے کہا آپ درست کہتے ہیں۔

امام ابن خزیمہؒ نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا، جیسے کہ الترغیب (۱۶۴/۲) میں ہے۔ یہ حدیث جبرئیل ہے۔

مؤمن حج اور عمرہ کرتا ہے، سیر و سیاحت کے لیے نہیں ریاء وغیرہ کے لیے نہیں بلکہ اس کا اللہ کی رضا اور گناہوں کی معافی کے علاوہ اور کوئی ارادہ نہیں ہوتا جیسے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وعدہ فرمایا ہے۔

۵۵-: بیت اللہ الحرام کا طواف کرنا:

بیت اللہ کے علاوہ کسی کا طواف کرنا شرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ "اور اللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں" (الحج:۲۹)

طواف کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں جنہیں آپ الترغیب (۱۹۱/۲) میں دیکھ سکتے ہیں۔

مؤمن کو جب مکہ جانے کا موقع ملے تو وہ بکثرت طواف کرتا ہے اور اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرتا۔ وَفَّقَنَا اللهُ عزو جل۔

۵۶-: اعتکاف کرنا:

یہ عظیم عبادت ہے رسول اللہ ﷺ اپنی عمر میں اس پر مواظبت فرماتے رہے۔

اس کے بڑے عظیم فائدے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) : دل میں اللہ کو بسانا۔

(۲) : نبی ﷺ کی اتباع، اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا معتکف گناہوں سے رک جاتا ہے اور اللہ کے گھر کا مجاور بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اچھا پناہ دینے والا اور اچھا اجر دینے والا ہے مؤمن کو اس بکثرت شاخوں والی ایمانی خصلت کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے جو مختلف النوع عبادات پر مشتمل ہے، غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔ (میں یہ خصلت: ۲۲: رمضان کو اعتکاف کے خیمے میں بیٹھا لکھ رہا ہوں)۔

۵۷-: لیلۃ القدر کی جستجو کرنا:

یہ مبارک رات ہے اور جو اس رات کی خیر سے محروم رہا وہ حقیقۃً محروم ہے جیسے کہ حدیث میں ہے جسے امام احمدؒ نے (۲۳۰/۲)

میں، امام نسائی نے (۴/۴۵۶) میں المشکاۃ (۱/۱۷۳) میں اور امام بخاری نے (۱/۷۶) "بَابُ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِيْمَانِ" میں فرمایا: "ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو لیلۃ القدر کا قیام ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے کریگا تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ تو مؤمن لیلۃ القدر کی جستجو میں کوشاں رہتا ہے کیونکہ وہ مغفرت اور ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب کا حریص ہوتا ہے جو تراسی سال چار مہینے بنتے ہے مؤمن اللہ کو راضی کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اللہ تعالی نے اس مبارک طیب رات کی ترغیب دی ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس سال مجھے نصیب فرمائے۔ اور باقی عمر میں بھی نصیب فرماتا رہے۔

۵۸-: فتنوں اور ایسی جگہوں سے جہاں ایمان کے فاسد ہونے کا خطرہ ہو دین کو بھگا لیجانا:

جہاں معرفت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ اور انسان کا گرفتار طغیان ہونے کا خطرہ ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح (۱/۱۵) "بَابُ مِنَ الدِّيْنِ الْفِرَارُ مِنَ الْفِتَنِ" میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قریب ہے کہ مسلمان کا بہتر مال بکریاں ہوں جنھیں لیکر پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں چراتا پھرتا ہوتا کہ اپنے دین کو بچا سکے"

اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں "میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (فتنوں میں) نجات کی کیا صورت ہوگی۔ فرمایا، اپنی زبان کو کنٹرول کریں اور اپنے گھر ہی میں سما جائیں اور اپنی خطاؤں پر اللہ کے آگے گریہ وزاری کریں۔

ترمذی (۲/۲۸۷) المشکاۃ (۲/۴۱۳) احمد (۴/۱۴۸) اور مسلم کی حدیث،

المشکاۃ (۲/۴۶۲) میں ہے فتنوں میں عبادت میری طرف ہجرت جتنا اجر رکھتی ہے۔

۵۹-: دار شرک سے دار ایمان یا دار امن کی طرف ہجرت اور اسی طرح گناہوں سے ہجرت:

حدیث میں ثابت ہے: "ہجرت ما قبل تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے" (مشکاۃ ۱/۱۴)

دوسری حدیث میں ہے: "مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو چھوڑ دے"

مؤمن اپنے دین اور اپنی آخرت پر گھر بار، زمین وزراعت کو ترجیح نہیں دیتا۔ بلکہ وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے سب کچھ چھوڑ دیتا ہے جس میں اس کی ابدی سعادت، کامیابی اور ہمیشہ کے لیے نجات ہے، مؤمن کے لیے مناسب ہے کہ وہ شرک و بدعت اور ہر لغو کی مجلس ترک کر دے۔ یہ بھی ہجرت ہے۔

ہجرت وہ عظیم خصلت ہے جو مؤمن کی صداقت ایمان پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ وہ اپنی مرغوبات کو اللہ کی رضا کے لیے ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل واحسان سے ہجرت من الذنوب نصیب فرمائے۔

۶۰-: نذر پوری کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ﴾
''جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے'' (الدھر:۷)
اور حدیث میں ہے: جس نے اللہ کی اطاعت کرنے کی نذر مانی تو اس کی اطاعت کر گزرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانی تو نافرمانی کرنے سے گریز کرے)۔'' (رواہ البخاری) جیسے کہ المشکاۃ (۲/۲۹۷) میں ہے۔
تو مؤمن اپنی وہ نذر پوری کرتا ہے جو اس کی اطاعت کی نذر ہے اور اسے کسی شرط سے مشروط نہیں کرتا، مثال کے طور پر یوں کہنا کہ اگر تونے میرے بیمار کو تندرستی دی تو میں اتنا اتنا صدقہ کرونگا۔ یہ تو بخیلوں کی نذر ہے، بلکہ اللہ کے بندوں پر احسان کرتا ہوئے صدقہ کرتا ہے اور یہ نذر ایمان کا شعبہ ہے کیونکہ اس میں وفاء اور احسان ہے اور سنت اور شریعت مطہرہ کی تابعداری ہے۔

۶۱-: قسم کھانے میں تحقیق کرنا:

بایں طور پر کہ صرف اللہ کے ساتھ قسم کھائے اور اپنے آباء اور طواغیت وغیرہ کے نام پر قسمیں نہ کھائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَكَ] (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا)۔
اور صحیح جامع صغیر (۱/۱۰۲) رقم: ۲۱۱) میں وارد صحیح حدیث میں ہے: [احْلِفُوْا بِاللّٰہِ وَبَرُّوْا وَاصْدُقُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّحْلَفَ بِہٖ] ''اللہ کے نام پر سچی قسم کھاؤ اور قسم پوری کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے نام پر قسم کھائی جائے)۔
اور ایک روایت میں ہے: [یُحِبُّ اَنْ لَّا یُحْلَفَ اِلَّا بِہٖ]
''اللہ تعالیٰ ہی یہ پسند کرتے ہیں کہ صرف اسی پر قسم کھا جائے) الصحیحہ: (۱۱۱۹)
اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَاحْفَظُوْا اَیْمَانَکُمْ ﴾ ''اور اپنی قسموں کا خیال رکھو'' (المائدہ:۸۹)
ور مؤمن جھوٹی قسموں خصوصاً یمین غموس سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتا ہے۔

۶۲-: کفارات کا ادا کرنا:

خواہ وہ کفارہ قسم کا ہو یا ظہار کا یا قتل وغیرہ کا، تو مومن کفارات کی ادائیگی میں اہمال سے کام نہیں لیتا۔ کفارات سے غفلت برتنا

منافقین کا کام ہے اللہ تعالیٰ ظہار کے کفارے کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ "یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول کی حکم برداری کرو۔(المجادلہ:۴)

اس آیت میں کفارہ کی ادائیگی کو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ نَسْأَلُ اللّٰهَ التَّوْفِيْقَ.

۶۳-: نکاح کرکے پاک دامن ہونا:

یعنی مؤمن نکاح کرکے پاک دامنی اختیار کرتا ہے اور نکاح کے بعد فاحشات کی طلب میں نہیں رہتا۔اور پاک دامنی کے لیے نکاح کرتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے:"تین قسم کے لوگ ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کرنا حق ہے،(۱): مکاتب جو زر کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے(۲) : پاک دامنی کے ارادے سے نکاح کرنے والا۔(۳):اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔

ترمذی (۱/ ۱۳۰) نسائی (۲/۶۷۷) المشکاۃ (۲/۲۶۷)

اور منافق تو شہوت کا پرستار ہوتا ہے اگرچہ اس کی چار بیویاں ہی کیوں نہ ہوں۔

۶۴-:اہل وعیال کے حقوق کا خیال رکھنا اور اولاد کی تربیت کرنا:

مؤمن اپنی بیوی اور بچوں کے دینی دنیوی تمام حقوق باقاعدگی سے ادا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾

"اے ایمان والو اتم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر"(التحریم:۶)

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"خود بھی بھلائی سیکھو اور اپنے اہل وعیال کو بھی سکھاؤ۔اور حدیث میں ہے: [وَلَا تَرْفَعْ عَصَاكَ عَنْهُمْ أَدَبًا] "ان سے ادب کی چھڑی مت اٹھاؤ)۔احمد (۴/ ۲۳۸)المشکاۃ(۱/ ۱۸)۔

۶۵-:والدین کے ساتھ نیکی کرنا:

والدین کے ساتھ نیکی کرنا عظیم خصلت ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔مومن اپنے والدین کے ساتھ دینی دنیوی دونوں لحاظ سے نیکی کرتا ہے ان کی خدمت بجالاتا ہے اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے۔حدیث میں ہے: "والد جنت کا سب سے افضل دروازہ ہے اسے ضائع کرنا یا محفوظ رکھنا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔المشکاۃ (۶/ ۴۲۰)

مشہور حدیث ہے: ''وہ شخص ذلیل ہو جس کے پاس اس کے والدین یا ان میں سے ایک بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں اور اسے جنت میں داخل نہ کردیں۔ المشکاۃ (۱/۸۶)، (۲/۴۱۸) اور حدیث میں آیا ہے:

''والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے'' فرمایا: ہاں جب کوئی کسی شخص کے والد کو گالی دیگا تو وہ اسکے والد کو گالی دے گا اور کسی شخص کی والدہ کو گالی دیگا تو وہ اس کی والدہ کو گالی دیگا۔ (متفق علیہ)

مؤمن والدین کی نافرمانی نہیں کرتا، والدین کی نافرمانی کرنا ایمان کی خصلت نہیں۔

اس باب میں احادیث بکثرت ہیں۔

۶۶-: صلہ رحمی کرنا:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ قطع رحمی کرنے والا مومنوں میں سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ منافقین کی صفت ذکر فرمائی ہے، کہ قطع رحمی کرنا اور رحمی تعلقات کا خیال نہ رکھنا منافقین کا کام ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں اللہ ہوں میں رحمٰن ہوں میں نے رحمی تعلقات کو پیدا کیا ہے اور اسے اپنے نام سے مشتق کیا ہے جو اسے جوڑے گا میں اسے (اپنے ساتھ) جوڑوں گا جو اسے کاٹے گا میں اسے کاٹ دوں گا۔ ابوداؤد (۱/۳۱۸) المشکاۃ (۲/۴۲۰)

مومن اسے جوڑتا ہے جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، وہ صلہ رحمی کرتا ہے اگر اس کے رشتہ دار اس سے قطع رحمی کرتے ہوں، صلہ رحمی رشتہ داروں کا آپس میں ملاقات کرنا، ایک دوسرے پر خرچ کرنا اور نرمی کے ساتھ دین کی دعوت دینے کا نام ہے۔

۶۷-: بڑوں کی اطاعت کرنا اور غلاموں کے ساتھ نرمی کرنا:

مؤمن اگر مالک ہے تو غلاموں کے ساتھ وہ نرمی کرتا ہے اور اگر غلام ہے تو اپنے مالک کی اطاعت کرتا ہے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے: ''تین قسم کے لوگ ہیں جنہیں دو اجر ملیں گے۔ ۱-: غلام جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور مالکوں کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

اور حدیث میں ہے: ''برے قبضے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا'' ابن ماجہ (رقم: ۳۶۹۱) سند اس کی ضعیف ہے۔

۶۸-: عدل کا حکم دینا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾

"اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ، اور جب فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو" (النساء:۵۸)۔

اور متفق علیہ حدیث میں ہے: "سات قسم کے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ۱-: عادل حاکم ۔ ۲-: اور وہ جوان جو اللہ کی عبادت کرتے ہوئے جوان ہوا۔ الحدیث۔

جب مؤمن کے ہاتھ میں اقتدار آتا ہے تو وہ عدل قائم کرتا ہے اور اللہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرتے ہے۔ اور اپنی حکومت کے عرصے میں شہوات ولذات کے پیچھے نہیں پڑا رہتا۔ واللہ ولی التوفیق.

۶۹-: جماعت کی متابعت:

مسلمانوں کی جماعت یعنی صحابہ اور ان کے بعد مؤمنوں کی جماعت کی تابعداری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴾ (النساء:۱۱۵)

"جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول اللہ ﷺ کا خلاف کرے اور تمام مؤمنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے وہ پہنچنے کی بہت بری جگہ ہے"

اور حدیث میں ہے: "تین چیزیں ہیں جن میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا:

(۱)-: عمل میں اللہ کے لیے اخلاص۔

(۲)-: مسلمانوں کے لیے خیر خواہی۔

(۳)-: اور ان کی جماعت کا التزام، ان کی دعا ان کا پیچھے سے احاطہ کرتی ہے۔ المشکاۃ (۱/۳۵)

اتباع جماعت سے مراد ہے کہ کوئی بدعت نہ ایجاد کرے، اور کسی برے طریقے پر نہ چلے جس میں نہ نص ہو اور نہ ہی مسلمانوں کا اجماع، بلکہ تمام شرعی احکام کی تابعداری کرے۔ صحابہ اور گزرے ہوئے مسلمانوں کی اخبار پر عمل کرے۔

۷۰-: صاحب اقتدار کی اطاعت:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ﴾ "اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول کی طرف" (النساء: ۵۹)

اورحدیث میں ہے جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔(بخاری)۔

اورحدیث میں ہے،"حکم سن کر اطاعت کرنی ہوگی اگرچہ تم پر حبشی غلام کو امیر بنادیا جائے"المشکوۃ(۲۹/۱)۔

۷۱-:لوگوں کے درمیان صلح کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾

"اوراپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو"(الانفال:۱)

اورفرماتے ہیں:﴿ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ﴾

"اوراگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرادیا کرو"(الحجرات:۹)

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

"ان کے اکثر خفیہ مشوروں میں کوئی خیر نہیں ہاں بھلائی اس مشورے میں ہے جو خیرات، یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرانے کے لئے ہو،اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے"(النساء۱۱۴)

اوراس میں ان خوارج اور باغیوں سے لڑنا بھی داخل ہے جنہوں نے برحق مسلمان امام کے خلاف خروج کیا تھا جو مسلمانوں کی قیادت کتاب اللہ کے ساتھ کر رہا تھا۔جیسے سنن میں وارد ہے۔

۷۲-:نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا :

یہ ایمان کا عظیم شعبہ ہے جو مذکورہ بالا شعبہ میں داخل تھا۔لیکن اس کی عظمت شان اور کثرت فوائد کی وجہ سے اسے مستقل ذکر کیا جاتا ہے اسے ام الحسنات بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے

روکے۔اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں)''(آل عمران:۱۰۴)

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''(مومن مردوعورت آپس میں ایک دوسرے کے(مددگارومعاون اور)دوست ہیں وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں زکوۃ ادا کرتے ہیں اللہ کی اوراس کے رسول کی بات مانتے ہیں)''(التوبہ:۷۱)

اورحدیث میں ہے:''جو ہمارے چھوٹوں پررحم نہ کرے بڑوں کی عزت نہ کرے نیکی کرنے کا حکم نہ دے برے کاموں سے باز نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔المشکاۃ(۴۲۲/۲)امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مختلف طریقے ہیں یہ کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے تو کبھی زبان ودل اورتحریروغیرہ سے مومن اس کام کو مہمل نہیں چھوڑتا کیونکہ یہ فساد عالم کا سبب بنتا ہے۔

۷۳-:حدود کا قائم کرنا اور جہاد کا قائم کرنا:

مسلمانوں پر ایسی حکومت قائم کرنا فرض ہے جو حدود شرعیہ قائم کرے۔اس سے فساد ختم ہوتا ہے اور ظلم وعناد والے اپنے ظلم وعناد سے باز آجاتے ہیں اقامت حدود سے ظلم وفساد اور بے حیائی دور ہوتی ہے اور مسلمانوں کے دین وآخرت کو نقصان پہنچانے والے تمام امور کا قلع قمع ہوجاتا ہے اللہ کی حدوں سے ایک کی اقامت چالیس دن بارش برستے رہنے سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ﴾

''جولوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ(پورے اور پختہ)کافر ہیں''(المائدہ:۴۴)

اورفرماتے ہیں:﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ﴾

''جولوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں،وہی لوگ ظالم ہیں''(المائدہ:۴۵)

اورفرماتے ہیں:﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ﴾

''اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ(بدکار)فاسق ہیں''(المائدہ:۴۷)

اقامت حدود میں جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے اس کی بڑی فضیلت ہے اور یہ ایمان کے بڑے شعبوں میں سے ایک ہے،جس کا قائم کرنا فرض ہے،دین جہاد فی سبیل اللہ ہی سے عام ہوتا ہے اور جہاد ہی دنیا میں برپا فساد کا علاج ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں اس کا تکرار ذکر فرمایا ہے۔

بخاری(۷۶/۱)باب الجہاد من الایمان پھر آگے حدیث ذکر کی ہے۔

۷۴-: سرحدات مملکت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے گھوڑے باندھنا:

مرابط وہ ہے جو اپنے آپ کو مسلمانوں کی سرحدات پر روک رکھتا ہے تا کہ ان کی جان و مال کی حفاظت ہو اور اللہ کے دشمنوں کو واپس موڑ دے۔ حدیث میں آتا ہے، ''اللہ کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری ایک مہینے کے روزوں اور اس کے قیام سے بہتر ہے اگر وہ مر بھی جائے تو اس کا وہ عمل جاری رکھا جائے گا جو وہ (باقاعدگی) سے کرتا تھا اور اس کا رزق بھی جاری کر دیا جائیگا اور وہ فتنوں سے امن میں رہے گا۔ صحیح مسلم (۱۶۱/۲)، المشکاۃ (۳۲۹/۲) اور متفق علیہ حدیث میں ہے ''اللہ کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے بہتر ہے۔ مساجد میں نمازوں کا انتظار بھی مرابطہ میں شامل ہے یہ حدیث میں وارد ہے۔

۷۵-: امانتوں کا ادا کرنا:

امانت عام ہے اور یہ اللہ اور اس کے بندوں سب کی امانتوں کو شامل ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں امانتوں کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے: ﴿ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ﴾

''اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ'' (النساء:۵۸)

اور حدیث میں ہے: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے جب معاہدہ کرتا ہے تو غداری کرتا ہے۔ مؤمن امانتوں کی ادائیگی کی حفاظت سختی سے کرتا ہے خواہ یہ امانت قول و فعل کی ہو، مال و جاہ کی ہو، تدریس و فتویٰ یا کسی جان کی ہو۔ اور یہ حفاظت اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے اس امانت میں ادائیگی خمس بھی داخل ہے، جیسے کہ صحیح بخاری (۱۳/۱) صحیح مسلم (۳۳/۱) میں ہے۔

اور اس میں قرض کی پوری ادائیگی بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''یقیناً لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو ادائیگی میں سب سے اچھا ہے''۔ صحیح مسلم (۳۰/۲) المشکاۃ (۲۵۱/۱) بخاری (۳۲۲/۱)

اور حدیث وفد عبدالقیس میں ہے: ''کیا تم جانتے ہو اکیلے اللہ پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے، انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانیں، فرمایا، ''یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور غنیموں میں سے خمس کی ادائیگی کرنا۔ الحدیث۔

۷۶-: پڑوسیوں کی عزت کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ﴾

"قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے، اور راہ کے مسافر سے" (النساء:۳۶)
یعنی ان کے ساتھ احسان کرو۔

اور حدیث میں ہے جسے صحیح مسلم نے (۱/۵۰) میں نکالا ہے "جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے پڑوسی کو تکلیف نہیں دینی چاہیے" حدیث میں ہے "جبریل علیہ السلام مجھے ہمیشہ پڑوسی کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال آیا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے، وہ شخص مومن نہیں جو خود تو شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی پہلو میں بھوکا ہو۔ احمد (۱/۵۵) وغیرہ اور سند اس کی صحیح ہے۔ مومن پڑوسی کا حق ادا کرتا رہتا ہے اس کا کام بخل اور فخر نہیں ہوتا بلکہ وہ تو متواضع اور اچھے اخلاق کا مالک ہوتا ہے۔

۷۷- :خوش معاملگی:

حلال مال جمع کرنا اور اسے مصارف حقہ میں صرف کرنا اس میں شامل ہے۔ صحیح بخاری (۱/۲۷۸) میں ثابت ہے "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت اور تقاضے میں نرم ہو۔ المشکاۃ (۱/۲۴۳)

اور حدیث میں ہے سچا اور امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کا ساتھی ہوگا۔ ترمذی (۱/۲۲۹) اور اس کی سند ضعیف ہے، اور حدیث میں ہے "بندے سے جب تک پانچ سوالات پوچھ نہ لئے جائیں قدم نہیں اٹھا سکے گا، عمر کے بارے میں پوچھا جائیگا کہ وہ کس میں صرف کی، جوانی کس میں گزاری، علم پر کتنا عمل کیا، اور مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ ترمذی (۲/۲۸۹) بسند صحیح، المشکاۃ (۲/۴۴۳)۔

۷۸- :اسراف اور فضول خرچی کا ترک کرنا:

یہ مال کو مصارف حقہ کے علاوہ خرچ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴾

"(اور اسراف اور بے جا خرچ سے بچو، بیجا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے)" (بنی اسرائیل:۲۷)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾

"اور حد سے مت گزرو یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے" (الانعام:۱۴۱)

اسراف و تبذیر مومن کی صفات نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ (الفرقان:۶۷)

''اور جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو اسراف کرتے ہیں، نہ بخیلی، بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں''
مؤمن کھانے میں، انفاق میں، وضوء و غسل میں اور لباس و جماع میں اسراف سے بچتا ہے اور اپنے تمام احوال میں میانہ روی اپناتا ہے۔

۷۹-: سلام کا جواب دینا :

حدیث میں ہے ''مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں، کہا گیا وہ کون سے ہیں اے اللہ کے رسول! فرمایا، جب اسے ملے تو سلام کہے، جب وہ بلائے تو اس کا بلاوا قبول کرے جب وہ خیر خواہی مانگے تو اس سے خیر خواہی کرے اور جب وہ چھینک مار کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے، اور جب بیمار پڑ جائے تو بیمار پرسی کرے، اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے، تو مؤمن سلام اور جواب سلام میں بخل نہیں کرتا۔
اس مضمون سے متعلق کچھ احادیث پہلے بیان ہو چکی ہیں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے تین چیزیں اکٹھی کر لیں اس نے ایمان اکٹھا کر لیا۔ اپنے آپ سے انصاف کرنا، سارے جہان کے لیے سلام خرچ کرنا اور قلت کے وقت خرچ کرتے رہنا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے صحیح بخاری بشرح فتح الباری (۱/۶۹)۔

۸۰-: چھینکنے والے کا جواب دینا :

۸۱-: جنازے کے ساتھ جانا :

اس مضمون کی حدیث پہلے گزر چکی امام بخاری رحمہ اللہ نے (۱/۸۹) ''باب اتباع الجنائز من الایمان'' کہہ کر حدیث ذکر کی ہے، ''جو ایمان کی وجہ سے طلب ثواب کے لیے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جاتا ہے اور نماز جنازہ اور دفن سے فراغت تک اس کے ساتھ رہتا ہے تو وہ اجر کے دو قیراط لے کر واپس آتا ہے ہر قیراط احد پہاڑ جتنا ہوتا ہے اور جو نماز جنازہ پڑھ کر دفنانے سے پہلے واپس آجاتا ہے اسے ایک قیراط ثواب ملتا ہے۔

۸۲-: لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا:

ابرار کی تفسیر میں وارد ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾
''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذاء دیں بغیر کسی جرم کے جو ان سے سرزد ہوا ہو وہ (بڑے ہی) بہتان اور صریح

گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں)۔(الاحزاب:۵۸)

اور حدیث میں ہے جو انہیں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) کو تکلیف پہنچاتے ہیں تو اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی تو یقیناً اللہ اس کا مواخذہ کرے گا۔المشکاۃ (۵۵۴/۲)

اور متفق علیہ حدیث میں ہے۔ جیسے کہ المشکاۃ (۲۹۳/۲) میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کونسا عمل افضل ہے فرمایا، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اور اس کی راہ میں جہاد کرنا، کہتے ہیں کہ میں نے کہا کونسی گردن (غلام) افضل ہے فرمایا: جو قیمت میں مہنگی ہو اور مالکوں کے نزدیک نفیس ہو، میں نے کہا اگر میں یہ نہ کرسکوں تو فرمایا، کسی کام کرتے ہوئے کی مدد کردینا یا کسی بے عقل کا کام بنا دینا، میں نے کہا اگر میں یہ بھی نہ کرسکوں فرمایا لوگوں کو شر سے بچا کر رکھو یہ ایسا صدقہ ہے جو تو اپنی جان پر کررہا ہے" اور صحیحین میں عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً روایت ہے، "مسلم وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں" فتح الباری (۴۵/۱) المشکاۃ (۱۲/۱)۔

۸۳-: لہو سے اجتناب:

لہو اور لغو میں فرق یہ ہے کہ لغو کا تعلق زبان سے ہے جیسے پہلے ذکر ہو چکا، اور لہو عام ہے ہر وہ چیز جو تجھے اللہ کی طاعت و ذکر سے غافل کردے اسے لہو کہتے ہیں، جیسے رات کو تادیر فضول باتیں کرنا، گانا اور دیگر ایسی اشیاء۔

اللہ تعالیٰ اہل نفاق کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ﴾

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں،" (لقمان:۶)

اور حدیث میں ہے "اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو باتیں کرتا ہے تو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اس کے لیے ہلاکت ہے ہلاکت ہے احمد (۵/۵) ترمذی (۲۶۸/۲) المشکاۃ (۴۱۳/۲): سند صحیح۔

تو مومن خصوصاً مسلمانوں اور عموماً تمام لوگوں کی ایذا رسانی سے اجتناب کرتا ہے اور رباب و مزامیر، گانے، سارنگی، سینما ٹیلی ویژن، ریڈیو، وی سی آر وغیرہ آلات لعنت و ہلاکت سمیت تمام لہویات سے بچتا ہے۔

اور وہ اپنے اوقات حرکات سکنات اور الفاظ و کلمات کی حفاظت کرتا ہے۔صحیح حدیث میں ہے، انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ ہر لایعنی چیز ترک کردے۔

۸۴-: راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا:

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "ایمان کی کچھ اوپر ستر (۷۰) شاخیں ہیں جن میں سب سے افضل "لا الہ الا اللہ" کہنا ہے اور سب سے

ادنیٰ شاخ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کی شاخ ہے۔ یہ شعبہ اگرچہ اس سے پہلے ذکر کی ہوئی شاخ کی بنسبت ادنیٰ ہے لیکن فی نفس یہ بھی بڑی عظیم ہے۔ ایک شخص اسی کی وجہ سے دخول جنت کا مستحق ٹھہرا جیسے کہ حدیث میں ذکر ہے ایک شخص کا راستے میں پڑی درخت کی شاخ کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے کہا میں اسے مسلمانوں کے راستے سے ضرور ہٹاؤں گا تا کہ انہیں تکلیف نہ دے تو اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ بخاری و مسلم، المشکاۃ (۱/۱۶۸)۔

اور حدیث میں ہے: ''میں نے ایک شخص کو جنت میں گھومتے دیکھا جس نے راستے سے لوگوں کو تکلیف دینے والا درخت کاٹ کر دور کر دیا تھا۔ مسلم، المشکاۃ (۱/۱۶۸) تو مومن اللہ کے بندوں پر شفقت کی وجہ سے ہر وہ چیز جو تکلیف دے خواہ وہ درخت ہو یا پتھر یا اس جیسی کوئی چیز مسلمانوں کے راستے سے دور کرتا رہتا ہے۔

۸۵- :حیاء:

یہ وہ عظیم خلق ہے جو تمام قباحتوں سے باز رکھتی ہے اگر حیا نہ ہوتی تو نہ کوئی نیکی کرتا اور نہ ہی برائی سے رکتا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ حدیث میں اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔

اور صحیح حدیث میں ہے: ''جب تجھے حیا نہیں آتی تو جو کچھ تو چاہے کر گزر۔

صحیح البخاری کتاب الایمان (۱/۶۲) باب الحیاء من الایمان، پھر ابن عمر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری صحابی کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اسے چھوڑ، حیاء ایمان میں سے ہے، تو قابل ستائش وہ حیاء ہے جو تمہیں برے کاموں سے روکے۔ اور دینی امور پر عمل سے روکنے والی حیاء کمزوری اور قصور ہے حیاء نہیں ہے، مومن اپنے رب سے بھی حیاء کرتا ہے اور لوگوں سے بھی اس لیے وہ تمام فواحش اور معصیتوں سے رکا رہتا ہے، نَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ الْحَيَاءَ الْعَظِيْمَ۔



۸۶- :اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرنا جو اپنے لیے پسند ہو:

امام بخاری نے (۱/۴۸) میں فرمایا ہے بَابٌ مِنَ الْإِيْمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ

پھر انس رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اسے اپنے لئے پسند ہے۔ تو مومن کو جس طرح اپنے

لیے دنیا اور آخرت کی نجات پسند ہے اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی یہی پسند کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ بخل سے کام نہیں لیتا بلکہ خیر خواہی کرتا ہے۔ کیونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔

۸۷-: اچھا اخلاق:

ترمذی میں حدیث ہے جیسے کہ المشکاۃ (۲/۲۸۲) میں عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مؤمنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہے۔ اور اپنے گھر والوں کے لیے زیادہ مہربان ہے۔

اور عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس دین میں تمہارے ساتھ کون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، غلام اور آزاد، میں نے کہا، اسلام کیا ہے، فرمایا: "بات اچھی کرنا، کھانا کھلانا، میں نے کہا، ایمان کیا ہے؟ فرمایا: "صبر اور سخاوت، میں نے کہا کونسا اسلام افضل ہے؟ فرمایا، (اسلام اس) شخص کا جس کے ہاتھ و زبان سے مسلمان بچے رہیں میں نے کہا کونسا ایمان افضل ہے فرمایا، اچھا اخلاق۔ میں نے کہا کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا، لمبے قیام والی، میں نے کہا کونسی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا، کہ تو اپنے رب کی تمام ناپسندیدہ چیزیں چھوڑ دے۔ میں نے کہا کونسا جہاد افضل ہے؟ فرمایا جس کا گھوڑا زخمی ہو جائے اور جس کا خون بہا دیا جائے میں نے کہا کونسی گھڑیاں افضل ہیں؟ فرمایا، رات کا آخری پہر،

احمد (۵/۳۱۹)، (۴/۳۸۵) المشکاۃ (۱/۱۶)

اس حدیث میں بہت سے فوائد یکجا ہیں۔

خلق حسن بذاتہ ایمان ہے علماء اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حسن خلق کسی کو تکلیف دینے سے رکنا، سخاوت کرنا اور خندہ پیشانی کا نام ہے۔ تو مومن سب لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو درست رکھتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اچھے اخلاق والے کے لیے جنت میں گھر کی ضمانت دی ہے۔

حدیث میں ہے: اچھے اخلاق سے ایمان بڑھتا ہے اور قیامت کے دن بندے کے میزان میں یہ سب سے زیادہ وزنی چیز ہوگی۔ نَسْأَلُ اللهَ الْكَرِيْمَ اَنْ يَّرْزُقَنَاهُ۔

یہ ایمان کے شعبے ہیں جو ہم نے یکجا کر دیے۔ اگر یہ آپ حاصل کر لیں گے تو آپ کا ایمان کامل ہو جائیگا۔ نہیں تو اسی قدر آپ کا ایمان ناقص ہوگا جتنے یہ شعبے کم ہونگے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے وہ اپنے ایمان کا تزکیہ کرے اور اس میں زیادتی کرتا رہے، اچھے اعمال سے ایمان بڑھتا اور برے اعمال اور غفلتوں سے گھٹتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کے بڑھانے کا حکم دیتے ہوئے

فرمایا ہے،"اے ایمان والو! ایمان لاؤ"(النساء:۱۳۶)۔اس لیے ہمیں اس جیسے رسالوں کی اشد ضرورت ہے جس کا مطالعہ ہمیں شعب ایمان کی یاد دلاتی رہے۔اور یہ یاد دلانا مومنوں کے لیے نفع بخش ہے۔مومنین اگر چہ ایمان کے شعبوں سے متعارف نہیں لیکن بمصداق "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" اس رسالے میں جمع کر دیے ہیں۔جو اسے لکھ کر اس کی اشاعت وطباعت کرے اللہ اس پر رحم فرمائے اور جو اس کا مطالعہ کر کے فائدہ حاصل کرے اس پر بھی اللہ رحم فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے بعجز وانابت سوال کرتا ہوں کہ اللہ ہمیں ایمان کی زیادتی اور صفائی نصیب فرمائے اور مجھے اس پر اس دن تک ثابت قدم رکھے جس دن اللہ سے ملاقات ہوگی اور اس دن مال اور اولاد کام نہیں آئے گی قلب سلیم ہی کام آئے گا۔

یہی سوال میرا تمہارے لیے اور سارے مومنوں کے لیے ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ سے ایمان کی دعا کرو۔تمہارا رب دعا قبول کرنے والا ہے۔واللہ ولی التوفیق.

فـــائدہ : قارئین کرام سے گزارش ہے کہ ایمان کے شعبوں کی ہماری تعداد (۸۸) کو پہنچ چکی ہے جبکہ حدیث میں کچھ اوپر ستر (۷۰) کا ذکر ہے،ہم نے الگ الگ بیان کر دیا ہے،نہیں تو یہ شعبے بعض بعض میں داخل ہیں۔

تو آپ تداخل کے بعد انہتر (۶۹) بھی بنا سکتے ہیں اور ستتر (۷۷) بھی جیسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۴۵) میں۔اور علی القاری نے مرقاۃ (۱/۷۱) میں مجملاً کہا ہے۔

میں نے تمہارے لیے تمام تفصیل سے ذکر کر دیے ہیں،تمہیں اپنے آپ میں یہ شعبے نظر آتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کریں۔اور اگر نہیں تو انہیں حاصل کرنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں کیونکہ جس میں یہ تمام شعبے پائے جائیں گے تو مومن کامل ہوگا اور جس میں کمی ہوگی تو اس کا ایمان اسی قدر ناقص ہوگا۔

وَسُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔

سوموار بعد نماز ظہر:۲۹/رمضان ۱۴۱۳ھ۔

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

اخوکم في الله: ابو محمد امین الله.



كتاب الطهارة

باب الاستنجاء وآداب الخلاء

وہ چیزیں جن سے استنجاء کرنا جائز نہیں

۱۲۹- سوال : وہ کونسی چیزیں ہیں جن سے استنجاء کرنا جائز نہیں؟ : یار محمد۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ:۔

ہڈی، لید، گوبر، کوئلہ اور کھانے کی چیز سے استنجاء کرنا جائز نہیں۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لید اور ہڈی سے استنجاء مت کرو کیونکہ یہ تمہارے جنات بھائیوں کی خوراک ہے" ترمذی (۱/۱۱) نسائی (۱/۱۶) المشکاۃ (۱/۴۲)۔

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں تمہارے لیے بچے کے باپ کی طرح ہوں جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو قبلے کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پیٹھ پھیرو۔ اور حکم دیا (استنجاء کرنے کے لیے) تین پتھروں کا اور لید وہڈی سے منع فرمایا۔ اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے بھی منع فرمایا، ابن ماجہ (۱/۱۱۴)، داری (۱/۱۳۸) مشکوۃ (۱/۴۲)۔

رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے" یا جانور کی لید وگوبر سے یا ہڈی سے استنجاء کیا تو محمد ﷺ اس سے بیزار ہیں" ابوداؤد (۱/۶) مشکوۃ (۱/۴۳)

اور امام ابوداؤد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں" کہ جب جنوں کا وفد نبی ﷺ کے پاس آیا تو انہوں نے آپ سے کہا، اپنی امت کو لید، ہڈی اور کوئلے سے استنجاء کرنے سے منع فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہماری روزی رکھی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ اور کپڑا قابل احترام ہے اس سے بھی استنجاء کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ مال کا ضیاع ہے اور اضاعت مال سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

اور جب جنوں کے طعام کے ساتھ استنجاء کرنا حرام ہے تو انسانوں کے کھانے کے ساتھ بطریق اولیٰ حرام ہے۔ اور ٹشو پیپر جو اس مقصد کے لیے تیار کیے گئے ہیں استنجاء کرنا جائز ہے۔ البتہ نفع بخش کاغذات کے ساتھ جائز نہیں اس میں اضاعت مال ہے۔ اور چونکہ کاغذوں پر قرآن وسنت اور علوم نافعہ لکھے جاتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ استنجاء کرنا سوء ادب ہے۔

اور شمس الائمۃ رحمہ اللہ لکھائی سے خالی ورق کا بھی احترام کرتے تھے۔

استنجاء پتھر اور ڈھیلے کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور پانی کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ پانی ہی کے ساتھ استنجاء کرنا کوئی واجب نہیں جیسے کہ عام لوگوں کا خیال ہے، بعض ناسمجھ لوگوں کے سامنے استنجاء بالماء کرنے کا تکلف کرتے جبکہ وہ پہلے پتھر یا ڈھیلے سے استنجاء کر چکے ہوتے ہیں جس کا سبب قرآن وسنت سے ناواقفی ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ڈھیلوں اور پانی دونوں سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟

تو بعض کہتے ہیں کہ دونوں کا جمع کرنا مستحب نہیں اور دین میں غلو ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنھم پتھروں پر ہی کفایت کرتے تھے۔ یا پھر صرف پانی سے استنجاء کرتے تھے۔ اور وہ حدیث جس میں آتا ہے کہ اہل قباء پتھر اور پانی دونوں کا استعمال کرتے تھے تو ان کے بارے میں یہ آیت اتری: ﴿فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ أَنْ يَتَطَهَّرُوْا﴾ تو وہ ضعیف الاسناد اور نا قابل احتجاج ہے۔

امام نوویؒ اور حافظ ابن حجر رحمھما اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

امام ابن کثیر نے سورۃ توبہ (۳۹۰/۲) کی تفسیر میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

اصل حدیث ابوداؤد وغیرہ میں بروایت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہے اور وہ پتھروں کے ذکر کے بغیر ہے۔ اسی لیے امام ابوداؤد نے اسے باب الاستنجاء بالماء میں وارد کیا ہے (۷/۱) (رقم: ۴۴) اس کے شواہد بکثرت ہیں جن میں ذکر پتھروں کا نہیں، صحیح حدیث کے لفظ یہ ہیں "ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا، یہ آیت "اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں" (توبہ: ۱۰۸)

کہتے ہیں کہ وہ پانی سے استنجاء کرتے تھے اس لیے یہ آیت ان کے بارے میں اتری۔

میں کہتا ہوں: عربوں کی عادت تھی وہ صرف پتھروں پر اکتفاء کرتے تھے اور قباء والے یہ صحابہ صرف پانی سے استنجاء کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی۔ اور وہ حدیث علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو امام بیہقی (۱۰۶/۱) میں بسند عبدالملک بن عمر لائے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان کا پاخانہ بشکل مینگنی کے ہوا کرتا تھا۔ اور تمہارا بشکل گوبر کے اس لیے تم پتھروں کے بعد پانی استعمال کرو یہ موقوف ہونے ساتھ غیر صحیح ہے۔ عبدالملک بن عمر اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، علی رضی اللہ عنہ سے براہ راست روایت نہیں کرتا، اور مدلس بھی ہے سماعت کی تصریح بھی نہیں کی امام بیہقیؒ نے "بَابُ الْجَمْعِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ بَيْنَ الْمَسْحِ بِالْأَحْجَارِ وَالْغَسْلِ بِالْمَاءِ" میں متعدد احادیث ذکر کی ہیں،

لیکن اس میں سے کسی بھی روایت میں پتھروں کا ذکر نہیں سوائے علی کی حدیث کے اور جیسے معلوم ہوا ضعیف ہے۔

مراجعہ کریں الجوہر النقی (۱۰۵/۱) تمام المنۃ (ص: ۶۵)

تو مسلمان کے لیے فعل رسول ﷺ سے روگردانی مناسب نہیں لیکن یہاں کچھ حدیثیں ہیں جس سے علماء استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ پتھروں سے استنجاء کرتے پھر پانی سے۔

جیسے امام ابوداؤد نے (برقم:۴۵) ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ قضاء حاجت کے لیے جاتے تو میں آپ کے لیے برتن، لوٹے میں پانی لاتا آپ استنجاء کرتے، ابوداؤد کہتے ہیں وکیع کی حدیث میں ہے پھر آپ اپنا ہاتھ زمین پر ملتے پھر میں دوسرا برتن پانی کا لاتا تو آپ وضو کرتے۔

اور صحیحین نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے جاتے تو میں اور میرے ساتھ میرے جیسا ایک اور لڑکا پانی کا برتن اور نیزہ اٹھالاتے تو آپ پانی سے استنجاء کرتے۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ قضاء حاجت کی جگہ سے آکر پانی سے استنجاء کرتے اس لیے ضروری ہے کہ آپ پہلے پتھر ڈھیلے سے صفائی کر چکے ہوتے یا پھر ابوھریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم پانی لیکر قضائے حاجت والی جگہ میں داخل ہوتے جو ممکن نہیں کیونکہ نبی ﷺ کا کثیر الحیاء ہونا ثابت ہے اور سخت پردہ کیا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: پتھر اور پانی کو جمع کرنے پر یہ استدلال بعید ہے هٰذَا. وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه أجمعين.

مصحف یا دینی کتاب بیت الخلاء داخل ہوتے وقت اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟

۱۳۰- **سوال** : اگر کسی کے پاس مصحف شریف یا کتاب ہو یا کوئی کاغذ جس میں آیات واحادیث لکھی ہوں تو بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟۔ اخوکم: شوکت۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ :

ایک مسلمان کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا ادب کرے اور اگر کسی ورق میں آیات واحادیث یا اذکار لکھے ہوں تو اس کی اہانت نہ کرے اور بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے کسی پاک جگہ رکھ دے اس مسئلے کے لیے کوئی دلیل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ دین کی بدیہی طور پر معلوم چیزوں میں سے ہے۔

اس کے باوجود امام ابوداؤد نے (۴/۱) بَابُ الْخَاتَمِ يَكُوْنُ فِيْهِ ذِكْرُ اللهِ تَعَالٰى يُدْخِلُ بِهِ الْخَلَاءَ میں کہا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو اپنی انگوٹھی رکھ دیتے تھے اس کی سند ضعیف ہے، امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ مراجعہ کریں المشکاۃ (۱۱/۱) (رقم:۳۴۳)

اور فتاوی اللجنۃ الدائمۃ (۴/۴۰) میں ہے :

"**سوال** : اگر کوئی مصحف اپنی جیب میں رکھ کر بیت الخلاء میں داخل ہوتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَآلِہٖ وَبَعْدُ :

مصحف کا جیب میں رکھنا جائز ہے لیکن مصحف سمیت بیت الخلاء میں داخل ہونا جائز نہیں بلکہ مصحف کو اس کی تعظیم واحترام کا خیال رکھتے ہوئے مناسب جگہ رکھدے۔ لیکن اگر باہر رکھنے میں چوری کا اندیشہ ہو تو بوجہ مجبوری کے ساتھ رکھنا جائز ہے۔

دوسرا سوال: میں مصحف اپنی جیب میں رکھتا ہوں جب میں استنجا خانے میں داخل ہوا تو بھول گیا کہ مصحف میری جیب میں ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ **الجواب** : جب واقعہ نسیان کا ہو جیسے کہ آپ نے ذکر کیا ہے تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔

وباللہ عزوجل التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

استنجاء کیلئے پتھروں یا ڈھیلوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیئے؟

۱۲۱- سوال : استنجاء کے لیے پتھروں یا ڈھیلوں کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟ کیا یہ تعداد بڑے پیشاب کے استنجاء کے لئے وارد ہے یا دونوں کے لیے ؟۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ. أَمَّا بَعْدُ:

جان لو کہ استنجاء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)-: صرف پانی کے ساتھ استنجاء۔

(۲): صرف پتھروں کے ساتھ استنجاء۔

(۳) : پتھروں اور پانی دونوں کو جمع کرنا۔

پہلی دو قسمیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔

تیسری قسم میں صحیح الاسناد کوئی حدیث نہیں، ضعیف الاسناد ایک حدیث اسمیں آئی ہے اور وہ حدیث ہے جس میں اہل قباء کا پانی اور پتھروں کو جمع کرنے اور آیت "فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ أَنْ یَّتَطَهَّرُوْا" کا ذکر ہے۔

تو اسے امام نوویؒ، حافظ ابن حجر، ابن کثیر اور البانیؒ نے ضعیف کہا ہے جیسے کہ تمام المنۃ :ص:(۶۵) میں ہے۔

اہل قباء کے بارے میں صحیح حدیث آئی ہے لیکن وہ پتھر کے ذکر کے بغیر ہے جیسے کہ سنن ابی داود (۱/۷) (رقم:۴۴) باب الاستنجا

بالماء میں ہے۔

اسی طرح وہ حدیث جو امام بیہقی نے (۱/۱۰) میں عبدالملک بن عمر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ علی ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یقیناً وہ تو مینگنی کی طرح (خشک) پاخانہ کرتے تھے اور تم تو گوبر کی طرح (نرم) پاخانہ کرتے ہو تو تم پتھروں کے بعد پانی استعمال کر لیا کرو۔ تو یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ موقوف ہونے کے ساتھ ساتھ عبدالملک اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔

نیز وہ راوی مدلس ہے اور سماع کی تصریح نہیں کی۔ یہ حدیث مولانا عبدالحیؒ نے ھدایہ کے حواشی میں ذکر کی ہے۔

استنجاء کی تیسری قسم:

بعض علماء نے اسے مستحب کہا ہے لیکن اس کی کوئی صحیح صریح دلیل ذکر نہیں کی۔ زیادہ سے زیادہ یہ مباح ہو سکتی ہے جیسے کہ مغنی (۱/۱۸۴) میں ہے۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں "جب پانی سے استنجاء کر لے تو مٹی کے کوئی ضرورت نہیں"۔

امام احمدؒ کہتے ہیں "اسے اکیلا پانی ہی کافی ہے اور نبی ﷺ سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے استنجاء میں پانی کے ساتھ مٹی کا استعمال کیا ہو۔ اور نہ ہی اس کا حکم دیا ہے۔ پھر یہ جان لو کہ جو استنجاء میں پانی اور پتھر دونوں کا استعمال کرتا ہے تو اس پر کوئی تعداد واجب نہیں بلکہ تعداد صرف پتھر سے استنجاء کرنے والے پر ہے۔

ہم کہتے ہیں: حدیث سلمان میں ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں منع کیا یعنی رسول اللہ ﷺ نے داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے سے اور تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے سے اور لید اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے۔

مسلم (۱/۱۳۰) ترمذی (۱/۹) المشکاۃ (۱/۴۲)۔

(۲)-: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہارے لئے بچے کے لیے باپ کی مانند ہوں جب تم قضائے حاجت کے آؤ تو قبلے کی طرف منہ نہ کرو اور نہ ہی پیٹھ کرو۔ اور حکم دیا تین پتھروں کا۔ الحدیث۔

ابن ماجہ (۱/۵۷) الدارمی (۱/۱۳۸) المشکاۃ (۱/۴۲) سند اس کی صحیح ہے رواہ ابوداؤد برقم: (۶)

(۳)-: عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے جائے تو استنجاء کے لیے اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے۔ یہ اس کو کافی ہونگے۔

ابوداؤد (۱/۶) النسائی (۱/۱۶) الدارمی (۱/۱۳۷) المشکاۃ (۱/۴۲) احمد (۶/۱۰۸-۱۳۳) اور سند اس کی صحیح ہے۔

(۴)-: خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: استنجاء کے لیے تین پتھر ہیں جن میں لید نہ ہو۔ ابوداؤد (برقم: ۳۱) ابن ماجہ (۱/۵۷) بسند صحیح دارمی (۱/۱۳۷) ان احادیث میں تین پتھروں کا صراحۃً ذکر ہے اور اس

کے بالمقابل اور کوئی حدیث نہیں اس لیے اسی پر قول کرنا چاہیے اگر کسی پتھر کے تین کونے ہوں تو تین بار پونچھنا چاہیے لیکن تین پتھر الگ الگ ہونا افضل ہے۔ اور اسی طرح چینڈی اور لکڑی پتھروں کے قائم مقام ہوسکتی ہے۔ جیسے کہ امام نوویؒ نے جمہور علماء سے کہا ہے۔ (پچھلی شرمگاہ) دبر کے لیے تین پتھروں کا لینا متفق علیہ ہے۔

تو کیا قبل (اگلی شرمگاہ) کے لیے تین اور پتھر لئے جائیں یا نہیں ؟۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں (شرح مسلم (۱/۱۳۱) قبل اور دبر کی استنجاء کے لیے چھ بار پونچھنا واجب ہے ہر ایک کا تین تین بار، افضل یہی ہے کہ چھ پتھر ہونے چاہیں اگر ایک ہی پتھر جس کے چھ کونے ہوں اکتفاء کرے تو جائز ہے۔

شَرْحُ الْمُهَذَّب (۲/۱۰۳)

العرف الشذی (۱/۱۰) میں ہے: ''پیشاب میں پتھر کا تین بار پھیرنا سلف کے زمانے موجود تھا''۔

میں کہتا ہوں: کہ چھ پتھروں کے بارے میں میں نے کوئی صریح دلیل نہیں دیکھی، بلکہ تمام احادیث میں صرف تین پتھروں کا ذکر ہے۔ اور جو حدیث ''جس نے یہ (تین پتھروں سے استنجاء) کیا اچھا کیا جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں'' ابوداود (۱/۶) سے تین پتھروں کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں حُصین الحُبْرَانِی اور ابوسعید دو راوی مجہول ہیں۔

مشکوۃ برقم: (۳۵۲)

اور وہ حدیث جو امام بخاری وغیرہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ دو پتھر اور ایک لید لیکر آئے تو آپ ﷺ نے لید پھینک دی''۔

اس کے کئی صحیح جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱)-: دوسری روایت میں ہے: ''مجھے تیسرا پتھر لادو''۔

اس پر منقطع ہونے کا اعتراض کیا جاتا ہے جس کے جواب میں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱/۲۰۷) میں کہا ہے مجھے یہ موصول بھی ملی ہے۔

(۲)-: اگر ہم اسے ضعیف بھی مان لیں تو تیسرے پتھر کا ذکر کرنا دلالت نہیں کرتا کہ تیسرا پتھر نہیں تھا، کیونکہ دیگر نصوص میں تین پتھروں کے وجوب کا ہم ذکر کر آئے ہیں۔

دوسرے قول کے لیے سوائے احتمالات کے اور کوئی دلیل موجود نہیں۔

اور قولی حدیث فعلی حدیث پر راجح ہے۔ جیسے کہ اصول اور مصطلح کی کتابوں میں ذکر ہے۔ اور قرینہ صارفہ نہ ہو تو امر وجوب کے لیے

ہے۔ هٰذَا وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ.

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔

پیشاب، پاخانہ کے بعد استنجاء فرض ہے

۱۳۲- سوال : پیشاب پاخانہ کیے بغیر استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ. أَمَّا بَعْدُ:

پیشاب پاخانہ کے بعد استنجاء کرنا فرض ہے۔ ہوا کے خارج ہونے کے بعد استنجاء کرنا عورتوں کی بدعت ہے یہ کام وہ عورتیں کیا کرتی ہیں۔ ہوا کے خارج ہونے اور خون کے نکلنے اور قی کرنے بعد جو وضو کرنے کی قائل ہیں ان کے لیے استنجاء کرنا جائز نہیں۔

اور اسی طرح نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے اگر کوئی پیشاب پاخانہ کر کے استنجاء کر لے تو نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد اسے صرف وضوء کرنا چاہیے محل کے پاک ہونے کے باوجود استنجاء کا اعادہ کرنا بدعت اور وسوسہ ہے۔ جیسے کہ فتاوی العثیمین (۴/۱۱۲) میں ہے۔

ایک غلط نظریہ

۱۳۳- سوال : بعض لوگ کہتے ہیں کہ اینٹ پتھر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو جب انسان ان کے ساتھ استنجاء کرنے کا ارادہ کرے تو انہیں کہنا چاہیئے "اللہ کے ذکر سے چپ ہو رہو۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟۔ اخوکم اسمٰعیل۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَمَّا بَعْدُ:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ "ایسی کوئی چیز نہیں جو پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو، ہاں یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے" (بنی اسرائیل:۴۴)

تو اینٹ پتھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس ذکر سے چپ رہنے کا کہنا سنت میں کہیں وارد نہیں ہوا ہے نہ ہی اس کا نبی ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا ہے۔

OOOOOOO

بعض اوقات پیشاب کھڑے ہوکر بھی پیشاب کرنا جائز ہے

۱۳٤- سوال : کیا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے یہ کافروں اور ہندوں کا فعل ہے کیا یہ صحیح ہے؟۔

جواب: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ قوم کے کوڑا کرکٹ پھینکنے والے ڈھیر پر آئے اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا ارادہ کیا میں آپ سے دور ہٹ گیا تو فرمایا قریب آ۔ میں قریب ہوکر آپ کے قدموں کے پاس کھڑا ہو گیا (فارغ ہوکر) آپ نے وضوء کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

بخاری (۱/۳٦) مسلم (۱/۱۳۲) ابوداؤد (۱/٤) احمد (٤/۲٤٦_۵/۲۸۳_۳۹٤)

امام مالک بھی عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر کو کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا اس کی سند صحیح ہے مؤطا (۱/۵۰) بخاری مسلم نے روایت کیا ہے۔

جیسے کہ المشکاۃ (۱/۵۲) میں ہے انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھے اتنے میں ایک اعرابی آیا اور مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے لگا...... الحدیث۔

اس حدیث سے بھی کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے نہیں روکا اگر ایسا ہوتا تو یہ جگہ بیان کرنے کی تھی۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم (۱/۱۳۳) میں کہا ہے کہ ابن منذرؒ "الاشراف" میں کہتے ہیں: "علماء نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے، عمر بن خطاب، زید بن ثابت ابن عمر، سہیل بن سعد ان سب نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا۔ انس، علی اور ابی ھریرہ سے بھی مروی ہے ابن سیرین اور عروۃ بن الزبیر نے بھی اسی طرح کیا۔ جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، شعبیؒ اور ابراھیم بن سعدؒ اسے مکروہ سمجھتے ہیں ابراہیم بن سعد تو کھڑے ہوکر پیشاب کرنے والے کی گواہی جائز نہیں سمجھتے۔

یہاں تیسرا قول یہ ہے کہ اگر کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے چھینٹے نہ پڑتے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ یہ قول امام مالک کا ہے۔ ابن منذرؒ کہتے ہیں بیٹھ کر پیشاب کرنا زیادہ محبوب ہے اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مباح ہے اور یہ دونوں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔

شیخ البانی ارواء الغلیل (۱/۹۵) (رقم: ۵۷) میں حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "فائدہ: مؤلف نے

اس حدیث سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی عدم کراہت پر استدلال کیا ہے اور یہ حق ہے کیونکہ نہی میں کوئی چیز ثابت نہیں۔ جیسے کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے مقصود چھینٹوں سے بچنا ہے، کھڑے ہونے، بیٹھنے میں جس سے بھی یہ مقصد حاصل ہو وہی واجب ہے، اس قاعدے کی رو سے کہ ہر وہ امر جس کے ساتھ واجب قائم ہوتا ہو وہ واجب ہے۔

تنبیہ: عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے مخالف نہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ جو بھی تمہیں یہ کہے کہ آپ ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اس کی تصدیق مت کرو کیونکہ آپ ﷺ نے جب بھی پیشاب کیا ہے بیٹھ کر کیا ہے، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابو عوانہ، حاکم، بیہقی، احمد اور اسکی سند موافق شرط مسلم صحیح ہے جیسے کہ السلسلہ الصحیحہ (۱/۳۴۵) (رقم: ۲۰۱) میں ہے۔

میں کہتا ہوں: کہ ہر کوئی وہی بتا رہا ہے جو وہ جانتا ہے۔ تو جو جانتا ہے اس کی بات حجت ہے اس پر جو نہیں جانتا۔ اور جو حذیفہ کی حدیث میں یہ تاویل کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس لیے کھڑے ہو کر پیشاب کیا کہ آپ کے گھٹنے کے جوڑ میں زخم تھا۔ جیسے کہ الخطابی نے معالم السنن (۱/۲۹) حاکم نے (۱/۱۸۲) بیہقی نے (۱/۱۰۱) میں روایت کیا ہے۔ تو یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اسے روایت کرنے والا حماد بن غسان اکیلا ہے اور وہ ضعیف ہے۔

اور وہ حدیث جسے امام ترمذی نے (۱/۹) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معلق روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بری عادت ہے، یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوف صحیح ہے اور مرفوع نہیں۔

جیسے بیہقی نے (۲/۲۸۵) میں، ابن ابی شیبہ نے (۱/۱۲۴) میں۔ امام بخاری نے التاریخ الکبیر (۲/۴۵۴) میں اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اس کے لفظ یہ ہیں: "چار کام کرنا بری عادت ہے آدمی کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا آدمی کا نماز پڑھنا اور لوگ آگے سے گزر رہے ہوں، اور سترہ نہ ہو، آدمی نماز میں ہو اور ماتھے پر لگی مٹی کو صاف کرنا اور مؤذن کی اذان سنے اور اس کا جواب نہ دے اس کا پہلے ذکر شدہ احادیث کے ساتھ کوئی تعارض نہیں کیونکہ اس میں اسے "مِنَ الْجَفَاءِ" کہا ہے حرام نہیں کہا۔

اس کے علاوہ یہ اس کا قول ہے اور مخالفت کی صورت میں حجت نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے مراجعہ کریں الارواء۔

اور جو حدیث ابن ماجہ نے (۱/۱۱۲) ترمذی (۱/۹) روایت کی ہے

اور وہ اسی طرح مشکوۃ (۱/۴۳) میں ہے، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کریں۔ تو اس کے بعد میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں عبدالکریم ابن ابی المخارق محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

جیسے کہ امام ترمذی وغیرہ نے کہا ہے ثابت ہوا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے کیونکہ حدیث حذیفہ مثبت (ثابت کرنے والا) ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نفی کر رہی ہے اور مثبت (ثابت کرنے والا) نفی کرنے والی پر مقدم ہے کیونکہ اس کے پاس زیادہ علم ہے تو دونوں کام جائز ہیں۔

پیشاب کی چھینٹوں سے بچنا فرض ہے۔ جس صورت میں یہ واجب حاصل ہو جائے کر لینا چاہیے اس کے بعد بھی اگر کوئی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ سمجھے تو اس کا قول نا قابل التفات ہے جیسے کہ امام شوکانی نے السیل الجرار (۱/ ۶۱) میں اسے مکروہ کہا ہے۔

○ اسی لیے صاحب السنن والمبتدعات نے (ص: ۹۱-۲۰) میں احادیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے۔ "فصل: اکثر لوگوں کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والے پر انکار کرنا بھی اور جہالت ہے۔

کبھی کہتے ہیں: یہودیوں کی طرح پیشاب کرتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں پاؤں اٹھا کر کتے کی طرح پیشاب کرتا ہے۔

پھر اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اس کی تنقیص کرتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ حق پر ہے۔ اور یہ باطل پر ہیں، وہ سنت پر ہے اور یہ بدعت و جہالت پر ہیں۔

ہاں پیشاب کرنے والے پر لوگوں سے ستر عورت کرنا چاہیئے اور پیشاب کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرے کہ وہ نرم ہو اور اسے چھینٹے نہ پڑیں، قبلہ رو ہو کر نہ بیٹھے اور ہوا کی طرف رخ کر کے نہ بیٹھے۔ اگر وہ اسی طرح کرتا ہے اور لوگوں کو سمجھا بھی دیا ہے پھر بھی انکار پر مصر ہوں تو پرواہ نہ کرے۔ هٰذَا وَبِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ التَّوْفِيْقُ۔

پانی موجود ہونے کے باوجود پتھروں سے استنجاء پر اکتفاء کرنا جائز ہے

۱۳۵- سوال : پانی موجود ہونے کے باوجود پتھروں سے استنجاء پر اکتفا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہاں بلا کراہت جائز ہے بلکہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہ کی اکثر عادت یہی تھی۔ اور جو آپ ﷺ کی سنت اور صحابہ کی سنت سے روگردانی کرتا ہے تو وہ مسلمانوں میں سے نہیں۔ گذشتہ سوالوں کے جواب میں دلائل گزر چکے مراجعہ کریں۔

پانی اور پتھروں کا جمع کرنا کسی صحیح صریح حدیث میں آپ سے ثابت نہیں اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے۔

اسی لیے صاحب السنن المبتدعات نے (صفحہ: ۲۱) میں کہا ہے: پتھروں کے ساتھ استنجاء نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے، جس طرح کہ پانی کے ساتھ استنجاء ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے جانے لگے تو مجھے تین پتھر لانے کا کہا مجھے دو پتھر ملے تیسرا اتلاش بسیار کے باوجود نہیں ملا۔ تو میں ساتھ لید اٹھا کر لے آیا آپ نے پتھر لے لئے اور لید پھینک دی۔ اور فرمایا یہ پلید ہے، احمد اور دار قطنی نے یہ اضافہ کیا ہے: "اس کے علاوہ کوئی اور لا"۔

اور بخاری میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "جو ڈھیلے استعمال کرتا ہے تو طاق استعمال کرے۔

اور صحیح مسلم میں سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چھوٹا یا بڑا پیشاب کرتے ہوئے قبلہ رخ ہونے سے منع فرمایا ہے اور داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے اور تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہڈی ولید سے استنجاء کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ تو ڈھیلے استعمال کرنا صحاح وسنن مسند وموطا وغیرہ میں ثابت ہے۔ نیز اقوال ائمہ سے اور اہل اسلام کے تمام طائفوں سے ثابت ہے۔

امام ترمذیؒ وغیرہ کہتے ہیں، "حدیث سلمان صحیح ہے اور یہ صحابہ اور ان کے بعد اکثر اہل علم کا قول ہے کہ پتھروں سے استنجاء کفایت کرتی ہے اگر چہ اس کے بعد پانی سے استنجاء نہ کیا جائے جبکہ پیشاب پاخانے کے نشانات صاف ہو جائیں۔

یہ سمجھ لینے کے بعد جاننا چاہیئے کہ پانی ہونے کے باوجود پتھروں سے استنجاء کرنے والے کی نماز کو باطل کہنا بدعت اور جہالت ہے۔

اور یہ فاسد عقیدہ بہت سے اہل علم میں سرایت کر گیا ہے جسے دور کرنا ضروری ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ ڈھیلوں سے استنجاء تو پانی نہ ہونے کی صورت میں کیا جائے اس سے توبہ کرانی چاہیے اگر توبہ نہ کرے تعزیر دینی چاہیے۔

امام مالک سے نبی ﷺ کا پانی کے ساتھ استنجاء کرنے کا انکار منقول ہے جبکہ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے تو امام مالک کے انکار پر کان نہ دھرا جائے۔

بعض وسوسہ کے شکار برائے نام متعلمین نے نہایت تنگی کا مظاہرہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اگر نمازی پاس نماز پڑھنے والے پر ہاتھ رکھدے جس نے ڈھیلوں سے استنجاء کیا ہو تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کے زعم فاسد کے مطابق اس نے نجاست والے شخص پر ہاتھ رکھدیا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے قول وفعل کے خلاف ہے۔ وَبِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ التَّوْفِيْقُ.

0000000

بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں

۱۳۶ - سوال : کیا بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کے لیے دعائیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں؟ قضائے حاجت کے کیا آداب ہیں؟ پیشاب پاخانہ بیٹھنے میں سنت کیا ہے؟۔

جواب : ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

ہاں حدیث صحیح میں ثابت ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے "اے اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں خبیث جنوں اور جنیوں سے"

بخاری (۲۶/۱) مسلم (۱۶۳/۱) ابو داؤد (۲/۱) نسائی (۹/۱) الترمذی (۱۰/۱) ابن ماجه (۱۰۸/۱)

احمد (۹۹/۳-۱۰۱-۲۸۲) البیھقی (۹۵/۱) وغیرہ۔

امام خطابیؒ معالم السنن (۱۶/۱) میں کہتے ہیں "صحیح یہ ہے کہ "خُبُث" کا تلفظ خا اور باء دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اور جو "باء" کو ساکن پڑھتا ہے غلطی پر ہے۔ اور بعض علماء نے سکون کو بھی جائز قرار دیا ہے کیونکہ فُعُلٌ کے وزن میں کبھی کبھی عین کو ساکن بھی کر دیتے ہیں اور فُعْلٌ بھی پڑھتے۔ اور اس دعا کے پڑھنے کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے جیسے کہ ابوداود (۲/۱) کی روایت میں ہے: "فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ" "اللہ کی پناہ پکڑو"۔ تو مسلمان کے لیے ان قیمتی کلمات کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنوں کی آنکھوں اور انسانوں کی شرمگاہوں کے درمیان پردہ جب وہ بیت الخلاء میں داخل ہوں "بسم اللہ" کہنا ہے۔

ترمذی (۱۰/۱) المشکاۃ (۴۳/۱) اسے ابن سنی نے برقم (۲۱) اور ابن ماجہ نے (۱/ برقم/ ۱۹۱) نکالا ہے۔

اور اس کی سند شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔ جیسے کہ ارواء (۸۸/۱) رقم (۵۰) میں ہے۔ یہ تو بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت کہنے کہ اذکار ہیں اور جب نکلے تو "غُفْرَانَكَ" کہے" (اے اللہ میں تجھ سے) تیری مغفرت (طلب کرتا ہوں)

ترمذی (۱۲/۱) الدارمی (۱۷۴/۱) ابن السنی (برقم: ۲۲) الحاکم (۱۵۸/۱) بیہقی (۹۷/۱)

اور "غُفْرَانَكَ" کے ساتھ "وَلَا عَذَابَكَ" وغیرہ کا اضافہ نہ کرے کیونکہ یہ بدعت ہے۔ السنن والمبتدعات: (ص: ۲۲)

اور وہ حدیث جس میں یہ لفظ آئے ہیں: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ]

(تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کی اور مجھے عافیت بخشی)۔

ابن ماجہ (۱/ برقم: ۳۰۱) میں ہے اس کی سند بوجہ اسمٰعیل بن مسلم ضعیف ہے جس کے ضعف پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔

0000000

سنن قضائے حاجت

(۱)-: پیشاب پاخانہ کرتے وقت عمارت میں ہو یا باہر میدان میں قبلے کی طرف نہ منہ کرنا چاہیے نہ ہی پیٹھ۔
راجح قول یہی ہے۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلے کی طرف نہ رخ کرو اور نہ ہی پیٹھ بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ (یاد رہے مدینہ میں قبلہ جانب جنوب کو ہے)۔ بخاری (۱/۲۶) مسلم (۱/۱۳۰) ترمذی (۱/۸) وغیرہ۔
اور ایک روایت میں ہے "ہم شام کو گئے وہاں بیت الخلاء جانب قبلہ بنے ہوئے تھے تو ہم ان سے استغفار کہتے ہوئے پھرتے۔ مشکوۃ (۱/۴۳)۔
(۲)- :پانی سے اگر استنجاء نہ کرنا ہو تو تین پتھر ساتھ لے جانے چاہیں کیونکہ سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ رخ ہونے، داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے، اور تین پتھروں سے کم لیجانے سے منع فرماتے اور ہڈی، لید سے استنجاء کرنے سے بھی منع فرماتے۔ متفق علیہ۔ المشکاۃ (۱/۴۲) اس مفہوم کی متعدد حدیثیں گزر چکیں۔
(۳) : ہڈی لید اور کھانے کی اشیاء کے ساتھ استنجاء نہ کیا جائے اس کا ذکر پہلے ہو چکا۔
(۴) : پیشاب کے قطروں سے بچنا۔
ابن عباس رضی اللہ عنھما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا انہیں عذاب ہو رہا اور کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔ ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچا کرتا تھا اور دوسرا چغلخوری کیا کرتا تھا۔ (بخاری، مسلم) اور صحیح حدیث میں ہے "پیشاب سے بچا کرو، اکثر عذاب قبر کا سبب یہی ہے۔
(۵) : لوگوں کے راستوں آنے جانے کی جگہوں اور سائے میں بول و براز مت کرو۔
ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو لعنت کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے فرمایا یہ دو لعنت کرنے والی چیزیں کیا ہیں۔ فرمایا جو لوگوں کے راستوں اور سایوں میں قضائے حاجت کرتا ہے۔

مسلم، المشکاۃ (۱/۴۲)

اور ابوداؤد و ابن ماجہ میں معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین لعنت کرنے والی چیزوں سے بچو، لوگوں کے وارد ہونے کی جگہوں، عام راستوں اور سائے میں قضائے حاجت کرنا۔ اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۶) : وضو کی جگہوں اور غسلخانوں میں پیشاب نہ کرے، عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حمام جس میں نہاتے ہو یا وضو کرتے ہو اس میں ہرگز پیشاب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ اکثر وسوسوں کا سبب بنتا ہے۔ ترمذی (۸/۱) ابوداؤد (۶/۱)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہر روز کنگھی کرنے اور غسلخانے میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

(۷) : استنجاء کا الگ اور وضوء کا الگ برتن ہونا مستحب ہے۔ کیونکہ ابوداؤد (۴/۱) نسائی اور دارمی کی صحیح حدیث میں ہے۔

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء جاتے تو میں برتن میں آپ کے لیے پانی لاتا جس سے آپ استنجاء کرتے پھر دوسرے برتن میں پانی لاتا جس سے آپ وضوء کرتے۔

(۸) : استنجاء کے بعد ہاتھ کو زمین پر ملنا چاہیے۔ حدیث پہلے ذکر ہو چکی۔ مراجعہ کریں ابن ماجہ (برقم: ۳۵۸)۔

(۹): وضوء کرنے کے بعد شرم گاہ پر پانی چھڑکے، کیونکہ حکم بن سفیان سے ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کرنے کے بعد وضوء کرتے تو (شرم گاہ پر) پانی چھڑکتے تھے۔ ابوداؤد (برقم ۱۶۶) باب الانضاح اور سند اس کی صحیح ہے۔ ابن ماجہ (۱/ رقم: ۴۶۱)۔

(۱۰) : دائیں ہاتھ سے ذکر کو مس نہ کرے اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔

کیونکہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی پینے لگے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اور جب بیت الخلاء میں داخل ہو تو داہنا ہاتھ ذکر کو نہ لگائے اور نہ ہی داہنے ہاتھ سے پونچھے۔

بخاری (۲۷/۱) مسلم (۳۱/۱) المشکاۃ (۴۲/۱)۔

(۱۱) : بل میں پیشاب نہ کرے، عبداللہ بن سرجس سے حدیث وارد ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بلوں میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لوگوں نے قتادہ کو کہا بل میں پیشاب کرنے کو کیوں مکروہ سمجھتے تھے تو انہوں نے کہا یہ جنوں کے مسکن ہیں' اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ قتادہ نے عبداللہ بن سرجس سے نہیں سنا۔ اور قتادہ مدلس بھی ہے۔ ارواء الغلیل (۹۴/۱) (رقم: ۵۵)

یہ حدیث کہ "سعد بن عبادہ نے شام میں کسی بل میں پیشاب کیا تو وہ فوت ہو گئے اور ان کا بدن ہرا ہو گیا تھا۔ تو اس کی محدثین کے طریق پر سند نہیں لیکن سیرت کی کتابوں میں مشہور قصہ ہے۔ الاستیعاب لابن عبدالبر (۳۷/۲) الارواء (۹۵/۱)

اور ان کے اس طرح مردہ پائے جانے میں انہوں نے اختلاف نہیں کیا۔

(۱۲) : پیشاب کرتے وقت ہاتھ سر پر رکھنا سنت نہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۱۳): سراقہ بن مالک سے ضعیف حدیث میں آیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے قضائے حاجت کے لیے بیٹھتے وقت بائیں پاؤں پر اعتماد کرنا اور دایاں پاؤں کو کھڑا رکھنا سکھایا ہے۔ بیہقی (۹۶/۱) اس کی سند میں دو مجہول راوی ہیں تو انسان کے لیے یہ

تکلف کرنا کوئی ضروری نہیں۔اسی طرح پیشاب پاخانہ کرتے وقت سرکو ڈھانپنا ضروری نہیں کیونکہ اس بارے میں روایتیں ضعیف ہیں۔السنن الکبریٰ (۱/۹۶)۔

(۱۴) :اسی طرح (پیشاب کے قطروں سے برأت کے لیے) ذکرکو جھٹکنا مروڑنا، کھانسنا، چلنا چڑھنا وغیرہ مستحب نہیں یہ تمام وسوسے ہیں اور نبی ﷺ سے ثابت نہیں یہ خوامخواہ کا تعمق اور بدعات ہیں۔اور جو حدیث یزداد کی ہے وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے ذکرکو تین بار جھٹکے،اسے ابن ماجہ نے (۱/۲۶) میں روایت کیا ہے ضعیف ہے سند کے ساتھ۔احمد (۴/۳۴۷) ابن ابی شیبہ اس میں زمعۃ بن صالح راوی ضعیف ہے اور یزداد کے لیے صحابی ہونا ثابت نہیں۔

مراجعہ کریں الضعیفہ رقم (۱۶۲۱) (۴/۱۲۴)

اسی وجہ سے شیخ الاسلام ؒ اپنے فتاوے (۲۱/۱۰۶) میں رقم طراز ہیں:

"ذکر (عضو تناسل) کی مثال تھن کی سی ہے کہ جسے دوہتے ہیں تو دودھ اترتا ہے اور چھوڑ دیا جائے تو چلا جاتا ہے"۔

السنن والمبتدعات کے مؤلف عبدالسلام (ص:۲۲) پر کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ وہ کچھ نہیں کیا کرتے ہیں جو "سُلت" اور نتر الذکر "تنحنحه، قفز، رسی پکڑنا، سیڑھی چڑھنا، ذکر کے سوراخ میں روئی کا ٹھونسنا، اور اس میں پانی ڈالنا اور وقتاً فوقتاً دیکھتے رہنا اور وجور وغیرہ جیسے وسوسوں میں مبتلا لوگ کرتے ہیں۔

امام ابن قیم ؒ الاغاثۃ (۱/۱۴۳) میں فرماتے ہیں :

"**فصل**:اوران میں سے وہ کام بھی ہیں جو وسوسے میں مبتلا اکثر لوگ کرتے ہیں اور یہ دس چیزیں ہے۔

(۱)- :السلت (قطرے اتارنا)۔

(۲) -: نتر (ذکر کا جھٹکنا)۔

(۳) -: النحنحه (کھانسنا)۔

(۴) - : المشی (چلنا)۔

(۵) -: القفز: زمین سے ذرا اچھل کر جلدی بیٹھنا۔

(۶)-الحبل (رسی سے جھولنا جب چڑھنے کے قریب ہو اچانک اتر کر بیٹھنا۔

(۷) -:التفقد: ذکر پکڑ کر مخرج میں بار بار دیکھنا کہ رطوبت باقی ہے یا نہیں۔

(۸) -: الوجور: ذکر کے سوراخ میں پانی ڈالنا۔

(۹) -: الحشو: اس میں روئی ٹھونسنا۔

(۱۰) -: العصابہ: پٹی سے ذکر کو باندھنا۔

(۱۱)-:الدرجه :سیڑھیوں پر چڑھنا پھر جلدی اترنا۔

سلت کا ذکر ایک غریب حدیث میں آتا ہے لیکن وہ ثابت نہیں مسند اور ابن ماجہ عیسیٰ ابن داؤد سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے ذکر کو تین بار مسح کرے، اور جابر بن زید کہتے ہیں کہ جب تو پیشاب کرے تو ذکر کے نیچے ہاتھ پھیرے اس طرح پیشاب کے قطرے منقطع ہو جائیں گے۔

اسی سے سعید روایت کرتا ہے کہتے ہیں، نچوڑنے اور کھینچنے سے وہ قطرے بھی نکل آتے ہیں جن کا استنجاء کے بعد عود کر آنے کا خطرہ ہوتا ہے۔وہ کہتے ہیں: اگر اس مقصد کے لیے چند قدم چلنے کی ضرورت ہو تو چلنا چاہیے یہ اچھا ہے۔

اور اسی طرح کھانسنا اور اسی طرح قفز زمین سے تھوڑا اچھلے اور پھر جلدی بیٹھ جائے اور "حبل" بعض لوگوں نے رسی لٹکائی ہوئی ہوتی ہے اس سے لٹک کر چڑھتے ہیں پھر جلدی اتر کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اور تفقد :ذکر پکڑ کر دیکھنا کہ مخرج میں رطوبت باقی ہے یا نہیں۔

اور وجور:ذکر کا سوراخ کھولکر پانی ڈالنا۔

اور حشو: اس کے پاس سلائی ہے جس سے وہ احلیل میں روئی ٹھونستا ہے جس طرح کہ زخم کو کھولکر اس میں روئی بھرتے ہیں۔

اور العصابہ: پٹی باندھنا۔اور الدرجہ: سیڑھیوں پر کچھ چڑھ کر جلدی اترنا۔

اور المشی: چند قدم چلنا۔اور پھر ڈھیلا استعمال کرنا۔

ہمارے شیخ (یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ) کہتے ہیں: یہ سب وسوسے ہیں اور بدعت ہیں، میں نے سلت اور نتر کے بارے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواز کا عندیہ ظاہر نہیں کیا۔اور کہا حدیث صحیح نہیں ہے۔

کہا: "پیشاب تھن میں دودھ کی طرح ہے اگر چھوڑ دیں گے تو رک جائے گا اور اگر دوھیں گے تو اترے گا"۔جو یہ کام کرے گا تو وہ قطرے کے اترنے کے مرض میں مبتلی ہوگا۔اور ان سے غافل رہے گا اسے عافیت نصیب ہوگی۔اور کہا کہ اگر یہ سنت ہوتی تو صحابہ اور رسول اللہ ﷺ اسے کرنے کے زیادہ لائق تھے۔

اور یہودی نے جو سلمان رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ تمہارا نبی تو تمہیں سب کچھ سکھاتا ہے یہاں تک کہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہے یہاں تو انہوں نے کہا تھا، ہاں۔تو ہمیں نبی ﷺ نے یہ چیزیں کہاں سکھائی تھیں۔بلکہ مستحاضہ عورت کو لنگوٹ باندھنے کا کہا تھا اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے سلس البول بیمار بھی کپڑا باندھ کر اپنا تحفظ کرے۔انتھی۔

(۱۵) :گرمیوں میں ڈھیلے اور کیفیت سے استعمال کرنا اور سردیوں میں اور کیفیت سے جیسے کہ متاخرین کی کتابوں میں ذکر ہے یہ سنت نہیں۔بلکہ یہ تعمق ہے، اسے دین نہیں سمجھنا چاہیئے امام طبرانی نے الکبیر میں حدیث نقل کی ہے جیسے کہ المجمع (۱/۲۱۱) میں ہے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے استنجاء کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: کیا تم میں سے کسی کو تین پتھر

نہیں ملتے دو پتھر دو طرفوں کے لئے اور ایک وسط دبر کے لیے"۔السنن الکبری نے (۱/۱۱۴) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے اور دار قطنی اور امام ابن قیم نے الاعلام (۴/۲۸۰) میں اسے حسن کہا ہے، اور البانی ؒ نے الضعیفہ (۲/۳۹۳، رقم:۹۶۹) میں اسے ضعیف کیا ہے۔اور کہا ہے کہ اس میں ابن ابی العباس راوی کو علماء نے ضعیف کہا ہے۔امام بخاری اس سے اپنی صحیح میں حدیث لاتے ہیں۔امام ذھبی نے میزان میں اس کی حدیث کو حسن کہا ہے، لیکن الضعفاء میں اسے ضعیف کہا ہے۔

(۱۶) : نبی ﷺ کو ہر چیز میں داھنے طرف سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا۔

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید ؒ کہتے ہیں: یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے کیونکہ بیت الخلاء میں داخل ہونے اور مسجد سے نکلنے میں بائیں پاؤں سے ابتداء کی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۲۱۶) میں یہ قول کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے اور مجھے دوسری دلیل بھی ملی ہے،"انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو ابتداء داھنے پاؤں سے کر اور جب نکلے تو ابتداء بائیں پاؤں سے کر۔اور یہ حدیث شرط مسلم پر پوری ہے۔

لیکن بیت الخلاء میں بایاں پاؤں آگے کرنے کی دلیل مجھے اب تک معلوم نہ ہو سکی۔شاید اسے مسجد سے نکلنے پر قیاس کیا گیا ہے۔مراجعہ کریں الارواء (۱/۱۳۱)۔

(۱۷) :لوگوں سے چھپنا:

ابوداود (۱/۲) میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اتنی دور جاتے کہ کوئی دیکھ نہ سکتا۔اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو دور جاتے۔اور دونوں حدیثوں کی سندیں صحیح ہیں۔

(۱۸) : پیشاب کرنے کے لیے نرم جگہ کا ڈھونڈنا مستحب ہے تاکہ چھینٹے نہ پڑیں۔

ابوداود (۱/۲) میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں ایک دن نبی ﷺ کے ساتھ تھا آپ نے پیشاب کرنے کا ارادہ کیا تو آپ دیوار کی جڑ میں نرم مٹی کے پاس آئے اور پیشاب کیا پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو پیشاب کرنے کے لیے ایسی جگہ تلاش کرے اسے امام احمد نے روایت کیا۔اور اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

(۱۹) : زمین کے قریب ہونے سے پہلے کپڑا نہ ہٹائے۔

ابوداؤد(۱/۴)میں نبی ﷺ سے مروی ہے جب آپ قضائے حاجت کرتے تو جب تک زمین کے قریب نہ ہوجاتے کپڑا اوپر نہیں کیا کرتے تھے۔

السلسلہ الصحیحہ (۳/۶۰)رقم:(۱۰۷۱)اس کی سند شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔

(۴۰) :برتن میں پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ابوداؤد(۱/۵)میں اُمیمہ بنت رُقیقہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ کا ایک لکڑی کا پیالہ چارپائی کے نیچے ہوتا تھا جس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔اور سند اس کی صحیح ہے۔

استنجاء میں اقسام نہیں

۱۳۷- سوال : کیا سنت مطہرہ میں یہ وارد ہے کہ استنجاء کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)-:جو نجاست سبیلین سے نکلے اور مخرج سے تجاوز نہ کرے تو استنجاء سنت ہے۔

(۲)-:اگر مخرج سے تجاوز کر جائے لیکن بقدر درھم ہو تو استنجاء واجب ہے۔

(۳)-:اگر قدر درھم سے زاید ہو تو فرض ہے،جیسے کہ متاخرین کی کتابوں میں ہے۔

جواب : الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله أما بعد:

صحیح بات یہ ہے کہ استنجاء صرف واجب ہے کیونکہ صحیح احادیث سے حکم ثابت ہے

جیسے حدیث ابوھریرہ میں ہے"أَمَرَ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ"

اور حدیث سلمان میں ہے"وَنَهَانَا أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ"تو جو کہتا ہے کہ استنجاء سنت ہے اور پھر کہتا ہے کہ سنت وہ جسے نبی کریم ﷺ نے کبھی کبھی ترک کیا ہو تو کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے پتھر یا پانی استعمال کیے بغیر نکلے ہوں اور قاعدہ یہ ہے کہ امر وجوب کے ہوتا ہے مگر یہ کہ کوئی قرینہ صارف موجود ہو تو اس تقسیم کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں بلکہ یہ تقسیم غور کرنے پر فاسد معلوم ہوتی ہے۔ وبالله التوفيق.

OOOOOOO

باب الانجاس

والطهارة منها

باب الانجاس والطهارة منها

منی، مذی اور ودی کی حکم

۱۲۸- سوال: کیا منی، ودی اور مذی ایک جیسی نجاستیں ہیں؟۔ اخوکم محب اللہ۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَمَّا بَعْدُ:

علماء نے منی کے پاک یا نجس ہونے میں اختلاف کیا ہے اصح قول یہ ہے کہ منی پاک ہے لیکن نظافت کے طور پر اسے کھرچا یا دھویا جائے گا اور یہ بمنزلہ ناک اور تھوک کے ہے۔

دلائل یہ ہیں:

اول: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے کپڑے سے منی کھرچا کرتی تھیں پھر وہ اس میں نماز پڑھتے تھے، مسلم (۱/۱۴۰) یہ حدیث دلیل ہے کہ اگر منی نجس ہوتی تو اس کا کپڑے سے کھرچنا کافی نہ سمجھا جاتا کیونکہ کھرچنے سے نجاست بلا اتفاق کپڑے میں باقی رہتی ہے۔

دوم: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ گھاس کے تنکے کے ساتھ منی اپنے کپڑے سے ہٹاتے پھر اس میں نماز پڑھتے تھے اور اگر خشک ہوتی تو اپنے کپڑے سے کھرچ کر اس میں نماز پڑھتے تھے۔ مسند احمد (۶/۲۴۳) اور اس کی سند صحیح ہے یہ احکام طبعی طور گھن آنے والی چیزوں کا ہے پلید چیزوں کا نہیں۔ بیہقی (۲/۴۱۸) الارواء (۱/۱۹۷)۔

سوم: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے منی کے بارے میں پوچھا گیا جو کپڑوں کو لگ جاتی ہے یہ بمنزلہ ناک اور تھوک اور رینٹھ کے ہے اسے کسی کپڑے یا تنکے سے دور کر لینا چاہیئے۔ دار قطنی (۱/۱۲۴) بیہقی (۲/۴۱۸) یہ حدیث موقوفاً صحیح ہے اور مرفوعاً بھی محدثین کی ایک جماعت نے اسے صحیح کہا ہے جیسے التعليق المغني على سنن الدارقطني میں ہے اور امام زیلعیؒ نے نصب الرایۃ (۱/۲۱۰) میں مرفوع صحیح کہا ہے۔ مراجعہ کریں المجمع (۱/۲۷۹)۔

چہارم: عمر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا مجھے کمبل پر احتلام ہو گیا ہے تو آپ نے فرمایا: "اگر تر ہو تو دھو لے اور خشک ہو تو کھرچ لے۔ اور اگر پتہ نہ چلے تو اس پر چھینٹے مار لے۔ ابن ابی شیبہ (۱/۸۵)

اسی وجہ سے ابن جوزی کہتے ہیں اس حدیث میں منی کے نجس ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ یہ گھن کی وجہ سے دھونا ہے نجاست کی وجہ

سے نہیں۔نصب الرایہ(۱/۲۱۰)۔

پنجم: مصعب ابن سعد اپنے والد سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے کپڑے پر اگر منی لگ جاتی تو اگر تر ہوتی تو دور کر دیتے اور اگر خشک ہوتی کھرچ لیتے اور پھر اس (کپڑے) میں نماز پڑھتے۔بیہقی (۲/۴۱۸) ابن ابی شیبہ(۱/۸۷)۔

امام بیہقی نے (۱/۴۱۹) میں کہا ہے: منی صرف صفائی کی وجہ سے دھوئی جاتی ہے جس طرح ناک ریشہ وغیرہ کپڑے سے نظافت کے لیے دھوئی جاتی ہیں نجاست کے لیے نہیں۔

ششم: اصل تمام چیزوں میں طہارت ہوتی ہے اس لیے منی کے پاک ہونے کا فیصلہ کر لینا چاہیے یہاں تک کہ اس کے پلید ہونے کی دلیل مل جائے باوجود کوشش بسیار کے ہمیں کوئی اصل ہاتھ نہ آیا۔معلوم ہوا کہ جس چیز کے لگ جانے سے احتراز ممکن نہ ہو تو وہ معاف ہے۔اور یہ بھی معلوم ہے کہ منی کا بدن کو کپڑے کو لتھڑے کو غیر اختیاری طور پر لگ جانے کے امکانات بنسبت بلی کا برتنوں کے جھوٹا کرنے کے زیادہ ہیں یہ فضلات کا طواف ہے بلکہ انسان کا ریشہ اور تھوک کا کپڑے کو لگ جانے سے بچنا ممکن ہے اور احتلام وجماع میں منی سے نہیں بچا جا سکتا۔اور یہ ظاہری مشقت طہارت کو واجب کرتی ہے اگر چہ نجس قرار دینے کا مقتضی موجود ہو۔

آپ دیکھتے نہیں کہ شارع نے عادی نجاست کے (پیشاب پاخانہ) بارے میں تخفیف کی ہے اور ڈھیلوں سے استنجاء کو کافی قرار دیا ہے۔باوجود یکہ پانی کے ہوتے ہوئے ڈھیلوں سے استنجاء کا ایجاب بنسبت منی سے کپڑے کے دھونے کے زیادہ آسان ہے خاص کر فقیر کے لیے سردیوں میں یا جس کے پاس ایک ہی کپڑا ہو۔فتاوی لابن تیمیہ (۲۱/۵۹۱)۔

ہفتم: اگر منی نجس ہوتی تو نبی کریم ﷺ نے اس کے ازالے کا حکم دیا ہوتا۔

یہ بات طے ہے کہ اکثر کوئی چیز نبی ﷺ کے زمانے میں کثیر الوقوع ہو اور ان کے بعد بھی تو ضروری تھا کہ نبی ﷺ اس کا شافی بیان فرماتے اگر یہ حرام یا نجس ہوتی اور اس کا ازالہ ضروری ہوتا جب نبی ﷺ نے اپنے قول وفعل سے منی کا نجس ہونا بیان نہیں فرمایا نہ ہی صراحتاً یا دلالۃً یہ بیان فرمایا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اصل میں پاک ہے کیونکہ اصل ہر چیز میں طہارت ہے جب تک کہ اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو۔یہ اہم قاعدہ ہے مفتی کو اس پر متنبہ رہنا چاہیئے۔

علامہ ابن حزم نے المحلی (۱/۱۲۴) مسئلہ نمبر (۱۳۱) میں فرمایا ہے منی پاک ہے پانی میں ہو یا بدن پر یا کپڑے پر اس کا ازالہ فرض نہیں۔یہ مانند لال کے ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

پھر ہمام بن حارث کی حدیث ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مہمان کو دعوت کے لیے پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا کہ وہ کپڑے سے جنابت (منی) دھو رہے ہیں تو فرمانے لگیں کیوں دھو رہے ہیں؟ میں تو نبی ﷺ کے کپڑے سے کھرچا کرتی تھی تو انہوں نے کپڑے سے منی کو دھونے کو منکر سمجھا، پھر دوسری حدیث ان لفظوں میں ذکر کی،"میں تو نبی ﷺ کے کپڑے سے خشک

کھرچا کرتی تھی، پھر مخالفین کے دلائل کے جوابات ذکر کیے۔

ہشتم: منی ذکر سے نکلنے والی تمام چیزوں سے خلقی لحاظ سے مختلف ہوتی ہے یہ غلیظ جبکہ باقی تمام چیزیں پتلی ہوتی ہیں۔اس کا رنگ سخت سفید ہوتا ہے جبکہ دیگر کا اس طرح نہیں اس کی بو کھجور کے خوشے کی طرح ہوتی ہے اور باقی چیزوں کی بو خبیث ہوتی ہے پھر انبیاء اولیاء صلحاء وغیرہ سب کی ولادت اسی پانی سے ہوئی ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے کرامت بخشی ہے پھر کیونکہ اس کا اصل نجس ہو سکتا ہے۔

اسی لیے ابن عقیل نے منی کو نجس کہنے والے کسی شخص سے مناظرے میں کہا تھا کہاں وہ اور کہا منی میں تو اس کے اصل کو جس سے پیدا ہوا ہے پاک قرار دینا چاہتا ہوں جبکہ یہ اس کو نجس قرار دینے پر مصر ہے۔ پھر منی کی حالت اور ہے اور فضلے کی حالت کچھ اور بلکہ جو غذا ہے اور بدن کا وہ مادہ ہے جس سے نسل قائم رہتی ہے۔ تو یہ بنسبت فضلے کے اصل کے زیادہ مشابہ ہے۔

امام ابن قدامہ مغنی (۱/۷۷۱) میں کہتے ہیں: ''منی پاک ہے امام احمد کا مشہور قول یہی ہے اور یہ قول ہے سعد بن ابی وقاص اور ابن عمر کا، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''اسے گھاس کے تنکے یا کپڑے سے دور کر اور اگر چاہتا ہے تو مت دھو۔

o ابن مسیب کہتے ہیں اگر ایسے کپڑے میں (جس میں منی لگی ہو) نماز پڑھ لے تو اعادہ نہ کرے۔ کیونکہ انسان کی تخلیق کی ابتداء اسی سے ہوئی ہے تو مٹی کی طرح یہ بھی پاک ہے اور اس لحاظ سے یہ پیشاب سے الگ ہے کہ انسان کی پیدائش اسی سے ہوتی ہے۔

o حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۲۶۵) میں کہا ہے، باب غسل المنی وفرکہ ''منی کو دھونے اور کھرچنے کا باب امام بخاری حدیث فرک نہیں لاتے ہیں بلکہ اپنی عادت کے مطابق ترجمۃ الباب میں اشارہ کرنے کو کافی سمجھا ہے اور وہ حدیث جس میں دھونے کا ذکر ہے اور وہ حدیث جس میں کھرچنے کا ذکر ہے دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ دونوں کے درمیان تطبیق ہو سکتی ہے اگر منی کو پاک کہا جائے تو دھونے والی حدیث کو نظافت کے لیے استحباب پر محمل کیا جائے وجوب پر نہیں اور یہی طریقہ شافعیؒ اور اصحاب الحدیث کا ہے۔ اور اگر نجاست کا حکم لگایا جائے تو بھی جمع ممکن ہے کہ دھونا محمول تر ہونے کی حالت میں اور کھرچنا محمول ہو خشک ہونے کی حالت میں۔ یہ طریقہ حنفیوں کا ہے۔

پہلا طریقہ راجح ہے اس لئے کہ اس میں خبر اور قیاس دونوں پر عمل ہے کیونکہ اگر یہ نجس ہو تو قیاس یہ چاہتا ہے دھونا فرض ہو صرف کھرچنے پر اکتفاء نہ ہو۔ جیسے خون وغیرہ اور وہ اس خون میں جو معاف نہ ہو صرف کھرچنے پر اکتفاء نہیں کرتے۔ اور دوسرے طریقے کے خلاف ہے وہ روایت جو ابن خزیمہ میں دوسری سند سے آئی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے کپڑے سے اذخر کے تنکے سے دور کر دیتی تھیں اور جب خشک ہوتی تو کھرچ دیتی تھیں پھر آپ اس میں نماز پڑھتے تھے تو اس روایت سے خشک و تر دونوں حالتوں میں نہ دھونا ثابت ہوتا ہے۔

فقہ السنہ (۱/۲۵) میں ہے ''یہ پاک ہے اور دھونا اس کا مستحب ہے''۔

امام نوویؒ شرح مسلم (۱/۱۴۰) میں کہتے ہیں کہ "اکثر علماء کہتے ہیں کہ منی پاک ہے" علی بن ابی طالب ،سعد،ابن عمر،عائشہ،داؤد اور احمد سے بھی مروی ہے۔

یہ دلائل ہم نے ذکر کردیئے اس کا مطالعہ کریں۔

اور جو لوگ نجاست منی کے قائل ہیں ان کے پاس کوئی ظاہر دلیل نہیں۔ان کے پاس صرف شبہات ہیں جن کا شیخ الاسلام نے اپنے فتاوی (۲۱/۵۹۲) میں جواب دے دیئے ہیں۔

مذی اور اسکا حکم

مسئلہ: یہ پلید ہے ذکر اور خصیوں کو اس سے دھونا چاہیئے کیونکہ علی بن ابی طالب کی حدیث ثابت ہے وہ کہتے ہیں میں زیادہ مذی والا شخص تھا تو میں نے مقداد کو نبی ﷺ سے پوچھنے کا کہا کیونکہ میں ان کی بیٹی میرے نکاح میں ہونے کی وجہ سے نہیں پوچھ سکتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ذکر کو دھوئے اور وضوء کرے"۔

بخاری (۱/۴۱) مسلم (۱/۱۴۳) المشکاۃ (۱/۴۰)

اور ابوداؤد رقم (۲۰۸) میں ہے اپنے ذکر اور خصیوں کو دھوئے،اور اس کی سند صحیح ہے۔

اور ابوداؤد میں (برقم:۲۱۱) میں عبداللہ بن سعد انصاری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کس چیز سے غسل کرنا واجب ہے اور وہ پانی جو پانی کے بعد نکلتا ہے تو آپ نے فرمایا یہ مذی ہے اور مرد کی مذی نکلتی ہے تو اس کے نکلنے سے اپنے فرج اور خصیوں کو دھولے اور پھر وضوء کرے جس طرح نماز کے لیے وضو کرتا ہے۔اور اسکی سند صحیح ہے۔

تو ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مذی کے نکلنے سے ذکر اور خصیوں کو دھونا واجب ہے اور اس میں صرف پتھروں کا استعمال کافی نہیں اور ان میں رد ہے ان کا جو یہ کہتے ہیں کہ خصیوں کا دھونا واجب نہیں۔یہ اس صورت میں ہے جبکہ کپڑے پر نہ لگی ہو۔کپڑے پر مذی لگنے کی صورت میں صرف چھینٹے مارنا کافی ہے کیونکہ دھونے میں حرج ہے۔

اس لئے امام ابن عثیمین نے مجموعہ (۴/۲۲۲) میں کہا ہے،کہ ودی،مذی اور منی کے احکام یہ ہیں کہ ودی کا حکم من کل الوجوہ پیشاب کا ہے اور مذی کا حکم پاک کرنے کے بارے میں پیشاب سے مختلف ہے کیونکہ اس کی نجاست پیشاب کی نجاست سے اخف ہے تو اس میں چھینٹے مارنے کافی ہیں۔وہ محل جہاں مذی لگ جائے پانی پہنچانا کافی ہے نچوڑنے اور کھرچنے کی ضرورت نہیں۔اور اس طرح اس میں ذکر اور خصیوں پر اگرچہ مذی نہ لگی ہو دھونا واجب ہے۔

اور منی پاک ہے تو اس کا دھونا لازم نہیں البتہ صرف اس کا اثر زائل کرنے کے لیے دھویا جاسکتا ہے لیکن اس سے غسل فرض ہوجاتا ہے۔اور مذی ودی اور پیشاب سے وضوء فرض ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

بکریوں کے باڑے میں نماز کا حکم

۱۳۹- سوال: کیا بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ جبکہ مینگنیاں پڑی ہوں اور بچھانے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔

اخوکم: سعدات۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ:

راجح یہی ہے کہ وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا گوبر اور ان کی مینگنیاں پاک ہیں اور نماز اس پر جائز ہے دلائل یہ ہے۔

اول: ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے باڑے میں نماز مت پڑھو"۔ ترمذی (۱/۸۱) (برقم: ۳۴۸) المشکاۃ (۱/۷۱)

جب نبی ﷺ نے بکریوں کے باڑے میں نماز جائز فرمادی تو اس سے ثابت ہوا کہ ان کا پیشاب اور مینگنیاں پاک ہیں اور اونٹوں کے باڑے میں نماز سے ممانعت کی وجہ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اونٹ شیاطین ہیں۔

دوم: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے پھر میں نے ان سے سنا وہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے مسجد بنانے سے پہلے جو کہتا ہے کہ میں نے سنا" اس کا قائل ابوالتیاح ہے وہ روایت کرتا ہے انس سے (بخاری) (۱/۶۱-۳۷)

تو یہ صریح دلیل ہے کہ آپ صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے اور یہ منقول نہیں کہ آپ کچھ بچھاتے تھے۔

سوم: امام بخاری کہتے ہیں "یہ بات ہے اونٹوں جانوروں اور بکریوں کے پیشاب اور ان کے باڑوں کے بارے میں، ابوموسیٰ نے دار البرید میں نماز پڑھی جہاں لید پڑی تھی اور پہلو میں جنگل تھا تو انہوں نے کہا کہ (طہارت میں) یہاں اور وہاں برابر ہے (۱/۳۶) حافظ نے فتح الباری (۱/۲۶۷) میں کہا ہے اسے امام بخاری کے شیخ ابن نعیم نے موصول بیان کیا ہے۔ سفیان ثوری نے اپنی مسند میں موصول بیان کیا ہے۔

چہارم: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو تنگی کی گھڑیوں کا حال بیان کرنے کا کہا گیا تو فرمانے لگے ہم سخت گرمی میں تبوک کی طرف نکلے ایک جگہ ہم اترے تو ہمیں سخت پیاس لگی یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی۔ یہاں تک کہ آدمی اونٹ کو نحر کر کے اس کا گوبر نچوڑ کر پیتا۔ اور باقی ماندہ کو اپنے کلیجے پر رکھتا۔ تو ابو بکر صدیق کہنے لگے یا رسول اللہ! ﷺ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ سے دعا میں خیر کا وعدہ فرمایا ہے تو آپ دعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا آپ یہ چاہتے ہیں، کہنے لگے ہاں۔ تو ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے ابھی ہاتھ واپس نہیں لوٹائے تھے کہ آسما گرجا اور سایہ فگن ہوا

پھر برسا۔ تو ان کے پاس جتنے برتن پانی کے تھے سب بھر لئے پھر ہم دیکھنے لگے تو (آسمان پر) کچھ بھی نہیں پایا۔ اور لشکر گزر گیا۔ حاکم (۱/۱۵۹) نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد اور شیخین کی شرط پر پوری ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی صحیحین میں روایت نہیں کیا۔

اور یہ حدیث عجیب سنت کو متضمن ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر پانی اس جانور کے گوبر میں ملا ہوا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو وہ پلید نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ پلید ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کو جگر پر رکھنے کی اجازت نہ دیتے تا کہ پلید ہو۔

امام ذھبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔

پنجم: تمام چیزوں میں اصل طہارت ہے یہاں تک کہ اس کی نجاست واضح ہو جائے ہمیں اس کی نجاست ظاہر نہ ہوئی تو یہ پاک ہے اور جو اس کے پلید ہونے کا قائل ہے تو دلیل پیش کرے جس سے اس کا نجس ہونا ثابت ہو۔

ششم: انس کی حدیث میں ہے کہ عرینہ کی کچھ لوگ مدینہ آئے مدینہ کی آب وہوا ان کے موافق نہ ہوئی اور اس حدیث میں ہے "پیو ان کا پیشاب اور دودھ" بخاری (۱/۳۶) مسلم (۲/۵۷) اور اصحاب السنن۔

اور یہ واضح دلیل ہے ساری امت کے لیے، اس میں کوئی تخصیص کا لفظ نہیں۔

ہفتم: وہ مشہور حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر طواف کیا اور اسے مسجد حرام میں داخل کیا جسے زمین کے تمام قطعات پر فضیلت دی۔ یہاں تک کہ سات چکر لگائے۔

اور اسی طرح ام سلمہ رضی اللہ عنھا کو بھی سواری کی حالت میں طواف کی اجازت دی۔ بخاری (۱/۲۲۱) مسلم (۱/۴۱۳)

اور یہ بات تو معلوم ہے کہ جانوروں کی اتنی عقل نہیں ہوتی کہ مسجد کی تکویث رک جائے جسے پاک کرنے کا حکم ہے اگر انکا پیشاب مینگنیاں نجس ہوتیں تو انہیں مسجد کو پلید کرنے کا اشارہ تھا جب کہ ایسی کوئی مجبوری نہیں تھی۔

ہشتم: مدینہ میں آتا ہے جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔ کہا گیا ہے یہ موقوف ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرفوع ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث ضعیف ہے، بیہقی (۱/۲۵۲) دار قطنی (۴۷) مشکاۃ (۱/رقم:۵۱۶)۔

نہم: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کعبے کے پاس سجدے میں تھے تو قریش نے عقبہ بن ابی معیط کو ان لوگوں کے پاس بھیجا جنہوں نے اونٹ نحر کیا تھا تا کہ وہ اوجڑی گوبر سمیت لا کر رسول اللہ ﷺ کی پیٹھ پر رکھدے جب کہ وہ سجدے کے حالت میں ہوں اور وہ نماز پوری کر کے نماز سے پھرے۔ بخاری (۱/۳۷)

یہ حدیث غیر منسوخ ہے اور اللہ تعالی کا یہ قول "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" مکہ میں نازل ہونے والی اول آیتوں میں سے ہے۔

دہم: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لید اور ہڈی سے استنجاء مت کرو۔

یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔ترمذی(۱/۱۱)نسائی(۱/۱۶)المشکاۃ(۱/۴۲)

اورایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے لیےاوراپنے جانوروں کے لیے خوراک کا سوال کیا۔تو میں نے کہا تمہارے لئے ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا جائے زیادہ گوشت والی ہو جائیگی۔اور ہر لید تمہارے جانوروں کا چارہ ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس(ہڈی اور لید) کے ساتھ استنجاء مت کرو یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے۔

اور یہ حدیث کئی لحاظ سے دلیل ہے۔اول یہ کہ ہمیں مینگنی سے استنجاء سے منع فرمایا تا کہ اس کے ساتھ استنجاء کر کے ہم اسے جنوں کے لیے پلید نہ کردیں تو اگر وہ نجس ہوتی استنجاء کئے جانے کے بعد اور پہلے دونوں حالتوں میں پلید ہی ہوتی۔دوم:۔اگر گوبر اور مینگنی پلید ہوتی تو یہ مومن قوم کے جانوروں کا چارہ نہ ہوتیں کیونکہ اس کے کھانے کے بعد ان کے جانور جلالہ بن جاتے اور جلالہ(گندگی خور) کے کھانے سے نہی وارد ہے۔

یازدھم: اگر یہ چیزیں پلید ہوتیں تو رسول اللہ ﷺ ضرور بیان کرتے کیونکہ انکا اکثر مال اونٹ اور بکریاں ہی تھے۔انہی کے ساتھ انکا رہن سہن اور ان کے باڑوں میں ان کا آنا جانا رہتا ہے اور ان کے ساتھ ان کا ابتلاء کتے کا ان کے برتن کو جھوٹا کرنے سے کم نہ تھا اگر ان کا پیشاب ومینگنی پلید ہوتے اور اس سے بدن اور کپڑا دھونا ضروری ہوتا اور ان کے ساتھ عدم مخالطت ضروری ہوتی اور ان میں نماز منع ہوتی اور جس زمین پر یہ ہوتی اسے پاک کرنا نماز کے لیے ضروری ہوتا کیونکہ سفر میں ان کے ساتھ اور ان کے باڑے میں اکثر نماز پڑھی جاتی ہے اور وہ دودھ جس میں مینگنی گر جاتی ہے اس کا پینا حرام ہوتا اور ہاتھ کو اگر ان کا پیشاب یا مینگنی کی رطوبت لگ جاتی تو دھونے کی ضرورت ہوتی اور اس کے علاوہ نجاست کے دیگر احکام تو نبی ﷺ ضرور بیان فرمادیتے تا کہ اس کا حکم معلوم ہوتا اور یہ سب کچھ یا بعض ہم تک نقل ہوتا کیونکہ شریعت اور لوگوں کے لئے یہ کچھ کرنا واجب تھا جب ایسے کوئی نقل نہیں تو معلوم ہوا کہ اس کی نجاست نہیں بیان ہوئی اور عدم بیان اس کی طہارت کی دلیل ہے۔

دوازدھم: صحابہ تابعین اور اکثر سلف کا بھی ان جانوروں سے واسطہ رہا ہے ان سے دو ہی چیزیں منقول ہیں۔

اول: یہ قول کہ ان کے پیشاب گوبر اور مینگنیاں پاک ہیں جیسے کہ عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے نماز پڑھتے تھے اور ان کے قدموں پر لید کے اثرات ہوتے تھے اور ابوموسیٰ کی روایت پہلے گزر چکی۔انس سے بھی یہی مروی ہے۔

عبید بن عمیرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میری بکری میری جائے نماز میں مینگنیاں کردیتی تھی۔

ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے اس شخص کے بارے میں جو نماز پڑھ رہا ہو اور اسے لید لگی ہو تو کہا کہ کوئی حرج نہیں ابوجعفر الباقر، نافع مولی ابن عمر دونوں سے روایت ہے کہ ان کی پگڑی کو اونٹ کا پیشاب وغیرہ لگ جاتا تو وہ کہتے کوئی حرج نہیں۔

دوم: پلید نہ ہونے کا حکم لگانا اور پھر اس کے صرف دھونے کا حکم کرنا اس کی نجاست پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ نظافت امر مرغوب

ہے اور طہارت اور نظافت میں فرق معلوم ہے۔

سیزدھم : گندم اور جو وغیرہ غلے کو کھانے کے لیے جانور پھرائے جاتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ جانور اس میں پیشاب اور گوبر کرتے تھے اگر یہ نجس ہوتے تو وہ گندم وغیرہ کا کھانا حرام ہوتی۔

امام طحاوی نے (۱/۸۴) میں محمد بن علی، ابراہیم، عطاء حسن سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں ان جانوروں کے پیشاب میں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کوئی حرج نہیں۔

سوائے حسنؒ کے وہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

○ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس دو پتھر اور ایک لید لایا تو آپ نے لید پھینک کر فرمایا کہ یہ نجس ہے بخاری (۱/۲۷) تو اس کے مختلف وجوہ سے جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلی وجہ : یہ کہیں انسانی خشک نجاست تھی یا یہ قضیہ معین تھا جس میں عموم نہیں تھا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کسی ایسے جانور کی لید تھی جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس لئے یہ جائز نہیں کہ قطعی طور پر یہ کہا جائے کہ یہ کسی گوشت کھائے جانیوالے جانور کی لید تھی۔ اور ساتھ یہ بھی بات ہے کہ رکس کا لفظ نجاست پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ رکس بھی مرکوس یعنی مردود ہے اور یہی رجیع کا معنی ہوتا ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ استنجاء لید سے کسی صورت جائز نہیں یا تو نجاست کی وجہ سے یا اس وجہ سے یہ ہمارے جنات بھائیوں کے جانوروں کا چارہ ہے۔

پھر میں نے نیل الاوطار (۱/۱۲۰) میں دیکھا حدیث میں ابن خزیمہ نے یہ زیادہ لفظ بیان کئے ہیں :

''یہ گدھے کی لید تھی'' اور نسائی نے کہا رکس جنوں کا طعام تھا۔ اور اسی طرح وہ حدیث جس میں یہ لفظ وارد ہیں'' پیشاب سے بچو'' یہ عام نہیں جو ہر پیشاب پر بولا جائے بلکہ اس پر جو الف لام داخل ہے وہ عہدی ہے اور وہی اصل ہے یعنی اپنے پیشاب سے بچو اور انسانوں کے پیشاب سے بچو کیونکہ احادیث رسول ﷺ میں نہ تناقض ہوتا ہے اور نہ ہی تعارض۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاوی (۲۱/۵۳۴۔۵۸۷) میں مزید تفصیل اور اس مسئلے کے مخالفین کے جوابات دیکھے جاسکتے ہیں۔

چہاردھم: تمام المنۃ (ص:۵۲) میں بسند صحیح یحیٰی بن الجزار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور ان کے پیٹ پر گوبر اور خون لگا ہوا تھا اس اونٹ کا جسے انہوں نے نحر کیا تھا اور وضوء نہیں کیا۔

اور ایک روایت میں ہے پھر اقامت نماز ہوئی تو انہوں نے وضوء نہیں اور نماز پڑھی۔

ابن ابی شیبہ (۱/۳۹۲) مصنف عبدالرزاق (۱/۱۲۵) (رقم:۴۵۹) طبرانی کبیر (۹/۲۸۴)۔

پانزدھم: بغویؒ نے جعدیات (۲/۸۸۷۔ رقم:۲۵۰۳) میں ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت کیا ہے مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اونٹ کو نحر کروں اور میں اس کے گوبر و خون سے آلودہ ہو جاؤں اور پھر نماز پڑھوں اور پانی کو ہاتھ نہ لگاؤں۔

اس کی سند میں کلام ہے۔

ہم نے یہ دلائل آپ کے لئے ذکر کر دیے اس میں غور کریں تو مسئلہ اس سے بھی کم سے ثابت ہو جائے گا۔ جبکہ اکثر متاخرین مسائل اپنے آراء اور قیاس جو آپس میں متعارض ہوتے ہیں، ثابت کرتے ہیں۔

هٰذَا. وَبِاللهِ عَزَّوَجَلَّ التَّوْفِيْقُ۔

دودھ پینے والے بچے کی پیشاب کے زائل کرنے میں تخفیف

۱۴۰- سوال: دودھ پینے والے بچے کے پیشاب سے چھینٹے مارنے اور بچی کے پیشاب کے دھونے کا فرق حدیث سے ثابت ہے یا نہیں یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

جواب: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔

رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے حکم میں فرق کرتے ہوئے فرمایا ہے لڑکے کے پیشاب سے چھینٹے مارے جائیں اور لڑکی کے پیشاب سے دھویا جائے ترمذی (۱/۱۸۹) رقم: ۶۱۵) علی بن ابی طالب سے روایت ہے قتادہ نے کہا یہ حکم اس وقت ہے جب وہ طعام نہ کھاتے ہوں اور جب طعام کھانے لگ جائیں تو دونوں دھوتے جائیں۔ اور اس کی سند صحیح ہے ابن ماجہ (۱/۸۵-۵۲۲-۵۲۷) ابوداؤد (۱/۷۵) المشکاۃ (۱/۵۲) رقم: ۵۰۱)

تو جو رسول اللہ کے اس قول "پیشاب سے بچو" سے استدلال کرتے ہوئے فرق نہیں کرتا اس کے خیال میں اقوال نبی اور نصوص شریعت میں تناقض ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے صریح قول کی مخالفت کرتا ہے اور جو یہ تاویل کرتا ہے کہ "النَّضح" سے مراد دھونا ہے تو یہ اس حدیث میں صحیح نہیں۔ کیونکہ ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ابوالسمح سے مروی وہ کہتے ہیں:

"لڑکی کا پیشاب دھویا جائے گا اور لڑکے کے پیشاب پر "یُرَشُّ" چھینٹے مارے جائیں گے۔

تو ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے جیسے قرآن کی ایک آیت دوسری کی تفسیر کرتی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے لئے دین میں آسانی فرمائی ہے تو ہمارے لئے بندوں پر اور اپنے اوپر تنگی کرنا جائز نہیں۔

وبا للہ وعزوجل التوفیق۔

ooooooo

کپڑے پر نامعلوم پیشاب لگ جائے تو کیا کرنا چاہیئے؟

۱۴۱- سوال: جب کپڑے پر لڑکی کا پیشاب لگ جائے اور یہ معلوم نہ ہو کے کہاں لگا ہے تو کپڑے پر چھینٹیں مارے جائیں گے یا کیا کیا جائیگا؟۔اخوکم فی اللہ: گل محمد۔

جواب: وَمِنْهُ الصِّدْقُ وَالصَّوَابُ:

جب کپڑے کو پیشاب کا لگنا یقینی ہو تو اگر ممکن ہو اسے اتار کر دھونا چاہیئے اور اگر پانی نہیں ملتا تو اسی میں نماز پڑھ لینی چاہیئے اسی لئے امام طحاوی نے معانی الآثار (۴۳/۱) میں کہا ہے آپ دیکھتے نہیں کہ اگر کپڑے کو پیشاب لگ گیا ہو اور لگنے والی جگہ مخفی ہو تو وہ چھینٹے مارنے سے پاک نہیں ہوگا اسے دھونا ضروری ہے تاکہ نجاست سے اس کا پاک ہونا معلوم ہو جائے۔اور یہ جاننا چاہیے کہ نجاست میں کچھ بھی معاف نہیں اور ان کا یہ کہنا کہ نجاست غلیظہ بقدر ایک درھم کے معاف ہے تو یہ قول بلا دلیل ہے۔

اس کا ذکر اپنی جگہ آئے گا بلکہ نجاست اگر شرعی طور پر نجاست ہو تو اس کا دھونا فرض ہے اگر اس کا دھونا ممکن ہو۔ہم نے نجاست کے ساتھ شرعیہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بعض فقہاء بعض چیزوں کو نجس کہتے ہیں لیکن ان کی نجاست کے لیے سوائے ان کی آراء کے کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔اور مسلمان پر دلیل کی تابعداری فرض ہے مسلمان اپنے دینی معاملات میں دلیل سے حاصل ہونے والی بصیرت رکھتا ہے۔ واللہ اعلم.

جنبی کا پسینہ پاک ہے یا ناپاک؟

۱۴۲- سوال: جنبی کا پسینہ پلید ہے یا پاک ؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ أَمَّا بَعْدُ:

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میری نبی ﷺ سے کسی راستے میں ملاقات ہوگئی اور میں جنابت میں تھا۔تو میں آپ سے کھسک گیا اور جا کر غسل کیا پھر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابوھریرہ! آپ کہاں تھے۔تو اس نے کہا میں جنبی تھا اور ناپاکی کی حالت میں آپ سے ہم مجلس ہونا مکروہ سمجھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! یقیناً مؤمن پلید نہیں ہوتا۔بخاری (۴۲/۱) اور اس حدیث پر باب باندھا ہے" جنبی کے پسینے اور اس بات کا باب کہ مؤمن پلید نہیں ہوتا۔

حافظ فتح الباری (۳۱۰/۱) میں کہتے ہیں تقدیر کلام کی یہ ہے کہ جنبی کے پسینے کا حکم اور یہ بیان کہ مسلم پلید نہیں ہوتا اور جب پلید نہیں ہوتا تو اس کا پسینہ بھی پلید نہیں۔ المشکاۃ (۴۹/۱) مسلم (۱۶۲/۱)

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں کہا ہے: ''مسلمان زندہ مردہ پاک ہے کافر کا حکم طہارت ونجاست میں مانند مسلمان کے ہے اور یہ جمہور علماء کا قول ہے جب انسان کی طہارت ثابت ہوگئی مسلمان ہو یا کافر تو اس کا پسینہ اس کا تھوک، آنسو سب پاک ہیں خواہ وہ بے وضوء ہو جنبی ہو یا حیض ونفاس والی حالت ہو اور ان سب پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور اسی طرح بچوں کے ابدان، کپڑے تھوک رال سب طہارۃ پر محمول ہیں جب تک نجاست کا یقین نہ ہو جائے تو ان کے کپڑوں کے ساتھ نماز جائز ہے اور مائع کھانا جس میں وہ ہاتھ ڈالیں کھانا جائز ہے۔ کتاب وسنت اور اجماع سے اس کے دلائل مشہور ہیں۔ ملخصا۔

وَبِا للهِ عَزَّ وَجَلَّ التَّوْفِيْقُ۔

کس قدر نجاست کپڑے یا بدن پر معاف ہے اور نجاست کی تقسیم

۱۴۳ – سوال : کس قدر نجاست کپڑے یا بدن پر معاف ہے اور کیا نجاست کی تقسیم خفیفہ اور مغلظہ پر کرنی جیسے کہ بعض فقہاء کرتے ہیں درست ہے؟

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ أَمَّابَعْدُ۔

جاننا چاہیئے کہ نجاست اگر شریعت اسلامی میں نجاست ہو تو وہ معاف نہیں ہے چاہے بدن پر ہو یا کپڑے پر جبکہ انسان کو علم ہو جائے اور اس کے ازالے میں کوئی عذر نہ ہو۔

اور دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے : ﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ ''اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھا کر'' (المدثر:۴)

یہ مطلق ہے اور یہاں قلیل وکثیر کی کوئی قید نہیں اور اسی طرح ازالہ نجاست میں ثابت حدیثیں بھی مطلق ہیں اور ان میں کوئی چیز خاص نہیں۔ تو جو یہ کہتے ہیں کہ نجاست خفیفہ میں بقدر چوتھائی کپڑے کے اور نجاست غلیظہ میں بقدر درھم معاف ہے تو یہ ایسا قول ہے جس پر کتاب وسنت اور اجماع امت سے کوئی دلیل نہیں۔

رہی وہ حدیث جیسے دار قطنی نے (۴۰۱/۱) اور بیہقی نے (۴۰۴/۲) میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تُعَادُ الصَّلَاةُ مِنْ قَدْرِ الدِّرْهَمِ] ''درھم جتنی (نجاست سے) نماز لوٹائی جائے''۔

اور ایک حدیث کے یہ لفظ ہیں: ''جب کپڑے پر بقدر ایک درھم کے خون لگا ہو تو کپڑا دھویا جائے اور نماز لوٹائی جائے''۔

یہ حدیث موضوع (منگھڑت) ہے کیونکہ اس کی سند میں روح بن غطیف راوی متروک الحدیث ہے۔

امام بخاریؒ کہتے ہیں یہ حدیث باطل ہے اور اس میں روح نامی راوی متروک ہے جیسے کہ الضعفاء للعقیلی (۲/۵۶) میں ہے ابن جوزیؒ نے اسے "موضوعات" میں ذکر کیا ہے اور امام سیوطیؒ نے "اللآلی" میں برقرار رکھا ہے۔

اور امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں (۱/۲۱۲) ابن حبان سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں یہ بات رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائی یہ کوفے والوں کی اختراع ہے اور روح بن غطیف کا کام ہی یہی تھا کہ وہ ثقات کی طرف سے موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا۔ یہ حدیث دوسری سند سے ان لفظوں میں ہے، "خون بمقدار ایک درھم کے دھویا جائے اور نماز اس سے لوٹائی جائے" یہ حدیث موضوع ہے۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۹/۳۳۰) میں بسند نوح بن ابی مریم وہ یزید الھاشمی سے اور وہ زیدی سے اور وہ ابوسلمہ سے وہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتا ہے، یہ سند موضوع ہے نوح بن ابی مریم متھم ہے ابن جوزی نے اسی سند کے ساتھ الموضوعات میں روایت کیا ہے اور کہا ہے نوح کذاب ہے امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ (۱/۲۱۲) میں اسے برقرار رکھا ہے، اللآلی للسیوطی (۱/۳) دیکھو، السلسلہ الضعیفہ (۱/۱۸۰) برقم: ۱۴۸۔۱۴۹)

پھر الشیخ نے فرمایا ہے: "نجاست غلیظہ کے لیے قدر درھم مقرر کرنے کے لیے حنفیوں کی دلیل یہ حدیث ہے جب یہ معلوم ہو چکا کہ یہ حدیث موضوع ہے تو اس حدیث کے ساتھ نجاست غلیظہ کو قدر درھم کے ساتھ مقید کرنا باطل ہوا۔ اور نجاست سے اجتناب فرض ہے اگرچہ درھم سے کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ طہارت کا حکم ثابت کرنے والی حدیثیں عام ہیں۔

نجاست کی غلیظہ اور خفیفہ میں تقسیم:

خمر، دم مسفوح، مردار کا گوشت، جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا پیشاب، کتے کی بیٹ، قئی وغیرہ کو نجاست غلیظہ کہنا اور گھوڑے کا پیشاب اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب وغیرہ کو نجاست خفیفہ قرار دینے کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں۔

بلکہ علماء نے تو خمر کے پلید ہونے نہ ہونے میں اختلاف کیا ہے جبکہ وہ اس کی حرمت اور معنوی نجاست پر متفق ہیں دونوں اقوال میں راجح قول یہ ہے کہ شراب پاک ہے اور حرام ہے اور اس کے نجس ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

دلائل مسئلہ (نمبر: ۱۴۴) میں آرہے ہیں۔

پھر خون کے طاہر و نجس ہونے میں بھی اختلاف ہے تو ہر قسم کا خون پلید نہیں۔ تحقیق آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ۔

اور اسی طرح قئی کی نجاست پر بھی کوئی دلیل نہیں اس کا ذکر بھی آگے آئے گا۔ گھوڑے کے پیشاب اور گوشت کھائے جانے والے جانور کے پیشاب کے بارے میں تحقیق گزر چکی کہ راجح قول یہ ہے کہ پاک ہے۔

مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ تمام مسائل میں شرعی دلائل کالحاظ رکھے اور اقوال ائمہ رحمہم اللہ کی طرف نہ دیکھے جب ان کے پاس دلیل نہ ہو۔نہ ہی جمہور وا کثریت کی طرف دیکھے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَبِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ التَّوْفِیْقُ

الکحل کا استعمال اور شراب کا حکم

۱٤٤ - سوال : الکحل اور کلونیا کے مائعات جو طباعت پینٹنگ میں اور لیبارٹری ٹیسٹوں میں استعمال ہوتے ہیں کیا اسکا استعمال جائز ہے؟ اور کیا خمر (شراب) نجس ہے؟۔

جواب :اس مسئلے میں میں الشیخ محمد بن صالح العثیمین نے اپنے فتاوی (۲۵۴/۴) میں جو کچھ لکھا اس کی طرف آپ کی رہنمائی کرتا ہوں۔وہ فرماتے ہیں: ''یہ معلوم بات ہے کہ الکحل اکثر لکڑی اور بعض پودوں کی جڑوں سے حاصل ہوتا ہے اور یہ مالٹا،لیمو جیسے ترش پھلوں کے چھلکوں میں بکثرت موجود ہوتا ہے اور یہ مشاہدے میں آیا ہے کہ یہ آگ سے بھڑ کنے اور جلدی بخارات بن کر اڑنے والا مائع ہے اگر اسے منفرد استعمال میں لایا جائے تو زہر قاتل اور کئی تکلیفوں کا سبب بنتا ہے لیکن اگر اسے ایک مناسب مقدار میں کسی اور چیز کے ساتھ ملایا جائے تو اس آمیزے میں نشے کے اثرات پیدا کرتا ہے تو الکحل بذات خود مشروب اور نشے کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا لیکن جب اسے دیگر چیزوں کے ساتھ ملادیا جائے تو اس آمیزے سے نشہ حاصل ہوتا اور جو نشہ پیدا کرے وہ خمر ہے اور خمر کتاب وسنت اور اجماع سے حرام ہے۔

لیکن کیا یہ پیشاب پاخانہ کی طرح نجس العین ہے یا اس میں صرف معنوی نجاست سکر (نشہ) کی ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔جمہور اسے نجس العین کہتے ہیں اور میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ نجس العین نہیں بلکہ اس کی نجاست معنوی نجاست ہے

دلائل یہ ہیں۔

اول: کیونکہ اس کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں اور جب نجس ہونے کی کوئی دلیل نہیں تو یہ پاک ہے کیونکہ اصل ہر چیز میں طہارت ہے بعر حرام چیز نجس نہیں ہوا کرتی۔زہر حرام ہے لیکن نجس نہیں۔اور اللہ تعالی کا یہ فرمان:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ﴾ (المائدۃ:۹۰-۹۱)

(اے ایمان والو!بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہیں تا کہ تم فلاح یاب ہو۔شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے۔اب بھی باز آجاؤ)۔

تو اللہ تعالی نے رجس کو مقید بیان فرمایا ہے کہ رجس عملی ہے، ذاتی نہیں ،((رجس من عمل الشیطن)) تو جیسے میسر ،انصاب،ازلام نجس عین نہیں اسی طرح خمر بھی ہے۔

دوم: جب اللہ تعالی نے خمر کی حرمت نازل فرمائی تو اسے مدینہ کی بازاروں میں بہادیا گیا اگر یہ نجس العین ہوتی لوگوں کے راستوں میں اس کا بہانا حرام ہوتا جیسے کہ پیشاب کا بہانا حرام ہے۔

سوم: جب شراب حرام ہوئی تو نبی ﷺ نے برتنوں کو دھونے کا حکم نہیں دیا جس طرح کہ گھریلوں گدھوں کے گوشت سے برتن دھونے کا حکم دیا تھا جب اسے حرام قرار دیا گیا۔اگر یہ نجس العین ہوتی نبی ﷺ اس برتن کو دھونے کا حکم دیتے جب یہ واضح ہو گیا کہ یہ نجس العین نہیں تو کپڑوں برتنوں پر لگ جانے سے ان کا دھونا نہیں اور اس کا ہر استعمال حرام نہیں بلکہ اس کا پینا اور اس جیسا وہ استعمال جو مفاسد کا سبب ہے حرام ہے اور انہی مفاسد سے حرام ہونے کے حکم کا تعلق ہے۔

اگر کوئی کہے: کیا اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا،اس سے بچو" تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس سے ہر حال میں بچا جائے۔

الجواب: اللہ تعالی نے اجتناب کے حکم کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے"شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے" الآیۃ (المائدہ:۹۱)

اور یہ علت پینے کے علاوہ کسی اور استعمال میں حاصل نہیں ہوتی۔

تو جب الکحل کے ان مفاسد کے علاوہ اور منافع ہیں اور ان مفاسد کو اس سے اجتناب کے حکم کی علت قرار دیا ہے تو ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے اس استعمال سے بھی منع کردیں۔جس میں یہ علت موجود نہیں۔زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشتبہ امور میں سے ہے احتمال حرمت کا جانب کمزور ہے اور اس کی ضرورت پڑتی ہے تو یہ احتمال حرمت زائل ہو جاتا ہے۔اس بناء پر الکحل کے جن استعمال کا آپ نے ذکر کیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ان شاء اللہ۔

اس لیے کہ اللہ تعالی نے زمین میں سب کچھ ہمارے فائدے کے لیے پیدا فرمایا ہے اور زمین و آسمان میں سب کچھ اپنی طرف سے مہربانی فرماتے ہوئے ہمارے لیے مسخر فرمایا ہے تو ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم کوئی پابندی لگائیں اور اللہ کے بندوں کو اس سے منع کریں جب تک کتاب وسنت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

اگر یہ کہا جائے، کہ کیا شراب جب حرام ہوئی تو بہا نہیں دی گئی تھی؟ ہم کہتے ہیں:ہاں یہ درست ہے لیکن یہ سرعت حکم برداری میں مبالغہ پر مبنی ہے پھر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے اس وقت اس کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہا تھا"۔واللہ اعلم۔

شیخ ابن عثیمین صاحبؒ نے جو لکھا یہاں تمام ہوا اور یہ تحقیق بڑی عمیق ہے ہم یہ مسئلہ (نمبر:۱۴۸) میں ذکر کریں گے۔

کیا قیئ نجس ہے، اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟

١٤٥ - سوال: کیا قیئ نجس ہے؟ اور کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟۔

سائل: الحاج امیر رحمٰن۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّابَعْدُ۔

یہاں دو مسئلے ہیں:

اول: کیا قیئ نجس ہے۔

دوم: کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور یہ پہلے مسئلے کی فرع ہے۔

ہم کہتے ہیں: قیئ کے نجس ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، محققین کا یہ مذہب ہے کہ نجس نہیں۔

وہ اس مسئلے پر کئی دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) : نبی ﷺ نے کسی صحیح حدیث میں نہ اس کے ازالے کا حکم فرمایا ہے اور نہ اس سے وضوء کرنے کا حکم دیا ہے اگر یہ نجس ہوتی تو نبی ﷺ کا اسے بیان کرنا ضروری تھا کیونکہ لوگ اس میں بکثرت مبتلاء ہوتے ہیں۔

(۲) : اصل ہر چیز میں طہارت ہوتی ہے تو اس سے نقل کے لیے صحیح ناقل کا ہونا ضروری ہے جس کا کوئی معارض نہ ہو اور ہو تو راجح نہیں مرجوح ہو۔ اور یہ اہم قاعدہ ہے جس کی اکثر مسائل میں مفتی کو ضرورت پڑتی ہے۔

اسی لئے نواب صدیق حسن خان نے الروضۃ الندیہ (۱/۴۷۔۴۸) میں قیئ کرنے سے وضوء کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ نجاست قیئ کی دلیل اجماع ہے تو صرف دعویٰ ہی ہے۔

دوسرا مسئلہ:

قیئ سے وضوء کے ٹوٹنے کا مسئلہ تو ہم کہتے ہیں۔ جب قیئ کی عدم نجاست ثابت ہوگئی تو اس کے نکلنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ البتہ مستحب ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ثابت ہے۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قیئ کی تو آپ نے روزہ توڑا اور وضوء کیا۔ میری مسجد دمشق میں ثوبان سے ملاقات ہوئی تو میں نے اسے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا درست ہے آپ کو وضوء کراتے ہوئے میں نے ہی پانی ڈالا تھا۔

ترمذی (۱/۲۷) احمد (٦/٤٤٣) المشکاۃ (۱/۱۷٦)

اس حدیث سے استحباب ثابت ہوتا ہے صرف کسی فعل کا کرنا وجوب پر دلالت کے لیے کافی نہیں۔

اسی لئے شیخ الاسلام "الفتاوی (۲۱/۲۴۲) میں کہتے ہیں، قیئ، نکسیر، سنگی اور فصد (پچ لگانا) اور زخمی ہونے سے وضوء کرنا مستحب ہے جیسے کہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہما سے وارد ہے کہ وہ ان چیزوں سے وضوء کیا کرتے تھے اس کی فرضیت کے لیے کتاب وسنت میں کوئی موجب دلیل نہیں۔

ارواء الغلیل (۱/۱۴۸) رقم: (۱۱۱) میں ہے:

"(فائدہ) : مصنف نے حدیث سے استدلال کیا ہے کہ قیئ سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ وہ بہت زیادہ ہو اور یہ زیادہ ہونا ہر کسی کا اس کے اندازے پر موقوف ہے تو اس قید کا حدیث میں بالکل ذکر نہیں (یعنی ابوداؤد کی مذکورہ حدیث) اور حدیث وضوء کے ٹوٹنے پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی کیونکہ یہ مجرد رسول اللہ ﷺ کا فعل ہے اور فعل اصلاً وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرنے کے لیے مشروع ہے۔

وجوب کے لیے خاص دلیل کا ہونا ضروری ہے اور اس کا یہاں کوئی وجود نہیں اس لئے اکثر محققین کہتے ہیں کہ قیئ سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بھی ہیں۔

علامہ ابن حزمؒ المحلی (۱/۲۳۵) میں کہتے ہیں:

"قیئ کم ہو یا زیادہ اس سے وضوء ٹوٹتا اسی طرح کھٹے پانی اور پیپ سے" الخ، دیکھیں تمام المنۃ (ص:۵۳) اور المجموع (۲/۵۵۱) میں ہے "وہ رطوبت جو معدے سے خارج ہو حنفیہ کے نزدیک پاک ہے"۔

شاہ ولی اللہ الدهلوی حجۃ اللہ البالغہ میں کہتے ہیں: "ابراهیم کہتے ہیں بہنے والے خون، قیئ کثیر سے وضوء کرنا ہے، اور حسن کہتے ہیں: نماز میں قہقہہ لگانے سے وضوء ہے۔ دوسروں نے یہ قول نہیں کیا اور اس میں دلیل ایسی حدیث ہے کہ جس کے صحیح ہونے پر حدیث کی معرفت رکھنے والے علماء جمع نہیں ہو سکے۔ تو صحیح بات یہ ہے: "جس نے احتیاط کی اس نے اپنی عزت اور دین بچا لیا اور جس نے نہ کی تو صریح شریعت میں اس پر کوئی سبیل نہیں"۔

زیادہ خون اور قیئ سے بدن آلودہ ہوتا ہے اور انسان کمزور ہوتا ہے اور نماز میں قہقہہ لگانا ایسی غلطی ہے جس کا کفارہ ہونا چاہیئے تو اگر شارع نے وجوب کا حکم نہیں دیا اور بغیر عزیمت کے ترغیبی حکم دیا ہو تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔

الروضۃ الندیہ کی تعلیق والے نے (۱/۴۷) میں کہا ہے قیئ سے وضوء کے ٹوٹنے کے بارے جو احادیث مروی ہیں وہ ضعیف اور استدلال کے قابل نہیں۔ اور اسی طرح ہی حال ہے ان احادیث کا جو وارد ہیں غیر سبیلین سے خارج ہونی والی نجاست سے وضوء کے ٹوٹنے کے بارے میں اور قہقہہ سے وضوء کے ٹوٹنے کی حدیث تو بہت ہی ضعیف ہے۔

بلکہ بہت سے حفاظ نے اس پر موضوع کا حکم لگایا ہے۔ حق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ناقض وضوء نہیں۔ ہم سب کا یہ فرض ہے

کہ جب ہمیں حق کا علم ہو جائے تو اسی کی طرف رجوع کریں۔

هذا، وباللہ عزوجل التوفیق۔

گھر میں لید کی موجودگی فرشتوں کو آنے سے نہیں رکتا

۱۴۶ - سوال: بعض کہتے ہیں، لید جس کے گھر میں ہو فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے، کیا یہ صحیح ہے؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّابَعْدُ۔

یہ قول ہم نے کتابوں میں کہیں نہیں دیکھا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ گوشت کھائے جانے والے جانوروں کی مینگنیاں لید گوبر پاک ہے یہ بحث مسئلہ (نمبر:۱۳۰) میں گزر چکی۔ جب کوئی پاک چیز تمہارے گھر میں ہو تو یہ فرشتوں کو نہیں روکتی۔ ہاں فرشتے نظافت پسند کرتے ہیں۔ (بدبو سے فرشتوں کو نفرت ہے) (مترجم)۔

صاحب ہدایہ (۴/۳۶۸) میں کہتے ہیں "کتاب الکراھیۃ" مینگنیوں کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور انسانی براز کا بیچنا مکروہ ہے۔

الکفایۃ علی فتح القدیر (۸/۳۸۶) میں کہا ہے اس کا یہ کہنا کہ مینگنیوں کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں" سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی [illegible] مینگنیاں ڈلوایا کرتے تھے اور کہتے تھے لینے والے پیمانے پر نہ کہ دینے والے پیمانے پر (یعنی ناپ تول پورا ہونے چاہیئے)۔

عرب کہتے ہیں: "عَرَّ الارض" جب زمین میں مینگنیاں کھاد وغیرہ ڈالکر درست کیا جائے۔ اور العرۃ مینگنیوں ک، کہا جاتا ہے۔

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر (۶/۲۸۹) میں کہتے ہیں "خون و شراب کی خرید و فروخت کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اس میں دلیل ہے کہ گوبر و براز سمیت تمام نجاستیں اور جس کا کھانا حلال نہیں ان کا بیچنا حرام ہے واللہ اعلم۔

امام مالکؒ نے جانوروں کے براز کے بیچنے کو مکروہ کہا ہے، ابن قاسم اس میں منفعت کی وجہ اس کی بیع کی رخصت دیتے ہیں ۔قیاس کا تقاضا تو وہی ہے جو امام مالک فرماتے ہیں۔ اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور یہ حدیث اس کی صحت کی شہادت دیتی ہے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مسلم میں ہے جس میں شراب سے سرکہ بنا لینا اور فروخت کرنے کی ممانعت ہے۔

المجموع (۹/۲۳۰) میں ہے: "حلال جانوروں اور کبوتروں کے براز کی خرید و فروخت باطل ہے اور اس کی قیمت حرام ہے یہ ہمارا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کہتے ہیں" جانوروں کے براز کی خرید و فروخت جائز ہے کیونکہ ہر زمانے میں تمام علاقے کے لوگوں کا اس پر اتفاق رہا ہے اور کسی نے انکار نہیں کیا"۔ اور اسی طرح (۲/۵۵۰) میں بھی آیا ہے۔

چونکہ ان سے نفع اٹھانا جائز ہے اس لئے دیگر اشیاء کی طرح ان کی بھی خرید وفروخت جائز ہے۔
اور المرداوی کی الانصاف (۲۸۰/۴) میں ہے: "مذہب میں مینگنیوں کی خرید وفروخت جائز نہیں لیکن مُهَنَّا روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا، مینگنیوں اور گوبر کی خرید وفروخت کے بارے میں انہوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ میرے نزدیک ان کی خرید وفروخت جائز ہے کیونکہ اصل تمام چیزوں میں اباحت ہوتی ہے جب تک کوئی صحیح دلیل مانع نہ ہو اور وہ یہاں نہیں پائی جاتی اور جنھوں نے ان کی خرید وفروخت حرام کی ہے تو انہوں نے اس کی علت نجاست بیان کی ہے اور ہم ذکر کر چکے کہ کھائے جانے والے جانوروں کے براز کو نجس کہنا ضعیف ہے صحیح تو یہی ہے کہ وہ پاک ہے ان دلائل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے۔
اور گھر میں پیشاب پاخانے کا موجود ہونا فرشتوں کے دخول سے مانع نہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں رات کو لکڑی کے برتن میں پیشاب کرتے تھے جیسے کہ ابوداؤد نے روایت کیا۔ واللہ اعلم.

کیا بارش کا کیچڑ سے کپڑے پلید ہوتے ہیں؟

۱۴۷- سوال : بارش کا کیچڑ اور یہ راستوں میں جو کیچڑ ہوتا ہے نجس ہے جس سے کپڑے تبدیل کرنا یا دھونا فرض ہے۔ یا اس کیچڑ کے چھینٹے معاف ہیں؟۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

جب تیرا کپڑا ظاہر میں پلید نہ ہو تو اپنے کپڑے کو ایسے کیچڑ سے جس میں نجاست یقیناً نہ ہو دھونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے ثابت ہے انہیں ایک عورت نے کہا میرا دامن لمبا ہے اور گندی جگہ سے گزرتی ہوں تو آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "بعد والی جگہ سے گزرتے ہوئے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

مالک (۱۷/۱) احمد، ابوداؤد (۷۷/۱) دارمی، المشکاۃ (۵۳/۱)

اور اس کی سند بوجہ شاہد کے درست ہے جو ہم ابھی ذکر کریں گے۔

جیسے ترمذی نے (۴۷/۲) میں اور ابن ماجہ نے (۸۷/۱) میں روایت کیا ہے بنی عبد الاشہل کی ایک عورت سے روایت ہے وہ کہتی ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (ﷺ) مسجد تک ہمارا راستہ بدبودار ہے۔ تو بارش میں ہم کیا کریں۔ تو فرمایا، اس کے بعد والا راستہ اس سے اچھا نہیں ہے میں نے کہا! ہاں ہے فرمایا: یہ اس کے بدلے میں ہے،

ابو داؤد (۷۷/۱) بسند صحیح ۔المشکاۃ (۵۳/۱) ابن ماجہ (۸۷/۱)

اور جب اصل اشیاء میں طہارۃ ہے اور نجاست مُتَیَقَّنْ نہیں۔ تو تم پر کوئی حرج نہیں۔ موطا کے حاشے میں ہے "راستوں کا کیچڑ

پاک ہے جب تک اس میں نجاست ثابت نہ ہو جائے۔

اور المرقاۃ (۷۶/۲) میں ہے: اگر یہ حدیث اس پر محمول کی جائے کہ راستے کا کیچڑ پاک ہے یا عموم بلوی کی وجہ سے معاف ہے تو یہ توجیہ عمدہ ہے۔

اور ردالمحتار (۲۱۶/۱) میں ہے: ''راستوں کا کیچڑ معاف ہے مجبوری کی وجہ سے اگرچہ سارے کپڑے بھر جائیں۔ اگرچہ گندگی اس میں ملی ہو اور اس کے ساتھ نماز درست ہے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مشائخ نے امام محمد کے آخری قول پر قیاس کیا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ گوبر و لید پاک ہے''۔

میں کہتا ہوں: یہی حق ہے جیسے کہ میں مسئلہ (۱۳۰) میں ذکر کر چکا۔ پھر کہا ہے، کیچڑ کے پاک ہونے کا قول ان کے لئے ہے جو اس کے ساتھ مبتلا ہوں اور کیچڑ میں انکا آنا جانا ہو ہمارے شام کے علاقوں میں کیونکہ اکثر راستے نجاستوں سے محفوظ نہیں اور ان سے بچنا بھی مشکل ہے بخلاف ان لوگوں کے جو ایسی حالت میں نہیں گزرتے تو ان کے حق میں معاف نہیں اور وہ ان کپڑوں میں نماز نہ پڑھیں۔

میں کہتا ہوں: معافی کے لئے قید یہ ہے کہ نجاست کا اثر اس میں ظاہر نہ ہو جیسے کہ ''فتح'' میں ''تجنیس'' سے اس کا نجس ہونا منقول ہے۔ اور قہستانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور ''قنیہ'' میں دو قول ہیں اور دونوں کو پسند کیا ہے۔

ابو نصر الدبوسی سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ پاک ہے جب تک عین نجاست نہ دیکھے۔ اور کہا ہے یہ روایت کے لحاظ سے صحیح اور منصوص کے لحاظ سے قریب ہے۔ اور اوروں سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے، اگر نجاست کا غلبہ ہو جائز نہیں اور اگر کیچڑ کا غلبہ ہو تو پاک ہے۔ پھر کہا ہے، منصف کے نزدیک یہ درست ہے نہ کہ معاند کے نزدیک۔

دوسرا قول: اس قول کا تعلق اس سے ہے پانی اور مٹی مل جائیں اور ان میں سے ایک نجس ہو تو اعتبار اغلب کا ہوگا۔

مجموعہ الفتاوی لشیخ الاسلام ابن تیمیہ (۱۸/۲۱) میں اس قاعدے کے تحت لکھا ہے ''پاک چیز کا پلید چیز کے ساتھ مل جانے کا شبہ ہو تو دونوں سے اجتناب فرض ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز یقینی طور پر حلال ہو اور کسی ایسی چیز کے ساتھ خلط ملط نہ ہوئی ہو جس پر حکم نجاست کا ہو تو کیسے پلید ہو سکتی ہے؟ اسی لئے اگر یقین ہو کہ مسجد میں یا کہیں اور کچھ جگہ پلید ہے لیکن اس جگہ کا بعینہ علم نہ ہو اور اس نے وہاں کس جگہ نماز پڑھی اور اسے پلید ہونے کا علم نہیں تھا تو اس کی نماز درست ہے کیونکہ وہ جگہ یقینی طور پر پاک تھی اور اسے یہ علم نہیں تھا کہ یہ پلید ہے۔

اور اسی طرح اسے راستوں کے کیچڑ سے کچھ لگ جائے جس پر نجاست کا حکم نہیں اور اسے علم ہے راستوں کا کچھ کیچڑ پلید ہے اور اس کا محصور و غیر محصور عدد میں اور قلیل و کثیر میں فرق نہیں کر سکتا۔

اور اسی طرح کہا گیا ہے، بہن کا اجنبیہ کے ساتھ اشتباہ ہونے والی مثال میں کیونکہ وہاں حلال کا حرام کے ساتھ اشتباہ ہو گیا ہے اور

یہاں حلت پر حرمت کے طاری ہونے کا شک ہو گیا ہے۔

اور جب کپڑے یا بدن کو نجاست لگنے کا شک ہو جائے تو بعض علماء چھینٹے مارنے کا حکم دیتے ہیں اور مشکوک کا حکم النضح (چھینٹے مارنا) قرار دیتے ہے۔ جیسے کہ امام مالک ؒ فرماتے ہیں اور بعض علماء یہ واجب نہیں کرتے۔

جب احتیاط سے بھی کام لے اور مشکوک پر چھینٹے بھی مارے تو یہ اچھا ہے جب کہ مروی ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کافی عرصہ چٹائی کے استعمال کی وجہ سے چھینٹے مارے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے کپڑے پر چھینٹے مارے وغیرہ۔

واللہ اعلم.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

عطریات میں الکحل کا استعمال اور پھر اسے کپڑوں پر لگانا

۱۴۸ - سوال: یہ جو عطروں میں الکحل استعمال ہوتی ہے جنہیں کپڑوں پر لگایا جاتا؟ کیا ان کپڑوں میں نماز درست ہے؟۔ اخوکم نورالحق۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّابَعْدُ :

یہ مسئلہ شراب کے طاہر و نجس ہونے پر مبنی ہے راجح بات یہی ہے کہ شراب کتاب وسنت اور اجماع امت سے حرام ہے اور اس کی نجاست معنوی ہے حسی نہیں کیونکہ اس کے نجس ہونے پر کوئی دلیل نہیں تو حرام اور پاک ہوا اور ہر حرام پلید نہیں ہوا کرتا۔

یہی قول ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن المعروف (ربیعۃ الرای) کا ہے تہذیب میں ہے کہ انہوں نے بعض صحابہ اور اکابر تابعین کو پایا ہے اور یہ مدینہ میں صاحب فتویٰ تھے۔ مدینہ کے بہت سے لوگ ان کے پاس اکتساب علم کے لیے بیٹھتے تھے۔ ان کی مجلس میں چالیس پگڑی پوش بیٹھتے تھے، امام مالک ؒ نے انہی سے اخذ کیا ہے۔ یہی لیث بن سعد مصری الفقیہ ؒ نے کہا ہے جو مشہور امام ہیں ان کی فضیلت کا اعتراف بڑے ائمہ نے کیا جن میں امام مالک ؒ بھی شامل ہیں انہوں نے ان کی طرف لکھے ہوئے ایک خط میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ بلکہ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ لیثؒ مالکؒ سے بڑے فقیہ ہیں لیکن ان کے شاگرد ان کے ساتھ قائم نہیں رہ سکے۔

ابن بکیرؒ کہتے ہیں بلیثؒ، مالکؒ سے بڑے فقیہ ہیں لیکن حصہ امام مالک کا ہے۔

امام شافعی کے شاگرد اسماعیل بن یحییٰ المزنی نے بھی یہی کہا ہے۔ اور وہ امام شافعی کی طرف منسوب مجتہد امام ہے جیسے کہ امام نوویؒ نے المجموع (۲/۱/۷) میں کہا ہے۔

اور انکے علاوہ کثیر متاخرین بغدادیوں اور قرویوں سب کا یہی خیال ہے کہ شراب پاک ہے، حرام تو صرف اس کا پینا ہے، جیسے تفسیر

القرطبی (۶/ ۸۸) میں ہے۔اور یہی راجح ہے، کیونکہ ہم ذکر کر چکے کہ اشیاء میں اصل طہارت ہوتی ہے، جب تک کوئی مانع نہ ہو، اور معارض دلیل موجود نہ ہو۔ مراجعہ کریں تمام المنۃ (۵۴/)

اکثر علماء شراب کی نجاست کے قائل ہیں لیکن دلیل کے اعتبار سے راجح قول اول ہے۔

لیکن اگر کوئی اپنے دین، اپنی عزت کو بچانے کے لئے احتیاط کرتا ہے تو اور بات ہے۔اور الکحل کا بوقت ضرورت زخموں میں استعمال جائز ہے کیونکہ مشتبہ کا اشتباہی حکم بوقت ضرورت زائل ہو جاتا ہے۔

شراب کے حسی طور پر پاک ہونے کی دلیل متعدد اشیاء ہیں:

۱-اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں اسکے ساتھ "رِجسٌ" کی قید لگاتے ہوئے فرمایا ہے:﴿رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ تو یہ عملی رجس ہے، عینی اور ذاتی رجس نہیں۔

دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:﴿ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ﴾

اور یہ معلوم ہے کہ جوا، تھان اور تیر حسی طور پر نجس نہیں، تو یہ چاروں ایک ہی وحدت میں اکٹھے بیان کئے گئے ہیں تو قاعدہ یہی ہے کہ یہ سب اس صفت میں متفق ہیں۔ جب باقی تین کی نجاست معنوی نجاست ہے تو اسی طرح شراب کی نجاست بھی معنوی نجاست ہے کیونکہ یہ شیطانی عمل ہے۔

(۲)- یہ ثابت ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے اسے بازاروں میں بہا دیا اگر یہ پلید ہوتی، تو اس کا بازاروں میں بہانا جائز نہ ہوتا کیونکہ یہ بازاروں کو نجاست سے ملوث کرنا ہوا اور یہ جائز نہیں۔

(۳)- جب شراب حرام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے برتنوں کے دھونے کا حکم نہیں دیا اگر یہ پلید ہوتی، تو برتنوں کو اس سے ضرور دھونے کا حکم فرماتے، جس طرح کہ آپ نے گھریلو گدھوں کے گوشت کی حرمت کے وقت برتنوں کو اس سے دھونے کا حکم دیا تھا۔

(۴)- صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ ایک شخص شراب کی مشک لے کر آیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہیں معلوم نہیں کہ شراب حرام ہو چکی"۔ پھر ایک شخص نے اس کے ساتھ خفیہ سرگوشی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے کیا کہا؟ اس نے کہا کہ میں نے اسے بیچ دینے کا کہا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز حرام فرما دیتا ہے تو اسکی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے" تو اس شخص نے مشک کا منہ پکڑ کر ساری شراب بہا دی۔ نبی ﷺ نے اسے مشک کو شراب سے دھونے کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اسے وہاں بہانے سے روکا، تو دلیل ہے کہ شراب حسی طور پر پلید نہیں۔ اگر حسی طور پر پلید ہوتی، آپ اسے وہاں بہانے سے روکتے اور دھونے کا حکم بھی فرماتے۔

(۵) -اصل اشیاء میں طہارت ہوتی ہے، یہاں تک کہ ایسی کوئی واضح دلیل مل جائے جس سے اس چیز کی نجاست پر دلالت

ہوتی ہو۔ جب کسی چیز کی نجاست پر دلالت کیلئے دلیل نہ ہو، تو وہاں اصل یہی ہے کہ وہ پاک ہے، لیکن یہ معنوی اور علمی اعتبار سے خبیث ہے اور کسی چیز کے حرام ہونے سے اسکا نجس ہونا لازم نہیں آتا۔ آپ دیکھتے نہیں زہر حرام ہے لیکن پلید نہیں ہے، ساری نجس اشیاء حرام ہیں لیکن ساری حرام چیزیں نجس نہیں ہیں۔

اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ کولونیا اور اسکی مشابہ چیزیں پلید نہیں ہیں کیونکہ خمر ذاتی طور پر پلید نہیں اس قول کے مطابق جس کے ہم نے دلائل ذکر کر دیئے تو کولونیا اس جیسی چیزیں نجس نہیں ہیں جب پلید نہیں تو کپڑوں کا اس سے پاک کرنا واجب نہیں۔

هذا، وبالله التوفيق.

بعض خون پاک، اور بعض پلید ہے

۱۴۹ - سوال : کیا خون مطلقاً نجس ہے یا جیسے کہ کہا گیا ہے پاک ہے؟
اس مسئلے کی تفصیلی وضاحت فرمائی جائے۔ اخوکم مہدی السودانی۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ :

اس مسئلے کی تحقیق یہ ہے کہ خون کی کئی قسمیں ہیں۔

ہم یہ تمام اقسام حکم اور دلیل سمیت ذکر کیے دیتے ہیں۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَتَوْفِيْقِهٖ.

قسم اول: حیض کا خون :

یہ اتفاقاً نجس ہے جس پر صحیح بخاری کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔

امام بخاری (۱/۴۴) میں کہتے ہیں: "حیض کے خون کو دھونے کا باب" اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتی ہیں: ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ﷺ ہم میں سے کس کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جاتا ہے تو بتائیں وہ کیا کرے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے کھرچے اور پھر پانی کے ساتھ دھوئے پھر اسمیں نماز پڑھ سکتی ہے۔

پھر عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ذکر کی وہ کہتی ہیں: ہم میں سے کوئی حائضہ ہوتی جب پاک ہوتی، اس کپڑے سے ﷺ خون کھرچ کر دھو ڈالتی اور سارے کپڑے پر چھینٹے مارتی اور پھر اسمیں نماز پڑھتی۔

یہ دونوں حدیثیں حیض کے خون کے پلید ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اسکا دھونا واجب ہے۔ اور حیض کا خون لگے ہوئے کپڑے میں نماز نہیں ہوتی، نیز حیض کے خون کی بدبو ہوتی ہے تو اسکے نجس ہونے اور اسکے دھونے کا حکم ہونے میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

قسم دوم : دم مسفوح وغیرہ جو کسی حیوان سے نکلتا ہے وہ مردار اور پلید ہے۔

اس پر امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر (۲/۲۲۱) میں علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ خون حرام اور پلید ہے۔

امام نوویؒ نے شرح المہذب (۲/۵۵۷) میں کہا ہے: خون کی نجاست کے دلائل ظاہر ہیں، اور مجھے علم نہیں کہ مسلمانوں میں سے کسی نے اس میں اختلاف کیا ہو، سوائے اس کے کہ حاوی والے بعض متکلمین سے یہ حکایت کرتے ہیں کہ وہ اسے پاک کہتے ہیں لیکن اجماع میں متکلمین کا شمار نہیں ہوتا۔ نہ ہی انکی مخالفت کو شمار کیا جاتا ہے۔

جمہور اہلِ اصول کا صحیح مذہب یہی ہے، خصوصاً فقہی مسائل میں۔

ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتہد (۱/۵۷) میں کہا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ خشکی کے حیوان کا خون پلید ہے۔

قسم سوم :

وہ جانور جس کا گوشت کھایا جاتا ہے، اسے شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہو اسکا دم مسفوح (بہنے والا خون)۔ اسمیں علماء کے دو قول ہیں۔

قول اول : یہ خون پاک ہے، اور وہ استدلال کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُونٹ نحر کیا اور وہ اسکے خون و گوبر سے آلودہ تھے کہ نماز کھڑی ہوگئی، انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

مصنف عبدالرزاق (۱/۱۲۵) ابن ابی شیبۃ (۱/۳۹۲)، طبرانی کبیر (۹/۲۸۴) سند صحیح ہے)

اور اسی طرح وہ استدلال کرتے ہیں اس حدیث سے جیسے امام بغویؒ نے جعدیات (۲/۸۸۷) میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اُونٹ نحر کروں اور میں اسکے خون و گوبر سے لت پت ہو جاؤں اور پھر اسی میں نماز پڑھوں اور پانی کو ہاتھ نہ لگاؤں''۔ اسکی سند میں ضعف ہے۔

اور وہ استدلال کرتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ براءت ذمہ نص سے ہوتی جو موجود نہیں۔

رہا اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾

(یا بہتا ہوا خون یا خنزیر کا گوشت ہے، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے) الآیۃ۔ الانعام (۱۴۵)

تو فَإِنَّهُ ضمیر کا مرجع لحم خنزیر ہے، دم مسفوح نہیں ہے۔

اور استدلال کرتے ہیں کہ گوشت کھائے جانیوالے جانور کا پیشاب پاک ہے تو اسی طرح اسکا خون بھی پاک ہے کیونکہ دلیل ایک ہی ہے اور وہ براءت ذمہ۔

OOOOOOO

دوسرا قول: یہ دم مسفوح پلید ہے۔

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ (آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے، ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کیلئے جو اس کو کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے)۔(الانعام:۱۴۵)

اور طریق استدلال یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں: آیت میں ''مُحَرَّمًا'' صفت ہے، موصوف اسکا محذوف ہے، تقدیر اسکی یہ ہے: ''شیئا محرما'' اور ''یَکُوْنَ'' میں جو ضمیر مستتر ہے اسکا مرجع یہی ''شَیْئًا مُحَرَّمًا'' ہے تو معنٰی یہ بنا ''مگر یہ کہ وہ حرام چیز مردار ہو الخ''۔ اور ضمیر بارز جو ''فَإِنَّهُ'' میں ہے اسکا مرجع بھی وہی ''الشَّیْئُ الْمُحَرَّمُ'' ہے تو معنٰی بنا: ''یہی حرام چیز رجس (نجس) ہے''۔
تو اس آیت میں ان تین چیزوں (مردار، دم مسفوح اور خنزیر کا گوشت) کا حکم اور علت دونوں بیان ہوئی ہیں اور جو قول، ''فَإِنَّهُ'' کو صرف ''لَحْمَ خِنْزِيرٍ'' پر ہی مقصور رکھتے ہیں کیونکہ یہ اسکے سب سے زیادہ قریب ہے اور مقصور کرنے میں قصور ہے کیونکہ ایک تو اس سے ضمیروں میں تفریق ہو جاتی ہے اور دوسرا بیان قرآنی میں قصور لازم آتا ہے کیونکہ حکم تو تینوں (الْمَيْتَة، الدَّمُ الْمَسْفُوح، لَحْمُ الْخِنْزِير) کا ذکر کرتا ہے اور حکم کی علت صرف ایک ہی کی بیان کرتا ہے اور اسی طرح جو ''انہ رجس'' کو لحم الخنزیر پر مقصور رکھتا ہے اور علت یہ بیان کرتا ہے کہ اگر ضمیر تینوں کیلئے ہوتی تو کہتے (فَإِنَّهَا) یا (فَإِنَّهُنَّ)
تو جواب اسکا یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ضمیر ان تینوں کیلئے ہے بلکہ یہ ضمیر تو عائد اس ضمیر مستتر کی طرف جو ''یَکُوْنَ'' میں ہے اور رجس سے خبر دی گئی ہے احد الامور الثلاثۃ کے ساتھ۔
دوسرا وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ گوشت کھائے جانے والے حیوان کے دم مسفوح اور مردار سے نکلنے والے خون میں کوئی فرق نہیں اور اسی پر دلالت کرتے ہیں علماء کے وہ اقوال جو قسم ثانی میں ذکر ہوئے۔ احتیاط اسی قول میں ہے۔

قسم چہارم: انسان سے بہنے والا خون:

اسمیں بھی دو قول ہیں: ایک تو یہ ہے کہ یہ نجس ہے۔ یہ لوگ بعض ظاہر نصوص سے استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب اُحد کے دن زخمی ہوئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ وہ خون دھو رہی تھیں اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی انڈیل رہے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲/۱۰۷) بخاری (۲/۵۸۴)
دونوں حدیثوں کے راوی سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں۔ لیکن اس حدیث سے انسان کے زخم سے بہنے والے خون کی نجاست پر

استدلال کئی وجوہ سے ضعیف ہے۔

اول وجہ: یہ دھونا طہارت شرعی کے لئے نہیں، نظافت کیلئے تھا۔

دوسری وجہ: یہ دھونا علاج کے لئے تھا کیونکہ پانی کے ساتھ خون رک جاتا ہے تو یہ دھونا بغرض علاج تھا، نہ اسلئے کہ وہ نجس تھا۔

تیسری وجہ: اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں تو یہ مجرد فعل تھا اور مجرد فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔

اور جو زخم سے بہنے والے اس خون کو خون حیض پر قیاس کرتا ہے تو قیاس مع الفارق ہے۔ طاہر کو نجس پر قیاس کیا، حیض کا خون بالاتفاق نجس ہے اور انسان کے زخم سے بہنے والا خون پاک ہے۔ راجح قول یہی ہے۔

دوسرا قول: انسان کے زخم سے بہنے والے خون کا دھونا واجب نہیں، اسکے ساتھ نماز پڑھنی درست ہے اور اسکے نکلنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا، ہاں اسے دھونا اور اس سے وضوء کرنا مستحب ہے، اور اس پر درج ذیل دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

پہلی حدیث: جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں نکلے، اور اس حدیث میں ہے" انصاری کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگا۔ ایک آدمی آیا اس نے دیکھا کہ یہ قوم کے محافظ ہیں تو اس نے اسے تیر مارا تو اس نے اسے رہنے دیا یہاں تک کہ اسے تین تیر مارے پھر رکوع سجدہ کرنے (اور سلام پھیرنے) کے بعد اپنے ساتھی کو متنبہ کیا، جب دشمن نے دیکھا کہ یہ چوکنے ہوگئے ہیں تو بھاگ گیا، جب مہاجری نے انصاری کا خون دیکھا تو کہنے لگا: سبحان اللہ جب تمھیں پہلی بار تیر لگا تو مجھے مطلع کیوں نہیں کیا؟۔ اس نے کہا میں ایک سورۃ پڑھ رہا تھا تو میں نے اسے قطع کرنا پسند نہیں کیا۔

(بخاری: ۱/ ۲۹) تعلیقاً وابوداود) (ورواہ احمد)

یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ عادۃً یہ بعید ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ ملی ہو۔

اگر یہ خون پلید ہوتا اور اس سے وضوء ٹوٹتا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور بیان فرمادیتے کیونکہ بیان کو ضرورت کے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں۔ جیسے کو علم الاصول میں یہ مسلّم ہے۔

فرض کرو، اگر نبی ﷺ پر یہ مخفی رہا ہو تو اللہ تعالیٰ سے تو مخفی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو زمین وآسمان کی کوئی چھپی ہوئی چیز مخفی نہیں ہے، اگر یہ ناقض یا نجس ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو وحی کے ذریعے مطلع فرمادیتا، اور یہ بات واضح ہے کسی سے مخفی نہیں۔ یہ مذہب امام بخاریؒ کا ہے۔ اور اکثر محققین کا ہے۔

اور اسی طرح استدلال کرتے ہیں اس حدیث سے جیسے امام بخاریؒ نے (۱/۲۹) میں حسن سے تعلیقاً ذکر کیا ہے: "[مَا زَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يُصَلُّوْنَ فِيْ جِرَاحَاتِهِمْ]۔ (مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نمازیں پڑھتے رہے)۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱/۲۲۶) میں کہا ہے اور یہ صحیح ثابت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی حالانکہ انکے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

o پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طاؤس، محمد بن علی، عطاء اور اہل حجاز کہتے ہیں کہ خون میں وضوء کرکرنا نہیں ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پھنسی کو دبا کر خون نکالا اور وضوء نہیں کیا۔

o اور ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے تھوک میں خون تھوکا اور نماز پڑھتے رہے۔

o اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حسن رحمہ اللہ نے سنگی لگوانے والے کے بارے میں کہا کہ اس پر سنگی لگانے والی جگہ کے دھونے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ان صحیح آثار سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں (۱)- خون کے نکلنے سے وضوء کا نہ ٹوٹنا۔

(۲)-انسان کے زخم سے نکلنے والے خون کی طہارت۔

ابن ابی شیبہ نے (۱۳۸) میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے ناک میں انگلی داخل کی تو اس سے خون نکلا تو انہوں نے زمین پر یا مٹی پر اسے مل دیا اور نماز پڑھی۔اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لاتے ہیں کہ وہ اپنی ناک میں انگلی داخل کرتے تو اس پر خون نکلتا تو اسے ہٹاتے اور نماز پڑھتے۔اسکی سند میں مجہول ہے۔

سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی انگلی ناک میں داخل کی تو خون نکلا آپ نے اسے پونچھ دیا اور نماز پڑھی اور وضوء نہیں کیا۔

اور استدلال کرتے ہیں انسانی اجزاء اگر کاٹ دیے جائیں تو وہ پاک ہونگے اکثر اہل علم کے نزدیک،تو خون بطریق اولی پاک ہے۔

پہلے قول والوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ان آثار کا دو طرح جواب دیا ہے:

پہلی وجہ: ہوسکتا ہے کہ یہ معمولی خون ہو جو معاف ہے، جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نماز میں قطرہ دو قطرہ خون نکلنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔(ابن ابی شیبہ)

دوسری وجہ: یا وہ خون اتنا زیادہ ہو کہ اس سے بچنا ناممکن ہو۔جیسے وہ حدیث جسے امام مالکؒ نے اپنی موطأ میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب خنجر مارا گیا تو نماز پڑھ رہے تھے اور انکا خون بہہ رہا تھا،تو اس سے بچنا ممکن نہیں تھا اگر اسے دھو بھی لیا جاتا تو خون مسلسل بہہ رہا تھا،دھونے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اور اسی طرح اگر کپڑے تبدیل کر دیے جاتے تو دوسرا کپڑا ابھی خون آلود ہو جاتا۔تو کپڑے تبدیل کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے واردان دو وجہوں کے علاوہ دوسری کوئی وجہ نہیں تو ان دو وجہوں سے خون کی طہارت کا اثبات ممکن نہیں۔

اولیٰ پہلی وجہ کا یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے اور آثار میں قلیل و کثیر کا ذکر نہیں، وہ کون

ہے جو کم خون کو پاک کرنے والا اور زیادہ خون کو نجس قرار دیتا ہے،

ہم پہلے بیان کر چکے کہ شرعی نجاست قلیل ہو یا کثیر اس کا زائل کرنا فرض ہے۔

دوسری وجہ کا جواب: جب قلیل خون کی نجاست ثابت نہ ہوئی تو کثیر کی نجاست کی استثناء کہاں سے آئی۔ اور نبی ﷺ یا صحابہ کرامؓ نے یہ کہاں کہا ہے کہ وہ خون جس سے بچنا ممکن نہ ہو وہ پلید ہے؟۔

بہتر یہ ہے کہ اس سے بچنا چاہئے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے: ''وہ چیز چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور وہ چیز لے لو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے''۔ اور اسی طرح یہ بھی ثابت ہے،''جو مشتبہ اشیاء سے بچتا رہا، اس نے اپنے دین اور عزت کی بری کرالیا''۔

یہ شرعی قواعد ہیں اور خون کا دھونا آدمی کیلئے کوئی مشکل کام نہیں، اس کا دھونا افضل اور اولیٰ ہے۔

پانچویں قسم : مچھلی کا خون

تو وہ پاک ہے کیونکہ جب وہ مردہ ہو تو پاک ہے۔

یہ دلیل ہے اسکے خون کی طہارت کی، مردار کی حرمت اسمیں خون باقی رہنے کی وجہ سے ہے۔

دلیل نبی ﷺ کا یہ قول ہے : ''جو چیز خون بہادے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرلیا جائے تو اسے کھا''۔ تو نبی کریم ﷺ نے حلال ہونے کا سبب دو چیزیں قرار دی ہیں ایک خون کا بہانا۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا۔

پہلا سبب حسی ہے اور دوسرا معنوی۔

اور یہ بھی ایک دلیل ہے گوشت کھائے جانیوالے حیوان کے دم مسفوح کی نجاست کی۔

خون کی باقی رہنے کی وجہ سے یہ حرام ہوگا، اور کسی نے کہا ہے یہ خون کے نجس ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ یہ تو حرام ہے بسبب حرام کے باقی رہنے کے جو خون ہے نہ کہ نجس کی باقی رہنے کے۔ یہ تو مصادرہ علی المطلوب ہے۔

چھٹی قسم: مکھی، مچھر اور شہد کی مکھی اور ان جیسی چیزوں کا خون،

تو یہ پاک ہے کیونکہ یہ اگر مر بھی جائیں تو پاک ہیں جیسے کہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اسمیں اسے ڈبونے کا حکم ہے جب وہ مشروب میں گر جائے تو بعض مشروب گرم ہوتے ہیں جس سے وہ مر جاتے ہیں اور یہ دلیل ہے انکے خون کے پاک ہونے کی جیسے کہ مردار کے حرام ہونے کی علت پہلے بیان ہو چکی۔

ساتویں قسم: ذبح شدہ جانور کی جان نکلنے کے بعد جو خون باقی رہتا ہے

تو وہ بھی پاک ہے جسطرح اس جانور کے تمام اجزاء پاک ہیں، شرعی ذبح کے ساتھ اور اسی طرح خون بھی پاک ہے جیسے دل کا خون، جگر اور تلی کا خون۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گوشت کو نہیں دھویا کرتے تھے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم گوشت کھاتے تھے اور خون خطوط کی شکل میں ہنڈیا پر نمایاں ہوتا تھا۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ (۵۲۲/۲۱) میں کہا ہے کہ بھنا ہوا گوشت اور ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا گوشت کھانا جائز ہے، دھو کر پکایا گیا ہو یا بغیر دھوئے پکایا ہو، بلکہ ذبیحے کا گوشت دھونا بدعت ہے بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو گوشت بغیر دھوئے پکا کر کھاتے تھے اور وہ ہنڈیا میں خون کی لکیریں دیکھتے تھے۔ پھر فرمایا: یہ ثابت ہے کہ وہ گوشت ہنڈیا میں ڈالتے تھے تو پانی میں خون کی لکیریں نمایاں ہوتی تھیں اور اس کے معاف ہونے میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں اور اسکے نجس نہ ہونے پر اتفاق ہے۔

هذا وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه اجمعين.

زمین، موزوں اور کتے کا جھوٹا کیا ہوئے برتن کو پاک کرنے کا طریقہ

۱۵۰ - سوال : زمین اور موزے کو پاک کرنے اور اس طرح کتے کا جھوٹا برتن پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب : زمین تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، انس ﷺ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک دیہاتی مسجد میں آیا اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابہؓ نے اسے روکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چھوڑو، اسکا پیشاب مت روکو" تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ پیشاب کر کے فارغ ہوا۔ اور اس حدیث میں ہے: آپ ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا وہ پانی کا ایک ڈول لایا، آپ نے اس پر بہا دیا۔

(بخاری: ۳۵/۱ ومسلم ۱۳۸/۱ وابوداود: ۶۱/۱)۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ پلید زمین پر پانی بہا دینے سے وہ پاک ہو جاتی ہے اور اسے کھودنا شرط نہیں اور نہ ہی بتکرار دھونا اگر نجاست باقی نہ رہ گئی ہو۔

تو زمین کھودنے کا ذکر جس حدیث میں آتا ہے وہ ضعیف ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ زمین خشک ہو جانے سے بھی پاک ہو جاتی ہے، جیسے کہ ابوداود (۶۱/۱) میں ہے: "باب جب زمین خشک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے"۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں رات گزارا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور غیر شادی شدہ جوان تھا اور کتے مسجد میں پیشاب کر دیا کرتے تھے اور آتے جاتے تھے تو اس پر پانی نہیں ڈالا کرتے تھے۔

(احمد ۷۱/۲) بخاری (۲۹/۱) بغیر لفظ "تبول" کے۔

عون المعبود (۱/ ۱۴۷) میں کہا ہے کہ اس حدیث میں واضح دلیل ہے کہ زمین اگر دھوپ یا ہوا سے خشک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ اور یہ قول ہے ابوقلابہ اور ابوحنیفہؒ وغیرہ کا۔ ملخصاً۔

ابن ابی شیبہ نے (۱/ ۵۷) میں ابوجعفر محمد بن علی سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: زمین کا خشک ہونا اسکا پاک ہونا ہے اور اسی طر ابن الحنفیہ اور ابوقلابہ دونوں سے روایت ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ جب زمین خشک ہو گئی تو پاک ہو گئی۔ اور اسی طرح عبدالرزاق مصنف میں ابوقلابہ سے روایت لاتے ہیں اسی طرح نصب الرایہ (۱/ ۲۱۱) میں ہے۔ مرفوع روایت بھی آتی ہے لیکن وہ ثابت نہیں۔ دیکھیں فقہ السنۃ (۱/ ۳۰)

یہ تو اس صورت میں ہے جب نجاسب مائع حالت میں ہو لیکن اگر نجاست جرم دار ہو تو جب تک اسے زائل نہ کر دیا جائے یا تبدیل نہ کر دیا جائے تو پاک نہ ہوگا۔

موزے اور جوتے اور ان جیسی اور اشیاء کو اگر نجاست لگ جائے خواہ نجاست دیکھی جا سکتی ہو یا نہ دیکھی جا سکتی ہو تو انہیں زمین پر مل دینے سے پاک ہو جاتے ہیں جیسے کہ ابوسعید خدری ﷺ کی حدیث میں ہے: "جب تم میں سے کوئی مسجد کو آئے اور اپنے جوتے میں پلیدی لگی دیکھے تو اسے زمین پر مل کر اسمیں نماز پڑھے"۔ (ابوداؤد: ۱/ ۱۲۸، دارمی: ۱/ ۱۶۰) (المشکاۃ: ۱: ۳/ ۷۳)

یہ حدیث اور اس جیسی دیگر حدیثیں عام مطلق ہیں اسمیں جرم دار و غیر جرم دار کا کوئی فرق نہیں۔ اور جو فرق کرتے ہیں انکے پاس کوئی دلیل نہیں۔ سوائے قیاس فاسد کے اور وہ یہ ہے کہ جرم دار نجاست جب خشک ہو جاتی ہے تو اسکے نجس مواد جو جوتے یا موزے میں جذب ہو جاتے ہیں اور خشک ہو جاتے ہیں۔ آپ غور کریں کہ کیا جوتے میں اسقدر نجاست باقی رہ سکتی ہے پھر تو نجاست سے بچنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ جوتے صندوق میں رکھکر محفوظ کر لئے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابوداؤد (۱/ ۱۲۸) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب کوئی پلیدی کو جوتے تلے روندے تو مٹی اسے پاک کر دیتی ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے، جب موزوں تلے نجاست روندی جائے تو مٹی اسے پاک کرنے والی ہے"۔

ان صحیح مطلق احادیث پر ذرا نظر کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا آسانی کر دینے کے بعد کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ امت پر تنگی کرے۔

کتے کے جھوٹے والی نجاست سات بار دھونے سے پاک ہوتی ہے جسمیں ایک بار مٹی کے ساتھ دھونا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ مار جائے تو اسے سات بار دھونا چاہئے، ایک بار انہیں مٹی کے ساتھ دھویا جائے"۔ (المشکاۃ ۱/ ۵۲)۔

تجربہ شاہد ہے کہ کتے کے منہ کے جراثیم تین بار دھونے سے نہیں ختم ہوتے بلکہ جب تک مٹی سے دھویا جائے صاف نہیں ہوتے۔

اس حدیث کا کوئی دوسرا معارض نہیں تو ہم اسی حدیث کو کسی مجتہد کے فتوے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جو اپنے فتوے میں غلطی پر ہے۔
رہی وہ نجاست جو کسی کپڑے یا بدن کو لگی ہو اور دیکھے جانے کے قابل ہو تو اسے دھو کر زائل کرنا چاہئے اور اگر دھونے کے بعد نشان رہ جائے جس کا زائل کرنا مشکل ہو تو وہ معاف ہے۔ اگر وہ نجاست دیکھنے میں نہ آتی ہو جیسے پیشاب وغیرہ،
تو اسے ایک بار دھونا بھی کافی ہے، تین بار دھونا فرض نہیں۔ جیسے کہ جنبی کو اپنا بدن تین بار دھونا فرض نہیں بلکہ غسل جنابت میں سنت یہ ہے کہ بدن کو ایک بار پانی پہنچائے۔ کیونکہ غسل جنابت میں تین بار پانی بہنا ثابت نہیں۔
رسول اللہ ﷺ صرف اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالا کرتے تھے۔
اسکی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری (۱/ ۴۵) وغیرہ میں آتی ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک عورت آئی اور کہنے لگی ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ تو فرمایا:
''اسے کھرچے پھر پانی سے اسے مل کر دھودے، پھر اس میں نماز پڑھے''۔
تو اس عورت کو نبی کریم ﷺ نے تین بار دھونے کا حکم نہیں دیا، تین بار دھونے کا حکم تو اس شخص کے لئے آیا ہے جو نیند سے اُٹھے تو وہ اپنے ہاتھوں کو تین بار دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈبوئے۔
آئینہ، چھری، تلوار، ناخن، ہڈی، شیشہ، برتن اور قلعی شدہ چیزیں جو مسام دار نہیں ہوتیں انہیں پونچھ کر پاک کیا جاسکتا ہے، اسطرح نجاست کا اثر زائل ہو جاتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلوار گردن میں لٹکائے نمازیں پڑھا کرتے تھے جنہیں خون لگا ہوتا تھا وہ صاف کر لیا کرتے تھے، اور اسی پر اکتفاء کرتے تھے۔
بلکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الفتاوی (۲۱/ ۵۲۲) میں کہا ہے کہ قصاب کی چھری دھونے کی ضرورت نہیں جن چھریوں سے ذبح کیا جاتا ہے انہیں دھونا بدعت ہے اور اسی طرح تلواروں کا دھونا سلف انہیں پونچھا کرتے تھے۔ الخ۔
گھی وغیرہ جسمیں چوہا گر جائے اسکے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ چوہا اور اس کے آس پاس کا گھی گرا دینے سے پاک ہو جاتا ہے، گھی مائع ہو یا جامد۔
اور وہ حدیث جسمیں مائع او جامد کا فرق ہے وہ ضعیف ہے۔ اسمیں معمر نے زہریؒ پر غلطی کی ہے جو ماہرین نقاد حدیث کے نزدیک معروف ہے جیسے کہ امام ترمذی نے (۲/۲) میں امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے۔
صحیح وہ حدیث ہے جسے امام بخاریؒ نے (۱/ ۳۷، ۲/ ۸۳۱) میں بَابُ اِذَا وَقَعَتِ الْفَارَةُ فِی السَّمْنِ الْجَامِدِ اَوِ الذَّائِبِ) میں ذکر کی ہے، پھر انہوں نے امام زہریؒ سے ذکر کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا جو تیل یا گھی جامد ہو یا غیر جامد میں گر کر مر جائے جانور چوہا ہو یا کچھ اور تو انہوں نے کہا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چوہے کے بارے میں حکم دیا: جو گھی میں گر کر مر گیا

تھا تو اسے اور اس کے آس پاس گھی پھینک دیا اور باقی کھایا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے چوہے کے بارے میں پوچھا گیا جو گھی میں گر گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے اور اسکے آس پاس گھی کو پھینک دو اور (باقی) کھاؤ"۔

تو اس صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مطلق جواب دیا جسمیں تفصیل نہیں تو اس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور پہلی حدیث کے باطل ہونے کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ حجاز گرم ہونے کی وجہ سے وہاں گھی جامد نہیں ہوتا۔ جیسے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الفتاوی (۲۱/۵۲۴) میں کہا ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۹/۵۴۹) میں زہریؒ سے معمر کی حدیث جسمیں جامد و پگھلے ہوئے کا فرق ہے "ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہی مذہب ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، بخاریؒ، اوزاعیؒ، زہریؒ وغیرہ محققین کا ہے جیسے کہ فقہ السنۃ (۱/۳۰) میں ہے۔

مردار کا چمڑہ:

دباغت سے پاک ہوجاتا ہے اور دباغت سے چمڑہ ظاہراً و باطناً پاک ہوجاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب چمڑے کی دباغت ہوجائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے۔ (بخاری: ۲/۹۸۹) ومسلم (۱/۱۵۸) یہ ہے نجاست کے احکام۔ وباللہ تعالٰی التوفیق.



باب

كيفية الوضوء

فى السنة المطهرة

سنت مطہرہ میں کیفیت وضوء

۱۵۱ - سوال : وضوء میں مسنون دعائیں کتنی ہیں؟ کیا ہر عضو کے دھونے کی کوئی خاص مسنون دعا ہے جسطرح بعض متاخرین ذکر کرتے ہیں؟۔ اخوکم: ابومسلم۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّابَعْدُ :

اس باب میں صحیح احادیث سے ثابت شدہ دعائیں تین ہیں :

اول: وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس کا وضوء نہیں اسکی نماز نہیں اور جس نے اللہ کا نام ذکر نہیں کیا اسکا کوئی وضوء نہیں''۔

(ابوداؤد/۱۵) ترمذی (۱/۱۰) ابن ماجہ (۱/رقم: ۳۹۱) ترغیب منذری (۱/۱۶۴) طبرانی، حاکم، امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا۔

رباح بن عبدالرحمٰن بن ابی سفیان بن حویطب سے روایت ہے، وہ اپنی دادی سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے اللہ کا نام نہ لیا، اسکا وضوء نہیں ہوا''۔

(ترمذی: ۱/۱۰) لفظ اسی کے ہیں، ابن ماجہ، بیہقی (۱/۴۳)

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ امام محمد بن اسماعیل البخاری نے کہا: ''اس باب میں سب سے اچھی حدیث رباح کی یہ حدیث ہے''۔

منذریؒ کہتے ہیں کہ اس باب میں احادیث بکثرت ہیں لیکن کوئی بھی اعتراض سے سلامت نہیں۔ حسن، اسحاق بن راھویہ اور اہل ظاہر کا مذہب ہے کہ وضوء میں بسم اللہ کا پڑھنا فرض ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے عمداً ترک کر دیا تو وضوء دوبارہ کرے گا۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس باب میں وارد ہونے والی احادیث اگرچہ اعتراض سے سلامت نہیں ہیں۔ کثرت طرق سے تائید پا کر قوی ہو جاتی ہیں۔ انتہی۔

لہٰذا اسکی سند حسن ہو جاتی ہے۔

منذریؒ نے (۱/۱۶۳) میں امام ابی بکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ''یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''وضوء سے پہلے جو بسم اللہ نہ کہے اسکا وضوء نہیں ہوتا''۔

تسمیہ کے الفاظ اسی باب میں ان شاء اللہ ذکر ہونگے۔

حنفیہ میں امام ابن الہمام نے فتح القدیر (۱/۲۰) میں دقیق تحقیق کے ساتھ وضوء کے شروع میں بسم اللہ کا وجوب ذکر کیا ہے۔

دوم: وضوء سے فارغ ہونے کے بعد: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ

وَرَسُوْلُهٗ" کہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب ﷺ سے مرفوعاً روایت ہے، "تم میں سے کوئی وضوء کرتا ہے اور مکمل وضوء کرتا ہے پھر کہتا ہے،" اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" مگر اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس میں سے وہ چاہے داخل ہو جائے"۔(مسلم ۱/۱۲۲) المشکاۃ (۱/۳۹)

مسلمان کیلئے اس دعا کا لحاظ رکھنا چاہئے کیونکہ اس کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ترمذیؒ میں اس دعا میں مزید یہ لفظ بھی بیان ہوئے ہیں: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" اور اسے ضعیف کہا ہے۔(۱/۱۸)

لیکن ثوبانؓ کی حدیث سے اس کے شواہد ہیں جیسے کہ ارواء الغلیل (۱/۱۳۵)، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی رقم (۳۰) میں ہے تو حدیث صحیح ہو گئی۔ والحمد لله.

سوم: وضوء سے فارغ ہو کر کہے: "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ"

(عمل اليوم والليلة للنسائي : ٤٣/رقم: ٨١، الحاكم (١/٥٦٤) الصحيحة (٥/٤٣٨) رقم (٢٢٣٣)

اور اسکی سند شرط مسلم کے موافق ہے اور ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ اس پر مہر لگا کر اٹھا لیتے ہیں اور عرش کے نیچے محفوظ لیتے ہیں، یہ مہر قیامت تک نہیں ٹوٹتی۔

صحیح احادیث سے یہ اذکار ثابت ہیں۔

اور وہ روایت جو ابن السنیؒ نے برقم (۲۸) بَابُ الدُّعَاءِ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْوُضُوْءِ) میں اور امام نسائیؒ نے عمل الیوم واللیلۃ برقم (۸۰) نقل کی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ نے وضوء کیا پھر آپ سے میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: [اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ]

(اے اللہ میرے گناہ معاف فرما دے، میرے گھر میں وسعت فرما دے، میرے رزق میں برکت فرما دے)

تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کی فلاں فلاں دعا کرتے ہوئے سنا، تو فرمایا: "کوئی چیز ترک ہوتی ہے؟"۔

تو یہ حدیث صحیح ہے لیکن وضوء کی قید، ابومجلز اور ابوموسیٰؓ کے درمیان انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے اور اسے ذکر کر کے محمد بن عبد الاعلیٰ ثقات کی مخالفت کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ یہ لفظ ذکر کرتے ہیں: (فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلّٰى)

اور اسمیں ایک علت اور بھی ہے اور وہ ہے وقف، ابن ابی شیبہ (۱/۲۹۷) بطریق ابو بردہ روایت لاتے ہیں وہ کہتے ہیں ابوموسیٰ جب نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا: [اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ] اور یہ سند صحیح ہے تو اس سے دلالت ہوتی ہے کہ یہ نماز کے اذکار میں سے ہے، وضوء کے اذکار میں سے نہیں۔

ظاہر یہی ہے کہ یہ دعا صحیح ہے مطلقاً وضوء یا نماز کی کوئی قید نہیں جیسے کہ تمام المنہ ص (۹۶) اور غایۃ المرام ص (۸۵) میں ہے۔

اور اس دعا میں انگلی کا اُٹھانا سنت میں بھی کہیں نہیں ہے۔ لیکن نظر کا اٹھانا ابوداود (۱/ ۲۵) میں، ابن السنی رقم (۳۱) احمد (۴/ ۱۵۰، ۱۵۱) دارمی (۱/ ۱۴۸) میں ثابت ہے۔ ابن عقیلؓ سے روایت ہے اور وہ اپنے چچازاد سے وہ عقبہ بن عامرؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے عمر بن الخطابؓ نے کہا وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اچھی طرح وضوء کرکے نظر آسمان کی طرف اٹھا کر کہے: (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ– الحدیث)۔ اسکی سند ضعیف ہے، ابوعقیل کا چچازاد مجہول ہے اور اس زیادت کے ساتھ اکیلا ہے، تو یہ زیادت منکر ہوئی۔ کیونکہ اس حدیث کو مسلم، نسائی، ابوداود، ترمذی نے روایت کیا ہے۔

تو ابوداود کے علاوہ کسی کی روایت میں یہ زیادت نہیں ہے۔ مراجعہ کریں الارواء (۱/ ۱۳۵) رقم (۹۶)۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے التلخیص الحبیر (۱/ ۱۰۲) میں کہا ہے:

تنبیہ: رافعی کا کہنا ''مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ'' اسکا ذکر ان احادیث میں نہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا لیکن اسکے لئے اس روایت سے اطمینان ہوتا ہے جو بزار میں بروایت ثوبان آئی ہے

:''جس نے اچھی طرح وضوء کیا اور نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور آسمان دعا کا قبلہ ہے''۔

اور پھر سکوت کیا ہے لیکن ہم کشف الاستار اور مجمع الزوائد میں تلاش بسیار کے باوجود ثوبان کی روایت بزار کی تخریج کے ساتھ نہ پاسکے بلکہ ثوبان کی حدیث ضعیف ہے ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ اسمیں مجہول راوی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وضوء میں سورۃ القدر کا پڑھنا ثابت نہیں اور نہ ہی مذکورہ دعاؤں کے علاوہ دیگر دعائیں۔ اگر کہیں متاخرین نے اسکے علاوہ کسی دعا کا ذکر کیا ہے تو وہ ابتداع ہے کیونکہ مستحب ہونا کسی دعا کا یہ شرعی حکم ہے اور اس کیلئے شرعی دلیل کی ضرورت ہے۔ جو موجود نہیں۔

وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه اجمعین.

طہارت ونماز اور دیگر عبادات میں نیت کا تلفظ کرنا بدعت ہے

۱۵۲ – سوال: طہارت ونماز اور دیگر عبادات میں نیت کا لفظوں میں ادا کرنا مستحب ہے؟ جیسے کہ بعض فقہاء کہتے ہیں اور متاخرین نے بھی مستحسن کہا ہے؟۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا باللہ .

نیت کا لفظوں میں ادا کرنا قبیح بدعت ہے، علماء سابقین اور سلف صالحین میں سے کسی نے بھی اسے مستحب قرار نہیں دیا، استحباب کیلئے شرعی دلیل چاہئے جو موجود نہیں، بلکہ ہم ان علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں جنہوں نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔

ابن عابدین ؒ نے ردالمحتار (۱/۲۷۹) میں کہا ہے: ''فتح میں بعض حفاظ سے منقول ہے کہ نبی ﷺ سے صحیح یا ضعیف کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں کہ انہوں نے نماز شروع کرتے وقت کہا ہوں میں فلاں نماز پڑھتا ہوں۔ اور اسی طرح صحابہ وتابعین سے بھی ثابت نہیں۔ حلیہ میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ ''نہ ائمہ اربعہ سے''۔ بلکہ منقول یہی ہے کہ آپ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو ''اللہ اکبر'' کہتے۔ الدرالمختار میں ہے: ''جب نبی مصطفیٰ (ﷺ) اور صحابہ اور تابعین سے منقول نہیں بلکہ اسے بدعت کہا گیا ہے''۔

مرقاۃ (۱/۴۱) میں ہے: ''نیت کا لفظوں میں ادا کرنا جائز نہیں، پس یہ بدعت ہے اور متابعت جس طرح کسی کام کے کرنے میں ہوتی ہے، اسی طرح کسی کام کے ترک کرنے میں بھی ہوتی ہے تو جو کسی ایسے کام کو ہمیشہ کرتا ہے جو شارع علیہ السلام نے نہیں کیا تو وہ مبتدع ہے''۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد (۱/۶۹) میں کہا ہے: ''فصل: نماز میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت: نبی ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، اس سے پہلے کچھ بھی نہیں کہتے تھے اور نیت لفظوں میں ادا نہیں فرماتے تھے اور نہ یہ کہتے تھے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اللہ کیلئے، قبلہ رخ ہو کر چار رکعت بطور امام یا مقتدی کے، ادا یا قضاء یا وقتی فرض۔ یہ ایسی دس بدعات ہیں جس کا ایک لفظ بھی صحیح، ضعیف، سند یا مرسل کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں۔ نہ صحابہ کرامؓ سے، نہ ہی تابعینؒ میں سے کسی نے اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں سے کسی نے، اسے اچھا سمجھا۔ یہ تو بعض متاخرین نے امام شافعیؒ کے اس قول سے دھوکہ کھایا ہے انہوں نے نماز کے بارے میں فرمایا: ''یا (نماز) روزے کی طرح نہیں تو نماز میں کوئی بھی ذکر کے بغیر داخل نہ ہو''۔

تو اس نے اس ذکر کو نمازی کا نیت کو لفظوں میں ادا کرنا سمجھا حالانکہ امام شافعی رحمہ اللہ کی مراد ذکر سے تکبیر تحریمہ تھی۔ وہ کسی ایسے کام کو کیونکر مستحب سمجھ سکتے ہیں جو نبی ﷺ نے اپنی نماز میں ایک بار بھی نہیں کیا، نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ نے انکی سیرت انکا طریقہ تو یہ تھا اگر کسی کو ان سے اک حرف بھی ملے تو ہم اسے قبول کر لیں گے۔ صحابہ کے طریقے سے بغیر کوئی طریقہ نہیں اور سنت وہی ہے جو انہوں نے صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی۔

اغاثۃ اللھفان (۱/۱۳۶) میں فرماتے ہیں: ''فصل اول: نماز وطہارت میں نیت کے بارے میں''۔ نیت کہتے ہیں کسی کام کے کرنے کا قصد وعزم کرنا۔ اسکا محل دل ہے، زبان سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ اسی لئے لفظی نیت میں سے کچھ بھی نبی ﷺ اور صحابہ کرام سے منقول نہیں، اور نہ ہی ہم نے اس کا ذکر سنا ہے۔ اور یہ جو طہارت ونماز کے شروع میں عبارتیں گھڑی گئی ہیں یہ اہل وسوسہ کیلئے شیطان نے اکھاڑا بنایا ہے جہاں انہیں روک کر عذاب دیتا رہتا ہے''۔ پھر کہتے ہیں ''بلکہ ان سب سے بڑی تعجب کی بات یہ ہے کہ دوسرے کو اسکے احوال وقرائن سے اسکی نیت کا علم ہو جاتا ہے جب وہ کسی انسان کو نماز کے وقت میں بیٹھا ہوا دیکھتا ہے اور لوگ اکٹھے ہو رہے ہوتے ہیں تو اسے علم ہو جاتا ہے کہ وہ نماز کا انتظار کر رہے ہے۔ اور جب جماعت کھڑی ہوتی ہے اور یہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، تو جان لیتا ہے کہ وہ نماز ہی کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ پھر عمدہ تفصیل کے بعد کہتے ہیں:

''میں کہتا ہوں ہمارے شیخ (شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ) کہتے ہیں: ان لوگوں میں سے بعض دس بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں جو نہ نبی ﷺ نے کیا اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی نے کیا۔ یہ کہتا ہے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ نیت کی میں نے نماز ظہر اس وقت کے فرض کی ادائیگی کی، اللہ تعالیٰ کے لئے، امام یا مقتدی ہوتے ہوئے چار رکعات کی قبلے کی طرف منہ کرتے ہوئے۔ پھر اپنے اعضاء کو حرکت دیتا ہے اور ماتھا جھکا کر گردن کی رگیں اکڑاتا ہے اور اللہ اکبر ایسے پکارتا ہے جیسے دشمن کے بالمقابل کھڑا ہوا گر کسی کو عمر نوح مل جائے اور رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام میں سے کسی کے فعل سے یہ ڈھونڈنے کی کوشش کرے تو کامیابی نہیں حاصل کر سکے گا سوائے اسکے کہ یہ صریح صاف جھوٹ بولے۔ اگر اس کام میں بھلائی ہوتی تو وہ ضرور ہم سے پہلے کرتے اور ہمیں بھی کرنے کا کہتے۔ جو کچھ یہ کرتے ہیں اگر ہدایت یہی ہوتی تو پھر وہ اس ہدایت سے محروم رہے اور اگر ہدایت اور حق وہی ہے جس پر وہ عمل پیرا تھے تو پھر حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے''۔

مراجعہ کریں یہ بڑی عجیب بحث ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الفتاوی (۱۸/۲۶۲) میں اس باب میں بڑی تفصیل سے لب کشائی فرمائی ہے۔

تو نیت کا محل دل ہے اگر دل سے نیت کر لی ہے اور زبان سے کچھ بھی نہ کہا ہو تو باتفاق علماء یہ کافی ہے۔

بعض اصحاب شافعیؒ نے ایک توجیہ بیان کی ہے لیکن وہ اسمیں غلطی پر ہیں۔ الخ۔

اور (۲۲/۲۶۳، ۲۳۸) میں ہے: ''نیت قصد اور ارادے کو کہتے ہیں اور قصد و ارادہ دل کے کرنے کا کام ہے، زبان کا نہیں اس پر سب اہل عقل متفق ہیں۔ اگر کسی نے دل سے نیت کی تو اسکی نیت ائمہ اربعہؒ، تمام ائمہ مسلمین اولین و آخرین کے نزدیک درست ہے اور اسمیں کسی بھی قابل اقتداء اور فتوی بزرگ نے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن بعض متاخرین نے اسے واجب کہا ہے لیکن قول غلط اور اجماع مسلمین کے صریح خلاف ہے۔ جب سنت رسول اور سنت صحابہ کو جاننے والے دین اسلام کا بداہۃً علم رکھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کیسی نماز پڑھتے تھے جو بھی یہ جانتے ہیں تو وہ تلفظ بالنیۃ نہیں کرتے نہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے اسکا حکم دیا تھا اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی کو سکھایا بلکہ مُسِیْئُ الصَّلَاۃ (نماز غلط پڑھنے والا صحابی) کو بھی سکھایا کہ جب تو نماز کیلئے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ''۔ الحدیث۔

اور کسی مسلمان نے یہ نقل نہیں کیا، نہ نبی ﷺ سے اور نہ ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی سے، نہ سری طور پر نہ جہری طور پر اور نہ ہی اسکا حکم دیا۔

اور یہ بھی معلوم ہے اسکے نقل کرنے کے اسباب بکثرت تھے اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ضرور نقل ہوتی۔ الخ۔

اور السنن والمبتدعات (۱/۲۸) میں ہے: ''اور اسی طرح لوگوں کا کہنا کہ ''نیت کی میں نے سنن وضوء کی یا فرائض وضوء کی'' یہ بدعات میں سے ہے، نیت لفظوں میں منہ سے ادا کرنا کوئی مستحب نہیں، نہ وضوء میں، نہ غسل میں، نہ نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت اور نہ

اور کسی عبادت میں بلکہ اسکا محل دل ہے۔

اور (۳۱/۱) میں ہے: ''پھر نیت کرنا فرض ہے اور اسکا محل دل ہے تو کسی کا یہ کہنا کہ میں نے حدث اصغر یا حدث اکبر اٹھانے کی نیت کی'' یہ مشروع نہیں بلکہ بدعت ہے۔''

اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ (۱۵۹/۱) میں ہے ''یہاں تین صورتیں ہے۔ اول: دل کی نیت کو کافی سمجھنا اور یہ بالاتفاق کفایت کرتی ہے اور طریقہ مشروع اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب سے منقول ہے، انمیں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے ''میں نے نیت کی، یا میں نیت کرتا فلان نماز کی، فلاں وقت میں'' وغیرہ کہا ہو۔ یہی ثابت کیا ہے ابن الھمام نے فتح القدیر (۲۳۲/۱) میں، ابن القیم نے زاد المعاد میں اور میں نے ''السعایہ'' اور میرے رسالے ''احکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

دوم: صرف زبان سے کہنے پر کفایت کرنا۔ یہ بالاتفاق کافی نہیں ہے۔

سوم: دونوں کو جمع کرنا، تو یہ نہ سنت ہے نہ مستحب۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

والله ولي التوفيق۔ (ذوالقعدہ: ۱۴۱۴ھ)

داڑھی کے دھونے یا خلال کرنے کا حکم

۱۵۳ - سوال: داڑھی کا دھونا بعض کا ہے یا کل کا ہے؟ اور گھنی اور غیر گھنی داڑھی کے حکم میں کوئی فرق ہے؟۔

اخوکم یار محمد۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا بالله.

چہرے کے دھونے کی فرضیت کتاب وسنت سے ثابت ہے، داڑھی کی کثیف وخفیف ہونے کا فرق سنت میں نہیں۔

مگر علماء کہتے ہیں کہ گھنی داڑھی میں اندر تک پانی پہنچانا واجب نہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے وضوء کیا تو اپنا منہ دھویا اور پھر پانی کے ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا پھر پانی کا ایک چلو لیکر اسکے ساتھ اس طرح کیا کہ اس کے ساتھ دوسرا ہاتھ ملا کر اسکے ساتھ منہ دھویا، پھر چلو لیکر اس کے ساتھ دایاں ہاتھ دھویا اور دوسرا چلو لیکر بایاں ہاتھ دھویا پھر سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا چلو لیکر دائیں پاؤں پر چھڑکا یہاں تک کہ اسے دھویا، پھر پانی کا چلو لیکر بایاں پاؤں دھویا پھر کہا کہ میں نے اسطرح رسول اللہ ﷺ کو دیکھا وہ وضوء کیا کرتے تھے۔ (بخاری: ۲۶/۱)

ابوالبرکات نے اسے مُنتقیٰ مع شرح النیل (۱/۱۸۲) میں ذکر کیا پھر شوکانی نے (۱/۱۸۶) میں کہا:

''انصاف کی بات یہ ہے کہ اس باب کی احادیث قابل احتجاج بجھنے اور استدلال کی صلاحیت رکھنے کے بعد بھی وجوب پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ یہ افعال ہیں۔

اور بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس طرح میرے رب نے حکم دیا ہے''۔

اس سے بھی امت کیلئے وجوب کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا اس کے ساتھ خاص ہونا ظاہر ہے، اور یہ متخرج ہے اصول میں مشہور اختلاف پر کہ جس کا آپکے ساتھ خاص ہونا ظاہر ہو وہ امت کیلئے عام ہے یا نہیں، اور فرائض صرف یقین سے ثابت ہوتے ہیں اور کسی ایسی چیز پر فرضیت کا حکم لگانا جو اتعالیٰ نے فرض نہ کیا ہو تو یہ حکم لگانا ہوا اس چیز پر جس کا معدوم ہونا اللہ نے فرض کیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں باتیں اللہ کے ذمے وہ باتیں لگانا ہیں جو اس نے نہیں کہی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک چلو گھنی داڑھی والے کے منہ دھونے اور داڑھی کے خلال کیلئے کافی نہیں اور سمجھتے ہوئے اسکا انکار کرنا جیسے کہ بعض نے کہا ہے تکبر ہے۔ ہاں احتیاط اور اَوْثق کا اختیار کرنا اسکی اولویت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن وجوب کا حکم لگائے بغیر''۔ انتھی۔

اور المغنی (۱/۱۱۶) میں ہے: ''خلاصۂ کلام یہ کہ اگر داڑھی ہلکی ہو اور اسمیں چمڑا نظر آتا ہو تو اس کا باطن دھونا فرض ہے اور اگر گھنی ہو تو اسکے نیچے چمڑے کو دھونا فرض نہیں اور یہ اکثر اہل علم کا قول ہے۔ اور عطاء اور ابو ثورؒ نے بھی اسے واجب قرار دیا ہے''۔ تلخیص کے ساتھ۔

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی اور یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اسکا باطن دھویا ہو۔

اور الفقہ الاسلامی (۱/۲۱۶) میں ہے: ''اگر داڑھی گھنی ہے اور چمڑا اسمیں نظر نہ آتا ہو تو اسکا ظاہر دھونا ہی فرض ہے اور اسکا خلال سنت ہے اور اسکے اندر پانی کا پہنچانا واجب نہیں کیونکہ وہاں تک پانی پہنچانا مشکل ہے۔

اور اسلئے بھی کہ صحیح بخاری (۱/۲۶) میں ہے ''کہ آپ ﷺ نے دضوء کیا اور ایک چلو سے منہ دھویا'' اور آپ ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی اور ایک چلو پانی غالباً وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور داڑھی کے جو بال چہرے کے دائرے سے خارج لٹکتے ہوں، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک انکا دھونا فرض ہے، کیونکہ محل فرض میں اُگے ہوتے ہیں اور ظاہر طور پر اسکے نام میں داخل ہیں۔

اور اسلئے بھی کہ مسلم (۱/۱۴۰) میں مروی ہے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے ''پھر جب منہ دھوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا مگر گر پڑتی ہیں چہرے کی تمام خطائیں داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ''۔ اور حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: لٹکتے بالوں کا دھونا فرض نہیں کیونکہ یہ محل فرض سے خارج ہیں اور یہ چہرے کے مُسَمّٰی میں داخل نہیں۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ احتیاط والا ہے۔

اورالمجموع (۱/۳۷۴) میں ہے" اور گھنی داڑھی کے ظاہر کا دھونا فرض ہے، اسمیں کوئی اختلاف نہیں، اور باطن کا دھونا فرض نہیں اور نہ ہی اسکے نیچے چمڑے کا۔ اکثر اہل علم کے نزدیک۔ گھنی داڑھی وہ ہوتی ہے کہ جس سے چمڑا چھپ جائے اور خفیفہ اسکے خلاف ہے۔(۱/۳۷۵) البدائع والصنائع (۱/۳) المغنی (۱/۱۳)

واللہ ولی التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

وضوء کے شروع میں (بسم اللہ) کے الفاظ

۱۵٤ - سوال : سنت مطہرہ میں وضوء کرتے وقت تسمیہ کن لفظوں سے ادا کیا جائے؟

جواب : الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ اما بعد :

ابن السنی نے "عمل الیوم واللیلۃ" رقم (۲۷) میں بسند صحیح نقل کیا ہے انس بن مالک سے وہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی نے وضوء کا پانی مانگا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کسی کے پاس پانی ہے؟" تو آپ ﷺ نے برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور فرمانے لگے بسم اللہ کہکر وضوء کرو"۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکل رہا تھا، یہاں تک کہ سب نے وضوء کر لیا میں نے انس رضی اللہ عنہ کو کہا، "تمہارا کیا خیال ہے وہ کتنے تھے؟ تو انہوں نے کہا ستر کے قریب تھے۔ اور اس پر باب باندھا ہے "یہ باب وضوء کے تسمیہ کی کیا کیفیت ہے؟" نسائی (۱/۱۸) رقم (۷۶) بیہقی (۱/۴۳) دار قطنی (۱/۷۱)

دوسری حدیث : ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! جب تو وضوء کرنے لگے تو کہہ "بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلهِ"۔ تیرے محافظ فرشتے تیرے لئے نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تیرا یہ وضوء ٹوٹ نہیں جاتا۔

طبرانی صغیر (۷۳) المجمع للھیثمی (۱/۲۲۰) اور اسکی سند کو حسن کہا۔

اور رد المحتار (۱/۷۴) میں ہے: اور سند اسکی حسن ہے۔

دیکھنا چاہیئے کہ واقعی اسی طرح ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس باب کی صریح احادیث معلول ہیں اور انمیں کسی کی سند بھی اعتراض سے خالی نہیں تو اس کلیے سے اسکی سند کی تضعیف ہوتی ہے اور صریح کا لفظ اس لئے کہا کہ پہلی حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن غیر صریح ہے اور تحفۃ الاحوذی (۱/۳۷) میں ہے اس باب کی احادیث یا حسن صریح ہیں یا صحیح غیر صریح ہیں۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے "ان احادیث کے مجموعے سے قوت پیدا ہوتی ہے جو اسکی اصلیت پر دلالت کرتی ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ "ولی اللہ الدہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں کہتے ہیں: یہ (حدیث ابو ہریرہ) نص ہے کہ تسمیہ رکن ہے یا شرط۔

اور مطالب عالیہ لابن حجر (۲۵/۱) رقم (۸۱) میں ہے: علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے علی! جب تو وضوء کرے تو کہہ: اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں تجھ سے اس وضوء کا اتمام چاہتا ہوں، اور اتمام نماز کا اور اتمام تیری رضا کا اور اتمام تیری مغفرت کا تو یہ زکوۃ ہے وضوء کی۔ یہ حدیث حارث کی ہے، جسمیں بہت زیادہ ضعف ہے۔

اور فقہاء کا یہ قول جو مذکور ہے "وضوء کرنے والا تسمیہ کہکر شروع کرے اور یہ (تسمیہ) ہر ذکر سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن نبی ﷺ سے یہ وارد ہے "بِسْمِ اللهِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى دِيْنِ الْإِسْلَامِ" جیسے کہ رد المختار (۷۴/۱) میں ہے۔

تو ان سے ذرا اسکی سند اور مخرج کا پوچھیں جو مدار ہے۔

اور بعض نے تعوذ کا اضافہ بھی کیا ہے جیسے مذکورہ مصدر میں ہے تو ثابت ہوا کہ سنت یہ ہے کہ شروع وضوء میں "بسم اللہ" صرف کہے یا "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اور اسکے علاوہ جو بھی ہے میرے علم کے مطابق اسکی صحیح سند نہیں۔ مراجعہ کریں المجموع (۳۴۴/۱) اور المغنی (۱۱۵/۱) میں ہے اور تسمیہ سے مراد "بسم اللہ" کہنا ہے، اسکا قائم مقام کوئی دوسرا نہیں جیسے کہ ذبیحے کا مشروع تسمیہ ہے۔ وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

وضوء میں پانی زور سے منہ پر مارنا

۱۵۵ - سوال : فقہاء کا جو یہ قول ہے "وضوء میں پانی کو منہ پر مارنا مکروہ ہے" کیا اسکی کوئی دلیل ہے؟۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

بلکہ دلیل اسکے خلاف قائم ہے۔ ابوداؤد (۷۵/۱) میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ پر علی یعنی ابن ابی طالب داخل ہوئے اور وہ پیشاب کر کے آئے تھے انہوں نے وضوء کا پانی منگوایا، ہم نے برتن میں پانی لاکر انکے سامنے رکھ دیا۔ تو کہنے لگے اے ابن عباس! کیا میں آپ کو نہ دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے وضوء کرتے تھے؟ میں نے کہا: ہاں! تو انہوں نے برتن سے اپنے ہاتھ پر پانی انڈیلا اور اسے دھویا پھر دایاں ہاتھ برتن میں داخل کر کے دوسرے ہاتھ پر پانی بہایا پھر دونوں ہاتھ دھوئے پھر کلی کی، اور ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑی۔ پھر دونوں ہاتھ داخل کر کے پانی لیا اور منہ پر مارا۔ الحدیث۔

اور طحاوی (۳۸/۱) کی روایت میں ہے: ہاتھ منہ پر مارے پھر دوسری بار اس طرح کیا پھر تیسری بار اسی طرح کیا الخ۔

یہ حدیث انکے قول کا رد کرتی ہے اور شاید انکے قول کی یہ تاویل ہو کہ متوضی کے نزدیک اسمیں مسلمانوں کو ایذاء رسانی ہو، نہیں تو یہ

صریح غلط ہے۔اور بعض کتابوں کے کتنے ہی مسائل ہیں کہ رائے کے علاوہ انکی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

مذی کے نکلنے سے ذکر اور خصیتین دونوں کا دھونا

۱۵۶ - سوال : مذی سے صرف ذکر دھویا جائے یا خصیتین بھی دھونے چاہئیں؟۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا باللہ.

مقداد رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے اپنا ذکر اور خصیتین دھونے چاہئیں۔اور یہ صحیح حدیث ہے۔(ابوداؤد:۱/۴۳)

عبداللہ بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ غسل کس چیز سے فرض ہوتا ہے اور پانی (مذی) نکلنے کے بعد پانی کے استعمال (غسل) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"یہ مذی ہے اور ہر مرد کی مذی نکلتی ہے تو اس سے صرف اپنی شرمگاہ اور خصیے دھو۔اور پھر وضوء کر جس طرح نماز کیلئے وضوء کیا جاتا ہے۔ (صحیح ابوداؤد:۱/۴۲)

سلیمان بن ربیعہ باہلی۔سے روایت ہے انہوں بنی عقیل کی ایک عورت سے شادی کی تو جب وہ اس سے ملاعبت کرتے تو انکی مذی نکلتی تھی تو اس کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب آپ دیکھیں کہ پانی (مذی) نکلا ہے تو اپنی شرمگاہ اور خصیے دھو اور نماز کے وضوء جیسا وضوء کر۔(طحاوی ۱/۳۹) عبدالرزاق (۱/۱۵۷)

علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

تو صحیح روایات دلالت کرتی ہیں کہ مذی کے نکلنے سے جیسے ذکر دھویا جاتا ہے اسی طرح خصیے بھی دھوئے جائیں۔اور جو یہ تأویل کرتے ہیں کہ خصیوں کا دھونا اسلیئے ہے کہ مذی کا نکلنا رک جائے اسکا دھونا شرعی حکم نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تو تم نے اسکی ایک حکمت بیان کی تو تمھارے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کے ساتھ تم رسول اللہ ﷺ کا ایک حکم باطل کردو۔اور یہ بھی ہے کہ ہم مذی والے کو خصیے دھونے کا حکم اس لئے دیتے ہیں کہ اسکی مذی رک جائے تو یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے ساتھ خاص تھا؟ بلکہ وہ اس حدیث کی مخالفت اسلیئے کر رہے ہیں کہ انکے امام نے اس کا حکم نہیں دیا،اور سب سے بڑے امام محمد رسول اللہ ﷺ کو بھول گئے، برا ہو تقلید جامد کا یہ مقلد کو بہت سی بھلائیوں سے محروم کر دیتی ہے نہیں تو تجربہ کر کے دیکھ لو۔

یہاں ایک اور مسئلہ ہے کہ کیا مذی کے نکلنے سے اگر ڈھیلوں کا استعمال کیا جائے اور پانی استعمال نہ کیا جائے تو جائز ہے؟ ہم کہتے ہیں: صرف پانی ہی سے استنجاء کرے، یہاں ڈھیلوں کا استعمال جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر اور خصیوں کا دھونے کا حکم فرمایا ہے۔ وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

وضوء کرتے ہوئے باتیں کرنا جائز ہے

۱۵۷ - سوال : کیا وضوء کے دوران باتیں کرنا جائز ہیں؟ کراہت کی کیا دلیل ہے؟۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ اَمَّا بَعْدُ :

باتیں دو قسم کی ہیں: اچھی اور بُری۔

تو اچھی باتیں وضوء اور غیر وضوء میں اچھی ہیں اور بُری باتیں وضوء اور غیر وضوء میں بُری ہیں اور جو وضوء میں اچھی اور مباح باتیں کرنے کو حرام یا مکروہ کہتا ہے اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔

شاید اسکا خیال ہو کہ وضوء میں لوگ کچھ دعائیں پڑھتے ہیں تو باتوں کی وجہ سے وہ فوت ہو جائیں گی تو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سوائے تین دعاؤں کے باقی کوئی بھی ثابت نہیں۔ تو کسی کیلئے دلیل کے بغیر کسی چیز کو مکروہ سمجھنا جائز نہیں، کیونکہ یہ شریعت ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شریعت اپنے پاس سے بنانا حرام ہے۔

بلکہ بہت سی صحیح احادیث ہیں جن سے وضوء کے دوران باتیں کرنا جائز ثابت ہوتا ہے۔

بعض احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

اول: عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پیغام بھیجا کہ مسلح ہو کر تیاری کر کے میرے پاس آئیں میں آیا تو آپ ﷺ وضوء فرما رہے تھے تو فرمایا: "اے عمرو! میں آپ کو کسی مہم پر بھیجنا چاہتا ہوں اور ایسی مہم پر بھیجوں گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت غنیمت سمت واپس لائے گا، اور میں آپ کو مال کا کچھ حصہ دوں گا" تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میں نے ہجرت مال کیلئے تو نہیں کی تھی میری ہجرت تو صرف اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کیلئے تھی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اچھا مال نیک آدمی کیلئے اچھی چیز ہے"۔

(احمد (۴/۱۹۷-۲۰۲) بغوی شرح السنۃ، المشکاۃ (۲/۳۲۶) للخطیب بسند صحیح۔

دوم: ام ہانی، بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس فتح کے سال گئی تو آپ

غسل فرما رہے تھے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپکی بیٹی کپڑے سے پردہ کیئے ہوئے تھیں، میں نے سلام کیا تو فرمایا: "یہ کون ہے؟" میں نے کہا: میں ام ہانی ء بنت ابی طالب ہوں، تو فرمایا: "ام ہاھانی ء کو مرحبا ہو"۔ جب غسل سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا...... یہ حدیث صحیح ہے جو غسل کرتے ہوئے بات کرنے کے جواز پر دلالت کر رہی ہے تو وضوء میں کیسے جائز نہ ہو۔

(بخاری ۱/۴۲) مسلم (۱/۲۴۹) المشکاۃ باب الامان (۲/۳۷۷)

سوم : مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک پر گئے تھے، مغیرہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فجر کے وقت قضائے حاجت کیلئے گئے میں آپ کے ساتھ برتن اٹھالایا جب آپ واپس آئے تو میں آپ کے ہاتھوں پر پانی انڈیلا تو آپنے ہاتھ دھوئے، منہ دھویا اور آپ نے اُونی جُبہ پہن رکھا تھا، آپ نے آستین چڑھانی چاہیں تو آستین کی تنگی کی وجہ سے ہاتھ جبے کے نیچے سے نکالے اور جبہ کندھوں پر رکھا۔ اور ہاتھ دھوئے اور پھر پیشانی اور پگڑی کا مسح کیا، پھر میں موزے اُتارنے کیلئے جھکا تو آپ نے فرمایا: "انہیں چھوڑ دو! میں نے پاؤں بحالت طہارت اسمیں داخل کئے تھے" اور ان پر مسح کیا۔ الحدیث۔

(بخاری ۱/۳۳) مسلم (۱/۱۳۳) المشکاۃ (۱/۵۳) یہ بڑی دلیل ہے۔

چہارم: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی کہ میں اور رسول اللہ ﷺ۔ ایک ہی برتن سے جو ہمارے درمیان پڑا تھا غسل کر رہے تھے، آپ مجھ سے جلدی فرماتے تو میں کہتی: میرے لئے چھوڑ دیں، میرے لئے چھوڑ دیں، وہ فرماتی ہیں کہ وہ دونوں جنابت میں ہوتے۔ (بخاری ۱/۴۰) مسلم (۱/۴۸) المشکاۃ (۱/۴۸)

امام نوویؒ شرح مسلم (۱/۲۴۹) میں حدیث ام ہانی ء کے تحت کہتے ہیں: اس حدیث سے انسان کا اپنے ملاقاتی کو مرحبا کہنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ بحالت غسل اور بحالت وضوء باتیں کرنے اور سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ بخلاف پیشاب کرنے والے کے۔

پنجم : مسلم (۱/۳۸۳-۳۸۴) کی حدیث جو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان دونوں کا غسل محرم کے بارے میں اختلاف ہوا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ محرم غسل کر سکتا ہے اور مسور کہتے تھے کہ محرم سر نہیں دھو سکتا۔ پھر مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوایوب انصاری کے پاس اس مسئلے کے بارے میں پوچھنے کیلئے بھیجا تو وہ کنویں کی دو لکڑیوں کے درمیان پردہ کر کے غسل کر رہے تھے، میں نے سلام کیا تو انہوں نے کہا: کون ہے؟ میں نے کہا میں عبداللہ بن حنین ہوں اور مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے پاس یہ پوچھنے کیلئے بھیجا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بحالتِ احرام کیسے غسل فرماتے تھے؟۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کپڑے پر ہاتھ رکھ کر اسے نیچے کیا یہاں تک کہ انکا سر مجھے نظر آنے لگا تو پھر کسی کو پانی ڈالنے کا کہا اور اپنے ہاتھوں سے سر کو حرکت دی اور آگے پیچھے کیا، پھر کہا، میں نے انہیں اسطرح کرتے ہوئے دیکھا"۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: اس حدیث میں فوائد ہیں: ایک انمیں سے یہ ہے کہ وضوء و غسل کرنے والے کو سلام

کہا جا سکتا ہے بخلاف قضائے حاجت کرنے والے کے۔

احادیث اس مضمون کی بکثرت ہیں، انصاف پسند کیلئے اتنی ہی کافی ہیں۔

واللہ اعلم.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه اجمعین.

وضوء کرنے میں کسی سے مدد لینے کا حکم

۱۵۸ - سوال - وضوء میں کسی کا دوسرے سے مدد لینا جائز ہے؟

اخوکم سمیع الحق۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ:

بلا عذر کسی دوسرے سے مدد لینا اور مانگنا کامل متقی کا طریقہ نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔

ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو مجھے لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنے کی ضمانت دے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں" تو ثوبان کہنے لگے: میں ضمانت دیتا ہوں۔ تو وہ کسی سے کچھ بھی نہیں مانگتے تھے۔

(ابو داود ۱/۲۳۹) نسائی (۱/۳۶۲) المشکاة (۱/۱۶۳)

اور اسی طرح نبی ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ پر لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنے کی شرط لگائی تھی تو انہوں نے موافقت کی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تیرا کوڑا تجھ سے گر جائے تو اسے بھی خود اتر کر اٹھا لے۔ (احمد ۵/۱۸۱) المشکاۃ (۱/۱۶۴)

تو یہ اور اس جیسی دیگر احادیث دلالت کرتی ہیں کہ دوسرے سے مدد مانگنی غیر مستحب ہے،

لیکن اگر کوئی اپنے بھائی، بیوی یا دوست سے مدد لے تو یہ جائز ہے۔

کیونکہ ابن ماجہ (۱/۶۷) میں باب باندھتے ہیں کہ "باب: آدمی کا وضوء کرتے ہوئے کسی سے مدد لینا تا کہ وہ اسے پانی ڈالے"۔

پھر مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے قضائے حاجت کیلئے گئے پھر آئے تو میں آپ کے لئے لوٹا پانی کا لایا میں نے پانی انڈیلا تو آپ نے دونوں ہاتھ دھوئے پھر منہ دھویا پھر بازو دھونے لگے تو جبہ کی آستینیں تنگ ہو گئیں اور ہاتھ جبے کے نیچے سے نکالے پھر انہیں دھویا اور موزوں کا مسح کیا اور ہمیں نماز پڑھائی۔

اور بخاری و مسلم رُبیع بنت معوذ کی حدیث لائے ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس لوٹا لائی، آپ نے کہا: پانی ڈال، میں نے پانی انڈیلا تو آپ نے منہ ہاتھ دھوئے اور نیا پانی لے کر سر کا آگے اور پیچھے مسح کیا، اور پھر پاؤں دھوئے تین تین بار۔ (ابو داود

برقم: ۱۲۲،۱۱۷،۷) (۲۷/۱) یہ دونوں حدیثیں دوسرے سے مدد لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ جب کوئی عذر نہ ہو۔ لیکن اگر آدمی کو عذر درپیش ہو مثال کے طور پر ہاتھ یا پاؤں میں زخم ہو تو پھر دوسرے سے مدد لینی کوئی مکروہ نہیں، بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسکی مدد کریں۔ الفقہ الاسلامی (۲۵۲/۱)

ابو البرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے المنتقیٰ بشرح النیل (۲۱۸/۱) میں "باب جواز المعاونۃ فی الوضوء" کے تحت مغیرہ بن شعبہ کی یہی حدیث ذکر کی ہے، پھر کہا ہے کہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ وضوء میں دوسرے سے مدد لینی جائز ہے اور عترت اور فقہاء اسے مکروہ کہتے ہیں۔ بحر میں کہا ہے: "پانی دوسرے کو انڈیلنے کے جواز پر اجماع ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو بھی صحابہ کرام نے پانی ڈالا تھا جب وہ وضوء کرتے تھے، جو کراہت کے قائل ہیں وہ استدلال کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے جو انہوں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جب وہ آپکے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگے "میں وضوء میں کسی سے مدد نہیں لیتا"۔

امام نووی نے شرح المہذب میں کہتے ہیں: یہ حدیث باطل ہے اسکی کوئی اصل نہیں۔

بزار اور ابو یعلی نے اسے اپنی مسند میں روایت کیا ہے لیکن اسکی سند ضعیف ہے بوجہ النضر راوی کے جو مجہول، ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے۔

اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا وضوء کا پانی کسی کے حوالہ نہیں کرتے تھے۔ اسے ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے، اسمیں مطہر بن ہیثم راوی ضعیف ہے اور صحیحین میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اسامہ بن زید سے ہاتھوں پر پانی ڈالنے میں مدد لی۔ ربیع سے بھی پانی انڈیلنے میں مدد لی، صفوان بن عسال سے بھی پانی انڈیلنے میں مدد لی، ان احادیث سے جہاں تک ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ پانی ڈلوانے میں دوسرے سے مدد لیجا سکتی ہے۔ اور اسکے جواز پر اجماع ہونا آپ جان چکے ہیں اور اسمیں کوئی کراہیۃ نہیں۔ نزاع دوسرے سے اعضاء دھلوانے میں ہے۔ اور جن احادیث میں مدد نہ لینے کا ذکر ہے ان کا ضعیف ہونے میں بھی شک نہیں لیکن نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے اپنے اعضاء دھلوانے کیلئے کسی کو پکڑ وائے ہوں۔

اور اسی طرح آپ کے اقوال سے بھی اسکے جواز پر دلالت نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو نمازیوں کو دھونے کا حکم دینا ثابت ہوتا اور ہم میں سے ہر کوئی وضوء کا مامور ہے تو جو کہتا ہے کہ مکلف کیلئے اسمیں اپنا نائب بنانا کافی ہے تو اس پر دلیل لازم ہے تو ظاہر وہی ہے جو ظاہر یہ کہتے ہیں: نائب بنانا کافی نہیں۔ مطلوب محض اثر نہیں جیسے کہ بعض نے کہا ہے بلکہ تکلیفی امور میں تاثیر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ اگر کوئی چیز کسی سے مطلوب ہو تو اس کا تعلق لغۃً اور شرعاً کرنے والے کی ذات سے اس طرح ہے کہ وہ خود ہی کرے ہاں اگر عدم لزوم کی کوئی دلیل ہو، تو دلیل سے اگر اس قاعدے کی خلاف کیا گیا ہے تو وہ ہو سکتا ہے الخ۔

امام بخاری فرماتے ہیں: "باب ہے آدمی کا اپنے ساتھی کو وضوء کرانے کا" (۳۰/۱)

پھر انہوں نے اسامہ اور مغیرہ بن شعبہ کی پانی انڈیلنے والی حدیث ذکر کی ہے۔

امام ابن حجر فتح الباری (۱/۲۲۹) میں کہتے ہیں :

''یہ دونوں حدیثیں پانی انڈیلنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں لیکن کسی کا دوسرے کے اعضاء وضوء کو دھونا اس سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں کسی سے بالکل مدد نہ لینا مستحب ہے۔

اور ابو جعفر الطبری نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ کہتے تھے کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں وضوء میں کسی سے مدد لوں یا اپنے رکوع، سجدے میں کسی سے مدد لوں۔تو یہ کسی سے اعضاء وضوء دھلوانے پر محمول ہے نہ کہ پانی ڈالوانے پر جسکی دلیل وہ حدیث ہے جسے طبرانی وغیرہ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما پاؤں دھوتے تھے وہ پانی ڈالا کرتے تھے۔

اور بیہقی کی السنن الکبریٰ (۱/۸۳) میں ہے:''باب آدمی کا اپنے ساتھی کو وضوء کرانا'' پھر پانی ڈالنے کے بارے میں بخاری کی دو حدیثیں نقل کی ہیں تو پانی ڈالنے کا (کسی کو وضوء کرانے کیلئے) جواز ثابت ہوتا ہے اور مستحب نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پیر بلا عذر کسی سے دھلوانے جائز نہیں اور اگر عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

وضوء اور غسل میں غرغرے کرنا واجب نہیں

۱۵۹ – سوال : وضوء اور غسل کرنے والے کیلئے غرغرہ کرنا واجب ہے؟ اگر روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو اسے افطار کے وقت غرغرہ کرنا چاہیئے کیا یہ مسئلہ درست ہے؟۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّابَعْدُ :

وضوء یا غسل میں غرغرہ کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، اور نہ ہی جس روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو اس پر بوقت افطار غرغرہ ہے، بلکہ وضوء کرنے والے اور غسل کرنے والے ناک میں خوب پانی چڑھانا فرض ہے جب ان کا روزہ نہ ہو۔ جیسے کہ ابوداؤد (۱/۲۹) ترمذی (۱/۱۴)، ابن ماجہ (۱/۷۰) المشکاۃ (۱/۷٦) میں براویت لقیط بن صبرہؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں بنی المُنْتَفِق کے وفد میں تھا تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول! (ﷺ) وضوء کے بارے میں مجھے بتائیں!۔ تو آپ نے فرمایا:

''مکمل وضوء کر، انگلیوں کا خلال کر، اور ناک میں ذرا خوب پانی چڑھا، جب تر اروزہ نہ ہو''۔ اور اسکی سند صحیح ہے۔

ابوداؤد میں (۱/۲۹) میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی وضوء کرتا ہے تو ناک میں پانی ڈال کر جھاڑے"۔ سند اسکی صحیح ہے۔

اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو کر تو اسے ناک تین بار جھاڑنا چاہیئے کیونکہ شیطان اسکی ناک میں ٹھہرا رہتا ہے۔

جیسے کہ المشکاۃ (۱/۴۵) میں ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وضوء و غسل دونوں میں کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑنا فرض ہے اور یہی حق ہے، کیونکہ منہ کو دھونے کا حکم وارد ہے اور یہ دونوں منہ کے دھونے میں شامل ہیں تو منہ کو دھونے کا حکم مضمضہ اور استنشاق کا حکم بھی ہوا۔ منہ اور ناک کے چہرے کا علاوہ الگ نام ہونے کا کوئی نقصان نہیں۔ رخسار، آنکھ، آنکھ کے بال یہ سب چہرے میں داخل ہیں جبکہ انکے اپنے الگ الگ نام ہیں۔

اور اسی پر حدیث مسلمہ بن قیس بھی دلالت کرتی ہے: "کہ جب تو وضوء کرے تو ناک جھاڑ"۔

(ترمذی (۱/۱۰) نسائی (۱/۲۷)

اور لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے اور اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: "جب تو وضوکرے تو کلی کر"۔ (ابوداود: ۱/۲۱) وغیرہ، حافظ نے فتح الباری میں اسے صحیح الاسناد کہا۔

وجوب کے دلائل میں سے وہ حدیث ہے جسے دارقطنی نے ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر دارقطنی نے کہا کہ اسے ہدبہ اور داؤد بن المُحَبّر کے علاوہ کسی نے موصول نہیں کیا، انکے علاوہ دیگر راوی عَنْ عَمَّارٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل بیان کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ کوئی نقصان والی بات نہیں کیونکہ ہدبہ صحیحین کا راوی ہے، تو اسکا مرفوع بیان کرنا اور روایت کرنے میں منفرد ہونا مقبول ہے۔

اور وجوب کے دلائل میں سے یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مضمضہ اور استنشاق پر مداومت کی ہے اور ایک بار بھی انکا انہیں چھوڑنا محفوظ نہیں جیسے کہ امام ابن قیمؒ نے زاد المعاد (۱/۶۷) میں ذکر کیا ہے اور یہ بھی منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے آنکھ اندر سے دھوئی ہو اگرچہ ایک بار ہی کیوں نہ ہو۔

انہوں نے اپنے مبارک اور طیب عمل سے رب کی کتاب میں جو کچھ نازل کیا گیا ہمیں بیان فرمایا ہے۔

ابو بشر الدولابیؒ نے ثوریؒ کی جو حدیثیں اکٹھی کی ہیں اسمیں ذکر کرتے ہیں کہ ہمیں حدیث سنائی محمد بن بشار نے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابن مہدیؒ نے سفیان سے وہ روایت کرتے ہیں ابو ھاشم سے، وہ روایت کرتے ہیں عاصم بن لقیط سے وہ اپنے والد سے وہ نبی ﷺ سے: "جب تو وضوء کرے تو مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کر، سوائے اسکے کہ تو روزے سے ہو"۔ ابوالحسن بن

القطان کہتے ہیں: اور یہ صحیح ہے"۔

تو صحیح وصریح امر ہے اور اس پر مزید یہ کہ نبی ﷺ نے اسی پر مواظبت فرمائی ہے تو یہ نبی ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہوا اور اسکے کرنے پر نبی ﷺ کی مواظبت بھی ثابت ہوئی۔

اور وجوب کے دلائل میں سے وہ حدیث ہے جو امام بیہقی نے (۱/۵۲) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مضمضہ اور استنشاق وضوء میں ضروری ہیں"۔ اسکی سند میں محمد بن ازہر الجوزجانی ہے۔

لیکن امام بیہقی اسے دوسری سند سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں مجھے حدیث سنائی ابوسعید احمد بن محمد الصوفی نے ابن عدی الحافظ سے وہ عبداللہ بن سلیمان بن الاشعث سے وہ حسین بن علی بن مہران سے وہ عصام بن یوسف سے وہ ابن مبارک سے وہ ابن جریج سے وہ سلیمان بن یسار سے وہ زہریؒ سے وہ عروہ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے الخ۔ دار قطنی (۱/۸۷)

یہ وجوب کے دلائل ہیں جنہیں جان کر آپ سمجھ چکے ہونگے کہ حق یہ ہے کہ مضمضہ (کلی کرنا) ناک میں پانی چڑھانا اور پھر ناک جھاڑنا فرض ہے۔

اور جو عدم وجوب کے قائل ہیں وہ نبی ﷺ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: "دس چیزیں سنن میں سے ہیں"۔

تو ہم کہتے ہیں یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن وہ ان الفاظ میں ہے: "دس کام فطرت کے ہیں"۔

اس کے علاوہ حدیث میں سنت سے مراد اصطلاحی سنت نہیں اور اسی طرح ابن عباس ﷺ کی مرفوع حدیث "مضمضہ اور استنشاق سنت ہے" سے استدلال کرتے ہیں تو یہ حدیث ضعیف ہے جیسے کہ امام دار قطنی نے (۱/۸۵) میں روایت کیا ہے اور اسمیں اسمٰعیل بن مسلم راوی ضعیف ہے۔

اور جو کہتا ہے کہ قرآن میں چہرے کا ذکر آتا ہے اسمیں مضمضہ، استنشاق اور استنثار کا ذکر نہیں تو ہم کہتے ہیں: چہرے کے دھونے کا حکم ان کا بھی حکم ہے جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اسکا وجوب سنت اور امر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا اور آپ کا حکم اللہ کا حکم ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: "اور تمھیں جو کچھ رسول دے، لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ"۔ الحشر)

مراجعہ کریں: نیل الاوطار (۱/۱۷۱-۱۷۵)

امام شوکانیؒ السیل الجرار (۱/۸۱) میں کہتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ وجوب کا قول ہی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں چہرہ دھونے کا حکم دیا اور مضمضہ اور استنشاق کا محل چہرے میں داخل ہے اور ہر وضوء میں اس پر نبی ﷺ کی مداومت ثابت ہے اور جو بھی نبی ﷺ کا وضوء اور اسکا طریقہ روایت کرتے ہیں سب ہی روایت کرتے ہیں

تو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ چہرے کا دھونا جس کا قرآن میں حکم ہے وہ مضمضہ اور استنشاق سمیت ہے اور اسی طرح مضمضہ اور استنشاق کا الگ سے حکم بھی ثابت ہے پھر لقیط بن صبرہ ﷺ کی حدیث ذکر کی۔ جیسے کہ تمام المنہ ص (۹۲، ۹۳) میں ہے۔

اورامام ابن حزمؒ نے محلی (۱/۲۹۷) میں صرف استنشاق واستنثار کے وجوب کا کہا ہے پھر اس سے پر دلائل ذکر کئے ہیں۔ مراجعہ کریں۔

اور حجۃ اللہ البالغہ (۲/۱۷۵) میں ہے: وہ کہتے ہیں کہ مجھے ایسی کوئی صحیح صریح روایت نہیں ملی کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ نبی ﷺ نے بغیر مضمضہ اور استنشاق اور ترتیب کے وضوء کیا ہو۔ یہ انتہائی درجے کی تاکید ہے۔

مضمضہ لغت میں پانی کو منہ میں حرکت دینے کو کہتے ہیں اور استنشاق ناک سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ غرغرہ کی کوئی اصل نہیں اور اسی طرح ناک میں انگلی داخل کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ احادیث میں مضمضہ اور استنشاق کا ذکر ہے، اسی پر عمل کرنا فرض ہے۔ اور جو لوگوں نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے اس پر نہیں۔ صحیح وصریح سنت میں مضمضہ اور استنشاق یہ ہے کہ پانی کا چلو لیکر آدھا منہ میں ڈالیں اور آدھا ناک میں جیسے کہ عبداللہ بن زید کی حدیث میں ہے: "نبی ﷺ نے مضمضہ اور استنشاق ایک ہی چلو سے کیا اور یہ فعل تین بار کیا"۔ (متفق علیہ)

اورانہیں الگ الگ بھی کر سکتے جیسے کہ بعض احادیث میں اسکا ذکر ہے۔ واللہ اعلم

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

تمام سر کا مسح کرنا فرض ہے

۱۶۰ - سوال: سارے سر کا مسح کرنا فرض ہے؟ یا پیشانی یا اس سے بھی کم پر اقتصار کیا جاسکتا ہے؟ جیسے کہ بعض فقہاء کہتے ہیں۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ:

اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں کہ افضل سارے سر کا مسح کرنا ہے۔ سر کے اگلے حصے سے شروع کر کے ہاتھ گدی تک لیجائے پھر وہاں واپس لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا۔ اور اسکی کوئی خاص کیفیت نہیں جیسے کہ بعض مُتَفَقِّهَہ بیان کرتے ہیں کہ وضوء کرنے والا اپنے ہر ہاتھ کی تین انگلیاں اپنے سر کے اگلے حصے پر رکھے اور باقی دو انگلیوں کو الگ رکھتے ہوئے گدی تک لے جائے پھر دو باقی انگلیاں رکھکر واپس سر کے اگلے حصے تک آئے۔ سنت مطہرہ میں مسح اس کیفیت کے ساتھ ثابت نہیں۔

مسح سر کی کتنی مقدار کا ہونا چاہئے، تو اس میں راجح یہی ہے کہ پورے سر کا مسح فرض ہے اور مسح کرتے ہوئے سارے سر کو گھیرنا چاہئے، اسکے دلائل ہم تفصیل سے ذکر کرتے ہیں:

انہیں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ : ٤)
''اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھولو''۔
تو آیت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو دلالت کرتی ہو کہ سر کے کچھ حصے کا مسح جائز ہے۔ یہ آیت ہو بہو اس آیت کی سی ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ (المائدہ : ٥)۔
(اسے اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر مل لو)
دونوں آیتوں میں لفظ (مسح) کا اور حرف (ب) کا ہے جب تیمم کی آیت بعض کے مسح پر دلالت نہیں کرتی باوجودیکہ وہ ضوء کا بدل ہے اور وہ مٹی سے مسح کرنا ہے اور اسمیں تکرار مشروع نہیں تو وضوء کی آیت اس پر کیسے دلالت کرتی ہے اور اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ وضوء اصل ہے تو پانی کے مسح میں کیسے تکرار مشروع ہوا۔ یہ بات تو ایسا کوئی شخص نہیں کہہ سکتا جو سمجھتا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔
تو جو باء کو تبعیضیہ کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ قدر مشترک پر دلالت کرتی ہے تو وہ غلطی پر ہے۔ ائمہ، لغت اور قرآن کریم کی دلالت تینوں لحاظ سے غلطی پر ہے۔ یہاں باء الصاق کی ہے اور اسکا دخول کسی فائدے کیلئے ہوتا ہے جب یہ کسی ایسے فعل پر داخل ہو جو پہلے سے متعدی ہو تو اس سے قدر زائد کا فائدہ ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں: ﴿يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ﴾ (الدہر:٦)
(جو ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے (سیراب ہو کر) پئیں گے)
اگر کوئی کہے: یہاں (یشرب بہا) کا معنیٰ (یشرب منہا) ہے تو یہ سیر ہو کر پینے پر دلالت نہیں کر رہی۔ تو یہاں (یشرب) (یَرْوِی) کے معنیٰ کو متضمن ہے، اس لئے (يَشْرَبُ بِهَا) کہا گیا ہے تو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہ پئیں گے لیکن سیراب ہو کر پئیں گے۔ ایسی مثالیں بہت ہیں۔ اسی طرح وضوء و تیمم میں مسح ہے اگر کہا جائے: (فَامْسَحُوْا رُؤُوْسَكُمْ اور وُجُوْهَكُمْ) ۔ تو پھر اسکی دلالت اس پر نہ ہوتی جو مسح کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔
جب آپ کہتے ہیں: (مَسَحْتُ رَأْسَ فُلَانٍ) (میں نے فلان کا سر مسح کیا) تو آگر آپ کے ہاتھ گیلئے نہ ہوں تب بھی درست ہے اور جب کہا جائے: ﴿فَامْسَحُوْا بِرُؤُوْسِكُمْ وَبِوُجُوْهِكُمْ﴾۔
تو یہاں مسح کے ساتھ الصاق کا معنیٰ بھی ہے، جس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے تم چہرے اور سر کو مسح کے ساتھ ایک اور چیز بھی ملاتے ہو تو اس سے تیمم کی نیت میں یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھ کے ساتھ لاحق ہوتی ہے اور اسی لئے کہا ہے: ﴿فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تیمم میں استیعاب فرض ہے کیونکہ تیمم غسل وجہ کا بدل ہے اور اسکا استیعاب واجب ہے اسلئے کہ بدل مبدل منہ کا قائم مقام حکم میں ہے، صفت میں نہیں اسی لئے مسح علی الخفین جو بدل ہے غسل رجلین کا تو وہاں مسح کا استیعاب فرض نہیں جبکہ رجلین میں غسل کا استیعاب ہے۔
یہ عجیب تحقیق ہے جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے (۱۲۲/۲۱) میں ذکر فرمائی ہے۔

ان دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کا مشہور طریقہ ہے کیونکہ کسی ایک بھی صحیح حدیث میں بالکل یا ثابت نہیں کہ آپ نے سر کے بعض حصے کے مسح پر اقتصار کیا ہو، جیسے زاد المعاد (۱/ ۶۷) میں ہے۔

اور جو مغیرہ بن شعبہ ؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: "کہ نبی ﷺ وضوء کیا پھر مسح کیا پیشانی کا اور پگڑی کا اور موزوں کا"۔(مسلم) (المشکاۃ ۱/ ۴۶)

اسمیں صرف پیشانی پر اقتصار کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے تو یہ استدلال صحیح نہیں بلکہ نبی ﷺ نے ناصیہ سے مسح شروع کر کے پگڑی پر مسح کر کے مکمل کیا تو تم آدھی حدیث لیکر باقی آدھی حدیث کیوں چھوڑتے ہو۔

جو عمامہ پر مسح نہیں مانتے انہیں اس حدیث سے استدلال نہیں کرنا چاہئے۔ اور اسی طرح حدیث انس ؓ سے جسے ابوداود نے (۱/ برقم: ۱۴۷) روایت کیا ہے۔ اسی طرح درایہ علی الہدایہ میں ہے: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا آپ قطری پگڑی باندھے ہوتے تھے تو اپنا ہاتھ پگڑی کے نیچے سے داخل کیا پھر اگلے سر کا مسح کیا اور پگڑی نہیں کھولی"۔

تو انس کا مقصد یہ تھا کہ نبی ﷺ نے تمام بالوں کا مسح کرنے کیلئے پگڑی نہیں کھولی اور انہوں نے عمامہ پر مسح کر کے مسح کی تکمیل کی نفی نہیں کی۔ جس کا اثبات مغیرہ بن شعبہ وغیرہ نے کیا ہے تو انس کا سکوت نفی پر دلالت نہیں کرتا۔

میں کہتا ہوں: اسکے باوجود انس کی روایت ضعیف ہے کیونکہ اسمیں ابو معقل راوی مجہول ہے جیسے کہ تقریب میں ہے، ابن ماجہ نے برقم (۵۶۴) باب ماجاء فی المسح علی العمامۃ) میں روایت کیا ہے تو اس سے مقدار ناصیہ کیلئے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہی امام بخاریؒ نے اپنی صحیح (۱/ ۳۱) میں ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: (باب مسح الرأس کلہ لقولہ تعالیٰ: وامسحوا برؤسکم) یہ باب ہے کہ سارے سر کا مسح کیا جائے بوجہ اللہ تعالیٰ کے قول کے "اور مسح کرو اپنے سروں کا"۔

امام ابن مسیب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سر پر مسح کرنے میں عورت بمنزلہ مرد کے ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا بعض سر کا مسح کرنا کفایت کرتا ہے؟ تو انہوں نے عبداللہ بن زید کی حدیث سے حجت پکڑی۔ پھر یحییٰ المازنی سے روایت کیا کہ ایک شخص نے عبداللہ بن زید کو کہا اور وہ عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں: کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضوء کرتے تھے تو عبداللہ بن زید نے کہا: ہاں۔ انہوں نے پانی منگوا کر اپنے ہاتھ پر ڈالا دو بار، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا تین بار، پھر منہ دھویا تین بار پھر کہنیوں تک ہاتھ دھوئے دو دو بار پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا ہاتھوں کو آگے لے گئے پھر پیچھے لے گئے۔ سر کے اگلے حصے سے شروع کر کے گدی تک لے گئے پھر انہیں وہیں واپس لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا۔ پھر پاؤں دھوئے۔

امام بخاریؒ نے گہری غور وفکر سے سارے سر کو گھیرنے کے وجوب کی طرف اشارہ کیا، اور یہی حق ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ نبی ﷺ قرآن کے بیان کرنے والے بن کر آئے ہیں اور ان سے سر کے کچھ حصے پر مسح کرنے کا اقتصار منقول نہیں۔ اگر یہ جائز

ہوتا تو کم از کم ایک بار تو کرتے۔ مراجعہ کریں فقہ السنہ (۱/۴۱)

اور وہ حدیث جسے شافعیؒ نے اپنی مسند میں عطاء سے مرسلاً ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کیا تو آپ نے پگڑی سر سے ہٹا کر سر کے اگلے حصے کا مسح کیا، تو یہ حجت نہیں مرسل ہونے کی وجہ سے اور شاید اسمیں اور ضعف بھی ہو۔ اور اسی طرح ہی وضوء کے طریقے کے بارے میں عثمان کی حدیث ہے جسے سعید بن منصور نے نکالا ہے اور اس میں خالد بن زید بن ابی مالک مختلف فیہ ہے جیسے کہ فتح الباری (۱/۲۴۴) میں ہے۔

لیکن انہوں نے کہا ہے کہ ابن عمر سے صحیح روایت آئی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بعض سر کا مسح کرنا کافی سمجھنا ثابت ہے۔ ابن منذرؒ وغیرہ نے بھی یہ کہا ہے اور صحابہ میں سے کسی کا ان پر انکار ثابت نہیں۔ یہ ابن حزمؒ کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے علاوہ کسی میں کوئی حجت نہیں، شاید یہاں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تاویل ہو، لیکن ساتھ ہی امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر (۶/۶۷) میں کہا ہے: "اللہ تعالیٰ کا اپنی قول: ﴿ وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ ﴾ میں رأس ذکر کیا ہے جسے لوگ بدیہی طور پر جانتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر وضوء میں کیا، چہرے کو دھونے کیلئے متعین کر دیا تو باقی مسح کیلئے رہ گیا اگر دھونے کا ذکر نہ فرمائے تو سر کا وہ تمام حصہ جس پر بال ہیں ان کا مسح کرنا لازم آتا اور وہ جہاں آنکھیں ناک اور منہ ہیں۔ اور امام مالکؒ نے سر کے مسح کے وجوب میں اسی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

ان سے پوچھا گیا کہ سر کا بعض حصہ وضوء میں چھوڑا جا سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: بتائیں! چہرے کا بعض حصہ اگر کوئی (دھونے سے) چھوڑ دے تو کفایت کرے گا؟۔

مسح کا لفظ مشترک ہے یہ جماع پر بھی بولا جاتا ہے اور مسح کا ایک معنی یہ بھی ہے (مَسَحَ الشَّيْءَ بِالسَّيْفِ) (تلوار سے کسی چیز کو کاٹا) وَمَسَحَتِ الْإِبِلُ يَوْمَهَا (اونٹ سارا دن چلے) اور الْمَسْحَاءُ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے چوتڑ نہ ہوں۔

اور یہاں مسح سے مراد خاص کر ہاتھ کا ممسوح پر پھیرنا ہے۔

اور مقبلیؒ المنار (۱/۵۳) میں کہتے ہیں: "اس کا عام کرنا واجب ہے، اصل احتیاط اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ کے قول "وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ" میں باء کا داخل ہونا ہے، نہیں تو رسول اللہ ﷺ کا بالاستمرار فعل جس کا کوئی معارض نہیں یہی واجب الاتباع ہے اور اسمیں فعل کا وہ واقعہ خلل انداز نہیں جس کے لئے عموم نہیں"۔ مراد اسکی انسؓ کی وہ روایت ہے جو ہم نے ذکر کر دی۔

پھر لوگوں نے اس حرف کے اثر اور ممسوح پر اسکے داخل ہونے میں ضبط سے کام لیا ہے تو کسی نے کہا کہ بائے تبعیضیہ ہے لیکن اسکی کوئی دلیل نہیں کیونکہ سیبویہ نے اپنی کتاب میں پندرہ مقامات پر تبعیض کا انکار کیا ہے۔ پھر کہا ہے اگر آپ کہیں: "مَسَحْتُ رَأْسِيْ كُلَّهُ" اور "مَسَحْتُ رَأْسَهٗ بَعْضَهٗ" تو پہلے میں تاکید ہے اور دوسرا بدل ہے اور تاکید تکریر معنی کے حکم میں ہوتا ہے اور بدل ایسا نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اس "کل" کی حقیقت نبی ﷺ کے مستر فعل کے ساتھ ہے، خاصکر بعض جگہوں میں تکرار کے ساتھ کہ جس

سے غرض استیعاب ہوتا ہے نہ کہ تثلیث تو بعض اوضح الواضحات ہوگئی۔الحمدللہ۔

○ اور کشف القناع (۹۸/۱) میں کہا ہے: "پھر مسح کرے سارے ظاہری سر کا چہرے سامنے بالوں کے اکثر عادی اگنے کی جگہ سے لیکر گدی تک کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سر کے مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور چہرے کے مسح کا تیمم میں حکم دیا ہے۔اور وہاں مسح استیعاب واجب ہے اسی طرح یہاں (سر کے مسح میں) بھی دونوں میں کوئی فرق نہیں۔اور اسلئے بھی کہ آپ نے تمام سر کا مسح کیا اور آپکا فعل آیت کا بیان واقع ہو رہا ہے اور یہاں باء الصاق کی ہے یعنی فعل کو مفعول کے ساتھ ملانا۔گویا کہ اس نے فرمایا کہ مسح کو اپنے سروں کے ساتھ لگادو۔یعنی مسح کا پانی۔

اور اگر کہا جائے: "اِمْسَحُوْا رُؤُوْسَكُمْ" (باء کے بغیر) تو وہ اور یہ الگ الگ کلام ہے۔یہاں یہ دلالت نہیں کہ یہاں کوئی اور چیز ہے جسے سر سے لگانا ہے۔جیسے کہ کہا جاتا ہے: "مَسَحْتُ رَأْسَ الْيَتِيْمِ" اور یہ دعویٰ کہ باء فعل کے ساتھ آتی ہے تو وہ اپنے مجرور میں تبعیض کا فائدہ دیتی ہے لغت کے اعتبار سے۔تو یہ نا قابلِ تسلیم ہے دفع اشتراک کی وجہ سے اور ائمہ کے انکار کی وجہ سے۔

ابو بکرؒ کہتے ہیں:

میں نے ابن دُرید اور ابن عرفہ سے پوچھا کہ باء تبعیض کا فائدہ دیتی ہے؟ تو دونوں نے کہا: لغت میں ہمیں معلوم نہیں۔

ابن برھانؒ کہتے ہیں: جو یہ کہتا ہے کہ باء تبعیض کے لئے آتی ہے تو یہ اہل عربیت کی طرف سے وہ بات کہتا ہے جو وہ نہیں جانتے۔

اور جو روایت آئی ہے کہ "سر کے اگلے حصے کا مسح کیا" تو یہ عمامہ سمیت ہے جو واضح طور پر مغیرہ بن شعبہ ﷺ کی حدیث میں آچکی ہے اور یہی ہم کہتے ہیں الخ۔

تو نبی ﷺ سے مسح کے تین طریقے ثابت ہیں:

اول: سارے سر کا مسح۔عبداللہ بن زید کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے سر کا مسح کیا تو ہاتھوں کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے۔سر کے اگلے حصے سے شروع کیا پھر انہیں گدی تک لے گئے پھر انہیں کھینچتے ہوئے اسی جگہ لے آئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔اسے جماعت نے روایت کیا۔

دوم: صرف پگڑی پر مسح: عمرو بن امیہ ﷺ کی حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا نبی ﷺ کو وہ پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے تھے۔(احمد، بخاری، ابن ماجہ) اور بلال ﷺ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مسح کرو موزوں پر اور خمار (پگڑی) پر۔(احمد)

اور سیدنا عمر ﷺ نے فرمایا: جسے پگڑی کا مسح پاک نہیں کرتی، اللہ تعالیٰ اسے پاک ہی نہ کرے"۔اس بارے میں احادیث وارد ہیں

جسے بخاری، مسلم وغیرہما ائمہ نے روایت کیا ہے اور اکثر اہل علم سے اس پر عمل وارد ہے۔

سوم: پیشانی اور پگڑی پر مسح: مغیرہ بن شعبہ ﷛ کی حدیث میں ہے کہ ''نبی ﷺ نے وضوء کیا پھر پیشانی و پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔ (مسلم) هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

سر کا مسح تین بار کرنے کا حکم

۱۶۱ - سوال: سنت مطہرہ میں سر کا مسح تین بار کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ولا حول ولا قوة الا بالله.

وہ احادیث صحیحہ جن میں نبی کریم ﷺ کے وضوء کا طریقہ بیان ہوا ہے انمیں مسح ایک ہی بار ہے۔

اسی لئے امام ابن قیمؒ نے زاد المعاد (۱/ ۸۷) میں کہا ہے: ''صحیح یہی ہے کہ سر کا مسح مکرر نہیں ہے بلکہ جب اعضاء کو مکرر بار دھوتے تو مسح سر کا ایک ہی بار کرتے، آپ ﷺ سے صریحا اسی طرح آیا ہے اور اسکے خلاف آپ سے بالکل ثابت نہیں، بلکہ اسکے علاوہ یا تو صحیح غیر صریح ہے جیسے صحابی کا قول: ''وضوء کیا تین بار'' اور جیسے اس کا کہنا: ''مسح کیا سر کا دو بار'' یا پھر صریح لیکن غیر صحیح ہے۔

جیسے حدیث بیلمانی کی وہ اپنے والد سے وہ عمر ﷛ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے وضو کیا اور ہاتھ دھوئے تین بار پھر کہا اور سر کا مسح کیا تین بار'' تو یہ حجت نہیں کیونکہ ابن البَيْلَمَانِي اور اس کا والد دونوں ضعیف ہیں اگر چہ والد اس سے نسبت اچھے حال والا ہے۔ اور جیسے حدیث عثمان کی جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے: ''انہوں (ﷺ) نے سر کا مسح تین بار کیا (۲۳۱) اور ابوداؤد کہتے ہیں کہ عثمان کی تمام صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک بار ہے اور اسی طرح کہا انکے علاوہ دوسروں نے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ عثمان کی حدیث تین سندوں سے آئی ہے، دو سندیں ابوداؤد میں ہیں اور وہ حسن ہیں۔ مراجعہ کریں: رقم الحدیث (۱۰۷)

حمران سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان کو وضوء کرتے دیکھا، اور اسمیں ہے کہ انہوں سر کا مسح تین بار کیا۔

حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ ابوداؤد نے دو سندوں سے روایت کیا ہے عثمان کی ایک حدیث میں تین بار سر کا مسح کرنے کو ابن خزیمہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے اور ثقہ کی زیادت مقبول ہے۔

اور تلخیص الحبیر (۱/ ۸۵) میں ذکر ہے کہ ابن الجوزی کشف المشکل میں تکرار کی تصحیح کی طرف مائل ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہی حق ہے کیونکہ ایک بار کی روایتیں اگر چہ بہت ہیں لیکن تین بار کی روایت کے معارض نہیں کیونکہ بات اسکے

(تثلیث) سنت ہونے میں ہے اور یہ تو کبھی کیجاتی اور کبھی ترک کی جاتی ہے۔ الصعانی نے سبل السلام (۱/۴۴) میں اسے اختیار کیا ہے جیسے تمام المنہ ص (۹۱) میں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ نے تابعین کی ایک جماعت سے تثلیث مسح روایت کیا ہے جیسے ابراہیم التیمی، سعید بن جبیر، عطاء، زاذان اور میسرہ (رحمہم اللہ) اور بطریق ابی العلاء قتادہ سے انس سے بھی وارد کیا ہے۔ جیسے کہ تلخیص میں ہے۔

امام دارقطنی نے اپنی سنن (۱/۸۹) میں کہا ہے: ہمیں حدیث سنائی محمد بن محمود الواسطی نے انہیں حدیث سنائی شعیب بن ایوب نے انہیں حدیث سنائی ابو یحییٰ الحمانی نے انہیں حدیث سنائی ابو حنیفہ نے انہیں حدیث سنائی حسن بن سعید بن الحسن المروزی نے وہ کہتے ہیں میں نے اپنے دادا کی تحریر میں ابو یوسف قاضی سے لکھا پایا وہ کہتے ہیں انہیں حدیث سنائی ابو حنیفہ نے خالد بن علقمہ سے وہ عبد خیر سے وہ علی ﷺ سے، انہوں نے وضوء کیا اور ہاتھ دھوئے اور اسمیں ہے کہ سر کا مسح تین بار کیا۔ الحدیث۔

پھر دارقطنی نے کہا کہ ابو حنیفہ نے ثلاثا کہکر ثقات کی مخالفت کی۔ پھر ص (۹۱) میں کہا ہے کہ تثلیث کی دلیل، پھر احادیث ذکر کی ہیں۔ مراجعہ کریں۔

اور ہدایہ (۱/۲۱) میں ہے: تثلیث مشروع ہے لیکن ایک ہی پانی سے، بمطابق ابو حنیفہؒ کی روایت کے، اور امام بیہقی نے (۱/۶۲، ۶۴) میں انس ﷺ سے روایت کیا ہے کہ وہ سر کا مسح تین بار کیا کرتے تھے اور ہر بار نیا پانی لیتے تھے تو گزشتہ بیان سے ثابت ہوا کہ سنت صحیحہ مسح کا ایک بار کرنا ہے اور کبھی کبھی تین بار کرنا بھی جائز ہے کیونکہ عثمان ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

اعضاء وضوء کا تین بار سے زائد دھونا جائز نہیں

۱۶۲ - سوال: اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو صاحب ہدایہ نے (۱/۱۹) میں ذکر کی ہے کہ "نبی ﷺ نے ایک ایک بار وضوء کیا اور فرمایا یہ میرا وہ وضوء ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ پھر دو دو بار وضوء کیا اور فرمایا: یہ اس شخص کا وضوء ہے جس کا اجر اللہ تعالیٰ دو چند کرے گا، اور پھر وضوء تین تین بار کیا اور فرمایا: یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضوء ہے جو اس سے زیادہ کرے گا یا کم کرے گا تو وہ حد سے بڑھا اور ظلم کا مرتکب ہوا تو یہ قول کہ "کم کرے گا" یہ صحیح احادیث کے معارض ہے جسمیں ایک ایک بار اور دو دو بار کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور احادیث میں جو مختلف کیفیتیں آئی ہیں۔

٥- ابن عباس ﷺ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک بار وضوء کیا۔ (بخاری (۱/۲۷) وغیرہ۔

عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے وضوء دو دو بار کیا۔(بخاری)

عثمان ﷛ سے روایت ہے، انہوں نے مقاعد میں وضوء کیا اور کہا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کا وضوء نہ دکھاؤں تو انہوں نے تین تین بار وضوء کیا۔(مسلم)

اور ترمذی (۱/۱۶) میں عبداللہ بن زید سے روایت لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے وضوء کیا، آپ نے چہرہ تین بار دھویا۔اور ہاتھ دو بار دھوئے اور سر کا مسح کیا اور پاؤں دو بار دھوئے۔

اس حدیث کو ابوداود نے (۱/۲۵) برقم (۱۱۸) نکالا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں پاؤں کا دو بار دھونا شاذ ہے۔بخاری مسلم اور ابوداؤد میں یہ روایت پاؤں میں دو بار کے بغیر آئی ہے۔

یہ احادیث دو بار اور ایک بار پر اقتصار کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور وہ پہلی حدیث اسکے مخالف ہے، انمیں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ سائل : اخوکم عزیز اللہ طالب علم۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَصْدَقِ الصَّادِقِيْنَ مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ :

یہ حدیث ابن ماجہ برقم (۴۲۲) لائے ہیں: ”باب وضوء میں اعتدال کا اور حد سے بڑھنے کی کراہت کا“۔عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور وضوء کے بارے میں پوچھنے لگا، تو آپ نے اسے تین تین بار کر کے دکھایا پھر فرمایا: ”جس نے اس سے زیادہ کیا اس نے برا کیا“۔یا کہا کہ ”حد سے بڑھا اور ظلم کیا“۔یہ حدیث صحیح ہے۔

ابوداود برقم (۱۳۵) نے طویل ذکر کی ہے اور مزید یہ لفظ بیان کرتے ہیں ”وضوء اس طرح کیا جاتا ہے جو اس سے زیادہ کرے یا کم کرے اس نے برا کیا اور ظلم کیا یا ظلم کیا اور برا کیا“۔شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابوداود میں کہا ہے یہ لفظ شاذ ہیں۔اور شوکانی نے نیل الاوطار (۱/۲۱۶) میں شذوذ کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ منکر ہے۔

تو ثابت ہوا کہ تین بار سے زیادہ حرام ہے اگرچہ احتیاط ہی کے لئے ہو کیونکہ ایسے موقعوں پر احتیاط بدعت اور وسوسہ ہوتی ہے، اسی لئے احمدؒ اور اسحاقؒ نے کہا ہے: تین بار سے زیادہ تو مبتلائے وسوسہ شخص ہی کر سکتا ہے۔

ابن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں: وضوء میں جو تین بار سے زائد دھوتا ہے اسکے گنہگار ہونے کا خطرہ ہے“۔

امام شوکانیؒ کہتے ہیں: ”تین بار سے زائد کے مکروہ ہونے میں کوئی خلاف نہیں“۔تو صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ احتیاط کیلئے تین بار سے زائد جائز ہے، غلط ہے اور حدیث کے خلاف ہے۔اور صحیح مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ عنقریب میری امت میں ایسی قوم ہوگی جو دعا اور طہارت میں حد سے بڑھے گی“۔(احمد، ابوداود، ابن ماجہ) اور مشکاۃ (۱/۴۷)

تو مسلمان کیلئے ایسا نہیں بننا چاہئے جس کی نبی ﷺ نے اپنے سچے قول میں مذمت کی ہو۔

هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

داڑھی کے خلال کا حکم اور طریقہ

۱۶۳ - سوال : داڑھی کے خلال کا کیا حکم ہے اور اسکا کیا طریقہ ہے؟ اور کتنی بار خلال کیا جائے؟ تفصیل سے بیان کریں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ اخوکم: اسمٰعیل۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّا بَعْدُ :

حدیث صحیح میں ثابت ہے، انس بن مالک ﷺ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب وضوء کرتے تو پانی کا ایک چلو لیکر ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے اور اسکے ساتھ اپنی داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے: "مجھے میرے رب نے ایسا ہی حکم دیا ہے"۔ (ابوداؤد: ۱/۳۰) برقم (۱۴۵) بیہقی (۱/۵۴) بطریق ولید بن زوران اور وہ حسن الحدیث ہے۔

اور حدیث کی اور سندیں بھی ہیں جنہیں حاکم نے (۱/۱۴۹) میں صحیح کہا ہے اور ذہبیؒ نے موافقت کی ہے اور ابن قطان نے بھی صحیح کیا ہے اور اسکے شواہد ہیں۔ امام حاکمؒ نے عثمان سے مرفوعا روایت کیا ہے اور عمار بن یاسر، انس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے سب نبی ﷺ سے خلال روایت کرتے ہیں۔

ابن ماجہ نے (۱/۲۷) میں برقم (۴۲۹) عمار بن یاسر ﷺ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو داڑھی کا خلال کرتے ہوئے دیکھا۔ ترمذی برقم: (۲۹)

عثمان ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کیا اور اپنی داڑھی کا خلال کیا۔ ترمذی برقم (۳۰)

ابوایوب انصاری ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنی داڑھی کا خلال کیا۔

تو داڑھی کے خلال کے بارے میں یہ صحیح احادیث ہیں۔

مراجعہ کریں ارواء الغلیل (۱/۱۳۰) رقم (۹۲) طبرانی اوسط میں اور دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور ابن السکن نے اسے صحیح کہا ہے اور جب وضوء کرتے تو اپنے رخسار ملتے تھے اور ملنے کے بعد نیچے سے اپنی انگلیاں داڑھی میں داخل کرتے تھے"۔ اسکی سند میں عبدالواحد مختلف فیہ ہے جیسے نیل الاوطار (۱/۱۸۵) میں ہے۔

داڑھی کے خلال کے وجوب کے بارے میں علماء کے دوقول ہیں:

قول اول : داڑھی کا خلال واجب ہے کیونکہ اسمیں احادیث بکثرت ہیں اور بعض میں امر وارد ہوا ہے جیسے کہ انس ﷛ کی مذکورہ حدیث میں ہے: ''اسی طرح مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے''۔ اور احادیث میں نبی ﷺ کا داڑھی کے خلال پر مداومت کرنی یہ وجوب کی دوسری دلیل ہے۔

قول ثانی: داڑھی کا خلال استحباب کے درجے میں ہے کیونکہ احادیث کثرۃ کے باوجود ضعیف ہیں جیسے کہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار (۱/۱۸۵/۱۸٦) میں کہا ہے۔ انصاف یہی ہے کہ اس باب کی احادیث یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ وہ احتجاج کے قابل ہیں وجوب پر دلالت نہیں کرتیں، کیونکہ یہ افعال ہیں۔

اور بعض رواتیوں میں جو یہ لفظ وارد ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے''۔

امت کیلیے وجوب کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ ان کے ساتھ خاص ہونا ظاہر ہے اور یہ اصول میں مشہور اختلاف پر اترتا ہے کہ جو ظاہر میں آپکے ساتھ خاص ہے وہ امت کیلیے عام ہے یا نہیں۔ اور فرائض یقین ہی سے ثابت ہوتے ہیں اور اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے فرض نہیں کیا فرضیت کا حکم لگانا یہ اس چیز پر جو اس نے فرض کیا ہے بلاشک عدم کا حکم لگانا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے ذمے وہ بات کہتا ہے جو اس نے نہیں کہی۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ایک چلو پانی گھنی داڑھی والے کے لئے منہ دھونے اور داڑھی کا خلال کرنے کیلیے کافی نہیں اور اسکا دفع کرنا جیسے کہ بعض نے کیا ہے سمجھ میں مکابرہ ہے۔ ہاں احتیاط کرنے اور اَوثق اختیار کرنے کی اولویت میں کوئی شک نہیں لیکن وجوب کا حکم لگائے بغیر'' آہ۔

امام صنعانیؒ نے سبل السلام (۱/۴۸) میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ مراجعہ کریں۔

اسی لئے امام احمدؒ نے کہا ہے کہ داڑھی کے خلال کے بارے میں کوئی چیز صحیح نہیں ہے اور ابن ابی حاتم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ داڑھی کے خلال کے بارے میں نبی ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

زاد المعاد (۱/٦۸)، نصب الرایہ (۱/۲٦)

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا سبب ان احادیث میں عدم تحقیق ہے جو ہم نے ذکر کیں ہیں۔

اور مبارکفوریؒ نے تحفۃ الاحوذی (۱/۴۳) میں کہا ہے، میں کہتا ہوں ان دونوں کا قول معارض ہے ترمذی کا عثمان کی تصحیح کے ساتھ اور اسی طرح حاکم، ابن حبان وغیرہ کی تصحیح کے ساتھ جو انہوں نے باب کی بعض احادیث کی کی ہے۔ بلا شک داڑھی کے خلال کی احادیث بکثرت ہیں اور انکا مجموعہ دلالت کرتا ہے کہ اسکی اصل ہے جب امام ترمذیؒ حدیثِ عثمانؓ کی تصحیح کرتے ہیں امام بخاریؒ

اسے حسن کہتے ہیں جیسے کہ آپ عنقریب جان لیں گے اور حافظ ابن حجرؒ نے عائشہ کی حدیث کو حسن کہا ہے تو اس کیلئے اصل کیسے نہیں ہوسکتا۔ تو سب حدیثیں ملکر وضوء میں داڑھی کے خلال کے استحباب کی دلیل بننے کے قابل ہیں اور یہی میرے نزدیک حق ہے الخ۔

اور اسحاقؒ نے اسکے وجوب کا قول کیا ہے جیسے کہ ترمذیؒ میں ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر بھول کر یا تاویل کرتے ہوئے ترک کردے تو کفایت کرتا ہے اور اگر عمداً ترک کردے تو دوبارہ وضوء کرے۔

اور المنار للمقبلی (۵۰/۱) میں ہے: ''داڑھی کا خلال واجب ہے جیسے کہ اُگنے سے پہلے ہے اور جاننا چاہئے کہ اس باب کی احادیث بکثرت ہونے کے ساتھ ساتھ اور بعض روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ ''هٰكَذَا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ'' جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے اس پر عمل کیا جائیگا اور اس کو لازم خیال کیا جائیگا کیونکہ جو اسکے معارض ہیں وہ صحیح نہیں ہیں مگر یہ کہ وضوء ایک ایک بار ہو اور اسمیں دلالت نہیں کیونکہ مَرَّةً سے مراد مکمل دھونا ہے اور جو اس کے قائل نہیں ان کا رد کیا ہے۔

بہر حال مسلمان کیلئے مناسب یہی ہے کہ اپنے وضوء میں داڑھی کا خلال نہ چھوڑے اتباع سنت کرتے ہوئے اور اپنے دین میں احتیاط سے کام لیتے ہوئے خاص کر جبکہ ابن ابی شیبہ نے (۱۲/۱) میں عمار بن یاسر، ابن عمر، انس، علی، ابو امامہ، عثمان رضی اللہ عنہم اور ابن سیرین اور ابراہیم رحمہما اللہ سے داڑھی کا خلال روایت کیا ہے تو اسے بعض لوگوں کے صرف فتووں کی وجہ سے ترک نہ کرے۔ مراجعہ کریں المغنی (۱۱۶/۱) تمام المنہ ص (۹۳)

خلال کے دوبار یا تین بار کرنے کے بارے میں دو حدیثیں ہیں:

اول: جو ابن ماجہ نے برقم (۴۳۱) میں انس ﷺ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب وضوء کرتے تو اپنی انگلیاں کشادہ کرکے داڑھی کا خلال دوبار کرتے تھے۔ یہ حدیث ضعیف ہے یحیی بن کثیر اور یزید الرقاشی دونوں ضعیف ہیں باقی حدیث شواہد کی وجہ سے صحیح ہے لیکن مرتین کا لفظ ضعیف ہے۔

دوم: وہ حدیث جسے حاکم نے (۱۴۹/۱) میں عامر بن شقیق سے روایت کیا ہے وہ روایت کرتے ہیں شقیق بن سلمہ سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا، انہوں نے منہ دھویا، استنشاق اور مضمضہ کیا تین بار اور سر اور ظاہر اور باطن کانوں کا مسح کیا اور داڑھی کا خلال تین بار کیا، جب منہ دھویا پاؤں دھونے سے پہلے پھر کہا: میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا، پھر کہا کہ عامر بن شقیق میں کسی بھی وجہ سے کوئی طعن نہیں۔

ذہبیؒ نے تلخیص میں کہا ہے کہ ابن معین نے اسے ضعیف کیا ہے۔ میں کہتا ہوں حدیث کے شواہد ہیں اور کسی میں بھی تین بار خلال کرنا نہیں۔ مراجعہ کریں تلخیص الحبیر (۸۵/۱)

سابقہ احادیث سے **خلال کی کیفیت** بھی معلوم ہوگئی۔

اور وہ یہ ہے کہ ایک چلو پانی لیکر ٹھوڑی کے نیچے داخل کرے اور اپنی داڑھی کا اسکے نیچے سے خلال کرے۔

هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.



غسل اور وضوء کے وقت مصنوعی دانتوں کا نکالنا ضروری نہیں

١٦٤ – سوال : اگر کسی نے مصنوعی دانت لگایا ہو یا آہنی یا سنہری تاروں سے دانتوں کو مضبوط کیا ہو تو کیا وضوء و غسل کرتے وقت ان کا نکالنا ضروری ہے؟ اور ہڈی یا پلاسٹک وغیرہ سے دانتوں کی بھرائی کی جاتی ہے انہیں وضوء و غسل کے وقت نہیں نکالا جا سکتا۔

جواب : الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسول الله اما بعد :

وضوء و غسل کے وقت ایسے دانت کا نکالنا واجب نہیں بلکہ ان دونوں میں کلی کرنا ہی کافی ہے اور جن دانتوں کی بھرائی کی جاتی ہے ان کا حکم بدن کے داخلی حصوں کا سا ہے ایسے دانتوں کے اندر پانی داخل کرنا واجب نہیں اور سونے کے تاروں سے دانتوں کو مضبوط کرنا حدیث میں ثابت ہے، نبی ﷺ نے انہیں نکالنے کا حکم نہیں فرمایا، جیسے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن (۲/۹۶) میں باب بندی کی ہے "بَابُ شَدِّ الْأَسْنَانِ بِالذَّهَبِ"۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے فتاوی (۲/۳۲) میں کہا ہے: "یہ مجبوری میں شامل ہے اور نکالنے میں بڑا حرج ہے اور حرج شرعی طور پر معاف ہے، اسلئے نکالے بغیر اس کا دعونا صحیح ہے اور فقہاء کی تصریحات موجود ہیں کہ سونے کا دانت لگانا اور (سونے کی تاروں سے) دانتوں کا مضبوط کرنا جائز ہے، اگر یہ غسل کی صحیح ہونے کیلئے مانع ہوتا تو فتوی دیدیتے۔

اور امام ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی (۴/۱۴۰) میں کہا ہے کہ "اگر کسی انسان کا جڑا ہوا دانت ہو تو ظاہر ہے کہ اسکا نکالنا واجب نہیں یہ انگشتری کے مشابہ ہے، انگشتری کا وضوء کے وقت نکالنا واجب نہیں بلکہ افضل یہی ہے کہ اسے حرکت دیدے، لیکن اسکا ہلانا واجب نہیں کیونکہ نبی ﷺ انگشتری پہنا کرتے تھے اور کہیں یہ منقول نہیں کہ آپ نے وضوء کرتے وقت انگوٹھی نکالی ہو حالانکہ انگوٹھی کا نکالنا بعض لوگوں کیلئے نسبتاً دانت کے نکالنے سے آسان تر ہے اور یہ شریعت غراء کی دی ہوئی آسانیوں میں سے ہے۔

والحمد لله رب العالمين

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

انگلیوں کے خلال کا حکم اور طریقہ

۱۶۵ - سوال : سنت مطہرہ میں انگلیوں کے خلال کا کیا حکم ہے اور اس کی کیفیت کیا ہے؟۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رب العالمین وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّا بَعْدُ :

لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تو وضوء کرنے لگے تو مکمل کر اور انگلیوں کا خلال کر"۔ ترمذی (۱۴/۱)، ابوداود (۲۹/۱) ابن ماجہ (۷۵/۱) برقم (۴۴۸)

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم وضوء کرو تو ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر لیا کرو"۔ ترمذی (۱۴/۱) ابن ماجہ (۷۵/۱)

مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ چھوٹی انگلی سے پاؤں کی انگلیوں کو ملا کر کرتے تھے۔ (ترمذی: ۱۵/۱) رقم (۴۰) ابن ماجہ رقم (۴۴۶)

طبرانی معجم میں علاء بن کثیر سے روایت لاتے ہیں، وہ مکحول سے روایت کرتے ہیں، وہ واثلہ سے وہ نبی ﷺ سے آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے پانی کے ساتھ انگلیوں کا خلال نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کا خلال آگ سے کریں گے"۔ (نصب الرایہ: ۲۶/۱، ۲۷)

ابن ابی شیبہ (۱۱/۱) میں مصعب بن سعد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو وضوء کر رہے تھے تو آپ نے انہیں کہا: خلال کرو۔

اور اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے وہ کہتے ہیں: "آدمی کو اپنی انگلیوں کو خوب پانی پہنچانا چاہیئے نہیں تو انہیں آگ پہنچائی جائے گی"۔

اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: "وضوء میں انگلیوں کا خلال کرو اس سے پہلے کہ آگ سے ان کا خلال کرایا جائے"۔

شوکانی ؒ نے نیل الاوطار (۱۹۱/۱) میں کہا ہے "کہ اس باب کی احادیث ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے خلال کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، یہ احادیث باہم تقویت پا کر وجوب ثابت کرنے کے قابل ہیں خاصکر لقیط بن صبرہ کی حدیث"۔

احادیث میں خلال کے وجوب کی تصریح ہے اور رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہے اور اسمیں کوئی فرق نہیں کہ خلال کے بغیر پانی کا پہنچنا ممکن ہے یا نہیں۔ اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں بھی کوئی فرق نہیں۔ تو صرف پاؤں کی انگلیوں کے ساتھ مقید کرنے یا پانی کے پہنچنے کے عدم امکان کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔

اور سبل السلام (۱/۴۸) میں ہے: ''لقیط کی حدیث انگلیوں کے خلال کے وجوب کی دلیل ہے''۔ مراجعہ کریں تمام المنہ ص (۹۳) مبارکفوری رحمہ اللہ نے تحفۃ الاحوذی (۱/۴۹) میں وجوب کو ترجیح دی ہے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے خلال کرے اور سب سے نچلی انگلی سے شروع کرے، خلال کے بائیں ہاتھ سے ہونے کی صراحت احادیث میں نہیں لیکن اسکا استدلال اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ خلال بھی ازالہ نجاست کے قبیلے سے ہے اور ازالہ نجاست بائیں ہاتھ سے ہوتا ہے جیسے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ قضاء حاجت میں استعمال کیلئے اور اسی طرح ازالۂ گندگی کیلئے تھا''۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ تو پاؤں کی انگلیوں کے خلال کی کیفیت تھی۔ ہاتھ کی انگلیوں کا خلال جیسے چاہیں کر سکتے ہیں کیونکہ اسمیں کوئی قید وارد نہیں۔

هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

وضوء اور غسل میں نیت کرنا فرض ہے

۱۶۶ - سوال: وضوء وغسل میں نیت فرض ہے کہ نہیں؟۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا بالله.

اکثر اہل علم جسے اصح کہتے ہیں وہ یہی ہے کہ نیت تمام عبادات میں فرض ہے خواہ وہ خود مقصود ہوں یا عبادۃ مقصودہ کیلئے ذریعہ ہوں اور جو عبادات میں وسیلہ اور مقصود کا فرق کرتے ہیں انکے پاس سوائے قیاس محض کے اور کوئی دلیل نہیں اور یہ بوجہ نص کے بالمقابل ہونے کے کسی شمار میں نہیں۔

اور نبی ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے جو صحاح وسنن ومسانید سب میں آئی ہے کہ ''اعمال کا دارومدار نیات پر ہے''۔

تو تمام اعمال نیت کے ماتحت ہیں اور جو نیت کے مسئلے میں اعمال میں فرق کرتا ہے اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے اور یہ حدیث اسلام کے قواعد میں سے ایک عظیم قاعدہ ہے جس پر توجہ کرنا فرض ہے۔

جان لو کہ جب میں نے احادیث میں غور کیا تو مجھے وضوء اور طہارت مستقل عبادت معلوم ہوئیں۔

جیسے کہ احمد، مالک، دارمی اور ابن ماجہ نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ]

(سیدھے ہو جاؤ اور تم (کما حقہ) احصاء ہرگز نہیں کرسکو گے اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے بہتر عمل نماز ہے اور وضوء کی

حفاظت مؤمن ہی کرتا ہے)۔

حدیث کا معنی یہ ہے کہ وضوء پر مداومت کرنا مؤمن ہی کا کام ہے، تو وضوء پر مداومت کرنی ایمانی صفت ہے خواہ وہ نماز کے لئے ہو یا نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کو طہارت پسند ہے تو وضوء اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ محبوب ہے تو یہ مستقل عبادت ہے، صرف وسیلہ نہیں ہے

اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر کے مٹی سے مسح کر لیتے تھے میں کہتا: پانی تو آپ کے قریب ہے تو فرماتے: ''میں کیا جانوں شاید میں (پانی تک) نہ پہنچ سکوں۔ (حمد:۱/۳۰۳) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تیمم عبادت کیلئے نہیں تھا بلکہ بنفسہ عبادت تھا۔

اور اسی طرح احمد، ابوداؤد اور اسی طرح المشکاۃ (۱/۱۰۸) میں معاذ بن جبل ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان ذکر کر کے بحالت طہارت رات بسر کرتا ہے پھر وہ رات کو کہیں جاگ جائے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی خیر مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ دیدیتا ہے''۔ اس معنی کی حدیثیں بکثرت ہیں۔

اور جو وضوء کپڑے کے دھونے پر قیاس کرتا ہے اس لحاظ سے کہ اسمیں نیت واجب نہیں، یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ طہارت کی دو قسمیں ہیں:

۱-حدث سے طہارت، یہ نیت کی محتاج ہے۔

۲-نجاسة سے طہارت اسمیں نیت کی حاجت نہیں۔

کیونکہ اسکا تعلق باب ترک (چھوڑ دینے) سے ہے۔ جیسے زنا کو ترک کرنا، شراب پینے کو ترک کرنا، عمل قوم لوط کو ترک کرنا، غصب اور چوری کو ترک کرنا وغیرہ۔ تو ان چیزوں میں ضروری نہیں کہ آپ روزانہ نیت کرتے رہیں اور کہیں میں نیت کرتا ہوں کہ میں زنا نہیں کرونگا، میں نیت کرتا ہوں کہ میں شراب نہیں پیونگا وغیرہ۔

جیسے کہ امام نوویؒ نے شرح المہذب (۱/۳۰۹) میں ذکر کیا ہے اور ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱/۱۱) میں تو جو دین میں احتیاط سے کام لیتا ہے وہ اسی قول کو بہتر سمجھے گا۔ اور جو ظلمات تقلید کے اندھیروں داخل ہو چکا ہے تو اس پر حق نہ دیکھنے کی ملامت نہیں کیونکہ وہ اندھیروں میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

ooooooo

وضوء یا غسل کے بعد اگر کوئی جگہ خشک رہ جائے تو کیا کرے؟

۱۶۷ - سوال : اگر کوئی شخص وضوء یا غسل کرتا ہے اور اسکے بدن پر کوئی جگہ خشک رہ جاتی ہے تو اسے وضوء یا غسل لوٹانا پڑے گا یا گیلا ہاتھ پھیرے گا ؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّابَعْدُ :

اس مسئلہ کا دارومدار موالاۃ (اعضاء وضوء کو ایک دوسرے کے بعد دھونا) وضوء میں فرض ہے یا نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ موالاۃ فرض ہے جس کے دلائل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ اگر کسی کے اعضاء میں سے کوئی جگہ خشک رہ گئی پھر جب کچھ دیر بعد اس نے اس پر پانی گزارا تو اسکے اعضاء خشک ہو چکے تھے تو اس پر وضوء دوبارہ کرنا پڑے گا اور اسی طرح اگر اس وضوء سے نماز پڑھی ہے تو اس نماز کا اعادہ بھی لازم ہے۔

دلائل یہ ہیں :

۱- انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور وہ وضوء کر چکا تھا اور اس کے قدموں پر ناخن جتنی جگہ کو پانی نہیں پہنچا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''واپس جا کر اچھی طرح وضو کر''۔

(مسلم: ۱۲۵/۱) ابوداود (۳۵/۱) باب تفریق الوضوء)۔

۲- عمر فاروق ﷺ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے اس طرح روایت کرتے ہیں فرمایا: ''واپس جا اور اپنا وضوء اچھی طرح کر''۔ اور احمد کی روایت میں ہے: ''وہ واپس گیا اور وضوء کر کے اس نے نماز پڑھی''۔ (۲۱/۱، ۲۳/۲۱/۱، ۱۴۶/۳)

امام نوویؒ شرح مسلم میں کہتے ہیں: ''قاضی عیاض وغیرہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ موالات وضوء میں فرض ہے، رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے: ''اپنا وضوء اچھی طرح کر''۔ اور یہ نہیں کہا جو جگہ چھوڑی ہے اسے دھو''۔ اور یہ استدلال ضعیف یا باطل ہے، آپکا ''أَحْسِنْ وُضُوْئَكَ'' کہنے میں وضوء تکمیل کرنے اور نئے سرے سے وضوء کرنے دونوں کا احتمال ہے اور اسے ایک پر حمل کرنے سے کوئی بہتر نہیں ہو جاتا۔

میں کہتا ہوں: کہ امام نوویؒ کا قول باطل ہے۔ اور حدیث کو استیناف پر حمل کرنا فرض ہے کیونکہ صحیح حدیث ابوداؤد (۳۶/۱) برقم (۱۷۵) میں نبی ﷺ کے بعض صحابہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اور اسکے قدم پر درہم کے برابر جگہ پانی نہ پہنچنے کی وجہ سے چمک رہی تھی تو نبی ﷺ نے اسے نماز اور وضوء لوٹانے کا حکم دیا۔

تو یہ حدیث وجوب موالات میں نص صریح ہے۔ والحمد للہ.

اسی لئے عظیم آبادی عون المعبود (۱/۶۸) میں اس حدیث کی تصحیح کے بعد کہتے ہیں: ''یہ حدیث وجوب موالات کی صریح دلیل ہے، کیونکہ تھوڑی سی جگہ خشک رہ جانے کی وجہ سے وضوء دوبارہ کرنے کا حکم تب ہی دیا جا سکتا ہے جبکہ موالاۃ فرض ہو اور یہ مالک، اوزاعی، احمد بن حنبل کا قول ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور مسند سے ہم نے جو روایت ذکر کی وہ امام نوویؒ کے قول کی تردید کرتی ہے۔ یہ مقام غور وفکر ہے۔

اسمیں سے ایک روایت وہ بھی ہے جو ابن ابی شیبہ نے (۱/۴۱) میں قلابہ سے روایت کی ہے کہ عمرؓ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس کے قدم کی پشت پر بقدر ناخن کے جگہ رہ گئی تھی، تو انہوں نے اسے وضوء ونماز کے اعادے کا حکم دیا۔

ان احادیث کی تحقیق کیلئے دیکھیں الارواء (۱/۱۲۶) رقم (۸۶)

امام شوکانیؒ نے نیل الاوطار (۱/۲۱۷، ۲۱۸) میں ان احادیث کی تحقیق کی ہے اور اس قول کو اختیار کرنے کا اشارہ کیا ہے۔

المغنی (۱/۱۵۸) میں ہے: موالات کے وجوب پر امام احمدؒ نے تصریح فرمائی ہے اور امام شافعیؒ کی دو اقوال میں سے ایک یہی ہے۔ اور امام مالک کہتے ہیں کہ اگر تفریق عمداً کی ہے تو وضوء باطل ہے اور اگر سہواً ہے تو باطل نہیں بوجہ نبی ﷺ کے قول کے جب انہوں نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا اور اسکے قدم کی پشت پر بقدر ایک درہم کے جگہ پر پانی نہیں پہنچا تھا تو نبی ﷺ نے اسے وضوء ونماز کے اعادے کا حکم دیا تھا، اگر موالات فرض نہ ہوتی تو صرف اسی جگہ کو دھو دینا کافی تھا۔ اور اسلئے بھی کہ یہ عبادت ہے اور حدث اسکو فاسد کر دیتی ہے۔ تو نماز کی طرح اسمیں بھی موالات شرط ہے۔ آیت وجوب غسل پر دلالت کرتی ہے اور نبی ﷺ نے اسکی کیفیت بیان کر دی اور مجمل کی تفسیر فرما دی۔

اور اسے حکم دیا کہ وہ وضوء پے درپے کرے اور موالاۃ ترک کرنے والے کو اعادہ کا حکم دیا۔ اور غسل جنابت بمنزلہ ایک عضو کے ہے بخلاف وضوء کے۔ تلخیص کے ساتھ۔

اور اسی طرح فتاوی ابن عثیمین (۴/۱۴۱) میں ہے: اسکے معارض وہ روایت نہیں ہو سکتی جسے بخاریؒ نے (۱/۴۰) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وضوء کی تفریق روایت کی ہے، اسی طرح فتح الباری (۱/۲۹۸) میں ہے اور غسل میں موالاۃ واجب نہیں کیونکہ وہ بمنزلہ ایک عضو کے ہے اور اس روایت کی وجہ سے جو ابن ابی شیبہ (۱/۴۱) میں علاء سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل کر کے نکلے تو آپ نے کندھے پر خشک جگہ دیکھی جسے پانی نہیں پہنچا تھا۔ تو اپنے بالوں سے ہاتھ گیلا کر کے اسے تر کر دیا۔ اسکی سند ضعیف ہے۔ اسمیں ابو علی الرحبی مجہول ہے۔ ھذا وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

OOOOOOO

وضوء میں احتیاط کیلئے تین بار سے زائد دھونا جائز نہیں

۱۶۸ - سوال: وضوء میں احتیاط کیلئے تین بار سے زیادہ دھونا جائز ہے؟

جواب : وَمِنْهُ الصِّدْقُ وَالصَّوَابُ :

وضوء وغسل میں تین بار سے زائد دھونا جائز نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے تین بار وضوء کر کے فرمایا: ''جو اس سے زیادہ کرے گا، وہ برا کریگا اور حد سے بڑھے گا یا ظلم کا مرتکب ہوگا''۔ (ابوداود، ابن ماجہ وغیرہ)

یعنی اگر کوئی تین بار سے زائد کرنا چاہے تو آپ نے اسکی رخصت نہیں دی احتیاط کیلئے، یا کسی اور وجہ سے بلکہ سنت میں ایک بار یا دو بار پر اقتصار کرنا ثابت ہے تو اسمیں احتیاط کی کوئی ضرورت نہیں۔

بلکہ یہاں احتیاط شیطانی وسوسے کی صورت میں ہوتی ہے کیونکہ وضوء کیلئے مخصوص ''ولھان'' نام کا شیطان ہے تو پانی کے وسوسوں سے بچو۔ وباللہ التوفیق.

پاؤں کا دھونا بائیں ہاتھ سے سنت ہے

۱۶۹ - سوال -کیا پاؤں کا دھونا دائیں ہاتھ کیساتھ جائز ہے؟۔ اخوکم : عبدالوارث۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

سنت پیروں کو بائیں ہاتھ سے ملنا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ کا دائیں ہاتھ طہارت اور کھانے کیلئے تھا اور بایاں ہاتھ قضائے حاجت اور اذیت والی چیزوں کے لئے تھا''۔(ابوداود:۱/۶)

اور یہ معلوم ہے کہ میل کچیل کا تعلق اَذیٰ سے ہے۔تو اسکے لئے بایاں ہاتھ ہی مناسب ہے۔

امام بخاری (۱/۴۰) میں فرماتے ہیں: ''باب اس شخص کا جو دھونے کیلئے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر (پانی) ڈالتا ہے''۔

میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کیلئے نہانے کا پانی رکھا پھر ایک کپڑے کے ساتھ پردہ کیا، آپ نے اپنے ہاتھوں پر پانی انڈیل کر انہیں دھویا پھر انڈیل کر انہیں دھویا، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر استنجاء کیا، پھر اس ہاتھ کو زمین پر مار کر ملا اور پھر دھویا پھر کلی کی ناک میں پانی ڈالا منہ اور ہاتھ دھوئے پھر سر پر پانی ڈالا پھر سارے بدن پر ڈالا پھر وہاں سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے پھر میں نے آپکو کپڑا پکڑایا جو آپ نے نہیں لیا۔ پھر آپ ہاتھوں سے پانی جھاڑتے ہوئے چلے، جیسے کہ المشکاۃ (۴۸۱) میں ہے۔

اس حدیث میں اگرچہ فرج کی قید ہے لیکن پہلی حدیث ہمارے قول کی ظاہر دلیل ہے اور پاؤں کو بائیں ہاتھ سے ملنا مستحب ہے

اور ایڑیوں کا اور انگلیوں کا جہاں پانی پہنچنے بغیر بہہ جاتا ہے کا خاص خیال رکھے۔
دیکھیں المغنی (۱۱۹/۱) هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

وضوء میں گردن کا مسح کرنا مستحب نہیں

۱۷۰ - سوال :-کیا گردن کا مسح کرنا مستحب ہے جیسے کہ بعض لوگ کہتے ہیں؟۔ اخوکم: عبدالحکیم۔

جواب : ولا حول ولا قوة الا بالله.

گردن کا مسح کرنا مستحب نہیں کیونکہ یہ نبی ﷺ سے کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی ﷺ کے وضوء کا طریقہ نقل کیا ہے تو انہوں نے گردن کا مسح ذکر نہیں کیا، اور استحباب شرعی حکم ہے جس کیلئے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے اور دلیل کتاب وسنت صحیحہ اور مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اور استحباب سنداً ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتا تو جس نے اسے مستحب سمجھا ہے تو انہوں نے اس باب میں وارد بعض حدیثیں دیکھی ہونگی لیکن انکی سندوں کی تحقیق نہیں کی تو رائے یا کسی ایسی حدیث سے جو احتجاج کے قابل نہ ہو شرعی مسائل ثابت کرنا جائز نہیں جیسے کہ تمام المنہ ص (۹۸) میں ہے کیونکہ استحباب میں قیاس یا ضعیف حدیث کا کوئی عمل دخل نہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بھی پوچھا گیا: کیا وضوء میں گردن کا مسح نبی ﷺ سے صحیح ثابت ہے یا صحابہ میں سے کسی سے؟۔

تو انہوں نے جواب دیا: ''نبی ﷺ سے صحیح ثابت نہیں کہ انہوں نے وضوء میں گردن کا مسح کیا ہو نہ ہی کسی صحیح حدیث میں یہ نقل ہوا ہے۔ بلکہ نبی ﷺ کے وضوء کے طریقے کے بارے میں جو احادیث صحیحہ مروی ہیں انمیں گردن کا مسح نہیں ہے۔ اسی لئے مالک، شافعی، احمد اور جمہور علماء کرام نے ظاہر مذہب میں اسے مستحب نہیں سمجھا اور جس نے اسے مستحب سمجھا ہے تو اس نے ابو ہریرہ ﷺ۔ کے مروی اثر پر اعتماد کیا ہے یا حدیث جو نقلاً ضعیف ہے'' کہ انہوں نے اپنے سر کا مسح کیا یہاں تک کہ گدی تک پہنچ گئے؛'' اس جیسی روایتیں اعتماد کے قابل نہیں اور نہ ہی یہ احادیث، ثابت احادیث کے معارض بن سکتی ہیں تو جس نے گردن کا مسح ترک کیا تو اس کا وضوء باتفاق علماء صحیح ہے''۔ (فتاوی ۱۲۷/۲۱)

امام ابن القیم ؒ فرماتے ہیں: ''کہ گردن کے مسح کی کوئی حدیث نبی ﷺ سے بالکل صحیح ثابت نہیں''۔ (زادالمعاد: ۶۸/۱)

امـــام نـــووی ؒ کہتے ہیں: نبی ﷺ سے اس باب میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں اور یہ سنت نہیں بلکہ بدعت ہے''۔ جیسے کہ نیل الاوطار (۲۰۲/۱-۲۰۳) میں ہے۔

امام بیھقیؒ نے السنن الکبریٰ (۱/۶۰) میں گردن کے مسح کی مرفوع تمام احادیث کو ضعیف کہا ہے۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو روایت کیا جاتا ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے تو اس کے لفظ یہ ہیں: ''وہ جب سر کا مسح کرتے تھے تو سر کے ساتھ گدی کا بھی مسح کرتے تھے''۔

عظیم آبادی عون المعبود (۱/۴۹) میں طلحہ بن مصرف کی حدیث جسمیں ''حَتّٰی بَلَغَ الْقَذَال'' کے لفظ ہیں ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''میں کہتا ہوں: حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ گردن کے مسح کے مستحب ہونے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ اسمیں ذکر ہے کہ سر کے اگلے حصے سے لیکر سر کے آخر حصے تک مسح کیا''۔ یا گردن کے آخر تک'' بنا بر اختلاف روایات تو اسمیں تو کوئی کلام نہیں، کلام اس گردن کے مسح میں ہے جس کے لوگ عادی ہیں یہ تو سر کے مسح سے فارغ ہو کر انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرتے ہیں تو مسح رقبہ کی یہ کیفیت ثابت نہیں، نہ صحیح حدیث سے، نہ حسن حدیث سے بلکہ گردن کے مسح میں روایت شدہ تمام احادیث ضعیف ہیں جس کی بہت سے علماء تصریح کی ہے تو ان سے حجت پکڑنا درست نہیں۔

اور جو الشیخ ابن الہمام نے رسول اللہ ﷺ کے وضوء کے بارے میں وائل بن حجر کی حدیث نقل کی ہے: ''پھر سر کا مسح تین بار کیا، اور ظاہر کانوں کا مسح تین بار کیا، اور ظاہر گردن کا''۔ الحدیث۔ اور اس نے ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے تو یہ وہم ہے کیونکہ اس حدیث کا ترمذی میں کوئی وجود نہیں''۔ وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آله وصحبه اجمعین.

گردن کے مسح میں وارد احادیث کی تحقیق

۱۷۱ - سوال : کیا گردن کا مسح مستحب ہے جیسے کہ رشید احمد گنگوہی نے احسن الفتاوی (۲/۱۲) میں ذکر کیا ہے اور پانچ احادیث سے استدلال کیا ہے اور آپ مسئلہ (۱۶۹) میں ذکر کرتے ہیں کہ یہ مستحب نہیں بلکہ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ تو ان احادیث کا کیا جواب ہے؟۔

جواب : ولا حول ولا قوة الا باللہ.

یہ جان لو! کہ استحباب حکم شرعی ہے جو شرعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے اور شرعی دلیل کتاب اللہ، سنت صحیحہ اور اجماع ہے۔ اور ضعیف حدیث سے استحباب ثابت نہیں ہوتا اور رشید احمد صاحبؒ کا کہنا کہ ان (ضعیف حدیث) سے استحباب ثابت ہوتا ہے تو انکا قول علماء مصطلح کے مخالف ہے جب کوئی حدیث مختلف سندوں سے آئے سب ضعیف ہوں تو یہ حدیث حسن نہیں بن جاتی۔ بلکہ حسن وہ ضعیف

حدیث (کثرتِ طرق) سے بنتی ہے جس کا ضعف معمولی ہو اور تمام سندوں میں ایک ہی جگہ نہ ہو۔ کتب مصطلح میں ان شروط کا مراجعہ کریں، خاص کر مقدمہ تمام المنہ ص (۳۱)

ان کا یہ قول: ''کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں قابل عمل ہوتی ہے، علی الاطلاق درست نہیں، گردن کا مسح مستقل شرعی حکم ہے یہ فضائل اعمال سے نہیں۔

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی شرطیں ہیں:

۱- موضوع نہ ہو۔

۲- عمل کرنے والے کو معلوم ہو کہ یہ ضعیف ہے۔

۳- اس پر عمل کرنا مشہور نہ ہو۔

جیسے کہ ابن حجر نے تبیین العجب ص (۴۰۳) میں اور قواعد التحدیث للقاسمی ص (۱۱۶/۱۱۴) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: ''ضعف شدید نہیں ہونا چاہئے''۔

شیخ الاسلام نے منہاج السنۃ میں کہا ہے: ''علماء کا یہ قول کہ ''ضعیف پر عمل کیا جا سکتا ہے'' میں ضعیف مجروح مراد نہیں بلکہ اس سے مراد حسن ہے جیسے کہ منہاج السنہ اور قواعد التحدیث (۱۱۸) میں ہے۔

میں کہتا ہوں: الفتاوی (۲۵/۱۸) میں بھی ہے، مراجعہ کریں شرح نخبۃ الفکر ص (۲۵)، فیض القدیر للمناوی، اور مقدمہ جامع الصغیر للالبانی۔

جب یہ ثابت ہو چکا تو اب ہم ان احادیث پر تنقید ذکر کرتے ہیں تا کہ حق واضح ہو جائے:

(۱) :- مصرف بن عمروؒ سے روایت ہے وہ اسے پہنچاتے ہیں کعب بن عمر تک، وہ کہتے ہیں ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اپنی داڑھی کا اور گردن کا گدی تک مسح کیا''۔

ابن السکنؒ نے اسے کتاب الحروف میں نکالا۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے (۱۹/۱) اور احمد نے نکالا اور اسکی سند ضعیف ہے اسمیں لیث بن سلیم راوی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے جیسے کہ نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللغات میں کہا۔

اور مصرف بن عمرو مجہول ہے جیسے کہ ابن القطانؒ نے کہا، جیسے کہ نیل الاوطار (۲۰۳/۱) میں ہے: امام احمدؒ اور ابن عیینہؒ نے اسے ضعیف کہا جیسے کہ ابوداؤد میں ہے۔

جبکہ ابوداؤد کی روایت میں لفظ: ''القذال'' کا ہے اور وہ گردن کے مسح پر دلالت نہیں کرتا۔

(۲)- ابونعیمؒ نے تاریخ اصفہان میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو وضوء کرے اور

گردن کا مسح کرے تو قیامت کے دن طوق پہنائے جانے سے بچ گیا"۔ اور اسکی سند میں محمد بن عمرو الانصاری ضعیف ہے جیسے کہ نیل الاوطار (۲۰۳/۱) میں ہے اور حدیث موضوع ہے جیسے کہ السلسلہ (۱۶۷/۲) برقم (۷۴۴) میں ہے۔

(۳)- ابوعبید نے کتاب الطھور میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ سے روایت کیا ہے، وہ اسے موسیٰ بن طلحہ تک پہنچاتا ہے وہ کہتا ہے کہ جس نے سر کے ساتھ گدی کا مسح کیا تو قیامت کے دن وہ طوق سے بچ گیا۔

عینی نے شرح الھدایہ میں کہا ہے: یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن اسے رفع کا حکم حاصل ہے کیونکہ اسمیں رائے کی گنجائش نہیں۔

میں کہتا ہوں: آپ کو کس نے کہا کہ موسیٰ بن طلحہ صحابی ہے بلکہ وہ تو تابعین یا اتباع تابعین میں سے ہے تو آپ کے قول کے مطابق تمام مقطوع روایتیں اور تابعین کے اقوال جس میں رائے کی گنجائش نہ ہو وہ اقوال رسول اللہ ﷺ ہو گئے، اور اس قول کا فساد اللہ ہی جانتا ہے، باقی سند پر نظر ڈالیں اور یہ تلخیص الحبیر (۹۲/۱) میں ہے اور السلسلہ (۹۸/۱) میں یہ ہے کہ اسکی سند میں المسعودی ہے اور وہ مختلط تھا۔ (برقم: ۶۹-۷۴۴)

(۴)- مسند الفردوس میں دیلمیؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مرفوعاً روایت کی ہے: "گردن کا مسح قیامت کے دن طوق سے امن کا سبب بنے گا"۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اور دوسری حدیث ایک ہی ہیں اسکے ساتھ اسکی سند بہت ضعیف ہے جیسے کہ الموضوعات الکبری ص (۶۳) میں ہے کیونکہ اس کی علت محمد بن عمرو الانصاری ہے اور وہ ابو سہل البصری ہے جس کے ضعف پر اتفاق ہے اسی لئے امام نوویؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔

گردن کا مسح کرنا بدعت ہے۔

امام ابن القیمؒ نے زاد المعاد (۶۸/۱) میں کہا ہے: "گردن کے مسح کی کوئی حدیث نہیں، گردن کے مسح میں سرے سے کوئی حدیث ثابت نہیں"۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ الفتاوی (۱۲۷/۲۱) میں کہتے ہیں: "نبی ﷺ سے یہ صحیح ثابت نہیں کہ آپ نے اپنے وضوء میں گردن کا مسح کیا ہو، نہ ہی کسی صحیح حدیث میں اسکی روایت ہے۔ بلکہ وہ صحیح احادیث جسمیں نبی ﷺ کا وضوء بیان ہوا ہے، میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے گردن کا مسح نہیں کیا، اسی لئے مالک، شافعی، احمد وغیرہ جمہور علماء نے اسے مستحب نہیں سمجھا اور جو اسے مستحب سمجھتا ہے اس کا اعتماد اس اثر پر ہے جو ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے یا حدیث جس کی نقل ضعیف ہے۔

کہ آپ نے سر کا مسح کیا یہاں تک کہ گدی تک پہنچے، اس جیسی روایتوں پر اعتماد کرنا صحیح نہیں، اور نہ یہ ثابت احادیث کے معارض ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی گردن کا مسح ترک کردے تو اسکا وضوء باتفاق علماء صحیح ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تو ثابت ہوا اس شخص کا قول ضعیف اور بلا دلیل ہے جو گردن کے مسح کی سنیت یا استحباب کا کہتا ہے۔

دلیل کے تابعدار پر لازم ہے کہ وہ گردن کا مسح نہ کرے، اور حاشیوں اور فتووں کا بلا تحقیق تابعدار جو چاہے کرتا پھرے۔

هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين۔ (۱۰رصفر:۱۴۱۵)

وضوء وغسل کے بعد اعضاء کا خشک کرنا جائز ہے

۱۷۲ - سوال: کیا وضوء وغسل کے بعد تولیے کا استعمال کرنا اور اعضاء کا خشک کرنا جائز ہے؟۔

اخوکم: اورنگزیب۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّابَعْدُ:

وضوء وغسل کے بعد تولیے کا استعمال کرنا جائز ہے اسمیں کوئی حرج نہیں لیکن علماء کرامؒ نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ نبی ﷺ۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس کا استعمال منقول ہے؟۔

تو امام ابن قیم رحمہ اللہ زادالمعاد (۱/۶۸) میں کہتے ہیں: ''نبی ﷺ کو وضوء کے بعد اعضاء کے خشک کرنے کی عادت نہ تھی اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی حدیث صحیح ثابت ہے بلکہ آپ سے اسکے خلاف ثابت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ''کہ نبی ﷺ کا ایک کپڑا تھا جس سے وضوء کے بعد آپ خشک کیا کرتے تھے''۔

اور معاذ بن جبل ﷺ کی حدیث ''میں نے نبی ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا آپ نے کپڑے کے کنارے سے منہ پونچھ لیا''۔ یہ دونوں حدیثیں ضعیف اور احتجاج کے قابل نہیں۔ پہلی حدیث میں سلیمان بن ارقم متروک ہے، اور دوسری حدیث میں الافریقی ضعیف ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسمیں نبی ﷺ سے کچھ بھی صحیح ثابت نہیں۔

ابوداؤد نے اپنی سنن (۱/۳۷) میں کہا ہے ''اعمش نے کہا میں نے اس کا ذکر ابراہیم سے کیا تو انہوں نے کہا: ''صحابہ تولیے کا استعمال میں کوئی حرج نہیں خیال کرتے تھے لیکن اس عادت کو مکروہ سمجھتے تھے۔

میں کہتا ہوں: کہ نبی ﷺ سے احادیث بکثرت آئی ہیں کہ آپ (اپنے آپ کو خشک نہیں کرتے تھے جیسے کہ اسکی طرف امام ابن قیمؒ نے اشارہ کیا۔

پہلی حدیث: میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور نبی ﷺ کے غسل کا طریقہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: آپ نے اپنے بدن پر پانی بہایا پھر نہانے کی جگہ سے ہٹ کر اپنے قدم دھوئے میں نے آپ کو کپڑا پکڑایا آپ نے کپڑا نہیں لیا اور ہاتھوں سے پانی

جھاڑتے ہوئے چلدئے۔ (بخاری ۱/۴۰)(مسلم:۱/۱۴۷)المشکاۃ (۱/۴۸)

دوسری حدیث :ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نکلے، اقامت ہو چکی تھی اور صفیں برابر ہو چکی تھی یہاں تک آپ اپنی نماز کی جگہ کھڑے ہوگئے اور ہم آپ کی تکبیر کے انتظار میں تھے آپ نے فرمایا: اپنی جگہ کھڑے رہو تو ہم اپنی حالت پر رہے یہاں تک کہ آپ نکلے آپ نہا کر اپنے سر سے پانی جھاڑ رہے تھے۔

بخاری (۸۹/۱) مسلم (۲۲۰/۱) ابو داود (۳۵/۱)

تیسری حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس میں ہے، کہ عمر بن خطاب ﷺ کھڑے ہوئے اور کہا: نماز۔ عطاء کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس نبی ﷺ نکلے گویا کہ میں آپکی طرف ابھی دیکھ رہا ہوں آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے اور آپ نے سر کے ایک طرف ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ فرمایا: "اگر میری امت پر مشقت نہ ہوتی تو انہیں حکم دیتا کہ اس نماز کو ایسے پڑھیں۔ الحدیث۔ (مسلم ۱/۲۲۹)

لیکن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی (۱/۵۷) میں فرماتے ہیں: "اور وضوء کے بعد خشک کرنے کی احادیث ذکر کیں یہ احادیث سب ضعیف ہیں سوائے ابو مریم کی حدیث جو کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں۔

عینیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام نسائیؒ نے "الکنی" میں بسند صحیح نکالی ہے، اگر چہ مجھے امام نسائی کی "الکنی" نہ مل سکی۔ پھر کہا: ابن منذرؒ کہتے ہیں وضوء کے بعد تولیے کا استعمال عثمان، حسن بن علی، انس، بشیر بن مسعود نے کیا ہے اور حسن، ابن سیرین، علقمہ، الاسود، مسروق اور ضحاک نے اسکی رخصت دی ہے۔ اور امام مالک، احمد، ثوری، اسحاق اور اصحاب رائے اسکے استعمال میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے۔ راجح قول میرے نزدیک تنشیف کا جواز ہے۔

شیخ البانیؒ نے صحیحہ (۵/۱۳۳) برقم (۲۰۹۹) کہا ہے: "عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں آپکا کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس کے ساتھ وضوء کے بعد منہ ہاتھ خشک کرتے تھے حدیث کا تمام سندیں ملا کر حسن کا درجہ ہے اور وہ تمام سندیں ذکر کی ہیں۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ دونوں کام جائز ہیں اور زیادہ محبوب میرے نزدیک خشک کرنا جائز سمجھتے ہوئے خشک نہ کرنا ہے۔

وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

غسل سے پہلے وضوء کرنا مستحب ہے

۱۷۳ - سوال : کیا غسل سے پہلے وضوء کرنا فرض ہے؟ اور جو پانی میں داخل ہو کر غوطہ لگائے اور غسل کی نیت کرے اور وضوء

نہ کرے تو اس کا غسل صحیح ہے؟۔اخوکم: اسماعیل۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح (۱/۳۹) میں کہتے ہیں: "باب ہے غسل سے پہلے وضوء کرنے کا"۔

حافظ فتح الباری (۱/۱۸۶) میں کہتے ہیں یعنی وضوء کرنے کا استحباب۔

امام شافعیؒ کتاب الام میں کہتے ہیں: "اللہ تعالی نے مطلقاً غسل فرض کیا ہے اور اسمیں کسی ایسی چیز کا ذکر نہیں جس کی کسی دوسری چیز سے پہلے ابتداء کی جائے۔تو نہانے والا جیسے بھی نہائے کافی ہے جبکہ وہ اپنے سارے بدن کو دھولے۔

غسل کے بارے میں بہتر عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

علی القاری المرقات (۲/۳۳) میں کہتے ہیں: "غسل سے پہلے وضوء جمہور کے نزدیک غیر واجب ہے، داؤد ظاہریؒ نے اسے واجب کہا ہے اور سر کے مسح سے اسکا دھونا کافی ہوجاتا ہے۔

اور المغنی (۱/۲۵۰) میں ہے: "اگر ایک ہی بار غسل کیا اور پانی سر سمیت سارے بدن پر ڈالا اور وضوء نہیں کیا تو کلی اور ناک میں پانی ڈالنے اور نیت کرنے کے بعد یہ کفایت کرتا ہے لیکن افضل کا تارک ہوگا۔

اور بیہقی کی السنن الکبری (۱/۱۷۷) میں ہے: "جابر ﷛ سے روایت ہے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے غسل جنابت کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ ہمارا تعلق

ٹھنڈے علاقے سے ہے تو فرمایا: "تم میں سے کسی ایک کے لئے تین چلو پانی ڈالنا کافی ہے"۔ تو ان دونوں حدیثوں میں حصر ہے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے "تیرے لئے کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین بار پانی ڈالی۔

پھر روایت کیا (۱/۱۷۸) میں: ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے وہ دونوں کہتے ہیں: "نہانا وضوء سے کفایت کرتا ہے لیکن سنت میں غسل سے پہلے وضوء ہے۔

امام بخاریؒ اپنی صحیح (۱/۳۹) میں روایت لائے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب غسل جنابت کرتے تو ہاتھ دھو کر ابتداء کرتے پھر وضوء کرتے جسطرح نماز کیلئے وضوء کیا جاتا ہے پھر پانی میں انگلیاں ڈبو کر اپنے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے پھر سر پر تین چلو پانی ڈالتے پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہاتے۔

اور (۱/۴۱) میں نکالا ہے: "میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کے غسل جنابت کیلئے پانی رکھا تو آپ نے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر دو یا تین بار پانی انڈیلا پھر استنجاء کیا پھر ہاتھ زمین یا دیوار پر مار کر ملا دو یا تین بار پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور منہ اور ہاتھ دھوئے پھر اپنے سر پر پانی ڈالا، پھر سارا بدن دھویا، پھر وہاں سے ہٹ کر پاؤں دھوئے۔

کہتی ہیں پھر میں آپ کے پاس کپڑا لائی، آپ نے کپڑا لوٹا دیا اور اپنے ہاتھ سے پانی جھاڑنے لگے، تو یہ دونوں حدیثیں غسل

سے پہلے وضوء کی سنیت پر دلالت کرتی ہیں اور اسکے ساتھ اسمیں وضوء اور غسل دونوں کی کیفیت کا بیان ہے۔
هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

وضوء کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا اور انگلی اٹھانا مستحب نہیں

۱۷۴ - سوال: لوگوں کی عادت ہے کہ وضوء کے بعد انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں حدیث میں کہیں یہ آیا ہے؟۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا بالله.

ہم نے وضوء کی دعاؤں میں ذکر کر دیا ہے کہ کلمہ تشہد "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ" اسکی بڑی فضیلت ہے اور جنت کے آٹھوں دروازے کھولدئے جاتے ہیں جیسے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

لیکن انگلی کا اٹھانا میں نے حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں دیکھا۔

اور نظر اٹھانا وضوء کے بعد تو یہ ابوداؤد اور احمد (۱۵۱/۱۵۰/۴) اور ابن السنی ص (۲۹) اور دارمی (۱۸۲/۱) میں آیا ہے۔

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۲۱/۲) میں اذکار الوضوء میں اسکا ذکر کیا۔

اور اسی طرح حاوی (۴۲) میں بھی ہے لیکن وہ منکر روایت ہے اسمیں ابی عقیل کا عم زاد مجہول ہے جیسے کہ تفصیل گزر چکی۔ وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

مسجد میں وضوء کرنا جائز ہے

۱۷۵ - سوال: کیا مسجد میں وضوء کرنا جائز ہے؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ:

جب مسجد میں وضوء کیلئے الگ جگہ بنی ہو تو وضوء کرنا مطلقاً جائز ہے لیکن وضوء کا گھر میں کر کے جانا افضل ہے کیونکہ عبداللہ الصنابحی کی صحیح حدیث میں ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مؤمن بندہ وضوء کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو اسکے منہ کے گناہ سب نکل جاتے ہیں اور جب ناک میں پانی چڑھا کر جھاڑتا ہے تو ناک کے سارے گناہ نکل جاتے ہیں اور جب چہرہ دھوتا ہے تو چہرے

سے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک آنکھ کی پلکوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ کے گناہ یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں اور جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کے گناہ یہاں تک کانوں سے بھی نکل جاتے ہیں اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے گناہ یہاں تک کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتے ہیں پھر اسکا مسجد تک چلنا اور اس کا نماز پڑھنا اس کیلئے نفل ہو جاتا ہے"۔

(رواہ مالک والنسائی) جیسے کہ المشکاۃ (۳۹/۱) میں ہے

اور صحیحین میں ابو ہریرہ ﷺ سے حدیث آئی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کی باجماعت پڑھی ہوئی نماز اسکی گھر یا بازار میں پڑھی نماز سے پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ جب وہ اچھی طرح وضوء کر کے گھر سے مسجد کی طرف نکلتا ہے نماز ہی کیلئے گھر سے نکلا ہے تو وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے تو اس سے اس کا ایک درجہ بلند ہوگا اور ایک گناہ معاف ہوگا جب وہ نماز پڑھتا ہے اور پھر اپنی نماز والی جگہ پر ہی ہوتا ہے تو فرشتہ اس کیلئے دعائیں کرتے ہیں اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اسکی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرمایا۔ اور جب تک یہ نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو گویا کہ نماز ہی میں ہوتا ہے"۔

تو یہ دونوں اور اس جیسی دیگر احادیث سے گھر میں وضوء کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

مسجد کے اندر وضوء کرنا جائز ہے لیکن تھوکے بغیر کیونکہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے جیسے کہ اس کا تذکرہ حدیث میں ہے اور دلیل اسکی بخاری کی وہ حدیث ہے جو (۲۵/۱) میں نعیم المجمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہ ﷺ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا تو انہوں نے وضوء کیا اور کہا: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ فرماتے تھے: "میری امت قیامت کے دن جب بلائی جائیگی تو غُرٌّ (چمکتے ماتھے والے) اور مُحَجَّلِيْن (چمکتے ہاتھ پاؤں والے) ہونگے وضوء کے آثار کی وجہ سے تو جو اپنی چمک مزید بڑھا سکتا ہے بڑھائے ابو ہریرہ ﷺ نے مسجد کیئے اندر وضوء کیا تھا۔

اور اسلئے بھی کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مستعمل پانی پاک ہے اور عنقریب پھر اسکا ذکر آئے گا۔

ابن المنذرؒ کہتے ہیں کہ مسجد میں وضوء کے جواز پر اہل علم کا اتفاق ہے جیسے کہ اعلام الساجد ص (۳۱۱) میں ہے۔

اور المجمع (۲۱/۲) میں ہے: "کہ نبی ﷺ نے مسجد میں وضوء کیا"۔ (احمد باسناد حسن)

امام بیہقیؒ نے اپنی سنن (۳۲۲/۴) میں روایت کیا ہے "بَابُ مَنْ تَوَضَّأَ فِي الْمَسْجِدِ عَمَّنْ يَخْدِمُ النَّبِيَّ ﷺ" باب ہے جو مسجد میں وضوء کرتا ہے مروی ہے اس سے جو نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا"۔ اس نے کہا: "نبی ﷺ نے مسجد میں خفیف وضوء کیا"

اور المغنی (۱۶۴/۱) میں ہے: "مسجد میں وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ اسکے وضوء کرنے سے کس کو تکلیف نہ ہو اور نماز کی جگہ گیلی نہ ہوتی ہو، ابن المنذرؒ کہتے ہیں: "شہروں کے جن علماء سے ہم نے علم سیکھا ہے وہ اسے مباح سمجھتے تھے انمیں ابن عمر، ابن عباس، عطاء، طاؤس، ابوبکر بن محمد، ابن عمرو، ابن حزم، ابن جریج اور عام اہل علم ہیں"۔

اوراسی طرح فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ میں ہے۔ وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی بھول جائے تو درمیان میں پڑھ لے

۱۷۶ - سوال: وضوء کی ابتداء میں بسم اللہ بھولنے والا وضوء کے دوران بسم اللہ پڑھ سکتا ہے ؟۔اخوکم سرتاج۔

جواب: الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد: وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی بڑی تاکید ہے اوراذکار وضوء میں یہ بحث گزرچکی مسلمان کیلئے اس کا عمداً ترک کرنا مناسب نہیں اگر شروع میں بھول جائے تو جب یاد آجائے پڑھ لے۔

جیسے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کتاب الام (۳۱/۱) میں فرمایا ہے: ''اور میں آدمی کیلئے پسند کرتا ہوں کہ وہ وضوء کے شروع میں اللہ کا نام لے، اگر بھول جائے تو نام لے لے جب یاد آجائے اگرچہ وضوء مکمل ہونے سے پہلے ہی کیوں نہ ہو''۔

اسی معنی کی طرف ابن عابدینؒ نے ردالمحتار (۷۴/۱-۷۵) میں اشارہ کیا ہے۔

میں کہتاہوں: کہ سنت تو یہی ہے کہ وضوء کی ابتداء میں کہے لیکن کھانے میں اگرایک لقمہ باقی رہتا ہے تو تب بھی کہے۔کیونکہ حدیث میں ثابت ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے اوراللہ کا نام لینا بھول جائے تواسے چاہئے کہ کہے'بِسْــمِ اللهِ اَوَّلَـهُ وَآخِـرَهُ''(ترمذی،ابوداود) وکذافی المشکاۃ (۳۶۵/۲)۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:''امام ابوداؤد نے احمد بن حنبلؒ سے کہا، جب وضوء میں بسم اللہ بھول جائے توانہوں نے کہا: مجھے امید ہے کہ اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ یہ اسحاقؒ کا قول ہے اس قول کی بناء پر جب وضوء کے دوران یاد آجائے تو کہہ دے جہاں یاد آجائے،تو جب سارے وضوء میں بھول معاف ہے تو بعض وضوء میں بھول بطریق اولیٰ معاف ہے''۔(المغنی ۱۱۵/۱)

الشیخ ابوالفرج کہتے ہیں: جب وضوء کے دوران بسم اللہ پڑھ لے تو بہر حال کفایت کرتی ہے کیونکہ اس نے اپنے وضوء پراللہ کا نام لیاہے، پھر کہا ہے: جب یہ ثابت ہوچکا تو تسمیہ سے مراد بسم اللہ کہنا ہے،اوراسکے علاوہ کوئی بھی اسکے قائم مقام نہیں جیسے ذبیحہ پر کہنے کا مشروع تسمیہ اور کھانے پینے کا تسمیہ اوراسکی جگہ نیت کے بعد اورافعال طہارت شروع کرنے سے پہلے ہے تاکہ یہ سارے وضوء پر بسم اللہ کہنے والا ہوجائے جیسے ذبیحہ پر ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہی جاتی ہے۔

ھذا وباللہ التوفیق. وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

مسواک وسنن فطرت کے مسائل

مسواک اور دیگر فطری امور کا بیان

۱۷۷ - سوال : مسواک کی مقدار کتنی ہے؟ کیا کسی دوسرے کے مسواک کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا روزہ دار کیلئے مسواک کرنا جائز ہے؟۔ اخوکم: ابوالحسنات۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ محمد وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ :

(۱)- مسواک کی شرعاً کوئی حد نہیں :

کیونکہ اسکی حد بندی میں کوئی نص صریح نہیں، اور اندازے وقیاس سے ثابت نہیں ہوتے، کیونکہ اسکا بیان شارع کے حوالے ہے تو جو مسواک کیلئے ایک بالشت کی مقدار بتاتے ہیں یا بقدر انگلی کے موٹائی بتاتے ہیں تو وہ اسکی کوئی شرعی حجت پیش نہیں کرتے۔

تو ہر اس لکڑی سے مسواک کرنا جائز ہے جس سے منہ اور دانتوں کی صفائی ہوسکتی ہے اور زبان کے دور والے کنارے تک پہنچتی ہو کیونکہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ زبان پر مسواک ملتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ ''اُع، اُغ'' کہتے ،عنقریب اسکا ذکر آئے گا۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوتے سنا ''اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا، اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرتا''۔

وہ کہتے ہیں کہ زید بن خالد جب نمازوں کیلئے مسجد حاضر ہوتے تو ان کا مسواک کان پر کاتب کے قلم رکھنے کی جگہ پر ہوتا تھا۔ جب بھی نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو مسواک کرکے پھر اپنی جگہ واپس رکھدیتے''۔

امام احمد (۱۱۶/۴) ابوداود (۱۱/۱)، ترمذی (۹/۱) اور سند اسکی صحیح ہے۔

یہ حدیث بالشت بھر کی حد مقرر کرنے کی تردید کررہی ہے کیونکہ اس قدر لمبی اور موٹی مسواک کا نمازی کا کان پر رکھنا ممکن نہیں مگر یہ کہ سر ٹیڑھا کئے ہوئے کھڑا ہو ساتھ ہی رکوع سجدے میں اسکے گرنے کا اندیشہ بھی ہے۔

(۲)- مسواک کسی بھی لکڑی کا ہونا جائز ہے:

لیکن پیلو کی ڈنڈی مستحب ہے اور دلیل اسکی حدیث ہے۔ زِرّ رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ عبداللہ یعنی ابن مسعود ﷺ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی ﷺ کیلئے پیلو کی مسواک کاٹ کرلاتے تھے، ہوا آپ کو اٹھی تھی اور آپکی پنڈلیاں پتلی پتلی تھیں تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی ہنسی نکل گئی آپ ﷺ نے فرمایا: "تم کیوں ہنسے؟" تو انہوں نے کہا: "اسکی پتلی پنڈلیوں سے"۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ہستی کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ پنڈلیاں میزان میں احد سے بھی بھاری ہیں"۔

ابوداود الطیالسی رقم (۳۵۵) احمد (۱/۴۲۰) ابونعیم فی الحلیہ (۱/۱۲۷)، ہیثمی مجمع الزوائد (۱/۱۸۹، -۲/۱۰۰) الحاکم (۳/۳۱۷) باسناد حسن کما فی الارواء (۱/۱۰۴ برقم: ۶۵)۔

اور عبدالرحمن بن ابی بکر کے مسواک کے قصے کی عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث بخاری میں آئی ہے کہ وہ تر ٹہنی تھی۔ اور طبرانی نے اوسط میں معاذ ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "زیتون کے مبارک درخت کی مسواک اچھی مسواک ہے منہ کی اصلاح کرتی ہے گڑھے ختم کردیتی ہے، یہ میری مسواک ہے اور مجھ سے قبل انبیاء کی مسواک ہے اور اسکی سند میں احمد بن محمد بن محیض ہے جیسے کہ تلخیص الحبیر (۱/۷۱) مجمع الزوائد (۲/۱۰۰) میں ہے اور اسمیں پیلو کے استحباب کی ایک اور حدیث ہے اور اسکی سند حسن ہے۔

اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں ابوزید الغافقی کے ترجمے میں روایت کیا ہے:

"مسواک تین قسم کے ہیں: پہلے نمبر پر اراک (پیلو) ہے، پھر عنم (زیتون) یا بطم (بن)۔

(۳)- اور مسواک جیسے مردوں کیلئے سنت ہے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی سنت ہے۔

دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ دونوں کے رسول ہیں اور جو کہتا ہے کہ عورتیں چیونگم چبائیں یہ انکے لئے مسواک کا قائم مقام ہے تو یہ بے دلیل بات ہے جیسے کہ اس کی طرف صاحب ہدایہ نے (۱/۲۲۱) میں اشارہ کیا ہے اور ابن عابدینؒ نے رد المختار (۱/۷۸) میں۔ کیونکہ صحیح احادیث میں عورتوں کیلئے مسواک کا ثبوت ہے۔

(۴)- کسی کا مسواک اسکی اجازت سے استعمال کرنا جائز ہے۔

اور اسمیں مرد یا عورت کے مسواک کا کوئی فرق نہیں جیسے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا مسواک تھا جس سے آپ مسواک کیا کرتے تھے تو آپ مسواک دھونے کیلئے مجھے دیتے تو میں پہلے اس کی ساتھ مسواک کرکے دھو لیتی اور آپ کو دیتی"۔ ابوداود (۱/۱۳) المشکاۃ (۱/۴۵)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں اپنے آپ کو مسواک کرتے دیکھا میرے پاس دو آدمی آئے انمیں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ تو میں نے مسواک چھوٹے کو پکڑا دیا تو مجھے کہا گیا کہ بڑے کو دیدو تو پھر میں نے انمیں سے بڑے کو دیدیا۔ (بخاری: ۳۸/۱) مسلم (۲۴۴/۲) یہ دونوں حدیثیں دوسرے کا مسواک استعمال کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں مرد کا ہو یا عورت کا انکی اجازت سے۔

(۵) -روزہ دار کیلئے صبح وشام مسواک کا استعمال جائز ہے:

اور جو پچھلے پہر مسواک سے منع کرتے ہیں تو وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں آیا ہے: ''روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالی کے نزدیک مشک کی بو سے اچھی ہے''۔ تو روزہ دار کو منہ کی بو زائل کرنی مناسب نہیں۔

لیکن یہ استدلال بعید ہے وہ بو معدے سے آتی ہے صرف منہ سے نہیں۔

جواز کے دلائل بکثرت ہیں۔

۱-مسواک کے حکم والی حدیثیں مطلق ہیں انمیں کسی وقت کی تخصیص نہیں تو تخصیص کیلئے صریح قوی دلیل چاہئے جو ہے نہیں۔

۲-وہ حدیث جسے طبرانی نے عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت کیا، وہ کہتے ہیں: ''میں نے معاذ بن جبل سے پوچھا: اگر میرا روزہ ہو تو مسواک کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: دن میں کس وقت کروں؟ انہوں نے کہا: صبح وشام۔

میں نے کہا: لوگ تو پچھلے پہر مسواک کو مکروہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ کے منہ کی بو اللہ تعالی کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہے''۔ تو انہوں نے کہا: ''سبحان اللہ! اللہ نے تو انہیں مسواک کا حکم دیا ہے تو وہ انہیں حکم نہیں دے سکتا کہ وہ قصداً اپنے موہنوں کو بدبودار بنائیں اسمیں خیر نہیں بلکہ شر ہے۔

حافظ نے تلخیص ص (۱۱۳) میں کہا ہے: اسکی سند جید ہے۔

جیسے کہ ارواء الغلیل (۱۰۶/۱) میں ہے۔

۳-امام بخاری (۲۵۹/۱) میں کہتے ہیں: ''باب روزہ دار کیلئے خشک تر مسواک کا اور عامر بن ربیعہ سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو بحالت روزہ اتنی بار مسواک کرتے دیکھا ہے کہ میں گن نہیں سکتا۔

حافظ نے تلخیص (۶۲/۱) میں کہا ہے اسکی سند حسن ہے۔

اور جو بیہقی نے (۲۷۴/۴) میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب تم روزہ رکھو تو صبح مسواک کرو اور پچھلے پہر مسواک مت کرو، کیونکہ کسی بھی روزہ دار کے پچھلے پہر ہونٹ خشک ہو جائیں تو یہ قیامت کے دن دونوں آنکھوں کے درمیان نور کا

سبب بنے گا، اسکی سند ضعیف ہے، اسی طرح حافظ نے تلخیص (۶۲/۱) میں کہا۔

اسی طرح وہ حدیث جسے دار قطنی نے (۲۰۴/۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں، آپ عصر تک مسواک کر سکتے ہیں عصر کی نماز پڑھنے کے بعد مسواک پھینک دیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی بو سے بہتر ہے" تو یہ حدیث موقوف ہے اور ثابت احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اسکے ساتھ یہ ضعیف بھی ہے اسمیں ایک راوی عمر بن قیس ہے جو سندمی مشہور تھا۔

(۶)- کیا انگلی کے ساتھ مسواک کرنا جائز ہے؟۔

ہم کہتے ہیں کہ اس باب میں احادیث آئی ہیں۔

۱- حدیث جسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اسی طرح المجمع (۱۰۰/۲) میں ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہے: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کسی آدمی کا منہ خراب ہو جائے تو کیا وہ مسواک کرے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا: کیسے کرے؟ فرمایا: انگلی منہ میں داخل کر کے ملے" اسکی سند میں عیسی بن عبداللہ الانصاری ضعیف ہے،

ذہبیؒ نے میزان میں اسکی حدیثیں ذکر کر کے اسے منکر کہا ہے اور یہ ان میں سے ایک ہے۔

حافظ نے تلخیص (۷۰/۱) میں وہی کہا جو ہم نے کہا۔

۲- وہ حدیث جسے بیہقی نے (۴۰/۱) میں اور دار قطنی نے نقل کیا ہے: "انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی ﷺ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "مسواک کی جگہ انگلیاں کام دیتی ہیں"۔

یہ حدیث عبد الحکم القلمی کی وجہ سے ضعیف ہے، امام بخاریؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔

اسی لئے بیہقی کہتے ہیں: "انگلی سے مسواک کے بارے میں ضعیف حدیث مروی ہے پھر اسکی ایک اور سند ذکر کی ہے اور اسمیں عیسی بن شعیب ہے۔

حافظ نے تلخیص میں کہا ہے اسکی سند میں اعتراض ہے اور الارواء رقم (۶۹) میں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

۳- علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے پانی کا لوٹا منگوایا اور ہاتھ منہ دھوئے تین بار اور کلی کی اور ایک انگلی منہ میں داخل کی"۔ الحدیث۔ احمد (۱۵۸/۱) اور اسکے آخر میں ہے یہ رسول اللہ ﷺ کا وضوء ہے۔

حافظ نے تلخیص میں کہا ہے: یہ زیادہ صحیح ہے، میں کہتا ہوں اس حدیث میں مسواک کی نفی نہیں ہے، اسکی ساتھ اسکی سند میں ابا مطر ہے اور وہ مجہول ہے جیسے کہ کتاب موسوعہ رجال کتب التسعہ (۴۵۴/۴) اور میزان الاعتدال (۵۷۴/۴) میں ہے۔

۴- طبرانی نے اوسط میں کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف سے روایت کیا ہے وہ اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں

وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انگلیاں مسواک کا کام دیتی ہیں جب مسواک نہ ہو اور اسمیں کثیر بہت زیادہ ضعیف اور متہم ہے۔

۵-ابوعبید نے کتاب الطہور میں عثمان رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ جب وہ وضوء کرتے تو انگلی سے منہ کا مسواک کرتے اسی طرح تلخیص (۱/۷۰) میں ہے، لیکن اسکی سند ذکر نہیں کی تاکہ دیکھی جائے۔

ابن قدامہ نے (۱/۱۰۹) میں کہا ہے اگر انگلی یا کپڑے سے مسواک کرے تو کہا گیا ہے کہ سنت کو نہیں پہنچا کیونکہ شرع میں یہ وارد نہیں اور نہ ہی اس سے لکڑی کے مسواک کی طرح صفائی ہوتی ہے۔

صحیح بات یہ ہے کچھ نہ کچھ صفائی حاصل ہوتی ہے اکثر کثیر سنت سے عاجز ہو تو قلیل سنت ترک نہیں کرنی چاہئے۔ پھر انس کی مذکورہ حدیث ذکر کی۔

اور فقہ السنۃ میں ہے جس کے دانت نہ ہوں تو اسے انگلی سے مسواک کرنا مسنون ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی وجہ سے جو ابھی گزر رہی۔

میں کہتاھوں: کہ وہ ضعیف ہے تو کیسے سنت ہوئی۔

اور المجموع (۱/۲۸۲) میں ہے: انگلی اگر نرم ہو تو اس سے مسواک نہیں ہوسکتا اور اگر سخت ہو تو اسمیں کئی وجوہات ہیں صحیح اور مشہور وجہ یہ ہے کہ اس سے مسواک نہیں ہوتا کیونکہ یہ نہ مسواک ہے اور نہ ہی قائم مقام۔

دوسری وجہ: مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے مسواک ہو جاتا ہے۔

تیسری وجہ: اگر لکڑی وغیرہ نہ ملے مسواک ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں پھر کہا ہے: بہتر یہی ہے کہ مسواک ہو جاتا ہے"۔

اور رد المحتار (۱/۷۸) میں ہے اس سے سنت حاصل ہو جاتی ہے۔

میں کہتاھوں: کہ اس باب کی تمام احادیث ضعیف ہیں اسلئے انگلی سے مسواک کرنا سنت نہیں، مسلمان کو لکڑی کے ساتھ مسواک کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اگر پاس مسواک نہ ہو اپنے ساتھی سے مانگ لے اسکے پاس بھی نہ ہو تو انگلی سے مسواک کرے۔ اللہ سے امید ہے کہ وہ یہی قبول کرے گا۔ لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہئے جیسے تمام المنہ ص (۹۰) میں ہے۔

(۷)-مسواک کے فضائل اور فوائد:

آثار میں مسواک کے بڑے فوائد وارد ہوئے ہیں جو یہ ہیں:

۱-اسمیں رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری ہے اور دنیا و آخرت کی سعادت نبی ﷺ کی فرمانبرداری سے حاصل ہوتی ہے اور دنیا و آخرت کی بدبختی آپ ﷺ کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔

۲- وہ حدیث جو ابن ماجہ اور ابونعیم نے علی ﷺ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ "تمھارے منہ قرآن کے راستے ہیں تو مسواک سے اسکی صفائی کرلیا کرو"۔ اسکی سند میں ضعف ہے۔

اور دارقطنی نے (۱/۵۸) میں اپنی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مسواک میں دس خصلتیں ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی رضا، شیطان کی ناراضگی اور فرشتوں کی خوشی کا سبب ہے، مسوڑھوں کے لئے مفید، اور گڑھوں کو ختم کرتا ہے نظر تیز کرتا ہے منہ کی بو درست کرتا ہے، بلغم کو کم کرتا ہے، اور یہ سنت ہے اس سے نیکیاں بڑھتی ہیں"۔

اسکی سند میں معلّی بن میمون ضعیف اور متروک ہے۔

میں کہتا ہوں: ان خصلتوں میں سے اکثر مسواک میں موجود ہیں اگرچہ یہ اثر ضعیف ہے۔

اور تلخیص (۱/۷۱) میں ہے: "فائدہ: قشیری نے بلا سند ابو درداء سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مسواک کا التزام کرو، اس سے غفلت مت برتو، مسواک میں چوبیس خصلتیں ہیں، سب سے افضل یہ ہے کہ یہ رحمٰن کو راضی کرتا ہے، اس سے سنت پر عمل ہوتا ہے، اس سے نماز ستائیس گنا ہو جاتی ہے اس سے فراخی اور غناء پیدا ہوتی ہے، مہک اچھی ہوتی ہے، مسوڑھے مضبوط کرتا ہے، دردسر کو آرام ملتا ہے، داڑھ کا درد دور ہوتا ہے، چہرہ منور ہونے کی وجہ سے فرشتے مصافحہ کرتے ہیں، دانت میں چمک پیدا ہوتی ہے اور باقی ذکر کی ہیں لیکن صحیح یا ضعیف سند سے اسکی کوئی اصل نہیں۔

اور ردالمحتار (۱/۷۸) میں مذکورہ بالا کے علاوہ یہ بھی ذکر ہیں۔ یہ بڑھاپے میں تاخیر کرتا ہے، نظر تیز کرتا ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ یہ موت کے علاوہ سب بیماریوں سے شفا ہے، یہ پل صراط پر تیز رفتاری سے چلائے گا، دانت سفید کرتا ہے، کھانا ہضم کرتا ہے، بلغم ختم کرتا ہے، فصاحت بڑھاتا ہے، معدے کو تقویت دیتا ہے، کڑوا خلط ختم کرتا ہے، سر کی رگوں کو تسکین پہنچاتا ہے، روح کا نکلنا آسان بناتا ہے، اور اسکے منافع میں ہے کہ یہ تکلیف دہ چیز دور کرتا ہے اور سب سے اعلیٰ فائدہ موت کے وقت شہادت یاد دلاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں نصیب فرمائے۔

اور المرقاۃ (۲/۳) میں اسکے ستر فوائد ذکر ہوئے ہیں جیسے کہ افیون میں ستر نقصانات ہیں۔

(۸)- مسواک کرنے کی کیفیت۔

دانتوں میں مسواک عرض میں کرنا چاہئے، طول میں نہیں جیسے کہ السنن الکبری (۱/۴۰) میں مذکور بعض احادیث میں آیا ہے، حافظ نے تلخیص (۱/۶۵) میں کہا لیکن یہ ضعیف ہیں اور اسی طرح بیہقی نے بھی کہا ہے۔

زبان پر مسواک کرنے کا طریقہ زبان کی لمبائی میں ہے جیسے بخاری (۱/۳۸) اور مسلم (۱/۱۲۸) میں ابوموسی اشعری ﷺ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس آیا، میں نے آپ کو مسواک ہاتھ میں پکڑے مسواک کرتے ہوئے پایا۔ آپ "اع اع"

کہہ رہے تھے اور مسواک آپکے منہ میں تھا گویا کہ آپ ابکائی کر رہے ہوں۔اور مسلم کی روایت میں ہے: ''مسواک کا کنارہ زبان پر تھا''۔اور احمد کے یہ لفظ ہیں ''مسواک کا کنارہ زبان پر تھا اور آپ اُوپر کی جانب مسواک کر رہے تھے''۔

راوی کہتا ہے: ''گویا کہ آپ طول میں مسواک کر رہے تھے''۔

اور ہاتھ پکڑنے کی کیفیت کے بارے میں ہم نے کچھ نہیں دیکھا مگر ابن عابدین نے ردالمختار (۷۸/۱) اور البحر والنہر میں کہا ہے: ''مسواک پکڑنے کا طریقہ چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے ہو اور انگوٹھا مسواک کے کنارے کے نیچے ہو اور باقی انگلیاں اوپر ہوں جیسے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہم نے ابھی تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔کی روایت نہیں دیکھی، دیکھنا چاہئے کہ وہ کہاں ہے؟۔

(۹)- مسواک کے اوقات:

اکثر احادیث میں کلی کرتے وقت اور نماز کیلئے کھڑے ہوتے وقت مسواک کرنا آیا ہے۔اور صحیح مسلم (۱۲۷/۱) میں ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو پہلے کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: ''مسواک کرتے تھے''۔

اور نبی ﷺ تہجد کیلئے اٹھتے تو منہ مسواک سے صاف کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ وضوء سے پہلے ہی تھا۔اور ابونعیم معرفۃ الصحابہ میں محرز سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات کو مسواک کر کے سوتے تھے۔جیسے کہ تلخیص (۶۹/۱) میں ہے اور کتاب السواک میں ابوعتیق کی حدیث مروی ہے، جابر سے روایت ہے کہ وہ بستر پر لیٹتے وقت مسواک کرتے تھے اور جب رات کو بیدار ہوتے تو مسواک کرتے اور جب نماز کیلئے نکلتے تو مسواک کرتے۔میں نے کہا: آپ نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال رکھا ہے تو کہنے لگے ''اسامہ رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ نبی ﷺ اسی طرح مسواک کرتے تھے'' اور اسکی سند میں حرام بن عثمان راوی متروک ہے۔

ابونعیم، عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں: ''اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو سحری کے وقت انہیں مسواک کا حکم دیتا''۔اسکی سند میں ابن لہیعہ ہے اور متابعات میں یہ حسن الحدیث ہے۔

طبرانی اور بزار روایت کرتے ہیں جیسے کہ المجمع (۹۷/۲) میں ہے: عباس بن عبدالمطلب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: ''لوگ مسواک کئے بغیر نبی ﷺ پر داخل ہوتے تھے تو آپ ﷺ فرماتے: مجھ پر پیلے دانت لئے داخل ہوئے ہو مسواک کر کے آیا کرو۔ اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو ہر نماز کیلئے ان پر مسواک فرض کر دیتا جیسے کہ ان پر وضوء فرض ہے اور اسکی سند میں ابوعلی الصیقل مجہول ہے۔

اور احمد کے پاس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ ''وہ مسواک پاس رکھ کر سویا کرتے تھے اور جاگتے ہی پہلے مسواک کرتے تھے''۔اور بعض سندوں میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ جس گھڑی بھی رات کو بیدار ہوتے تو مسواک کرنا شروع کر دیتے''

۔جیسے کہ المجمع (۲/۹۸) میں ہے۔اور اسکی سند میں قابل اعتراض بات ہے۔اور زید بن خالد الجہنی کہتے ہیں:''نبی ﷺ جب بھی کسی نماز کیلئے گھر سے نکلتے تو مسواک کرتے''۔(طبرانی)اور اسکے راوی ثقہ ہیں جیسے کہ المجمع (۲/۹۲) میں ہے۔

یزید بن الاصم میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور یہ انکے زیر تربیت یتیم تھے وہ ذکر کرتے ہیں کہ مسواک برتن میں پڑا رہتا تھا اور آپ کسی کام میں یا نماز میں مشغول رہتی نہیں تو مسواک پکڑ کر مسواک کرتی رہتیں۔

طبرانی نے اسے الکبیر میں روایت کیا اور راوی اسکے ثقہ ہیں جیسے کہ المجمع (۲/۱۰۰) میں ہے۔

طبرانی اور بیہقی ابن عباس کی حدیث نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دو آدمی نبی ﷺ کے پاس آئے اور دونوں کا ایک ہی کام تھا۔تو ایک کے منہ سے بو محسوس کی تو فرمایا:''تو مسواک نہیں کرتا''۔اس نے کہا:ہاں،کیوں نہیں۔الحدیث۔

مراجعہ کریں تلخیص،ابن ابی شیبہ (۱/۱۶۸-۱۷۲)

یہ تمام احادیث مسواک کے معاملے میں نبی ﷺ کے کثرت اہتمام پر دلالت کرتی ہیں اور اسکا حکم ہر وقت ہے خصوصاً وہ اوقات جنکا سابقہ احادیث میں ذکر ہوا ہے۔ وبالله عزو جل التوفيق.

دائیں ہاتھ سے مسواک کرنا افضل ہے

۱۷۸ - سوال : آدمی مسواک دائیں ہاتھ سے کرے یا بائیں ہاتھ سے،شرعی حکم اسمیں کیا ہے؟۔

سائل : ایک طالب علم۔

جواب : وَمِنْهُ الْحَقُّ وَالصَّوَابُ.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ (۲۱/۱۰۸) میں کہتے ہیں: جب ان سے سوال ہوا کہ مسواک کرنا دائیں ہاتھ سے اولیٰ ہے یا اس کے برعکس اور کیا بائیں ہاتھ سے مسواک کرنے والے پر انکار کرنا جائز ہے؟افضل کونسا ہے؟۔

تو انھوں نے جواب دیا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ افضل بائیں ہاتھ سے مسواک کرنا ہے،امام احمدؒ نے اس پر تصریح کی ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ میں سے کسی نے مخالفت کی ہو اور یہ اسلئے کہ مسواک ''اِمَاطَةُ الاَذیٰ'' کے باب سے ہے تو یہ ناک صاف کرنے جیسا ہے اور اسی طرح جس میں اذیت والی چیز کا ازالہ ہو اور یہ بائیں ہاتھ سے ہوگا جیسے استنجاء وغیرہ جسمیں ازالہ نجاست ہے بائیں ہاتھ سے ہوتا ہے اور ازالہ نجاست کے واجب اور مستحب سب ہی بائیں ہاتھ سے کئے جاتے ہیں۔

افعال دو نوع کے ہوتے ہیں:

۱-ایک وہ جو دونوں اعضاء میں مشترک ہوتے ہیں۔

۲-دوم: وہ جو کسی ایک کے ساتھ خاص ہوتے ہیں اور شریعت کے مستمر قواعد یہ ہیں کہ جن افعال میں دائیں بائیں دونوں جانب شریک ہوتے ہیں تو دائیں کو مقدم رکھا جاتا ہے کرامت کی وجہ سے، جیسے وضوء اور غسل ہوا اور مسواک کرنے دایاں طرف، بغلوں کے بال اکھیڑنا، لباس اور جوتا پہننا مسجد اور گھر میں داخل ہونا اور بیت الخلاء سے نکلنا وغیرہ۔

اور اسکے برعکس کاموں میں بائیں کو مقدم کیا جائیگا۔ جیسے بیت الخلاء میں داخل ہونا، جوتا اتارنا، مسجد سے نکلنا اور وہ کام جو انمیں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہیں تو اگر اس کا شمار باب الکرامۃ میں ہے تو دائیں ہاتھ سے ہوگا جیسے کھانا پینا، مصافحہ کرنا، کتاب پکڑنا پکڑانا، اور اس طرح دیگر امور، اور اسکے برعکس کام بائیں ہاتھ سے ہونگے جیسے ڈھیلے استعمال کرنا، ذکر کو چھونا، ناک صاف کرنا وغیرہ۔ پھر آگے تفصیل بیان کی ہے۔

اور الشیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ انسان مسواک دائیں ہاتھ سے کرے یا بائیں ہاتھ سے؟۔

تو آپ نے جواب دیا: یہ محل اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ مسواک دائیں ہاتھ سے کرے، کیونکہ مسواک سنت ہے اور سنت اللہ کی اطاعت اور تقرب کا ذریعہ ہے تو بائیں ہاتھ سے کرنا مناسب نہیں کیونکہ بایاں ہاتھ اذیت والی چیزوں کی طرف بڑھایا جاتا ہے۔ اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ بائیں ہاتھ سے کرنا افضل ہے، اسلئے کہ مسواک کرنا ازالۂ اذیٰ ہے اور ازالہ اذیٰ بائیں ہاتھ سے ہوتا ہے جیسے استنجاء اور ڈھیلوں کا استعمال، تو یہ بائیں ہاتھ سے کئے جاتے ہیں، دائیں ہاتھ سے نہیں۔

کچھ اور علماء اسمیں فرق کرتے ہیں وہ کہتے کہ اگر مسواک منہ کی صفائی کیلئے ہو جیسے نیند سے بیداری پر کیا جائے یا ازالۂ اذیٰ کیلئے تو یہ بائیں ہاتھ کے ساتھ ہونا چاہئے اور اگر صرف عبادت و تقرب کے طور ہو جیسے وضوء کرنے کے بعد مسواک کیا جائے تو یہ دائیں ہاتھ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ الحمد للہ اس مسئلے میں وسعت ہے، جس طرح کوئی چاہے مسواک کرسکتا ہے کیونکہ کوئی واضح نص موجود نہیں الخ۔

میں کہتا ہوں: ابوداؤد (۲/۲۱۷) برقم (۴۱۴) **کتاب اللباس باب الانتعال** ''میں حدیث آئی ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جہاں تک استطاعت ہوئی طہارت، کنگھی اور جوتا پہننے سمیت اپنے تمام کاموں میں دایاں طرف پسند فرماتے تھے اور امام مسلم نے ''فِیْ شَأْنِہٖ کُلِّہٖ'' ذکر نہیں کیا، مسواک کا ذکر کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے، ابوداؤد کہتے ہیں: روایت کیا ہے شعبہ سے معاذ نے اور اس نے (وَسِوَاکِہٖ) ذکر نہیں کیا، اور اسی طرح بخاری مسلم اور ابن ماجہ (۱/۶۹ برقم: ۴۰۱) میں روایت کیا ہے۔

عظیم آبادیؒ نے عون المعبود (۴/۱۱۸) میں کہا ہے کہ امام نوویؒ کہتے ہیں:

''شریعت کا مستمر قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی کام کرامت و شرافت والا ہے جیسے کپڑے یا شلوار پہننا، موزے پہننا، مسجد میں داخل ہونا،

مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن کاٹنا، مونچھیں کترنا، بالوں کی کنگھی کرنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا، سر مونڈھنا، نماز میں سلام پھیرنا، طہارت کے اعضاء کا دھونا، بیت الخلاء سے نکلنا، کھانا پینا، مصافحہ کرنا، حجر اسود کا استلام کرنا، اور اس کے علاوہ جو ان جیسے کام ہوں تو ان میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے۔

اور اسکے برعکس ہوں جیسے بیت الخلاء میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، ناک صاف کرنا، استنجاء، کپڑے یا شلوار یا موزے اُتارنا، اور ان جیسے دیگر کام، تو ان میں بایاں طرف مستحب ہے اور سب دائیں طرف کی کرامت اور شرافت کی وجہ سے ہے۔

مراجعہ کریں النووی شرح مسلم (۱۳۲/۱)

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۱۶/۱) میں اس روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

ابوداؤد نے مسلم بن ابراہیم اس نے شعبہ سے لفظ (وسواکہ) زیادہ بیان کیا ہے۔

اور ردالمختار (۲۸/۱) میں ہے: ''اسکا دائیں ہاتھ سے پکڑنا مستحب ہے۔ اسی طرح البحر والنہر میں ہے: اور الدر میں کہا ہے: ''یہی منقول ومتوارث چلا آرہا ہے''۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی ﷺ سے منقول ہے لیکن اسکے محشی علامہ نوح آفندی کہتے ہیں: ''میں کہتا ہوں دعویٰ نقل کیلئے نقل کی ضرورت ہے جو موجود نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ باب تطہیر سے ہے تو دائیں ہاتھ سے مستحب ہے جیسے کلی کرنا اور باب ازالۃ الاذیٰ سے ہے تو بائیں ہاتھ سے مستحب ہے۔

ظاہر دوسرا قول ہے جیسے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اول قول کیلئے استدلال کیا جاسکتا ہے اس سے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بعض طرق میں آیا ہے کہ نبی ﷺ کنگھی کرنے، جوتا پہننے، طہارت کرنے اور مسواک کرنے میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے اور یہ وارد ہے کہ منہ کے دائیں جانب سے شروع کرنا مراد ہے''۔ تلخیص کے ساتھ۔

میں کہتا ہوں: یہ تاویل مطلق کو مقید کرنے کے مترادف ہے اور حدیث میں قید لگانا جائز نہیں جبکہ اسکی دلیل نہ ہو تو افضل میری رائے میں مسواک دائیں ہاتھ سے کرنا ہے اس صحیح حدیث کی وجہ سے۔ هذا وبالله عزوجل التوفيق.

خواتین و مرد حضرات دونوں کیلئے سر کے بیچوں بیچ مانگ نکالنا سنت ہے

۱۷۹ - سوال: عورت کا اپنے بالوں میں ایک جانب مانگ نکالنے کا کیا حکم ہے؟۔

جواب: وَمِنَ اللهِ التَّوْفِيْقُ:

بالوں کی مانگ میں سنت یہ ہے کہ یہ درمیاں میں ہو، ناصیہ یعنی سر کے اگلے حصے سے لیکر اوپر سر تک کیونکہ بالوں میں آگے پیچھے

دائیں بائیں سب طرف جہتیں بن سکتی ہیں تو مشروع مانگ وہی ہے جو سر کے درمیان میں ہو اور ایک جانب کی مانگ مشروع نہیں اور کبھی کبھی اسمیں نصاریٰ وغیرہ غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور کبھی یہ نبی ﷺ کے اس قول میں بھی داخل ہو سکتے ہیں: ''میری امت میں جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں جو میں نے ابھی تک نہیں دیکھیں ایک وہ قوم جن کے پاس بیلوں کی دموں کی طرح کوڑے ہونگے جن کے ساتھ وہ لوگوں کو مارتے ہونگے اور دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی ہونگی، مائل ہونے والی اور مائل کرنے والی ہونگی اور انکی سربختی اُونٹوں کے کوہانوں کی طرف جھکے ہوئے ہونگے جنت میں داخل نہیں ہونگی نہ ہی انکی بو پائیں گی۔ (مسلم ۲/۲۰۵) (۳۸۳) المشکاۃ (۳۰۶/۲)

تو علماء نے (مَـائِلَاتٌ اور مُـمِيْلَاتٌ) کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ ان سے مراد وہ عورتیں ہیں ایک جانب مائل ہونے والی کنگھی کریں گے اور دوسریوں کی بھی اسی طرح کی کنگھی کریں گی۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ ''مَـائِلَاتٌ'' سے مراد یہ ہے کہ جو حیا اور دین واجب سے مائل ہونے والی ہٹنے والی ہونگی اور دوسری عورتوں کو بھی ہٹانے والی ہونگی۔

اسی طرح مجموع فتاوی ابن عثیمین (۱۳۶/۴) فتوی (۶۶) میں ہے اور اس تفسیر پر یہ قول (رُؤُسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ) دلالت کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کیلئے یہ جائز نہیں۔

مراجعہ کریں النووی فی شرح مسلم (۳۸۳/۲-۲۰۵) وہ کہتے ہیں: ''مَـائِلَات'' وہ ٹیڑھی کنگھی کریں گی اور یہ زنا کار عورتوں کا کنگھی کرنے کا معروف طریقہ ہے۔ ''مُمِيْلَاتٌ'' دوسریوں کا بھی اسی طریقے پر کنگھی کرتی ہیں۔

قاضی عیاضؒ نے اس حدیث میں یہی معنی اختیار کیا ہے۔ تلخیص کے ساتھ۔

اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ''الاقتضاء'' میں ہے کہ نبی ﷺ یہودیوں کی موافقت کرتے ہوئے بالوں کو بغیر مانگ کہ چھوڑتے تھے پھر انکی مخالفت کرتے ہوئے مانگ نکالنے لگے۔ ابوداود نے یہ (۲۲۴/۲) میں روایت کیا ہے۔ تو سنت مرد وخواتین کیلئے مانگ نکالنا ہے لیکن مانگ ایک جانب نہ ہو درمیان میں ہو۔

مردوں کیلئے ہاتھ پاؤں پر مہندے لگانا جائز نہیں

۱۸۰ - سوال : کیا مردوں کیلئے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا جائز ہے ؟۔

جواب : وَبِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ التَّوْفِيْقُ .

مرد کیلئے یہ جائز نہیں کیونکہ اسمیں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان مَردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی

مشابہت کرتے ہیں اوران عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مَردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔ بلکہ ابوداؤد اپنی سنن (۳۲۶/۲) میں لائے ہیں "باب الادب"۔ ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مخنث لایا گیا جس نے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کیوں کرتا ہے؟" تو انہوں نے کہا: یہ عورتوں کی مشابہت کرتا ہے تو آپ نے اسے نقیع کی طرف بھگا دینے کا حکم دیا۔ تو کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اسے قتل کیوں نہیں کرتے، تو فرمایا: "مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے"۔ تو یہ صحیح حدیث دلالت کرتی ہے کہ مَردوں کیلئے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانی جائز نہیں۔ اور بیماری کی وجہ سے اس کا استعمال جائز ہے جیسے دلالت کرتا ہے انکا قول: "مَا بَالُ هٰذَا"۔ یعنی یہ کس لئے مہندی لگاتا ہے؟"

اور سنن میں وارد ہے کہ نبی ﷺ بیمار جگہ پر مہندی رکھا کرتے تھے۔

رہا عورتوں کا مہندی لگانا تو اس کی ترغیب حدیثوں میں بکثرت آئی ہے مراجعہ کریں نیل الاوطار (۳۴۴/۶)۔

اور داڑھی اور سر میں مہندی لگانا سنت ہے۔ وباللہ عزوجل التوفیق.

مردوں کیلئے ہمیشہ ننگے سر رہنا مناسب نہیں

۱۸۱ - سوال : کیا آدمی ہمیشہ ننگے سر رہ سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے پگڑیاں بھی ٹوپیوں پر باندھنے کا حکم دیا ہے تو یہ حدیث بغیر پگڑی کے ٹوپی کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے تو ننگے سر رہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟۔

جواب : ولا حول ولا قوة الا باللہ.

نبی ﷺ ٹوپی پگڑی سمیت پہنتے تھے اور پگڑی کے بغیر ٹوپی بھی پہنی ہے اور ٹوپی کے بغیر پگڑی بھی پہنی ہے جیسے کہ زاد المعاد (۱۳۵/۱) میں ہے اور دائمی طور پر ننگے سر رہنا آپکا طریقہ نہیں تھا۔ مردوں کیلئے سر ننگا کرنا جائز ہے لیکن دائمی طور پر نہیں اس زمانے میں یورپی لوگوں کی عادت ہے بلکہ مسلمان کیلئے مناسبت ہے کہ وہ پگڑی باندھے یا صرف ٹوپی پہنے۔

اور جو حدیث آپ نے ذکر کی ہے وہ سنداً صحیح نہیں ہے اسے ابوداؤد نے (۲۰۹/۲) میں، ترمذی نے (۳۰۸/۱) میں اور المشکاۃ (۳۷۴/۲) میں ہے۔ اسمیں ابوالحسن العسقلانی مجہول ہے، ترمذی کہتے ہیں اس حدیث کی سند میں اعتراض ہے۔

مراجعہ کریں ضعیف الجامع (۳۹۵۹) الارواء (۳۲۹/۵)

تو آپ کیلئے جائز نہیں کہ لوگوں پر ایسی حدیث لازم کریں جو ثابت نہیں، اسلام سماحت (نرمی) کا دین ہیں، سماجت (قباحت) کا نہیں۔

داڑھی کترنے کی ایک ضعیف حدیث کا ذکر

۱۸۲ - سوال : خطیبؒ ابوسعید خدری ﷺ سے مرفوع حدیث لائے ہیں "کوئی اپنی داڑھی کے طول سے ہرگز نہ کترے لیکن کنپٹی سے کتر سکتا ہے"۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے اور کیا یہ صحیح ہے؟۔ فیروز ۱۴۱۵/۳/۱۱ بروز بدھ۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

یہ حدیث خطیب بغدادیؒ تاریخ بغداد (۵/۱۸۷) میں لائے ہیں اور علی المتقی نے کنز العمال (۶/۶۶۳) رقم (۱۷۸۱) اپنے لفظوں میں ذکر کیا ہے اور ابن عدی نے الکامل (۵/۲۰۱۸) میں نکالا ہے۔

اور اسکی سند میں عفیر بن معدان کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔

ابوحاتم کہتے ہیں اسکی حدیث میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔

یحییٰؒ کہتے ہیں: کچھ بھی نہیں"۔

احمد کہتے ہیں: عطاء کی حدیث غریب ہے، مجھے معلوم نہیں عفیر بن معدان کے علاوہ اس سے کسی نے روایت کی ہو"۔

تو ثابت ہوا کہ یہ حدیث ثابت نہیں تو کنپٹیوں سے بال کتر انا جائز نہیں۔

سر کے بال مونڈھنے کی چار قسمیں اور ہر ایک کا حکم

۱۸۳ - سوال : سر کا مونڈنا نبی ﷺ سے کسی حدیث میں ثابت ہے؟۔ عبدالسلام (۱۴۱۵/۳/۵ھ)

جواب : سر کا مونڈنا چار قسم کا ہے :

پہلی قسم : حج یا عمرے میں سر کا مونڈنا: اس کا تو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے حکم دیا ہے اور یہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے مشروع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ، لَا تَخَافُونَ﴾

(ان شاءاللہ تم یقیناً پورے امن وامان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگے سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے (چین کے ساتھ) نڈر ہوکر۔) (الفتح: ۲۷)

اور نبی ﷺ سے حج اور عمرے میں سر منڈوانا تواتر سے ثابت ہے۔

اور اسی طرح صحابہ میں سے بعض نے منڈوایا اور بعض نے کتروایا اور مونڈوانا کتروانے سے افضل ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ) اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما" صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (وَالْمُقَصِّرِیْنَ) اور کتروانے والوں پر" فرمایا: اے اللہ! منڈوانے والوں پر رحم فرما، انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول!: اور کتروانے والوں پر" فرمایا: اے اللہ منڈوانے والوں پر رحم فرما" ۔ انہوں نے کہا: "اور کتروانے والوں پر" ۔ فرمایا: "اور کتروانے والوں پر" ۔

دوسری قسم: ضرورت کیلئے سر منڈوانا، مثال کے طور پر بغرض علاج منڈوانا تو یہ بھی کتاب وسنت اور اجماع امت سے جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محرم جس کے لئے سر منڈوانا جائز نہیں اگر اسے جوؤں وغیرہ کی تکلیف ہے تو سر منڈوانے کی رخصت دی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ ۔

(اور اپنے سر مت منڈواؤ جب تک کہ قربانی قربان گاہ تک نہ پہنچ جائے البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سر منڈوالے) تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے، خواہ صدقہ دے، خواہ قربانی کرے" ۔ (البقرہ: ۱۹۶)

اور باتفاق مسلمین ثابت ہے۔ حدیث کعب بن عجرہ ؓ کی جب نبی ﷺ اس کے پاس سے گزرے عمرہ حدیبیہ میں اور جوئیں انکے سر سے گر رہی تھی تو فرمایا: "تمھیں تمھارے جانور تکلیف دے رہے ہیں؟" انہوں نے کہا: ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنا سر منڈوالے اور بکری کی قربانی کرے یا تین روزے رکھ، یا ایک فرق کھانا چھ مسکینوں میں تقسیم کر دے" ۔ اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے اور تمام مسلمانوں نے اسے قبولیت کے ساتھ لیا ہے۔

تیسری قسم: عبادت گزاری، تدین اور زہد کے طور پر سر منڈوانا بغیر حج اور عمرے کے مثال کے طور پر اگر کوئی معصیت کی زندگی سے توبہ کرتا ہے تو اس کو سر منڈوانے کا کہا جاتا ہے اور مثال کے طور پر سر کا منڈوانا عبادت گزار اور دین داروں کا شعار سمجھا جائے یا زہد و عبادت کی تکمیل اس میں سمجھتے ہیں تو اس طرح سے سر کا منڈوانا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکا حکم نہیں دیا اور نہ ہی اللہ کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اور یہ ائمہ دین میں سے کسی کے نزدیک واجب یا مستحب نہیں ہے۔

صحابہ کرام وتابعین میں سے کسی نے کیا ہے، نہ زہد و عبادت میں مشہور مسلمانوں کے مشائخ صحابہ وتابعین اتباع تابعین یا انکے بعد فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، ابوسلیمان الدارانی اور معروف الکرخی وغیرہ نے کیا ہے۔

چوتھی قسم: مناسک کے علاوہ بلا ضرورت اور تقرب کی نیت کے بغیر سر کا منڈوانا۔ اسمیں علماء کے دو قول ہیں، اور امام احمدؒ سے یہ دو روایتیں ہیں۔

۱- یہ مکروہ ہے اور امام مالک وغیرہ کا مذہب ہے۔

۲- اصحاب ابی حنیفہ اور شافعی کے نزدیک یہ مباح ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ایک لڑکا دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ منڈا ہوا تھا تو فرمایا: (اِحْلِقُوْا كُلَّهٗ اَوِ اتْرُكُوْهُ كُلَّهٗ) (یا سارا منڈوا دو یا سارا چھوڑ دو)

اور چھوٹے بچے آپکے پاس تین دن بعد لائے جاتے آپ انکے سروں کو مونڈ دیتے اور اسلئے کہ آپ نے قزع سے منع فرمایا ہے اور قزع سر کے کچھ حصہ کے مونڈنے کو کہتے ہیں تو اس سے سارے سر کے مونڈنے کے جواز پر دلالت ہوتی ہے۔

پہلے قول والے کہتے ہیں: سر منڈوانا اہل بدع کا شعار ہے، خوارج اپنے سر منڈوایا کرتے تھے اور سر منڈوانے کو عبادت اور توبہ کی تکمیل شمار کرتے تھے اور صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی ﷺ غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو فتح کے سال ایک آدمی گھنی داڑھی والا سر منڈا آیا اور حدیث میں ہے: (سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ) ''انکی علامت سر منڈوانا ہے''۔ تلخیص کے ساتھ از مجموع الفتاوی لابن تیمیہ (۲۱/۱۱۵-۱۱۹)

اور میں کہتا ہوں: پانچویں قسم: مصیبت کے وقت سر منڈوانا ہے یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس سے بری ہوں جو مصیبت کے وقت سر منڈوائے، اپنے آپ کو تھپڑ مارے یا گریبان پھاڑے۔

(المشکاۃ ۱/۱۵۰)

ابن قدامہ المغنی (۱/۱۰۳) میں کہتے ہیں: مسئلہ نمبر (۱۰۷): امام احمد سے سر منڈوانے میں روایتیں مختلف ہیں ایک روایت انکی یہ ہے کہ مکروہ ہے بوجہ اس حدیث کے جو خوارج کے بارے میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ انکی علامت سر منڈوانا ہے اسے انکی علامت قرار دیا ہے۔ اور عمر ؓ نے صبیغ کو کہا: اگر میں نے تجھے سر منڈا پایا تو میں اسے تلوار ماردونگا جس میں تیری آنکھ ہے۔ (یعنی سر)۔

اور نبی ﷺ سے مروی ہے: ''پیشانی کے بال نہ ہٹائے جائیں مگر حج اور عمرے میں''۔ روایت کیا اسے دارقطنی نے الافراد میں اور یہ کنز العمال میں برقم (۱۲۱۵۰-۱۲۱۵۱) ہے۔

ابن عباس ؓ نے کہا: ''جو شہر میں سر منڈواتا ہے وہ شیطان ہے''۔

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ وہ اسے مکروہ سمجھتے تھے اور انہی سے مروی ہے وہ اسے مکروہ اسی لئے سمجھتے تھے کہ اسکا ترک کرنا افضل تھا الخ۔

اور عبد القادر الجیلانی کی الغنیہ (۱/۱۵) میں ہے: ''فصل: حج اور عمرے کے علاوہ اور بلا ضرورت سر منڈوانا امام احمد کی دو میں سے ایک روایت میں مکروہ ہے۔ پھر سابقہ روایات ذکر کر کے کہا ہے کہ روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی آخری عمر میں جبکہ آپ کے بال کندھے تک پہنچتے تھے اپنا سر منڈوا دیا تھا۔

میں کہتا ہوں: وہ احادیث جن کا عبد القادر جیلانیؒ غُنیہ میں مخرج اور سند کے بغیر کرتے ہیں اسکا کوئی اعتبار نہیں۔

مذکورہ ہمارے بیان سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے حج اور عمرے کے علاوہ اپنا سر نہیں منڈوایا تو بلا ضرورت منڈانے سے بال رکھنا

افضل ہے سوائے حج اور عمرے کے۔ وباللہ عزوجل التوفیق.

فولاد یا سونے، چاندی سے دانتوں کی بھرائی جائز ہے

۱۸۴ - سوال :-کیا دانت کی بھرائی لوہے، سونے، چاندی سے جائز ہے؟ اس بھرائی کے ساتھ وضوء وغسل کا کیا حکم ہے؟
علی حیدر۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ .

کیڑا اور درد کی ضرورت کی وجہ سے دانتوں کی بھرائی جائز ہے اور اسی طرح یہ بھرائی لوہے سونے چاندی سے ہو سکتی ہے۔ اسلئے کہ ابوداؤد (۲۳/۲) برقم (۴۲۳۲) کہتے ہیں: "باب ہے دانتوں کا سونے سے جوڑنے کا"۔ عبدالرحمٰن بن طرفہ اپنے دادا عرفجہ بن سعد سے روایت کرتے ہیں: انکی ناک کلاب کی لڑائی میں کٹ گئی تھی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی جسمیں بدبو پیدا ہوگئی تو انہوں نے نبی ﷺ کے حکم سے سونے کی ناک بنوائی"۔ یہ حدیث حسن ہے اسے امام ترمذی نے (۱۵۳/۲) برقم (۸۴۲) نکالا ہے۔ "باب ہے دانتوں کو سونے سے مضبوط کرنا"۔ اور المشکاۃ (۳۸۹/۲) میں ہے۔

امام ابو عیسی الترمذیؒ کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ اہل علم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے دانت سونے سے مضبوط کئے تھے۔ اور یہ حدیث انکی دلیل ہے۔

علی القاری المرقاۃ (۲۸۰/۸) میں کہتے ہیں:

"اسی سے علماء نے سونے کی ناک بنوانا اور سونے سے دانتوں کو مضبوط کرنا مباح کیا ہے"۔

اور عون المعبود (۱۴۸/۴) میں ہے: "خطابی کہتے ہیں: اس حدیث سے مردوں کا قلیل مقدار میں سونے کا استعمال مباح ثابت ہوتا ہے جیسے دانتوں کا جوڑنا یا اس جیسی اور ضرورت جہاں سونے کے علاوہ کوئی اور چیز کارگر ثابت نہ ہو سکے"۔

اور عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند (۷۲/۱) میں روایت کیا ہے اور اسی طرح کنز العمال (۶۹۴/۶) رقم (۱۷۴۴۷) میں ہے: واقد بن عبداللہ التمیمی سے روایت ہے وہ اس سے روایت کرتے ہیں جس نے عثمان بن عفان کو دیکھا انہوں نے دانتوں کو سونے کا غلاف چڑھا رکھا تھا اور اسکی سند میں مجہول ہے۔

اور مصنف بن ابی شیبہ (۳۱۰/۸) میں موسی بن طلحہ، نافع بن جبیر، حسن، مغیرہ، ابراہیم، ثابت البنانی سے سونے کیساتھ دانتوں کو مضبوط کرنے کے جواز کی روایتیں ہیں۔ دیکھو مسند احمد (۲۳/۵) دانتوں کی بھرائی کے ساتھ وضوء اور غسل جائز ہے کیونکہ جب دانت کی بھرائی ہو جاتی ہے تو اسے حکم باطن کا حاصل ہو جاتا ہے تو اگر بھرائی شدہ سوراخ میں پانی نہ پہنچنے پائے تو کوئی حرج نہیں۔

هذا وباللہ عزوجل التوفیق .

داڑھی کے سفید بال اکھیڑنا جائز نہیں

۱۸۵ - سوال : کیاداڑھی میں سے سفید بالوں کا اکھیڑنا جائز ہے ؟۔سائل :اسمٰعیل ۔

جواب : ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

حدیث صحیح میں ثابت ہے، عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: ''سفید بال مت نوچو، یہ مسلمان کا نور ہے جس کا اسلام میں ایک بال سفید ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے اس کے عوض ایک نیکی لکھ لیتے ہیں اور ایک گناہ معاف ہوجاتا ہے اور ایک درجہ بلند ہوجاتا ہے۔

(ابوداؤد (۲/۱۹۱) برقم (۴۲۰۲) ابن ماجہ (۲/۲۰۴) برقم (۳۷۲۱) اور یہ المشکوۃ (۲/۳۷۲) میں ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔

اس حدیث شریف میں سفید بال کے اکھاڑنے کی ممانعت ہے تو مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ وہ امر رسول کی مخالفت سے اپنا نور بجھائے۔اس سے ظاہری نور (سفید بال) ختم ہوجاتا ہے اور باطنی نور (اتباع کا نور) بھی بجھ جاتا ہے۔اس حدیث صحیح کے بعد ابن عابدین کے قول کا کوئی اعتبار نہیں جو انہوں نے رد المحتار میں اکھیڑنے کے جواز کا لکھا ہے۔

اور سفید داڑھی کی مہندی سے رنگنا یا مہندی اور وسمہ ملکر رنگنا افضل ہے جیسے اسمیں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

لیکن سفید بالوں کو سیاہ رنگ دینا جائز نہیں اور حرام ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے جسے نسائی اور ابوداود نے نکالا ہے اور وہ المشکوۃ (۲/۳۸۲) میں ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''آخری زمانے میں لوگ ہونگے جو یہ سیاہ رنگ دینگے گویا کہ وہ کبوتروں کے پوٹے ہیں انہیں جنت کی بو نصیب نہ ہوگی۔

اور صحیح مسلم (۲/۱۹۹) میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن لائے گئے انکا سر اور داڑھی ثغامہ کے پھولوں کی طرف سفید تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا : ''اسے بدل دو لیکن سیاہ کرنے سے بچو''۔

امام نووی کہتے ہیں : ''داڑھی رنگنا مستحب ہے اور سیاہ رنگ دینا حرام ہے''۔

اور اسی طرح المجموع (۱/۲۹۴) میں کہا ہے: ''داڑھی اور سر کو کالا رنگ دینے کی مذمت پر اتفاق کیا ہے صحیح بلکہ درست یہی ہے کہ یہ حرام ہے اور اسے صراحتہً حرام کہنے والوں میں حاوی بھی ہیں امام نووی کہتے ہیں: اسکی حرمت کی دلیل جابر کی حدیث ہے جو ابھی ذکر ہوئی۔

هیثمی نے المجمع (۵/۱۶۱) میں وارد کیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً: آخری زمانے میں لوگ ہونگے جو اپنے بالوں کو سیاہ کریں

گے اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اسکی سند اچھی ہے۔

ابو الدرداء سے مرفوعاً روایت ہے: "جو سیاہ رنگ دے گا اللہ تعالیٰ اسکا چہرہ قیامت کے دن سیاہ کر دے گا"۔ اسے روایت کیا طبرانی نے اسمیں وضین بن عطاء ہے جسکی احمد، ابن معین اور ابن حبان نے توثیق کی ہے اور جوان سے مرتبے میں کم ہیں وہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ اور باقی راوی ثقہ ہیں۔ حافظ نے (۲۹۲/۲) میں کہا ہے: "اسکی سند کمزور ہے"۔

انس ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس تھے تو آپ کے پاس یہودی آئے، آپ نے انکی سفید داڑھیاں دیکھیں تو فرمایا: "تم انہیں کیوں نہیں بدلتے"۔ تو کہا گیا کہ یہ مکروہ سمجھتے ہیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لیکن تم تو بدلو اور سیاہی سے بچو"۔

طبرانی نے اسے اوسط میں روایت کیا۔ اسمیں ابن لہیعہ ہے جو متابعات میں حسن الحدیث ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے: "زردی مؤمن کا خضاب ہے اور سرخی مسلمان کا خضاب ہے اور سیاہی کافر کا خضاب ہے"۔ اسے طبرانی نے روایت کیا۔ هیثمی کہتے ہیں: اسمیں ایسا راوی ہے جسے میں نہیں پہچانتا۔

میں کہتا ہوں: یہ احادیث جو سمجھ لے تو وہ تردد نہیں کرے گا کہ کالا خضاب ہر کسی کے لئے قطعی حرام ہے۔ اور یہ اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے جیسے کہ تمام المنہ ص (۸۳) میں کہا ہے۔

اسی لئے ابن القیمؒ نے تہذیب السنن (۱۰۳/۶) میں کہا ہے: صحیح بات یہ ہے کہ ان احادیث میں کسی بھی وجہ سے کوئی اختلاف نہیں جن کے ساتھ بڑھاپے کی سفید بدلنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے دو چیزیں ہیں:

(۱)۔ اکھاڑنا۔ (۲) ۔ سیاہ رنگ دینا۔ جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا۔

اور جس کی اجازت دی وہ کالے رنگ کے علاوہ مہندی یا زرد رنگ دینا ہے، اور اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا۔ اور کہا ہے "سیاہ خضاب کو اہل علم کی جماعت نے مکروہ کہا ہے اور بلا شک یہی صحیح ہے، مذکورہ دلائل کی وجہ سے۔ امام احمد رحمہ اللہ کو کہا گیا، آپ سیاہ خضاب کو مکروہ سمجھتے ہیں تو کہا: "ہاں، اللہ کی قسم!۔

بعض دوسرے اسکی رخصت دیتے ہیں انمیں اصحاب ابی حنیفہ بھی ہیں اور یہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا جاتا ہے لیکن ان سے اسکے ثبوت میں اعتراض ہے اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں کسی کا قول کچھ بھی نہیں۔ آپکی سنت اتباع کی زیادہ حقدار ہے اگرچہ مخالفت کرنے والے مخالفت کریں۔

تو سید سابق کا فقہ السنہ میں کالے خضاب کی اجازت دینا غلط ہے اور اسی طرح انکا سیاہ کے علاوہ خضاب کو عادت کہنا بھی غلط ہے۔ بلکہ یہ ثابت سنت مستمرہ ہے۔

اور ابو البرکات نے المُنتَقٰی بشرح نیل الاوطار (۱۴۴/۱) میں باب باندھا ہے: "باب ہے سفید بالوں کو مہندی اور دوسے

وغیرہ سے بدلنا اور سیاہ رنگ کی کراہت" پھر اسکے بارے میں احادیث ذکر کی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

ابروؤں کے بال اکھیڑنا حرام اور پنڈلیوں کے بالوں کا ازالہ جائز ہے

۱۸۶ – سوال : کیا مرد اور عورت کے لئے ابروں کے بال کترنا جائز ہیں اور کیا دونوں کیلئے پنڈلی اور ہاتھوں وغیرہ کے بال مونڈنا جائز ہیں؟ تفصیل سے بیان کریں۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّا بَعْدُ :

عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لعنت کرے گودنے والیوں اور گودوانے والیوں پر منہ کے بال نکالنے والیوں اور نکلوانے والیوں پر اور خوبصورتی کے لئے دانتوں کو کشادہ کرنے والیوں پر ان سب اللہ کی خلقت بدلنے والیوں پر "۔الحدیث۔

مُتَنَمِّصَات: وہ عورتیں جو اُبروں کو باریک بنانے کیلئے اسکے بال نوچتی ہیں۔ (نہایہ، لسان العرب)

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم (۲/۲۰۵) میں کہا ہے: النَّامِصَہ: وہ عورت جو چہرے سے بال اکھاڑتی ہے اور اَلْمُتَنَمِّصَہ: وہ عورت جو یہ کام طلب کرتی ہے۔ یہ کام حرام ہے۔

لیکن اگر عورت کی داڑھی یا مونچھ نکل آئے تو اسکا زائل کرنا حرام نہیں بلکہ مستحب ہے ممانعت تو آبروں اور چہرے کے کناروں سے بال اکھاڑنے میں ہے۔

میں کہتا ہوں : یہ ممانعت مردوں عورتوں دونوں کو شامل ہے، رہا ہاتھوں اور پیروں سے بالوں کا ازالہ تو اگر زیادہ ہوں تو اسکے ازالے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بدشکل کرتے ہیں اگر عادت کے مطابق ہیں تو اہل علم میں سے بعض کہتے ہیں کہ انہیں رہنے دینا چاہئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے کے زمرے میں آتا ہے اور راجح یہی ہے کہ اسکا ازالہ جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے سکوت اختیار کیا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "جس سے اللہ تعالیٰ سکوت اختیار کرے وہ معاف ہے"۔

اور عنقریب ذکر آئے گا کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے مگر جہاں اسکے خلاف دلیل قائم ہو جائے۔

بال تین قسم کے ہیں:

۱۔ قسم اول: جس کے لینے کی حرمت پر شارع کی نص موجود ہے۔

۲-دوسری قسم: جس کے لینے پر شارع کی نص موجود ہے۔
۳-تیسری قسم: جس سے شارع نے سکوت اختیار کیا ہے۔
جس کے لینے کی حرمت میں شارع کی نص موجود ہے تو اسے نہ لیا جائے جیسے مرد کی داڑھی، مرد وعورت دونوں کی ابروئیں اور وہ جس کے لینے پر شارع کی طرف سے نص ہو تو اسے لینا چاہئے جیسے بغل اور شرم گاہ کے بال اور مرد کی مونچھیں، اور جس سے سکوت اختیار کیا گیا ہوں وہ معاف ہے، اگر اللہ تعالیٰ اسکا وجود نہ چاہتا تو اسکے ازالے کا حکم دیدیتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اسے باقی رکھنا چاہتا تو اسے باقی رکھنے کا حکم دیدیتا۔ جب سکوت اختیار کیا ہے تو یہ پھر انسان کے اختیار کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، زائل کرنا چاہتا ہے زائل کرے، باقی رکھنا چاہتا ہے، باقی رکھے۔

باقی رہا دبر کے بال لینے کا مسئلہ :

توامام نوویؒ نے شرح مسلم (۱۲۸/۱) میں کہا ہے: "عانہ سے مراد وہ بال ہیں جو مرد کے ذکر کے اُوپر اور آس پاس ہیں اور اسی طرح وہ بال جو عورت کے فرج کے آس پاس ہیں۔ اور ابو العباس بن سریج سے نقل کیا ہے کہ عانہ میں وہ بال بھی شامل ہیں جو حلقہ دبر کے آس پاس ہیں تو ان تمام اقوال سے حاصل یہ ہوا کہ قبل و دبر کے آس پاس تمام بالوں کا مونڈنا مستحب ہے"۔
اور نبی ﷺ کے بالصفا پوڈر کے استعمال کے بارے میں ضعیف احادیث آئی ہیں جیسے کہ ابن ماجہ (۲؍رقم: ۳۷۵۱) میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی ﷺ جب بال صفا استعمال کرتے تو پہلے شرمگاہ پر لگاتے اور پھر سارے بدن پر۔ تفصیل کے لئے دیکھو (۱۶۰/۱)۔

عورت کی اگر داڑھی مونچھ اُگ آئے تو اسکا مونڈنا جائز ہے

۱۸۷- سوال : اگر عورت کی داڑھی مونچھ اُگ آئے تو اسے مونڈنا جائز ہے؟۔

جواب : ولا حول ولا قوة الا باللہ.

اس کیلئے اپنی داڑھی مونڈنا جائز ہے کیونکہ اسکا مردوں کی داڑھی والا حکم نہیں ہے بلکہ اس کے لئے یہ مستحب ہے جیسے کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم (۱۲۹/۱ میں کہا ہے:
"بارھواں مسئلہ: داڑھی کا مونڈنا حرام ہے لیکن اگر کسی عورت کی داڑھی نکل آئے تو اس کیلئے اسکا مونڈنا مستحب ہے اور (۲۰۵/۲) میں کہا ہے: "ہاں اگر عورت کی داڑھی مونچھ اُگ آئے تو اسکا ازالہ حرام نہیں بلکہ ہمارے نزدیک مستحب ہے اور ابن

جریر کہتے ہیں: اسکے لئے اسکی داڑھی یا داڑھی بچہ مونڈنا جائز نہیں اور نہ ہی مونچھ مونڈنا جائز ہے اسکی خلقت کو کمی بیشی سے نہیں بدل سکتی۔ اور ہمارا مذہب وہی جو آگے بیان ہوا کہ ان کیلئے داڑھی مونچھ، عنفقہ کا ازالہ مستحب ہے انکے لئے نہی آبروں اور چہرے کے اطراف میں ہے۔

اور یہ سابقہ مسئلہ میں گزر چکا کہ شارع جس سے سکوت اختیار کرے وہ معاف ہے۔

خاوند کیلئے تزئین کے طور پر عورت اپنے کچھ بال کتر سکتی ہے

۱۸۸ - سوال : کیا عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ خاوند کیلئے بطور زینت کچھ بال کتر ڈالے۔؟ اخوکم فی اللہ: اسماعیل۔

جواب : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ :

اس کے لئے بالوں کا کترنا جائز ہے۔ سر مونڈنا جائز نہیں لیکن اس کیلئے یہ شروط ہیں :

(۱)- مردوں کے ساتھ مشابہت نہ کرے کیونکہ نبی ﷺ نے عورتوں میں مردوں جیسی بننے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

(۲)- نصاریٰ وغیرہ کافرات کی عادتوں کی مشابہت نہ کرے کیونکہ جو جس قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔

(۳)- اپنے علاقے کی عادات واطوار سے خروج نہ کرے کیونکہ شہرت والے لباس سے نہی وارد ہے جیسے کہ حدیث میں ہے:

''جو دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں ذلت کا لباس پہنائے گا''۔ (احمد، ابوداؤد)

اور اسی طرح المشکاۃ (۲/۳۷۵)

(۴) - شوہر کو وہ کام محبوب بھی ہو۔

اور دلیل اسکی یہ ہے کہ احرام والی عورت حج اور عمرے میں اپنے بال کتر سکتی ہے۔

اور اسی طرح مسلم نے اپنی صحیح (۱/۱۴۸) میں روایت کیا ہے: ''باب ہے غسل جنابت میں پانی کا مستحب اندازہ''۔

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی بیویاں اپنے سر کے بال کتر کر وفرہ (چھتے) بنالیتی تھیں''۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں کہتے ہیں: اس میں دلیل ہے کہ عورتوں کیلئے بالوں میں تخفیف جائز ہے''۔

اور اسی طرح عام اباحت بھی جواز کا فائدہ دیتی ہے تو عورت کے بال نہ کترنے کے حکم میں مرد کی داڑھی کی طرح نہیں لیکن زیادہ محبوب یہی ہے کہ اپنے حال پر چھوڑ دے تاکہ شبہات سے نکل جائے۔

جیسے اضواء البیان للشنقیطی (۵/۵۹۵) (۶۰۰) میں ہے: ''وہ کہتے ہیں عورت کیلئے اپنے بال منڈوانا اسکے جمال کیلئے نقص اور بدصورتی ہے اور یہ مُثلہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اکثر ملکوں میں عورتوں کے بالوں کو جڑوں کے قریب تک کترنے کے جو رسم

جاری ہے یہ انگریزوں کا طریقہ ہے اور مسلمان عورتوں اور قبل اسلام عرب عورتوں کی عادت کے خلاف ہے تو یہ بھی ان انحرافات میں سے ہے جسمیں دینی، اخلاقی اور عادت کے لحاظ سے اکثر لوگ مبتلیٰ ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

خواتین بھی استرا استعمال کرسکتی ہیں

۱۸۹- سوال: کیا عورتیں موئے عانہ استرے سے صاف کرسکتی ہیں، اگر جائز ہے تو جواز کی کیا دلیل ہے ؟۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

ہاں متعدد دلائل کی وجہ سے یہ انکے لئے جائز ہے جو ذکر کئے جاتے ہیں:

اول: جابر ﷺ کی حدیث ہے اسمیں ہے: "جب ہم مدینہ پہنچے اور گھروں میں داخل ہونے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا: "ٹھہرو ہم رات کو یعنی عشاء کو داخل ہونگے تا کہ پراگندہ بالوں والی کنگھی کرسکے اور غائب خاوند والی استرا استعمال کرسکے یعنی موئے عانہ کی صفائی کرسکے"۔ (بخاری (۱/۷۶۰) مسلم (۱/۴۷۴) المشکاۃ (۲/۲۶۷) تو استرے کے استعمال کی یہ نص صریح ہے۔

عورتوں کیلئے استرا استعمال کرنے سے ممانعت اور وجہ سے ہے اور وہ یہ کہ اطباء کے قول کے مطابق استرے کے استعمال سے شہوت بڑھتی ہے۔ تو یہ کوئی شرعی بات نہیں اسلئے نبی ﷺ کی اباحت کے بعد منع کرنا جائز نہیں۔

دوسری: عبدالرحمٰن بن اسود سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے والد مجھے بلوغت سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کرتے تھے جب میں بالغ ہوا تو آ کر میں نے (باہر سے) آواز دی، غسل کس چیز سے فرض ہوتا ہے؟ تو فرمایا: جب مل جائیں استرے کے استعمال کی جگہیں"۔ (دار قطنی (۲/۲۴۲) الطحاوی (۲/۴۸)

اور اسے ابن سعد نے الطبقات میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے اور اسکے راوی ثقہ ہیں اور عبدالرحمٰن کے عائشہ سے سماع میں اختلاف ہے ظاہر یہی ہے کہ ان سے ان کا سماع ثابت ہے جیسے کہ دار قطنی نے کہا ہے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم (۱/۴۷۴) میں کہا ہے: استحداد: موئے عانہ کی صفائی میں لوہا (استرا) استعمال کرنا۔ اور یہاں مراد ہے کہ جیسے اس کا ازالہ ہو جائے۔ نیل الاوطار (۱/۱۲۳) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ اعلم.

OOOOOOO

داڑھی رکھنا فرض ہے اور اسکی حد

۹۰ - سوال : داڑھی کا معاف کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اور جو کہتے ہیں کہ اسلام میں داڑھی کی کوئی حد نہیں۔ ٹوڑی پر جو کچھ بھی اُگے داڑھی ہے خواہ پوری ہو یا اسے کوئی کترتا ہو تو کیا اس کا کہنا صحیح ہے ؟۔ سائل: حافظ سعید محمد۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ :

داڑھی کا معاف کرنا فرض ہے، اسکی مخالفت وہی کرے گا جو شرع کے اصول و دلائل سے ناواقف ہو۔

اس معنیٰ میں نصوص بکثرت موجود ہیں۔

داڑھی کا منڈانا لوط علیہ السلام کی قوم میں تھا۔ اس امت کے فساق نے بھی انہی کی تابعداری کی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے قول کی تصدیق ہوتی ہے: ''تم اپنے سے پہلے امتوں کے طریقوں کے تابعداری کرو گے''۔ بعض معاصر ڈاکٹروں نے داڑھیاں بڑھانے پر دین کے عدم اہتمام کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن مسلمان انکی مزخرف باتوں سے دھوکہ نہیں کھاتا وہ اپنے نبی ﷺ کا ہی تابعدار رہتا ہے۔

داڑھی معاف کرنے کے دلائل بہت ہیں جنمیں بعض یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ ہارون علیہ السلام کے بات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

﴿ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَأْسِيْ ﴾ ۔(طٰہٰ:۹۴)

(اے میرے ماں جائے بھائی! میری داڑھی نہ پکڑ اور میرے سر کے بال نہ کھینچ''۔

یہ نبی ہیں انبیاء میں سے جو داڑھی کا اطلاق کر رہے ہے جو پکڑی جا سکتی ہے۔

۲- قول اللہ تعالیٰ :﴿ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾۔

(اور ان سے کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی بناتی ہوئی صورت بگاڑ دیں) (النساء:۱۱۹)

تو یہ نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اسکی تخلیق کو بدلنا شیطان کی اطاعت اور رحمٰن کی نافرمانی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں حسن کے لئے تبدیلی کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے تو اس میں حسن کیلئے داڑھی منڈانا بھی بلاشک حدیث مذکور لعنت میں داخل ہے، علت دونوں کی مشترک ہونے کی وجہ سے جیسے کہ ظاہر ہے۔ دیکھیں تمام المنہ ص(۷۸-۸۰)

۳- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے آپ نے فرمایا: [اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا

اللِّحٰی] (مونچھیں پست کرواور داڑھیاں معاف کرو) (بخاری ۸۷۵/۲) مسلم (۱۲۹/۱) نسائی (۱۰۳۹/۳)۔

اور بخاری مسلم کی ایک روایت میں ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے: [اِنْهَكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحٰی] (مونچھیں ختم کرواور داڑھیاں معاف کرو)۔

اور صحیح بخاری (۸۷۵/۲) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَوْفِرُوا اللِّحٰی وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ]

(مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں خوب کترو)

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج وعمرہ کرتے تھے تو اپنی داڑھی سے مٹھی بھرتے جو زائد ہوتی اسے لے لیتے، جو مونچھیں بڑھاتا ہے اور داڑھی منڈاتا ہے اس نے مشرکوں کی مشابہت کی۔

۴- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرمائی۔ (بخاری- المشکوۃ ۳۸۰/۲)

۵- ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحٰی خَالِفُوا الْمَجُوْسَ] (مونچھیں کترواور داڑھیاں لٹکاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو) (ابوعوانہ اور مسلم ۱۲۹/۱)

۶- عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (فطری خصائل دس ہیں: مونچھیں کترنا، داڑھی کا معاف کرنا، مسواک، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کترنا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، زیر ناف بال مونڈنا، استنجاء کرنا) الحدیث۔ (مسلم: ۱۲۹/۱) المشکاۃ (۴۴/۱)

رسول اللہ ﷺ نے داڑھی معاف کرنے کو فطرت قرار دیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ اصول میں یہ ثابت ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور: ٦٤)

(سنو! جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے)۔

اسکے اور بھی دلائل ہیں تو جو ان اوامر کو استحباب پر حمل کرتا ہے وہ نصوص اور اصول کی مخالف کرتا ہے۔

ان دلائل سے داڑھی معاف کرنے کی فرضیت بتاکید ثابت ہوتی ہے اور نبی ﷺ خود بھی اسی صفت سے موصوف تھے۔

بخاری و مسلم اور نسائی (۱۰۶۳/۳) میں روایت آئی ہے: "بَابُ اتِّخَاذِ الْجُمَّه" (جمہ بال رکھنے کا باب)

براء بن عازب ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ درمیانہ قد شخص تھے، سینہ چوڑا، گھنی داڑھی والے، سرخی

مائل، آپکے بال کانوں کی نرمی تک پہنچے ہوئے تھے، میں نے آپ کو سرخ سوٹ میں دیکھا، آپ ﷺ سے زیادہ حسین میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

آداب الزفاف ص(۱۳۵) میں تفصیل ملاحظہ کریں۔

امام احمد نے (۲۶۴/۵) میں روایت کیا ہے۔ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انصار کے کچھ لوگوں پر نکلے، انکی داڑھیاں سفید تھیں تو کہنے لگے: "اے انصار کی جماعت! سرخ یا زرد کرکے یہودیوں کی مخالفت کرو" تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ا اہل کتاب تو داڑھیاں کترتے اور موچھیں بڑھاتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَفِّرُوْا عَثَانِيْنَكُمْ وَقَصِّرُوْا سِبَالَكُمْ وَخَالِفُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ] "تم اپنی داڑھیاں گھنی کرو اور موچھیں کترو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو"۔ اسکی سند حسن ہے، ہیثمی نے المجمع (۱۳۱/۵) میں روایت کیا ہے۔

العثانین جمع ہے "عثنون" کی، داڑھی کو کہتے ہیں۔ اور سِبَالَكُمْ جمع ہے "سَبَلَة" حرکت کے ساتھ مونچھ کو کہتے ہیں۔ اسی طرح الصحیحہ (۱۴۹/۳) میں ہے۔

یہاں ایک اور مسئلہ ہے کہ مٹھی سے زائد داڑھی کا کترنا جائز ہے یا نہیں۔

تو ہم کہتے ہیں: اسمیں کچھ آثار آئے ہیں جو ذکر کیے جاتے ہیں:

اول: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ جب حج یا عمرہ کرتے تو داڑھی سے مٹھی بھر لیتے جو زائد ہوتی کتر لیتے"۔

(بخاری :۸۷۵/۲) ابوداود (۳۲۸/۱) بَابُ الْقَوْلِ عِنْدَ الْإِفْطَارِ، اور نسائی کتاب الصوم اور حاکم (۴۲۲/۱) اور دار قطنی اور امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ (۴۵۷/۲) میں متعدد سندوں سے ذکر کیا ہے۔

دوم: ابن ابی شیبہ کہتے ہیں: حدیث سنائی ہمیں ابواسامہ نے شعبہ سے وہ عمرو بن ایوب سے جریر کی اولاد سے وہ ابوزرعہ سے وہ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ داڑھی مٹھی میں پکڑ لیتے جو مٹھی سے زائد ہوتی لے لیتے تھے، ذکر کیا ہے۔ (ابن ابی شیبہ: ۳۷۴/۸) اسے نصب الرایہ میں ذکر کیا ہے پھر کہا ہے: ان آثار کا اشکال ہے حدیث (اعْفُوا اللُّحٰی) کے ساتھ اور وہ صحیحین میں ہے۔ زیلعی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ مرفوع کو لینا بہتر ہے۔

تیسری : جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم مونچھوں کو لمبا کرتے تھے مگر حج اور عمرہ میں۔ (ابوداود ۲۲۵/۲) اور سند اسکی ضعیف ہے۔

چوتھی:

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ساتھ اسی طرح کیا تھا جیسے کہ تحفۃ الاحوذی (۱۱/۴) میں ہے، پھر علماء کے اقوال ذکر کرتے ہوئے کہا ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ مٹھی سے زائد لیا جائے اور ابن عمر و عمر اور ابو ہریرہ کے آثار سے استدلال کرتا ہے تو یہ ضعیف ہے

کیونکہ معاف کرنے کی حدیثیں مرفوع اور صحیح ہیں جو ان آثار کی نفی کرتی ہیں پس یہ آثار استدلال کے قابل نہیں ہیں، جب یہ مرفوع صحیح حدیثیں موجود ہیں تو زیادہ سلامتی والا قول وہی ہے جو اعفاء کی حدیث کے ظاہر پر قول کرتا ہے اور داڑھی کے طول وعرض سے کترنا مکروہ سمجھتا ہے۔ واللہ اعلم.

صالح بن عثیمینؒ کہتے ہیں: ''اور جو تم نے بعض لوگوں سے سن رکھا ہے کہ داڑھی کترنی جائز ہے خصوصاً جب مٹھی بھر سے زائد ہو تو بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں مٹھی بھر سے زائد کے بارے میں اور کہتے ہیں: مٹھی سے زائد کا کترنا جائز ہے اور سند پکڑتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے جو بخاری میں ہے کہ وہ جب حج یا عمرہ کرتے تو مٹھی سے زائد اپنی داڑھی کتر لیتے تھے لیکن بہتر وہی ہے جس پر سابقہ احادیث کا عموم دلالت کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے کوئی حال مستثنیٰ نہیں کیا۔

اور صاحب درالمختار کا (۲۶۱/۵) میں یہ کہنا کہ ''داڑھی میں سفید بالوں کا نوچنا اور اطراف سے داڑھی کا کترنا کوئی حرج کی بات نہیں، سنت اس میں مٹھی بھر ہے اسی لئے داڑھی کا کاٹنا حرام ہے، تو یہ خطاء ہے۔

میں کہتا ہوں: سفید بال نوچنے کے بارے میں نہی گزر چکی کہ ''سفید بال مت اکھاڑو''۔ تو یہ مکروہ ہے جیسے کہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۱۲۰/۲۱) میں ہے۔

باقی رہا داڑھی کا کترنا تو یہ سنت نبویہ میں کہیں بھی نہیں ہے۔ تو اسے سنت نہیں کہنا چاہئے۔

ناخن کترنے کا مسنون طریقہ

۱۹۱ - سوال: کیا ناخن کترنے کی کیفیت سنت مطہرہ میں وارد ہے؟۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ:

ہاں، ناخن کترنا واجب ہے، اور اسکی کیفیت یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ سے شروع کرے اور پھر بائیں ہاتھ سے کیونکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جوتا پہننے، کنگھی کرنے، طہارت کرنے اور تمام اپنے کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا۔ (بخاری ومسلم)۔

اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین (۱۵/۱) میں ذکر کیا ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ چھوٹی انگلی سے شروع کرے، پھر درمیانی انگلی پھر انگوٹھا اور اسکے بعد چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی۔ پھر شہادت والی انگلی، اور بائیں ہاتھ میں پہلے انگوٹھا پھر درمیان والی انگلی پھر چھوٹی انگلی پھر شہادت والی انگلی پھر چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی تو ان کیفیات کی سنت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں۔

اور وہ حدیث جسے بعض نے ذکر کیا ہے: [مَنْ قَصَّ اَظْفَارَهُ مُخَالِفًا لَمْ يَرَ فِيْ عَيْنَيْهِ رَمَدًا]

(جومخالف سمت سے ناخن کترے تو اسکی آنکھیں دکھیں گی) بہت ہی ضعیف ہے۔

امام سخاویؒ کہتے ہیں: مجھے نہیں ملی، اور جیسے کہ موضوعات کبریٰ لعلی القاری ص(۷۴) اور المنار المنیف ص(۱۴۰) میں ہے کہ یہ قبیح ترین موضوعات میں سے ہے۔

اور المختارات الجلیہ ص(۴۳) میں ہے اور مخالف سمت سے ناخنوں کا کترنے کو انکا مستحب کہنا محل نظر ہے اور وہ اثر جو روایت کیا جاتا ہے" جس نے ناخن مخالف سمت میں کترے تو وہ آنکھوں کا دکھنا نہیں دیکھے گا" باطل ہے، اس پر شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، مستحب تو ہر چیز میں دائیں جانب سے شروع کرنا ہے جیسے حدیث سے ثابت ہے، سوائے گندی چیزوں کے"۔

امام شوکانیؒ نیل الاوطار (۱/۱۳۴) میں کہتے ہیں: "ناخنوں کا کترنا": یہ بھی بالاتفاق سنت ہے، تقلیم قلم سے باب تفعیل کا مصدر ہے اسکا معنی "کاٹنا" ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں: ہاتھوں کے ناخن کترنے پاؤں سے پہلے مستحب ہے تو دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے پھر درمیانی پھر چھوٹی انگلی کے ساتھ والی پھر چھوٹی انگلی پھر انگوٹھا اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے پھر ساتھ والی انگلی آخر تک پھر پاؤں کی طرف لوٹے اور دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرکے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔ الخ۔

نیل الاوطار پر تعلیق والا کہتا ہے: یہ محل نظر ہے کیونکہ استحباب حکم شرعی ہے جو بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں جس سے یہ نبی ﷺ کا فعل یا صحابہ کرام کا فعل ثابت ہو، سوائے اسکے کہ صرف دائیں طرف شروع کرنے کا محبوب ہونا آپ ﷺ سے وارد ہے اور اسی پر دل مطمئن ہوتا ہے، رہی مذکورہ طریقے پر انگلیوں کی ترتیب تو یہ انہی کا استحسان ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور اس سے پہلے یہ غزالی کہہ چکے ہیں اور ایک بے اصل حدیث ذکر کی ہے۔

وباللہ عزوجل التوفیق .

بچیوں کے ختنے کا حکم

۱۹۲ - سوال: ایک شخص فتوی دیتا ہے کہ عورتوں کے ختنے میں کچھ بھی ثابت نہیں بلکہ یہ بدعت ہے، نبی ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ بھی منقول نہیں، کیا یہ فتوی صحیح ہے؟۔ اخوکم: علی حیدر۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رب العالمین وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ أَمَّابَعْدُ:

مسلم کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسا فتویٰ دے جو وہ جانتا نہ ہو اور جو بغیر علم کے فتوی دے تو اسکا گناہ فتوی دینے والے پر ہوگا، مسلمانوں کے امور کے والیوں پر فرض ہے کہ ایسے مفتیوں کو منصب افتاء سے معزول کردیں۔ ائمہ اربعہ وغیرہ کے اتفاق سے عورتوں

کے ختنے کی مشروعیت ثابت ہے۔

اس باب میں متعدد حدیثیں آئی ہیں ہم تفصیل سے ذکر کرتے ہیں:

اول حدیث: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ] (جب تجاوز کر جائے ختنہ شدہ (عضو) دوسرے ختنہ شدہ (عضو) سے تو غسل فرض ہو گیا)۔

اور ایک روایت میں ہے: [إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ] (جب دو ختنہ شدہ (اعضاء) ملیں)۔

(بخاری: ۴۳/۱) مسلم (۱۵۶/۱) ابوداود، ترمذی (۳۴/۱)

شارحین کہتے ہیں: ختانان: ختان مرد کا اور عورت کا۔ مراد اس سے ہے کاٹی جانے والی جگہ ذکر سے ملے فرج عورت کی کاٹی جانے والی جگہ کے ساتھ۔

یہ حدیث صحیح واضح دلالت کرتی ہے اس مسئلے پر۔

دوسری حدیث: ام عطیہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت مدینے میں ختنہ کیا کرتی تھی تو اسے نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا تُنْهِكِيْ فَإِنَّ ذٰلِكِ أَحْظٰى لِلْمَرْأَةِ وَأَحَبُّ إِلَى الْبَعْلِ]

((کاٹنے میں) مبالغہ مت کر یہ عورت کیلئے زیادہ حظوظ آور ہے اور خاوند کو زیادہ محبوب ہے)

ابوداؤد (۳۶۸/۲) اور یہ حدیث کثرۃ شواہد کی وجہ سے صحیح ہے۔ اسے الشیخ نے الصحیحہ (۳۵۳/۲) میں ذکر کر کے کہا ہے: روایت کیا اسے دولابی (۱۲۲/۲) نے اور خطیب نے التاریخ (۳۲۷/۵) میں انس بن مالک ﷺ سے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ام عطیہ کو فرمایا: [إِذَا خَفَضْتِ فَأَشِمِّيْ وَلَا تُنْهِكِيْ، فَإِنَّهُ أَسْرٰى لِلْوَجْهِ وَأَحْظٰى لِلزَّوْجِ]

(جب تو (کاٹ کر) نیچے کرتی ہے تو آزمالے اور مبالغہ مت کر یہ چہرے میں گردش خون زیادہ کرنے والا اور خاوند کیلئے زیادہ حظوظ آور ہے) ہیثمی نے المجمع (۱۷۲/۵) میں کہا ہے: اور سند اسکی حسن ہے۔

ابونعیم نے تاریخ اصبہان (۲۴۵/۱) میں نکالا ہے انس سے دوسری سند کے ساتھ اور حاکم نے (۵۲۵/۳) میں نکالا ہے۔

تیسری حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: [اَلْخِتَانُ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ مَكْرُمَةٌ لِلنِّسَاءِ]

(ختنہ مردوں کیلئے سنت ہے اور عورتوں کیلئے باعث عزت ہے)۔

بیہقی (۳۲۴/۸-۳۲۵) موقوفا و مرفوعا۔

پھر کہا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے اور موقوف ہی محفوظ ہے۔

چوتھی حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ انصار عورتوں پر داخل ہوئے اور فرمایا: اے انصار کی جماعت! بھرپور مہندی لگاؤ، ختنے نیچے کرو اور مبالغہ مت کرو، یہ تمھاری بیویوں کیلئے زیادہ حظوظ آور ہے اور انعام کرنے والوں کی

ناشکری مت کرو"۔اسے بزار نے روایت کیا۔اسمیں مندل راوی ضعیف ہے،اسکی توثیق بھی کی گئی ہے۔باقی راوی ثقہ ہیں جیسے کہ المجمع (۱۷۱/۵) میں ہے، یہ شواہد میں کفایت کرتا ہے۔

پانچویں حدیث: حسن سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ عثمان بن ابی العاص کو کھانے کی دعوت دی گئی،انہیں کہا گیا آپ جانتے ہیں یہ کیا ہے؟ یہ لڑکی کا ختنہ ہے،انہوں نے کہا: یہ ختنہ (ختنے کی دعوت) ایسی چیز ہے جو ہم نے نبی ﷺ کے زمانہ میں نہیں دیکھی اور کھانے سے انکار کردیا۔

طبرانی کبیر (۱۰/۳) احمد (۲۱۷/۴) ہیثمی نے المجمع (۶۰/۴) میں ذکر کیا۔سند اسکی اچھی ہے دیکھیں الصحیحہ (۳۵۷/۲)

چھٹی حدیث: ام المہاجر سے روایت ہے: میں اور کچھ لڑکیاں روم سے قیدی بنیں،عثمان ﷺ نے ہم پر اسلام پیش کیا تو میرے اور ایک دوسری کے علاوہ باقی مسلمان نہیں ہوئیں۔تو عثمان ﷺ نے فرمایا:

[اِذْهَبُوْهُمَا فَاخْفِضُوْهُمَا وَطَهِّرُوْهُمَا فَكُنْتُ اَخْدِمُ عُثْمَانَ)

(انہیں لیجاؤ انکا خفض (ختنہ) کرواور انہیں پاک کرو،میں عثمان ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا)۔

اسے امام بخاری نے الادب المفرد برقم (۱۲۴۵،۱۲۴۹) میں روایت کیا ہے (بَابُ خَفْضِ الْمَرْأَةِ وَخِتَانُ الْاِمَاءِ)

ساتویں حدیث: ام علقمہ سے روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھتیجیوں کا ختنہ کیا گیا،تو عائشہ کو کہا گیا کیا ہم انکے لئے کسی کو نہ بلائیں جو انہیں مشغول کرے۔تو کہا: ہاں،عدی کو پیغام بھیجا وہ ان کے پاس آیا۔تو گھر میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر ہوا انہوں نے اسے دیکھا وہ گا رہا تھا اور مزے میں سر ہلا رہا تھا اور بہت بالوں والا تھا تو کہنے لگیں،اف یہ تو شیطان ہے نکالو اسے نکالو اسے۔ اسکی سند حسن ہونے کا احتمال ہے بلکہ یہ حسن حدیث ہے کیونکہ ام علقمہ کی العجلی اور ابن حبان نے توثیق کی ہے اور اس سے دو ثقہ روایت کرتے ہیں تو جہالت اسکی ختم ہو جاتی ہے۔وللہ الحمد والمنۃ۔

آٹھویں حدیث: علی ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہاجر سارہ کی تھیں تو انہوں نے ہاجر ابراہیم علیہ السلام کو دیدی اسماعیل اور اسحاق نے دوڑ کا مقابلہ کیا تو اسمٰعیل نے انہیں برا بھلا کہا اور ابراہیم علیہ السلام کی گود میں بیٹھ گئے،سارہ نے کہا: اللہ کی قسم میں تین اونچی چیزیں اسکی ضرور تبدیلی کرونگی تو ابراہیم علیہ السلام کو خوف ہوا،کہیں ناک کاٹ نہ ڈالے،یا کان چھید نہ دے،کہا: تو اپنی قسم پوری کرنے کیلئے کچھ کرتی نہیں؟ اسکی کان چیر دے اور اسکی خفاض (ختنہ) کرتو یہ پہلا خفاض تھا۔

امام ابن قیمؒ نے تحفۃ المودود ص (۱۳۱) میں کہا ہے کہ خفاض عورتوں کے لئے مستحب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

علی القاری مرقاۃ (۲۸۹/۸-۳۱۰-۳۱۱) میں کہتے ہیں: عورتوں کا ختنہ کرامت ہے اور خزانۃ الفتاوی میں ہے: "مردوں کا ختنہ سنت ہے" اور عورتوں کے ختنے میں اختلاف ہے ادب القاضی میں کہا ہے: مکروہ ہے اور دوسری جگہ سنت کہا ہے اور بعض علماء واجب کہتے ہیں اور بعض فرض کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ سنت ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

[اَلْخِتَانُ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ وَمَكْرُمَةٌ لِلنِّسَاءِ] (ختنہ مردوں کیلئے سنت اور عورتوں کیلئے عزت کا باعث ہے)

امام احمد نے ابوالملیح کے والد سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور طبرانی نے شداد بن اوسؓ سے روایت کیا ہے"۔

امام نووی "المجموع (۳۰۰/۱) میں کہتے ہیں: "ختنہ مردوں اور عورتوں کیلئے ہمارے نزدیک فرض ہے اور یہ اکثر سلف کا قول ہے اسی طرح خطابی نے بھی حکایت کیا ہے اور واجب کہنے والوں میں امام احمد بھی ہیں اور مالک اور ابوحنیفہ (مرد وعورت) سب کے لئے سنت کہتے ہیں۔ اور اسی طرح شرح مسلم (۱۲۸/۱) میں ہے دیکھیں نیل الاوطار (۱۳۸/۱)

شیخ الاسلام نے الفتاوی (۱۱۴/۲۱) میں کہا ہے: ان سے پوچھا گیا عورت کا ختنہ کیا جائے یا نہیں؟۔

تو جواب دیا: الحمد للہ: ہاں اس کا ختنہ کیا جائے اور اس کا ختنہ یہ ہے کہ اسکی وہ جلد جو مرغ کی کلغی کی سی ہے اوپر سے کاٹ دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے خافضہ (نیچے کرنے والی) سے کہا انداز سے کاٹ مبالغہ مت کر یہ چہرے کی خوبصورتی بڑھاتا ہے اور خاوند کیلئے حظوظ آور ہے۔ یعنی کاٹنے میں مبالغہ مت کر۔ اور یہ اسلئے کہ مرد کے ختنے سے مقصود سرذکر میں رکی ہوئی نجاست کی صفائی ہے اور عورت کے ختنے کا مقصد اسکی شہوت میں اعتدال پیدا کرنا ہے جب یہ (کلغی والی) بلا ختنہ ہوتی ہے سخت شہوت والی ہوتی ہے اس لئے گالی گلوچ میں کہا جاتا ہے: (يَا ابْنَ الْقَلْفَاءِ) (اے کلغی والی کے بیٹے) کلغی والی مردوں کی طرف بہت جھانکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تاتار اور فرنگی عورتوں میں بنسبت مسلمان عورتوں کے زنا زیادہ پایا جاتا ہے۔ اگر ختنے میں مبالغہ ہوجائے تو شہوت کمزور ہوجاتی ہے اور مرد کا مقصود کامل ہو نہیں پاتا۔ جب قطع بغیر مبالغے ہو تو مقصود میں اعتدال حاصل ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم.

تو عورتوں کے ختنے کا احادیث نبویہ اور اقوال ائمہ اور شرعی حکمتوں سے ناواقف ہی انکار کرسکتا ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين .

مونچھیں کترنا سنت ہے

۱۹۳ - سوال: مونچھوں کے بارے میں سنت کیا ہے؟ مونڈنا، نوچنا یا کترنا۔ ہمیں فتوی دیں۔ اللہ تمہیں اجر دے۔

جواب: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رب العالمين وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ أَمَّا بَعْدُ:

جان لو کہ احادیث میں مونچھوں کے بارے: (إِحْفَاء، جَزّ، قَصّ، اَلْأَخْذُ، نَهْك، حَلْق) کے الفاظ آئے ہیں۔

جیسے کہ بخاری (۸۷۵/۲) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰى] (ختم کرو مونچھوں کو اور معاف کرو داڑھیوں کو)۔

اوراسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں : [خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَفِّرُوا اللِّحٰى وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ] (مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں اچھی طرح مونڈو)

اوراسی طرح ابو ہریرہ ﷜ کی روایت لائے ہیں: ''فطری خصائل پانچ ہیں یا پانچ فطری خصائل میں سے ہیں: ختنہ، استرا استعمال کرنا، بغل کے بال اکھیڑنا، ناخن کترنا، اور مونچھیں کترنا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فطرت سے ہے زیر ناف بال مونڈنا، ناخن کترنا اور مونچھیں کترنا''۔

مسلم (۱/۲۹) میں لائے ہیں: ابو ہریرہ ﷜ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھیں کاٹو، داڑھیاں لٹکاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو''۔

مغیرہ بن شعبہ ﷜ سے روایت ہے ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کا مہمان بنا آپ نے پہلو کو بھوننے کا حکم دیا پھر چھری پکڑ کر اس سے کاٹنے شروع ہوئے پھر بلال نماز کی اطلاع دینے آئے چھری پھینک دی اور کہا اسے کیا ہوا اس کے ہاتھ خاک آلو ہوں۔ انکی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ پھر مجھے کہا کہ مسواک رکھکر تری مونچھیں کترتا ہوں یا فرمایا: مسواک رکھکر کترلے۔

(ترمذی ۲/۵) ابوداود (۱/۳۸) رقم (۱۸۷) طحاوی (۲/۳۰۷) المشکاۃ (۲/۳۶۷)

اوراحمد، نسائی اور ترمذی زید بن ارقم ﷜ سے لائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ لَّمْ يَاْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا] (جس نے مونچھیں نہ لیں وہ ہم میں سے نہیں)

''حلق'' کا لفظ صریحاً حدیث میں نہیں آیا ہے لیکن بعض اہل علم نے لفظ ''الاحفاء'' سے حلق مراد لیا ہے۔

پھر اہل علم نے ان حدیثوں کی وجہ سے اختلاف کیا ہے کہ مونڈنا افضل ہے یا کترنا؟

تو اکثر علماء کہتے ہیں ہے کہ احفاء افضل ہے اور احفاء کا معنی یہ ہے کہ ساری مونچھیں ختم کردے یہاں تک ہونٹ مونڈے ہوئے معلوم ہوں۔ انکے دلائل یہ ہے:

اول: احفاء کا لفظ صحیحین میں آیا ہے اور قص کا لفظ بھی احفاء پر حمل ہے۔

دوم: اکثر صحابہ احفاء کرتے تھے جیسے طحاوی نے (۲/۳۰۸) میں روایت کیا ہے، اسماعیل بن خالد سے کہ میں نے انس بن مالک اور واثلہ بن الاسقع کو دیکھا وہ مونچھیں صاف کرتے تھے اور داڑھیاں معاف کرتے تھے اور اسے پیلا رنگ دیتے تھے۔

اسماعیل کہتے ہیں: اور مجھے حدیث سنائی عثمان بن عبیداللہ بن رافع المدنی نے وہ کہتے ہیں: میں نے دیکھا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ابوسعید خدری، ابواسید الساعدی، رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، انس بن مالک اور سلمۃ بن الاکوع کو وہ اسی طرح

کرتے تھے۔

اور ایک روایت میں ہے: میں ابو سعید الخدری، ابو اسید، رافع بن خدیج، سہل بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) کو دیکھا وہ مونچھیں صاف کرتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ مونچھیں صاف کرتے تھے یہاں تک کہ جلد کی سفیدی دیکھی جاتی۔

عقبہ بن مسلم سے روایت ہے: میں نے کسی کو ابن عمر سے زیادہ مونچھیں صاف کرنے والا نہیں دیکھا۔ وہ اسے صاف کرتے تھے یہاں تک کہ جلد نظر آتی۔

تو یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی سنت کو لوگوں میں زیادہ جاننے والے ہیں یہ مونچھیں صاف کرتے تھے تو ثابت ہوتا ہے کہ مونچھوں میں سنت یہی ہے۔

امام مالک اور محققین کا مذہب ہے کہ کترنا افضل ہے وہ ان دلائل سے استدلال کرتے ہیں:

اول: کترنے کے دلائل صحیح اور بکثرت ہیں اور یہ (کترنا) احفاء نہیں ہے۔

دوم: وہ حدیث جسے ابوداؤد، ترمذی اور طحاوی نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا جس کا ذکر ابھی گزرا صریح دلیل ہے مونچھوں کو مسواک پر قینچی سے کترنے کی اور مسواک کو مونچھوں کے نیچے رکھنے کی۔ اور بزار عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لائے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا اسکی مونچھیں بڑھ چکی تھیں تو فرمایا: "میرے پاس قینچی اور مسواک لاؤ" تو مسواک اسکے کنارے پر رکھا اور جو (بال) اس سے آگے بڑھ رہے تھے اسے کتر دیا۔ جیسے کہ تحفۃ الاحوذی (۱۱/۴) میں ہے۔

تیسری: وہ حدیث جسے طبرانی نے الکبیر (۱/۴) میں نقل کیا ہے عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے کہ عمر ﷺ جب غصہ ہوتے تو اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے تھے اور پھونک مارتے تھے۔ اور سند اسکی صحیح ہے۔

چوتھی: شرحبیل بن مسلم الخولانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا وہ مونچھیں کترتے تھے۔

اور ایک روایت میں: (يَقُمُّوْنَ) لفظ آتا ہے اور داڑھیاں معاف کرتے اور زرد رنگ دیتے تھے۔

۱- ابوامامہ باہلی ۲- عبداللہ بن بسر ۳- عتبہ بن عبدالسلمی ۴- الحجاج بن عامر الشمالی ۶- المقدام بن معدیکرب الکندی۔ وہ مونچھوں کو ہونٹ کے کنارے پر کترتے تھے۔ (بیہقی: ۱۵۱/۱) مراجعہ کریں آداب الزفاف ص (۱۳۷)

اور یہ (الاحفاء) اور (النھك) کی تاویل ہونٹ کے کنارے پر کاٹنے سے کرتے ہیں جڑ سے کاٹنے پر نہیں۔

جیسے کہ امام نوویؒ نے المجموع (۲۸۷/۱) میں کہا ہے اور شرح مسلم (۱۲۹/۱) میں کہا ہے "(مونچھیں) کترنے کی حد میں افضل یہ ہے کہ جو ہونٹ کے کنارے پر ظاہر ہوں، جڑ سے کاٹنا نہیں اور جن روایتوں میں (اَحْفُوْا الشَّوَارِبَ)۔ آیا ہے اسکا معنی کترو جو

ہونٹ کے کنارے سے بڑھ جائیں۔

پانچویں: ایک حجام نے نبی ﷺ کی مونچھیں کتری تھیں۔

(ابن سعد ۱/۴۴۳-۴۴۹) کما فی تعلیق صحیح الجامع (۲/۱۱۱۳) رقم (۶۵۳۴)

اور امام مالک رحمہ اللہ (جڑوں) سے کترنے والوں کی تادیب فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مثلہ ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ مونچھوں کو صاف کرنے کو بدعت کہتے تھے لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "گویا (امام مالک رحمہ اللہ) نے "الاحفاء" جس کا حدیث میں حکم ہے کو کترنے پر حمل کیا ہے، مونڈھنے پر نہیں۔ اور انکا انکار حلق پر واقع ہے، احفاء پر نہیں، اور ان سے روایت کرنے میں غلطی کی جس نے ان سے مطلقاً احفاء کا رد نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں: امام بیہقی اشارہ کرتے ہیں کہ دونوں امر جائز ہیں اور یہی حق ہے جس کا ذکر ہم عنقریب کریں گے لیکن امام مالک کے قول کی انہوں نے جو تاویل کی ہے وہ انکی روایت کا ساتھ نہیں دیتی کہ وہ اسے مثلہ کہتے ہیں تو احفاء اور حلق مثلہ ہونے میں دونوں ایک ہیں۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ کترنا اور صاف کرنا دونوں جائز ہیں جبکہ کترنے کو صاف کرنے پر ترجیح حاصل ہے دو وجوہ سے:

پہلی وجہ: اولاً اسکے بارے میں دلائل بکثرت ہیں،

ثانیاً: مونچھوں کو شارب (پینے والا) اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پینے والے کے ساتھ پینے میں شریک ہوتے ہیں اور ہونٹوں سے تجاوز کرنے والے بال کتر لئے جائیں تو وہ پینے والی چیز میں نہیں لگتے۔

دوسری وجہ: کترنے میں زینت بھی باقی رہتی ہے اور اتباع سنت بھی ہے۔ اور یہ صاف کرنے میں نہیں اور اسکے ساتھ ہم صاف کرنے کو بھی جائز کہتے ہیں۔

اسی لئے تحفۃ الاحوذی (۴/۱۰) میں کہا ہے: "طبری احفاء اور قص میں اختیار کی طرف گئے ہیں اور کہتے ہیں: سنت سے دونوں امور پر دلالت ہوتی ہے قص بعض مونچھوں کو لینے پر دلالت کرتا ہے اور الاحفاء ساری مونچھوں کو لینے پر دلالت کرتا ہے اور دونوں ثابت ہیں تو جو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: احادیث مرفوعہ سے اکٹھے دونوں امور کے ثابت ہونے میں طبری کا قول راجح ہے۔ پھر اشارہ کیا ہے قص کے اختیار کرنے کو احفاء پر۔

مونچھوں کے معاف کرنے کے بارے میں اشہب کے جواب میں امام مالکؒ نے فرمایا: جب ان سے مونچھیں مونڈنے والے کے بارے میں پوچھا گیا: "میرے خیال میں اسے سخت سزا دینی چاہئے اور مونچھیں صاف کرنے والے کے بارے میں کہا: "یہ بدعت

لوگوں میں ظاہر ہوگئی ہے"۔ جیسے کہ فتح الباری (۱/۲۸۵-۱۸۶) میں ہے۔
فتاوی صالح العثیمین میں ہے: افضل مونچھوں کا کترنا ہے جیسے کہ سنت میں آیا ہے احفاء اس طرح کہ ہونٹوں کے قریب بال کتر دئے جائیں تا کہ ہونٹ ظاہر ہو جائے یا احفاء اس طرح کہ ساری مونچھیں کتر دے تا کہ صاف ہو جائیں۔
مونڈنا مونچھوں کا سنت نہیں، اور بعض کا اسے قیاس کرنا حج وعمرے میں سر کو مونڈنے پر تو یہ نص کے مقابلے میں قیاس ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔
اسی لئے امام مالک رحمہ اللہ نے مونڈنے کے بارے میں فرمایا: یہ بدعت ہے جو لوگوں میں ظاہر ہوگئی ہے، سنت سے جو ثابت ہو اس سے نکلنا مناسب نہیں۔ سنت کی تابعداری میں ہدایت، صلاح، سعادت اور فلاح ہے الخ۔
میں کہتا ہوں: یہ قیاس امام طحاوی نے معانی الآثار (۲/۲۰۸) میں ذکر کیا ہے۔
اگر آپ کہیں: کہ صحیح حدیث میں آیا ہے محمد بن عبداللہ بن یزید روایت کرتے ہیں سفیان بن عیینہ سے وہ زہری سے وہ سعید بن المسیب سے وہ ابو ہریرہ ﷜ سے مرفوعاً: "فطری خصائل پانچ ہیں اور اسمیں مونچھوں کا حلق ہے"۔
تو اسے آپ کیسے بدعت کہتے ہیں؟۔
تو ہم کہتے ہیں کہ ہم سنن النسائی الصغریٰ اور الکبریٰ دونوں میں کتاب الطہارۃ اور کتاب الفطرۃ والزینۃ میں خوب تلاش کیا ہمیں ان دونوں میں "حلق" کا لفظ نہیں ملا۔ یہ لفظ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱/۲۸۵) میں ذکر کیا ہے اور اسے نسائی کی طرف منسوب کیا ہے اور پھر اس کے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔
شاید اسکی وجہ نسائی کے نسخوں کا اختلاف ہو، اسکے بعض نسخوں میں "قص الشارب" اور بعض میں "تقصیر الشارب" ہے اور شاید کسی میں "حلق الشارب" ہو لیکن ہمارے مطبوعہ نسخوں میں نہیں پایا جاتا۔
اور الشیخ نے ارواء الغلیل (۱/۱۱۲ رقم: ۷۳) میں اس طرف اشارہ کیا ہے: اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ مونڈنا بدعت ہے جو لوگوں میں ظاہر ہوگئی ہے"۔ دیکھیں زاد المعاد (۱/۶۲)، نیل الاوطار (۱/۱۴۱) الموطأ (۷۱۲)
اور داڑھی منڈانے کی حرمت کے دلائل ص (۷۲)۔


وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

○○○○○○○

نچلے ہونٹ کے بال کترنا جائز نہیں

۱۹۴- سوال : کیا داڑھی بچہ کے بال کے اور مونچھیوں کے کناروں کے بال جائز ہیں؟ کیا چہرے کے بال نوچنے اور صاف کرنے جائز ہیں ؟۔اخوکم:عبدالسلام۔

جواب : ولا حول ولا قوة الا بالله.

(عَنفَقَه) داڑھی بچہ کے بال لینے جائز نہیں۔عنفقہ نچلے ہونٹ کے نیچے اکٹھے بالوں کو کہتے ہیں۔داڑھی بچہ کے آس پاس کے بال لینے بھی جائز نہیں اوراسی طرح چہرے اورکان کی سید میں رخسار کے بال لینے بھی جائز نہیں اور رخسار پر ابھری ہوئی ہڈی اور باقی رخسار کے بال اکھیڑنا جائز نہیں۔یہ سب داڑھی کا حصہ ہیں جیسے کہ لغت کے علماء نے تصریح کی ہے اور نبی ﷺ نے داڑھی کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے اوران سب میں سے کسی کا اکھاڑنا یا کترنا نبی ﷺ کے امر کی مخالفت ہے۔

اور نیل الاوطار کے حاشیہ (۱/۱۴۳) میں ہے:

”**فائدہ**:امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے چہرے کے بال صاف کرنے کے بارے میں پوچھا گیا: تو فرمایا:عورتوں کیلئے کوئی حرج نہیں اور مردوں کیلئے مکروہ سمجھتا ہوں۔

اور المجموع (۱/۲۹۱) میں ہے:”امام غزالی کہتے ہیں: داڑھی میں کمی کرنا اور زیادتی کرنا مکروہ ہے اسطرح کہ داڑھی کے ساتھ کنپٹی کے بال ملالئے جائیں۔یا جب سر مونڈے تو ساتھ داڑھی کے بال بھی کچھ مونڈ لئے جائیں۔اوراسی طرح داڑھی بچہ کے آس پاس کے بال نوچنا بھی مکروہ ہے انمیں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں: داڑھی کے نیچے حلق کے بال مونڈنے اور مٹھی سے زائد کترنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم (۱/۲۵۴) میں اور امام نووی المجموع (۱/۲۹۱) میں اور شرح مسلم (۱/۱۲۹) میں اور امام الشوکانی نیل الاوطار (۱/۱۴۳) میں کہتے ہیں:

داڑھی میں بارہ خصلتیں مکروہ ہیں انمیں بعض کراہت میں بعض سے زیادہ سخت ہیں:

۱-کالا خضاب لگانا۔

۲-گندھک وغیرہ سے جلدی سفید ریش بننے کیلئے داڑھی سفید کرنا تاکہ کبر سنی کا مظاہرہ کرکے ریاست حاصل کرسکے۔

۳-نئی نکلتی ہوئی داڑھی کو اکھیڑنا اور استرے سے اسکی تخفیف کرنا بن داڑھی پن کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے آپ کو بچہ اور خوبصورت

ظاہر کرنے کیلئے اور یہ سب سے زیادہ قبیح خصلت ہے۔

۴- داڑھی میں سے سفید بال اکھیڑنا۔

۵- بناوٹ اور زینت کیلئے اندازے سے زیادہ اسکی سیٹنگ کرنا تا کہ عورتوں وغیرہ کو اچھا لگے۔

۶- کمی بیشی کرنا۔

۷- داڑھی کو پراگندہ چھوڑنا تا کہ اپنے آپ کو زاہد اور بے پرواہ ظاہر کرے۔

۸- اسکو لٹکانے میں تصنع سے کام لینا۔

۹- خود پسندی کیلئے داڑھی کو دیکھتے رہنا، جوانی کے دھوکے سے یا بڑھاپے کے فخر سے۔

۱۰- داڑھی کو گرہ دینا جیسے کہ ابوداؤد میں رویفع بن ثابت کی جید الاسناد حدیث سے ثابت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے رویفع! شاید تیری زندگی لمبی ہو تو لوگوں کو یہ بتا دینا کہ جو داڑھی کو گرہ دیتا ہے، یا وتر (کمان کی تندی) کا قلادہ گلے میں ڈالتا ہے یا جانور کی لید یا ہڈی سے استنجاء کرتا ہے تو محمد ﷺ اس سے بیزار ہے۔

۱۱- داڑھی منڈانا، ہاں اگر عورت کی داڑھی نکلے تو اسے صاف کر سکتی ہے۔

۱۲- داڑھی کو زرد رنگ دینا اتباع سنت کیلئے نہیں اپنے آپ کو صالحین سے مشابہ کرنے کیلئے۔

۱۳- میں کہتا ہوں کہ ہر وقت داڑھی میں کنگھی کرتے رہنا بھی منع ہے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے:

[نُهِينَا عَنْ كَثِيرٍ مِنَ الْإِرْفَاهِ] (نسائی ۱۸۵/۸ رقم :۵۲۳۹)

(ہمیں زیادہ کنگھی کرنے سے منع کیا گیا ہے)۔

۱۴- ہر وضوء کے بعد کنگھی کرنا جیسے بعض صوفی کرتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ داڑھی کی شرعی اور لغوی لحاظ سے حد ہے جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ داڑھی کی حد یہاں تک ہے اور اسے لینا جائز نہیں۔

شاہ ولی اللہ الدهلوی مسائل اللحیہ ص (۲۹) میں کہتے ہیں کہ طوالت میں داڑھی کی حد داڑھی بچہ (نچلے ہونٹ کے بال) سے ٹوڑی کے نیچے تک اور عرض میں رخساروں کے بال یعنی چہرے کے دونوں طرف کے بال کنپٹی کے بالوں سمیت نچلے جبڑے کے نیچے تک کے بالوں تک یہ سب داڑھی ہی کہلاتی ہے۔

اور لسان العرب میں ہے: ابن سید کہتے ہیں: داڑھی رخساروں اور ٹوڑی پر اگنے والے بالوں کا جامع نام ہے۔

اور تاج العروس اور قاموس میں کہا ہے: داڑھی وہ ہے جو رخساروں اور ٹوڑی پر اُگیں اور یہ چہرے کے دونوں طرف اور ٹوڑی پر اگنے والے بالوں کا نام ہے۔

تو اس سے داڑھی کی طول وعرض میں حد معلوم ہو گئی۔

اسکا عرض چہرے کے دونوں طرف رخساروں اور کنپٹی کے بال ہیں نچلے جبڑے کے نیچے اُگے ہوئے بالوں تک۔ اور لمبائی اسکی داڑھی بچہ کے بالوں سے لیکر ٹوڑی کے نیچے تک اُگے ہوئے بالوں تک یہ سب لغت میں داڑھی ہے اور شریعت نے داڑھی کی حد بندی میں لغت کی موافقت کی ہے اور اسکی حدود میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ (وَفِّرُوا اللِّحٰی)۔ کہکر اسے بڑھانے اور جیسی اُگی ہے اسی حالت پر کچھ بھی زائل کئے بغیر باقی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اسکی خلقت میں کچھ بھی تبدیلی حرام ہے۔

تو اس بیان سے ثابت ہوا کہ جو مُتَفَقِّهَہ رخساروں کے بال لینے وغیرہ کو جائز کہتے ہیں انکا قول باطل ہے۔ جیسے تاتارخانیہ میں ہے۔ اور اسی طرح جو کترنے کو جائز سمجھتے ہیں مراجعہ کریں۔ (ادلۃ تحریم حلق الحلیہ ص: (۸۳)

اور مِبَسـالَیْن: اور یہ مونچھوں کے دونوں کناروں کو کہتے ہیں اسے چھوڑنے میں حرج نہیں جیسے کہ عمر رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔ اور انکے کترنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام بیہقی نے یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جیسے کہ ادلۃ تحریم اللحیہ ص (۴۷) میں ہے۔

هذا وبالله التوفيق.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

عطر لگانے کا مسنون طریقہ

۱۹۵- سوال: عطر کے استعمال میں سنت کیا ہے ؟ اَفْتُوْنَا مَاجُوْرِیْنَ۔

اخوکم: محمد عثمان۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا بالله.

صحیح بخاری (۸۷۸/۲) میں ثابت ہے انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ خوشبو رد نہیں فرماتے تھے۔ جیسے کہ المشکاۃ (۲۶۰/۱) میں ہے۔

اور مسلم نے اپنی صحیح (۲۳۹/۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تین چیزیں رد نہ کیجائیں: تکیے، تیل اور دودھ۔ اسکی سند حسن ہے اور تیل سے مراد خوشبو ہے۔

یہ ابوداؤد نے (۲۲۲/۲) میں اور احمد نے (۳۲/۲) میں نکالا ہے اور الصحیحہ (۱۸۳/۲) میں بھی ہے۔

اور حدیث میں ہے: "چار چیزیں رسولوں کی سنت میں سے ہیں: ۱- حیاء۔ ۲- عطر لگانا۔ ۳- مسواک کرنا۔ ۴- نکاح کرنا۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور المشکاۃ (۴۴/۱) میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عطر بہت لگایا کرتے تھے اور آپ عطر کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ رہی استعمال کی کیفیت تو یہ میں

نے کسی حدیث میں نہیں دیکھی سوائے اس حدیث کے جو مسلم (۳۷۸/۱) میں اور بخاری (۴۱/۱) میں آئی ہے۔"باب جو خوشبو لگا کر نہالے اور خوشبو کا اثر باقی رہ جائے"۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اور آپ احرام باندھے ہوئے تھے۔ اور امام بخاری (۸۷۷/۲) میں لائے ہیں اور کہا ہے: "باب ہے سر اور داڑھی میں خوشبو کا"۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں جو اچھی خوشبو ہمیں ملتی رسول اللہ ﷺ کو لگاتی اس خوشبو کی چمک آپکے سر اور داڑھی میں ہوتی۔

یہ احادیث دلالت کررہی ہیں کہ نبی ﷺ عطر سر اور داڑھی میں استعمال کرتے تھے اور امہات المومنین رضی اللہ عنھن سے ثابت ہے کہ وہ عطر کا استعمال اپنے رخساروں پر کرتی تھیں۔ جیسے کہ بخاری (۸۰۳/۲) میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت آئی ہے وہ کہتی ہے کہ "میں داخل ہوئی ام حبیبہ زوج النبی ﷺ پر جب انکے والد ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انہوں نے زرد رنگت والی خوشبو منگوائی خلوق تھی یا کوئی اور تو اس سے لڑکی کو لگایا پھر اپنے چہرے کے دونوں طرف مل لیا۔ الحدیث۔

اور امام بخاری نے (۸۷۷/۲) میں کہا ہے: "باب عورت کا اپنے خاوند کو اپنے ہاتھ سے خوشبو لگانا"۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاتھ سے خوشبو لگائی، احرام باندھتے وقت اور منیٰ میں طواف افاضہ سے پہلے۔

تو یہ احادیث استعمال عطر کی کیفیت پر دلالت کرتی ہے جس کیفیت سے آپ استعمال کرنا چاہیں اسکے جواز کے ساتھ۔ وباللہ التوفیق.

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

ختنے کے موقع پر دعوت مستحب نہیں

۱۹۶ - سوال: کیا ختنہ کے وقت دعوت مستحب ہے ؟۔ اخوکم: فضل وہاب۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

امام بخاریؒ الادب المفرد ص (۳۲۱) رقم (۱۲۴۶) میں ذکر کرتے ہیں: سالم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے میرا اور نعیم کا ختنہ کرایا اور مینڈھا ذبح کیا، میں اپنے آپ کو دیکھتا کہ بچوں پر اس بات سے خوشی کا اظہار کرتے تھے کہ ہم پر مینڈھا ذبح کیا گیا۔

اسکی سند ضعیف ہے اس میں عمر بن حمزہ کو یحییٰ، احمد اور نسائی نے ضعیف کہا ہے اور حافظ نے بھی ضعیف کہا ہے۔ اور مسلم نے اس راوی کے ساتھ احتجاج کیا ہے تو یہ اثر ضعیف ہونے کی وجہ سے استحباب پر دلالت نہیں کرتا۔

اور وہ حدیث جو حسن سے ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ عثمان بن ابی العاص کو کھانے کی دعوت دی گئی، پھر کسی نے کہا آپ جانتے ہیں کہ یہ کیسی دعوت ہے، یہ لڑکی کا ختنہ ہے تو انہوں نے کہا: ''یہ (یعنی ختنہ کی دعوت) ایسی چیز ہے جو نبی ﷺ کے زمانے میں ہم نے نہیں دیکھی''۔ اور کھانے سے انکار کر دیا۔ طبرانی نے کبیر (۳/۷) میں روایت کیا اور اسکی سند حسن ہے جیسے کہ الصحیحہ میں ہے۔ اور روایت کیا اسے احمد نے (۴/۲۱۷) اور اسکی سند جید ہے۔ جیسے کہ المجمع (۴/۶۰) میں ہے۔

تو اس حدیث سے دلالت ہوتی ہے کہ ختنہ کا کھانا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا۔ اس لئے ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی (۸/۱۱۷) میں کہا ہے: اور ختنہ کی دعوت دی جائے تو اس پر اسکا قبول کرنا نہیں ہے۔ ہاں اگر ولیمہ کی کسی کو دعوت دی جائے تو اس دعوت کو قبول کرنا سنت میں وارد ہے۔ متقدمین سے مراد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہیں جنکی اقتداء کی جاتی ہے۔ پھر عثمان کی حدیث ذکر کی جو ہم نے ابھی ذکر کی۔

اور الفتاوی (۲۲/۲۰۶) میں ہے: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے زواج کا کھانا، تعزیت کا کھانا، ختنہ کا کھانا، ولادت کا کھانا، انکے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے جواب دیا:

ولیمہ کا کھانا سنت ہے اور اسکی دعوت قبول کرنے کا حکم ہے اور کسی کے فوت ہونے کے موقع پر کھانا بدعت ہے اس کا کرنا اور اسکی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے، اور ختنہ کا ولیمہ جائز ہے جو کرنا چاہے کرے جو ترک کرنا چاہے ترک کرے۔ اسی طرح ولیمہ ولادت کا۔ ہاں اگر بچے کا عقیقہ کیا ہے تو عقیقہ سنت ہے اور اسی طرح فرمایا ہے: کہ ختنے کی دعوت صحابہ نہیں کرتے تھے اور یہ مباح ہے پھر علماء میں سے بعض نے اسے مکروہ کہا ہے اور بعض نے اسکی رخصت دی ہے۔

میں کہتا ہوں: ولادت کے کھانے کی کوئی دلیل نہیں اسلئے مستحب نہیں۔

وباللہ التوفیق. وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

کترے ہوئے ناخنوں کا پھینکنا یا دفن کرنا

۱۹۷ - سوال: کترے ہوئے ناخن اور مونڈھے ہوئے بال دفن کئے جائیں؟ یا دفنائے بغیر کہیں پھینک دئے جائیں؟۔

اخوکم: اسمٰعیل۔

جواب:: وَمِنْهُ الصِّدْقُ وَالصَّوَابُ.

ابن ابی حاتم نے (۲/۳۳۷) میں روایت کیا ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بال یا ناخن کترتے یا سنگی لگواتے تو انہیں بقیع میں بھیج کر دفن کروادیتے۔ ابن ابی حاتم نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔ اور ابوزرعہ سے پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا: حدیث باطل ہے، میرے پاس اسکی کوئی اصل نہیں۔ جیسے کہ السلسلہ (۱۴۹/۲ رقم: ۷۱۳) میں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ناخن، بال اور خون دفنادیا کرو یہ مردے ہیں''۔ روایت کیا اسے بیہقی نے (۲۳/۱) میں اور اسمیں عبداللہ بن عبدالعزیز ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں: یہ اپنے والد سے ایسی حدیثیں روایت کرتا ہے جن سے کوئی متابعت بھی نہیں کرتا۔ امام بیہقی کہتے ہیں: یہ سند ضعیف ہے۔

بال وناخن کو دفن کرنے کی روایتیں آئی ہیں لیکن انکی سندیں ضعیف ہیں۔

تو جائز ہے اگر آپ چاہیں کسی جگہ پھینک دیں، اور اگر احتراماً دفن کردیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ انسانی اجزاء ہیں اور انسان زندہ مردہ قابل احترام ہے۔

اور قاضی خان (۳۶۹/۲) میں ہے: دفن کرنا اچھا ہے اور اگر نہ دفن کرے تو کوئی حرج نہیں''۔

اور شرح مسلم للنووی (۲۰۴/۲) میں ہے: ''اپنے بال ناخن دفن کرے''۔

وباللہ التوفیق. وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

مصنوعی بال یا چوٹی کا استعمال

۱۹۸ - سوال: بالوں کے جوڑنے، مصنوعی بالوں کا استعمال کرنا اور دھاگے کی بنی چوٹیاں جو عورتیں بالوں میں باندھتی ہیں زینت کیلئے اور تاکہ بال نہ بکھریں تو ان کا کیا حکم ہے؟۔

جواب: و لا حول ولا قوۃ الا باللہ.

پہلے ہم احادیث ذکر کرتے ہیں پھر انکی روشنی میں جواب دیں گے:

صحیح بخاری (۸۷۹/۲) اور مسلم (۲۰۴/۲) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت آتی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی، گودھنے اور گدھوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

اور مسلم (۲۰۴/۲) میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت آتی ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میری بیٹی دلہن ہوئی ہے اور چیچک کی وجہ سے اسکی بال جھڑ گئے ہیں کیا میں بال جوڑدوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: [لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ]

(بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے)

اور ایک روایت میں ہے: میں نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی ہے اسکے سر کے بال جھڑ گئے ہیں اگر میں اسے بال جوڑ دوں تو اسکے شوہر کو اچھا لگے گا۔اے اللہ کے رسول! (ﷺ) تو آپ ﷺ نے اسے روک دیا۔

اور مسلم (۲/۲۰۵) میں حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان سے حج کے سال منبر پر سنا وہ غلام کے ہاتھ سے بالوں کا ایک چوٹلا پکڑے کہہ رہے تھے اے مدینے والو! تمھارے علماء کہاں ہیں ؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ اس جیسی چیز سے منع فرمایا کرتے تھے اور فرما رہے تھے جب بنی اسرائیل کی عورتوں نے یہ چیزیں بنالیں تو وہ ہلاک ہو گئے۔

تو ثابت ہوا کہ بالوں کو جوڑنا مطلقاً حرام ہے اور مصنوعی بال رکھنا بھی حرام ہے اسی لئے الشیخ نے الصحیحہ (۶/۳۴ برقم:۱۰۰۸) میں کہا ہے: "معاویہ ﷺ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس عورت نے اپنے بالوں میں غیر بال داخل کئے تو اس نے جھوٹ داخل کیا۔

(احمد)

جب یہ حکم ہے اس عورت کا جو اپنے بالوں میں غیر بال داخل کرتی ہے تو اس عورت کا کیا حکم ہوگا جو اپنے سر پر مستعار بالوں کی ٹوپی رکھتی ہے جسے آجکل (باروکہ) کہتے ہیں اور اسکے بعد اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو بعض مذاہب کی تقلید کرتے ہوئے مطلق یا مقید اس کی اباحت کا فتوی دیتا ہے اور اسے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔

اور هيئة كبار العلماء (۲/۸۵۲) میں ہے: "باروكه :(یعنی مصنوعی بال) حرام ہے۔اور یہ وصل میں داخل ہیں اگر وصل نہ بھی ہو تو یہ عورت کے بالوں کو اصل سے زیادہ لمبا ظاہر کرتے ہیں تو یہ وصل کے مشابہ ہوا اور نبی ﷺ نے جوڑنے اور جوڑوانے والی پر لعنت فرمائی ہے۔

لیکن اگر عورت کے سر پر سرے سے بال ہی نہ ہوں اور وہ گنجی ہو تو مصنوعی بالوں کے استعمال میں حرج نہیں کیونکہ یہ عیب چھپانا ہے اور عیوب کا ازالہ جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: ازالہ عیوب کا تب جائز ہو کہ نہی نہ ہو اور صحیح احادیث میں اس سے مطلقاً نہی ثابت ہے جیسے کہ ابھی اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری۔تو اس استثناء کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ امر نبی ﷺ کے خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت پر ہمارے علماء سے زیادہ شفیق ہیں انہوں نے مباح نہیں فرمایا بلکہ جوڑنے سے مطلقاً نہی فرمائی،تو ان مفتیوں کو کیا لگا ہے جو جواز کا فتوی دیتے ہیں۔یہ فتوی،فتوی دینے والے پر ہی رد کیا جائے گا۔

امام النووی شرح مسلم (۲/۲۰۴) میں کہتے ہیں: یہ احادیث بالوں کے جوڑنے کی حرمت میں اور مطلق جوڑنے جوڑوانے والیوں پر لعنت کرنے میں صریح ہیں۔یہی ظاہر اور افضل ہے اور ہمارے بعض اصحاب نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اپنے بالوں میں انسانی بال جوڑے ہیں تو بلا خلاف حرام ہیں خواہ وہ مرد کے بال ہوں یا عورت کے۔خواہ وہ محرم کے یا خاوند کے یا کسی اور کے بال

ہوں احادیث کے عموم کی وجہ سے اور اسلئے بھی کہ انسانی اجزاء سے بوجہ کرامت کے فائدہ اٹھانا حرام ہے بلکہ اسکے بال وناخن اور دیگر اجزاء دفن کیے جائیں۔

اور اگر غیر انسانی جوڑے ہیں تو اگر وہ مردار یا کسی ایسے جانور کے ہو، جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اور زندہ حالت میں اس سے اتار لئے گئے ہوں تو وہ پلید ہیں اور حدیث کی وجہ سے حرام ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ نماز یا غیر نماز میں قصداً نجاست اٹھانا ہے۔ اور ان دونوں انواع میں شادی شدہ غیر شادی شدہ مرد و عورت برابر ہیں۔

اگر بال غیر انسانی اور پاک ہوں تو اس عورت کے لئے حرام ہے جسکا خاوند یا مالک نہ ہو۔

اور اگر خاوند یا مالک ہو تو تین وجہیں ہیں :

اول وجہ: ظاہر احادیث کی وجہ سے حرام ہیں۔

دوسری وجہ: حرام نہیں، اور انکے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر خاوند یا مالک کی اجازت سے کرتی ہے تو کوئی حرج نہیں ورنہ حرام ہے۔

میں کہتا ہوں : پہلی وجہ صحیح ہے کیونکہ ان احادیث میں کوئی تفصیل نہیں اور اسکے ساتھ ہم جابر کی حدیث اس باب میں ذکر کرتے ہیں۔

پھر کہا ہے: قاضی عیاض کہتے ہیں: اس مسئلے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، مالک، طبری اور اکثر اس طرف گئے ہیں کہ جوڑنا کسی بھی چیز سے ممنوع ہے اور جوڑنے میں بال، اُون، کپڑا سب برابر ہیں۔ انہوں نے حجت بنایا ہے جابر کی حدیث کو جسے مسلم نے ذکر کیا ہے کہ: "نبی ﷺ نے عورت کا کسی بھی چیز کو جوڑنے سے ڈانٹا ہے"

اور لیث بن سعد کہتے ہیں: نہی بالوں کے ساتھ خاص ہے، اُون، کپڑا وغیرہ جوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے: یہ سب جائز ہیں۔

قاضی نے کہا ہے: ریشمی رنگ برنگے دھاگے وغیرہ جو بالوں کے مشابہ نہ ہو منع نہیں ہیں۔ یہ وصل نہیں اور نہ ہی یہ وصل کے مقصد کے معنی میں ہیں یہ تو حسن و جمال کے لئے ہیں اسے مرقاۃ (۸/۲۹۵) میں نقل کیا گیا ہے اور برقرار رکھا گیا ہے۔

اور مغنی (۱/۱۰۷) میں ہے: بالوں کے علاوہ کوئی چیز اس قدر کہ بالوں کو باندھا جا سکے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اسکی ضرورت پڑتی ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں۔

پھر کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ بالوں کو بالوں کے ساتھ جوڑنا حرام ہے کیونکہ یہ تدلیس ہے اور استعمال ایسی چیز کا ہے جسکے پاک یا پلید ہونے کا پتہ نہیں چلتا اور اسکے علاوہ حرام نہیں کیونکہ یہ معانی معدوم ہیں اور اسمیں مصلحت کا حصول ہے اور عورت کا اپنے شوہر کیلئے بغیر کسی نقصان کے اپنے آپ کو حسین بنانا ہے۔

اور ظاہر میرے نزدیک وہی ہے جو محمد بن صالح العثیمین نے فرائد الفوائد ص (۲۱۵) ذکر کیا ہے:

"**فائدہ**: اصحاب رحمہم اللہ ذکر کرتے ہیں کہ عورت کا بالوں کو غیر بالوں کے ساتھ جوڑنے میں حرج نہیں لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ نبی ﷺ کا قول: (لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ) میں عموم ہے اور اسکی تخصیص بلا دلیل ہے۔ اور اس عموم کی تائید اس حدیث سے ہوتی جو مسلم نے (۲/۲۰۵) میں كِتَابُ اللِّبَاسِ وَالزِّيْنَةِ بَابُ تَحْرِيْمِ فِعْلِ الْوَاصِلَةِ" میں جابر ؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کو بالوں کے ساتھ کچھ بھی جوڑنے سے ڈانٹا ہے۔

اور الترغیب والترهیب (۳/۱۲۲) میں ہے اور اسے بخاری و مسلم کی طرف منسوب کیا ہے کہ معاویہ ؓ نے ایک دن فرمایا: "تم نے بری عادت بنالی ہے اور نبی ﷺ نے جھوٹ سے منع فرمایا ہے"۔

قتادہ" کہتے ہیں: انکی مراد وہ کپڑے کی کترن تھی جو عورتیں اکثر بالوں میں لگاتیں تھیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک آدمی عصا لے کر آیا جس کے سرے پر کپڑے کی کترن تھی تو معاویہ ؓ نے فرمایا: "خبردار یہ زور (جھوٹ) ہے"۔

اور **وصل** کی مطلق تحریم امام احمد کی دو میں سے ایک روایت ہے۔ الآداب الشرعیہ (۳/۳۵۵) میں کہا ہے: "قَرَامِل (یعنی چوٹیوں) میں کوئی حرج نہیں۔ مروزیؒ کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ سے پوچھا اس عورت کے بارے میں جو اپنے سر میں چوٹی باندھتی ہے تو اسے مکروہ سمجھا، انہیں کہا کہ معمر عورت اگر چوٹی باندھے تو؟ اسکے لئے بھی رخصت نہیں۔

القرامل: وہ جو عورتیں اُون وغیرہ کی بنی بالوں میں باندھتی ہیں۔

اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن (۲/۲۲) میں ذکر کیا ہے "ابوداؤد کہتے ہیں: امام احمد کہا کرتے تھے کہ چوٹیوں میں کوئی حرج نہیں"۔ تو یہ امام احمد کی دوسری روایت ہے۔ مراجعہ کریں عون المعبود (۴/۱۲۸)

وباللہ التوفیق.

ختنہ کرانا فرض ہے

۱۹۹- سوال: ختنے کا کیا حکم ہے ؟۔ آدمی اگر مسلمان ہوجائے تو اسکا ختنہ کیا جائیگا؟۔ اخوکم عبداللہ۔

جواب: ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

ختنے کے بارے میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے اور اسکا ترک کرنا جائز نہیں۔ اور اسکے دلائل بہت سے ہیں جو یہ ہیں:

پہلی حدیث: عُثَیم بن کُلَیب سے روایت ہے وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے وہ کہنے لگے میں مسلمان ہوتا ہوں تو اسے نبی ﷺ نے فرمایا: [أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ] (اپنے آپ سے کفر کے بال دور کر) آپ ﷺ اسے بال مونڈنے کا کہہ رہے تھے اور دوسرے نے مجھے خبر دی کہ نبی ﷺ نے اسکے

ساتھ دوسرے کو کہا تھا: [اَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ] (کفر کے بال دور کر اور ختنہ کر)
(احمد ۳/۴۱۵) ابوداود (۱/۵۷) بیہقی (۱/۱۷۲) اور ذکر کیا حافظ نے (۴/۸۲) میں اور اسکی سند صحیح ہے۔
یہ امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔
دوسری حدیث : ابوھریرہ ﷛ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
[اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ : اَلْاِخْتِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ]
(فطری خصلتیں پانچ ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھیں کترنا، ناخن کترنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا)
بیہقی (۸/۳۲۳) مسلم نے بھی روایت کیا ہے، جو آگے گزر چکی۔
تیسری حدیث : علی ﷛ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تلوار کے دستے میں پڑی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی تحریر میں ہمیں ملتا ہے کہ اسلام میں غیر مختون کا جب تک ختنہ نہ کر دیا جائے نہ چھوڑا جائے اگر چہ اسی (۸۰) سالہ ہی کیوں نہ ہو۔ (بیہقی: ۸/۳۲۳)
چوتھی دلیل : اللہ تعالی کا قول: ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ (النحل: ۱۲۳)۔
(پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں)
اور ختنہ آپکی ملت سے ہے جیسے کہ ابوھریرہ ﷛ کی حدیث میں ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کے عمر ختنہ کیا اور ختنہ قدوم مقام پر کیا"۔ (بخاری)
اور یہ سب سے بہترین حجت ہے جیسے کہ امام بیہقی نے کہا اور حافظ نے (۱/۲۸۱) میں نقل کیا: ختنہ سب سے زیادہ ظاہر نشانی ہے جس سے مسلمان اور نصرانی میں فرق ہوتا ہے یہاں تک کہ غیر مختون کو قریب قریب مسلمان نہیں شمار کیا جاتا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غیر مختون کا ذبیحہ نہ کھایا جائے۔
اور علی ﷛ غیر مختون کی گواہی جائز نہیں سمجھتے تھے"۔ لیکن اسکی سند میں بڑا ضعف ہے۔
اور یہ جمہور اہل علم کا قول ہے اور بڑی عمر کے شخص کا بھی ختنہ کرایا جائے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ اسی سال بعد ہوا تھا لیکن اگر کمزور ہو اور جان تلف ہونے کا خطرہ ہو تو ترک کرنا جائز ہے۔ جیسے تحفۃ المودود میں ہے۔
اور امام ابن قیم رحمہ نے تحفۃ المودود ص (۱۱) میں ختنہ کے وجوب کی پندرہ وجہیں ذکر کی ہیں۔ تفصیل کیلئے اسکا اور تمام المنہ ص (۶۹) کا مراجعہ کریں۔

وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

اگر بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو تو ختنے کی جگہ استرا پھیرنا واجب نہیں

۲۰۰- سوال: جو بچہ ختنہ شدہ پیدا ہو تو کیا اس پر استرا پھیرنا واجب ہے ؟۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا باللہ.

امام ابن قیم رحمہ اللہ تحفۃ المودود ص (۱۳۴) میں کہتے ہیں:

بارھویں فصل ختنہ کے وجوب کو ساقط کرنے والے امور کے بارے میں۔

کچھ امور سے ختنہ کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے جو یہ ہیں:

(۱)-اگر کسی شخص کا پیدائشی طور پر پردہ (ذکر کے سر) پر نہ ہو تو اسے ختنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ چیز ہی پیدا نہیں ہوئی جسکا ختنہ کیا جاتا ہے اور یہ متفق علیہ ہے۔

لیکن متاخرین میں سے بعض نے کہا ہے کہ ختنہ کی جگہ پر استرا گزارنا مستحب ہے کیونکہ مامور بہ پر اسکی اتنی ہی قدرت ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ]

(جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرو)

(بخاری (۱۰۸۲/۲) مسلم فی الفضائل (۲۶۲/۲)

اور ختنہ میں واجب دو کام تھے۔ استرے کا پھیرنا اور کاٹنا جب کاٹنا ساقط ہو گیا ہے تو استرے لگانے کے استحباب سے پیچھے مت ہٹ۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، ایسے کاموں میں اللہ کی عبادت ہے نہ ہی اس کا تقرب اور شریعت ایسے عبث کاموں سے منزہ ہے کیونکہ یہ عبث ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں اور مقصود استرے کا پھیرنا نہیں بلکہ یہ فعل مقصود کا وسیلہ ہے جب مقصود ساقط ہو چکا ہے تو وسیلے میں کوئی معنی نہ رہا۔

اور اسکی نظیر ہے جو بعض نے کہا ہے کہ جس کے سر پر بال نہ اُگے ہوں تو اس کیلئے حج وعمرے میں استرا سر پر پھیر لینا مستحب ہے۔
اور اسی طرح اصحاب احمدؒ وغیرہ میں سے بعض کا کہنا کہ اگر کوئی قراءت نہ کر سکتا ہو اور نہ اسے کوئی ذکر مسنون یاد ہو یا وہ گونگا ہو تو وہ صرف زبان ہی ہلائے۔

ہمارے شیخ (شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ) کہتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے تو یہ زیادہ صحت کے قریب ہے۔ کیونکہ یہ عبث کام ہے اور عبث خشوع کے منافی ہے اور زائد عمل ہے جو مشروع نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو بغیر پردے کے پیدا ہوا ہے اسکا کوئی ختنہ نہیں، یہ تب ہے جب کہ پردہ سرے سے نہ ہو، اور اگر ذکر کا سر صرف ظاہر ہو اس طرح کہ پیشاب کا سوراخ

واضح ہے تو اسکا ختنہ کرانا ضروری ہے تاکہ سارا حشفہ (ذکر کا سر) ظاہر ہو جائے۔الخ۔

کیونکہ مرد کیلئے واجب ہے کہ وہ ساری جلد کاٹ لی جائے جس نے حشفہ کو ڈھانپ رکھا ہے تاکہ سارا حشفہ منکشف ہو جائے اور عورت کے لئے فرج کے اوپر جلد کا معمولی جزء کاٹنا واجب ہے۔اسی طرح شرح مسلم (۱۲۸/۱) میں ہے۔

اور جمہور کے نزدیک عورت کیلئے واجب نہیں بلکہ مستحب ہے جیسے پہلے بیان ہو چکا۔

اور **تحفة الاحوذی** (۸/۴) میں ہے،الماوردی کہتے ہیں: "مرد کا ختنہ یہ ہے کہ وہ جلد جس نے حشفے کو چھپا رکھا ہے کاٹا تاکہ جلد باقی نہ رہے اور اول حشفے سے جڑ سے پورا استیعاب کرنا ضروری ہے اور کم از کم اتنا کافی ہے کہ اتنی جلد بھی باقی نہ رہے جو حشفے کو ڈھانپے اور امام الحرمین کے نزدیک مردوں کے حق میں قلفے کو کاٹنا ہے۔یہ وہ جلد ہوتی ہے جس نے حشفہ کو ڈھانپ رکھا ہوتا ہے تاکہ جلد میں سے کچھ بھی لٹکی نہ رہے۔

اور ابن الصباغ کہتے ہیں: "یہاں تک کہ سارا حشفہ کھل جائے اور امام نے کہا ہے کہ عورت کے ختنہ میں اسی قدر مستحب ہے جس پر ختنہ کا نام بولا جا سکے۔

اور الماوردی کہتے ہیں کہ "اس کا ختنہ وہ جلد کاٹنا ہے جو مدخل ذکر سے اُوپر فرج کے اُوپر گٹھلی یا مرغ کی کلغی کے مانند ہوتی ہے اور واجب جلد کے اوپر کا حصہ کاٹنا ہے نہ کہ جڑ سے کاٹنا۔الخ۔

سرمہ لگانے کی سنیت

۲۰۱ – سوال : سرمہ لگانے میں سنت کیا ہے ؟۔(اخوکم: عطاء اللہ)۔

جواب: ولا حول ولا قوة الا باللہ.

انس ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: "(نبی ﷺ) اپنی دائیں آنکھ میں تین مرتبہ اور بائیں آنکھ میں دو مرتبہ سرمہ لگایا کرتے تھے"۔ طبقات ابن سعد (۴۸۴/۱) اخلاق النبی لابی الشیخ ص (۱۸۳) طبرانی کبیر (۱۹۹/۳) بزار،المجمع (۹۵/۵) الصحیحہ (۲۱۴/۲) رقم (۶۳۳) اور حدیث شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

اور امام ترمذی الشمائل (۴) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں،وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

[اكْتَحِلُوا بِالإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ]

(اثمد کا سرمہ استعمال کرو یہ نظر تیز کرتا اور پلکیں اُگاتا ہے)

اور وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ایک سرمہ دانی تھی جس سے ہر رات تین اس آنکھ میں اور تین اس آنکھ میں لگاتے تھے۔کتاب

اللباس برقم (۱۸۲۷) اور یہ المشکاۃ میں برقم (۴۴۷۲) (۳۸۳/۲) ہے۔

لیکن ان کا کہنا: (وَزَعَمَ النبی ﷺ) اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے تو حدیث متصل ہے اور اگر ترمذی کے استاذ محمد بن حمید کا ہے تو حدیث معضل ہے اس لئے شیخ نے ضعیف الترمذی میں کہا ہے: صحیح ہے سوائے اسکے کہنے "زعم" کے جیسے مختصر الشمائل رقم (۴۲) میں ہے۔

مراجعہ کریں تحفۃ الاحوذی (۶۰/۳)

اور اسکا شاہد ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ابوالشیخ سے "اخلاق النبی" میں سند اسکی ضعیف ہے۔

اور جمعہ کی رات کو سرمہ لگانے کیلئے خاص کرنا مسنون نہیں جیسے کہ بعض کا خیال ہے۔ بلکہ جب بھی ضرورت ہو سرمہ لگائے، رات ہو یا دن ہو۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ .

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

يوم الجمعه بعد العصر

۱۵/ ربیع الاول سنہ ۱۴۳۰ھ الموافق : ۱۳/ مارچ/ ۲۰۰۹ء۔

OOOOOOO

فتاوى الدين الخالص

پھلا جلد کا ترجمہ مکمل ھوا

فہرست موضوعات - فتاوی الدین الخالص - جلد اول

* * * * * *

